Urdu D 25-1-10

Title - DEEN-E DANISH.

Author - Mr. John Stuart Mill (maybe)

Publisher - Matba Rose Bazar (Amritsar).

Date - 1874 (maybe).

Pages - 8 + 11 + 504

Subjects -

CHECKED
Date ....

۲	۱۰	دمیہ	[illegible]				
״	۱۱	نامحسوس	نہ محسوس	۵۶	۱۰	سفید جانور	سفید جانور
״	۱۴	پایا نہین	پایا نہین جاتا	۶۱	۱۱	مجبور بتانا	مجبور بناتا
۳	۲۱	منحصر تھا	منحصر ہوتا	۶۴	۱۲	دندہ انقصاف	وہ انقصاف
۵	۶	نسبت تک اس	اور اس	۷۸	۵	بدلائل عقلی	دلائل عقلی
۱۳	۱۸	اور متعلق	اور مطلق	״	۱۹	اسی طرف	اسی کی طرف
۱۴	۱۴	انکو مناسنے	انکو سنانے	۹۱	۲۱	وحی ہو	وحی نہ ہو
۱۵	۱۵	تجسس	متجسس	۹۸	۶	کیسی	کسی
۱۶	۱۰	کس قدر	جس قدر	۱۰۳	۳	محل کا قاعدہ	عمل کا قاعدہ
״	۱۸	بھی چیزین	بہی چیزین	״	۴	سیپنگے	سیونگے
۱۸	۱	کا کہ	کا علم	۱۰۵	۱۶	شامل ہونا	شامل کرنا
۲۳	۱۷	کچہ تہذیب	کچہ عرصہ تہذیب	۱۱۰	۳	اسی طرح اپنی	اسی طرح ذرہ اپنی
۲۴	۳	اور الربیت	اور تربیت	۱۱۱	۱۹	بادی النظر	بادی النظر مین
۳۱	۱۲	عیاشیون	عیاشون	۱۱۵	۲	خاک ایک ذرہ	خاک کے ایک ذرے
۳۳	۱۰	اوگون	لوگون	۱۱۶	۱۵	اپنے درجات	انہی درجات
۳۴	۱۶	مناسب بہی	مناسب ہی	۱۱۷	۱	کرسکتے ہین گر	کرسکتے ہین - پس گناہ گار اور بارہا ور ہو
۳۵	۱۷	اوصاف کو	ان اوصاف کو				گروہ ہون ہین [illegible]
״	۲۰	استثنار	استنثار				ہین بہت [illegible]
۳۶	۳	پیدائش	پیدائشی	۱۲۰	۱۱	کر کچھ کہا	کہ جو کچھ کہا
۴۱	۱۸	اب فضول	ایسا فضول	۱۳۱	حاشیہ	جسم ارادی	جسم مین ارادی
۴۲	۱۹	حاصل کرتا	حاصل کرنا	۱۳۹	۳	ڈائیلٹیکل	ڈائلیکٹیکل
״	۲۰	دور ہوتا	دور ہوتا	۱۴۴	۱	کس طرح وجد	کسی طرح کے وجد
۴۴	۱۸	بڑے بڑے زور	بڑے زور	״	۱۵	کیون چسپان	کیونکر چسپان

صحیح	غلط	سطر	صفحہ	صحیح	غلط	سطر	صفحہ
اور اس طرح	اور اسی طرح	۱۰	"	بہ پیانہ ہوتا	[illegible]		
انکی بقا	ان کی بقا	۲۰	۲۲۱	دخل نہ دیا	داخل نہ دیا	۲	۱۶۶
بڑے کرہ تک	بڑے کوہ تک	۵	۲۲۲	نباتات سے	نباتات مین	۲	۱۶۸
اسی حد تک	اسی تک	۱	۲۲۵	دریائی سیلاب	دریائی معنون	۹	۱۷۰
وہی اوصاف	اوہی اوصاف	۵	۲۲۸	اس مین نہایت	ان مین نہایت	۱۵	۱۷۵
مین انقلاب	مین انق	۱	۲۲۹	تجربہ بھی	تجربہ ہی	۴	۱۷۹
سے ہیبت ہونا	سے ہست	۳	"	ہلا سکتی ہین	ہو سکتی ہے	۶	۱۸۱
چیزون کو دیکھا	چیزون کو	۵	"	حیوان کی	انسان کی	۳	۱۸۶
بڑے بڑے عقلا	بڑے بڑے	۶	"	کہ انسان	لہ انسان	۳	۱۸۸
خاکی جسم بیداری	خاکی بیداری	۱۸	۲۳۳	یہ عالی ہمتی	با علی ہمتی	۲	۲۰۱
مین عالم	مین یعنی عالم	۱۸	۲۳۵	کام عالی ہمتی	کام اعلے ہمتی	۴	۲۰۲
قدیم سے ہر زمانہ	قدیم سے ہر زمانہ	۱۱	۲۳۸	اس قسم کی	اسی قسم کی	۱۶	"
آتا کہ قاضی	آتا کہ سکو قاضی	۱۶	۲۴۲	اسلئے نہ بھی	اسی لیئے نہ ہی	۴	۲۰۴
عکس اور سایہ	عکس سایہ	۴	۲۴۳	پس	اس لئے	۷	"
اضداد کے باہم دگر	اضداد باہم گر	۳	۲۴۴	قاعدے سے کبھی	قاعدے کبھی	۵	۲۰۵
حال مین انکا	حال آن کا	۷	"	یہ حلقے ہی	یہ حلقے بھی	۱۰	۲۰۶
مگر یہ فضا	مگر فضا	۱۵	۲۵۱	امریکہ مین بلکہ تمام	امریکہ مین تمام	۵	۲۰۸
اپنے آگئے	آپ پنے ہوگئے	۶	۲۵۲	سوال ہوگا ×	اور اگر سائنس کو یہ پوچھو	۱۳	"
اور بعد بت	اور بعد میت	۱۱	۲۵۳	تجربے سے دیکھتا	تجربہ ہی دیکھتا	۱۵	۲۱۰
کے معدوم	کے ہم معدوم	۱۷	"	یا بعض انسانون	یا انسانون	۵	۲۱۳
کا تصور	کا فرض تصور	۲۰	"	عقل انسانی	عقل انسان	۱۷	"
[illegible]	مین اسوقت قابل	۸	۲۵۵	ہوتی ہے کہ	ہوتی کہ	۵	۲۱۵

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	غلط	صواب
۲۵۷	۴	وجود ٹھہرایا	وجود بیہ ٹھہرایا	۳۴۷	۱۷	بالکل اور	اور بالکل
۲۶۵	۱۱	اس غیر محدود	اسکا غیر محدود	۳۵۱	۲	کاش میں میں	کاوش مین
۲۷۸	۱۹	وہی خداوندی	وہی ذات خداوندی	۳۵۴	۵	عمل سے نفرت کے	نفرت کے عمل سے
۲۸۷	۱۳	نکل جانیوالے	نکلے جانیوالے	۳۵۵	۱۲	یا تو یہ	یا تو یہ
۲۹۰	۲۱	اگر نور	اگرچہ نور	۳۵۷	۶	صداقت ہو قریب	صداقت سے قریب
۲۹۱	۱۴	جہالت اگر برائی	جہالت برائی	″	۱۵	اور اپنے	اور اپنے
۲۹۲	۱۹	مین عود ذات	مین خود ذات	۳۸۰	۱	سے بے سود	سے اسے بے سود
۲۹۳	۱۰	معدوم کر دیا	جاری کر دیا	″	۱۴	گیا تھا اگر	گیا تھا تو ظلم ہوتا اگر
۳۰۲	۱۰	خط پر نہ آیا	خط پر کبوتر نہ آیا	۳۹۷	۷	اور چونکہ	وہ چونکہ
۳۰۵	۴	ہمارا یہی فرض	ہمارا یہی فرض	۴۰۵	۸	یہی ما اجتناب	یہی کہ اجتناب
۳۰۷	۱۱	کافر اور	کافرین اور	″	۲۱	اور پائدار	اور زیادہ پائدار
۳۰۹	۱۱	جس پیڑ کی	جس چیز کی	۴۰۷	۷	شہادت کے نہ ہونے	شہادت نہ ہونے
۳۱۱	۲۱	کفر ہی کی	کفر کی	″	۲۱	مین یہی استدلال	مین یہی استدلال
۳۱۲	۲۰	ان پر باتیں	ان سے باتیں	۴۰۹	۷	لطف اٹھاسے	لطف اٹھائے
۳۱۳	۸	نہیں اور	نہیں رہتا اور	۴۱۵	۱	لوازم صحبت	لوازم صحت
۳۲۵	۴ سے	توجیہ پیدا ہونیکو	توجہ پیدا ہونے کو	۴۲۴	۲۲	اڈورڈ کلاسکی	اڈورڈ کلاڈکی
۳۲۷	۱۳	برابر جو	برابر ہے جو	۴۲۵	۴	اپنی دونو	انہی دونو
۳۲۹	۱۴	اس سے	اس مین سے	″	۱۸	خوراک و شکل	خوراک کی شکل
۳۳۲	۲	اپنی محبت	اپنی حجت	۴۲۶	۱۲	سائنس اپنا	سائنس نے اپنا
″	۱۰	محبت کامل	حجت کامل	۴۳۱	۳	جانے قوت	جاننے والی قوت
۳۳۶	۲۱	کا دیڑھ ہے	کا دائرہ ہے	۴۳۲	۱۹	ایزاد و تنزل	ایزاد و تنزل
۳۳۹	۴	ایسا ہونا ضرور	ایسا ہونا ضرور	۴۳۵	۱۱	زمانے سے زیادہ	زمانے مین زیادہ
۳۴۵	۵	وَسِعَتْ	وَسِعَتْ	۴۳۹	۴	مادی کی طرف	مادی ترقی کی طرف
″	۱۷	اوراتے کی	اور رات کی	۴۴۰	۸	سمجھتا ہے	سمجھا جاتا ہے

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۴۴۰	۱۴	توسے اور	قوی اور
۴۴۳	۴	ایک مکمل	ایک نامکمل
۴۴۴	۱۱	مِنْ قَرَآئِہٖ	وَّمِنْ وَّرَآئِہٖ
۴۵۱	۵	ماننے والے	ماننے والوں
۴۵۴	۱۵	اعتراض جو	اعتراض ہے جو
۴۵۶	۱۵	کے لئے ہی کہیں	کے لیے بھی کہیں
"	۲۱	کوئی اور اعلے	کسی اور اعلےٰ
۴۵۷	۸	بہت کم زور	بہت کچھ زور
۴۵۸	۱۱	حادث کی	حادث ہونگی
۴۵۹	۶	انسان میں ابتداء	انسان بھی ابتداء
"	۱۹	اجسام رکھی	اجسام میں رکھی
۴۶۴	۱۷	اگر دیکھتے	اگرچہ دیکھنے
۴۶۵	۱۴	اُٹھاتا ہے	تمنا اُٹھتا ہے
۴۶۸	۲۱	ثبوت کا تناسخ	ثبوت تناسخ
"	"	علاوہ ان جن	علاوہ اور جن
۴۶۹	۱۱	چاہیے اُن کا	چاہیے اُس کا
۴۷۳	۱۱	روح بھی وہ	روح بھی وہی
۴۷۴	۱۹	حواس وگرفت	حواس کی گرفت
۴۷۸	۶	ہر وقت	بر وقت

صفحہ	سطر	خطا	صواب
۴۷۸	۶	بڑی برتری	بڑی ابدتری
"	۱۰	حالات قوانین پر	حالات پر قوانین
۴۷۹	۱۳	اُٹھا سفیر	اُٹھا سفیر
"	۲۰	ٹھیک دہان	ٹھیک وزن
۴۸۰	۱۱	جاندار ہیں	جاندار میں
۴۸۱	۵	کرنے لگتی ہے	کرنے لگتی ہیں
"	۸	متفرقہ خارجی	متفرقہ پر خارجی
۴۸۲	۱	انکی حرارت	انکی حرکت
۴۸۶	۱۲	معرفت بانی	معرفت ربانی
۴۹۰	۹	مال و تہذیب	مال تہذیب
۴۹۱	۲۰	حسن وسلوک	حسن سلوک
۴۹۷	۳	بہن نہیں سکتا	بن نہیں سکتا
"	۱۶	ان خیال اس	اس خیال سے اس
"	۱۸	حاصل کرنے	حاصل کرنا

فقط

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

باب پنجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدینا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدینا اللہ ۵ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ۵ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ۵ والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ۵

فی زمانہ قوم مین ایک طرف ایسے لوگ موجود ہین جو مذہبی بحث و تکرار کو غیر ضروری تصور کرتے ہین تو دوسری جانب ایک گروہ نہ صرف اصول مذہب ہین بلکہ اسکے فروعی مسائل مین بھی رد و قدح کا حد سے زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ اور ایک اور فرقہ فرعی بحث کو غیر ضروری جانتا ہے مگر ضرورت محسوس کرتا ہے کہ جس طرح ایک زمانہ مین فلسفی علوم کی اشاعت پر حمایت مذہب مین علم کلام ایجاد ہوا تھا اب جدید طرز استدلال اور تازہ علمی انکشافون کے اثر سے جو غلط فہمی مسلمات مذہب مین پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک کرنے کیلئے جدید علم کلام مرتب ہونا چاہئے "

میرے دل پر پہلے فریق کا خیال اثر نہین کرتا اور اسکی پہلی وجہ شاید یہ ہے کہ مین مذہب کو ایسا ضروری سمجھتا ہون کہ اس پر کاربند ہونا نوع انسانی کیلئے سب فنون مدون سے بڑھ کر مفید ہے

اور اسکو ترک کرنا سب مضرتون سے زیادہ مضر اور اس لیئے میرے نزدیک تم سب کو ایسا ضروری سمجھنے والون کا اخلاقی فرض ہے یا بالفاظ دیگر وہ مجبور ہین کہ ایسے حقیقی فائدے اور ایسے ضروری نقصان سے جو لوگ چشم پوشی کرتے ہین انہین کسی نہ کسی طرح آگاہ کرین اور ان لوگون کی پاس خاطر سے جو اس گفتگو کو لاطائل سمجھتے ہین اپنی یقین کی آنکھون سے لوگون کو کنوئین مین گرتے دیکھ کر خاموش نہ رہین ؛

بلکہ اس بارہ مین میرے نزدیک اصول و فروع کی بھی حدبندی نہین ہوسکتی کیونکہ جو مسئلہ ایک کے نزدیک فروع مین داخل ہے اور زیادہ مہتم بالشان نہین ممکن ہے کہ دوسرے کے نزدیک وہی اصل الاصول ہو یا کوئی شخص اسے فرعی سمجھ کر بھی ایسا مہتم بالشان سمجھتا ہو کہ اس کو ترک کرنے سے اصول قائم نہین رہ سکتے اور انجام ہلاکت پر ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص بالفرض یقین رکھتا ہو کہ روزانہ صبح کو غسل نہ کرنے سے انسان کافر اور دائمی عذاب کا مستحق ٹھیرتا ہے تو خواہ واقع مین ایسا اصرار غلط ہو مگر وہ شخص صدق دل سے ایسا عقیدہ رکھنے کے سبب مجبور ہے کہ اپنے بھائیون کو انکی غلطی پر متنبہ کرے ۔ اور وہ اس عقیدہ کو مناسب طور پر پیش کرے تو کسی کو حق نہین کہ اس پر چیں بہ جبین ہو ؛

یہ تو وہ وجہ ہے جس سے مین مذہبی بحث و تکرار کو ضروری سمجھتا ہون لیکن اگر ایک لحظے کیلئے اپنے اور اپنے ہمخیالون کے خیال سے قطع نظر کرون تب بھی اس واقعہ کو تو کسی طرح آنکھون کے سامنے سے دور نہین کر سکتا کہ مذہب کے بارہ مین دنیا کے اہل الرائے کا اختلاف موجود ہے ۔ پس ایک طرف سے اسکے فضول ہونے اور دوسری طرف سے ضروری ہونیکا اصرار دیکھ کر جو شخص اپنے خیال سے قطع نظر کر سکتا ہے وہ صرف تذبذب ہونیکی ڈگری پا سکتا ہے اور اب اسے دیکھنا چاہیئے کہ اس تذبذب کو دور کرنے کیلئے دنیا کے اور اختلافون مین کیا تدبیر مفید ہوتی ہے ۔ دنیا مین علمی اور ملکی اور تمدنی معاملات مین بے انتہا اختلاف موجود ہین اور ہوتے رہتے ہین اور اگر ان سب مین بحث و تکرار کو بند کر دیا جائے اور کوئی شخص کسی خیال کو بہتر سمجھ کر ظاہر کرنیکا

مرتکب نہ ہو تو کسی رائے کی غلطی اور کسی اور رائے کی صحت بھی معلوم نہ ہو گی اور دنیا جس حالت میں ہے اس سے ترقی نہ کریگی - مگر یہ نتیجہ یقینیاً کسی عاقل کو گوارا نہ ہو گا اور بیشک سب کے نزدیک یہی مناسب ہو گا کہ ہر شخص کی رائے مع اسکی دلائل کے دیکھی جائے اور باہمی مقابلہ و تطبیق سے سقم و صحت کا فیصلہ ہو - اور مقابلہ و تطبیق کی غرض اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جو خیالات فی الواقع صحیح ہیں انکے ساتھ وہ خیالات بھی معرض بحث میں آئیں جن کو بعد میں غلط ہونیکا فتوی دیا جائیگا - اس لیئے سقم و صحت کا فیصلہ کرنے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لانیکے لیئے جو کام صحیح خیالات سے نکلتا ہے وہی خدمت غلط خیالات اپنی بحث و تکرار سے بجا لاتے ہیں اور دنیا کے تمام معاملات غلطی اور صحت کی اسی جد و جہد سے صفائی کے قریب آتے ہیں - اور جب یہ صورت ہے تو مذہبی اختلاف میں جو فی الواقع دنیا میں موجود ہے مذہبی بحث و تکرار ان لوگوں کیطرف سے جو مذہب کو ضروری سمجھتے ہیں یا انکی طرف سے جو مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں اگر انکا خیال غلط ہو تب بھی غیر ضروری نہیں ہو سکتا - بلکہ انسان کی مختلف ترقیوں میں سے ایک ترقی کا رستہ صاف کرنے کی خدمت ادا کرتا ہے اور اسلئے مفید ہے ✣

غرض میرے نزدیک اہل مذہب کا اپنے خیالات کو شائع کرنا اور جن امور پر وہ سب سے بڑے سود و زیان کو مرتب سمجھتے ہیں اُن کو ہر نوع کے کانون تک پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہنا کسی طرح غیر مفید اور قابل تحقیر نہیں - البتہ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی کسی کوشش میں حد مناسب سے تجاوز کرنا اور بداخلاقی و فتنہ انگیزی سے کام لینا مفید نہیں ہوتا - بلکہ اکثر اوقات کسی صحیح مسالہ پر نامناسب زور دینے سے اُلٹا اثر ہوتا ہے اور اس فعل سے مخالف کو جو رنج و غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اسکو صداقت کے قریب نہیں آنے دیتا اور غلطی پر اور اصرار کرنے کا محرک ہوتا ہے - بعض لوگ ملکی صنعت کو رواج دینا چاہتے ہیں جو واقع میں شریفانہ خیال ہے مگر لوگوں سے منوانے کیلئے غیر ملکی چیز جسکے پاس دیکھتے ہیں چھین کے جلا دیتے ہیں اور خریدنے والیکو ایذا پہنچاتے ہیں یا بعض لوگ حکام سے ملکی حقوق منوانے چاہتے ہیں اور اس غرض

کیلئے حاکم کے کارندون اور دیگر ہیگناہون کو تیر و تفنگ اور دشنام و لعنت کا نشانہ بناتے ہین
ان افعال سے دعوی کی صداقت کو کوئی تعلق نہین اور جو لوگ اس دعوی کو نہین مانتے اگر
وہ غلطی پہ ہون تو انکی غلطی ثابت نہین ہوسکتی - بلکہ تکلیف اور فساد سے متاثر ہو کر مخالفون کو تدبیر کے
ساتھ تدبیر پیدا کرنے والے خیال کو اور زیادہ غلط سمجھنے کی ترغیب ہوتی ہے اور جو لوگ قوت رکھتے
ہین وہ اس خیال کو دبانے کی پہلے سے زیادہ کوشش کرنے لگتے ہین اور وہ فساد پھیلتا ہے
جس کا انجام ضعف و قوت کی لڑائی مین خواہ کسی فریق کے موافق ہو مگر غلط رائے کی غلطی اور صحیح
کی صحت ثابت ہونیکا نتیجہ ایسی کوشش پر کبھی مرتب نہین ہوتا اور اگر کسی خیال کو مقبول بنانا ہے
تو اسکی صرف یہی سبیل ہے کہ متانت اور تہذیب کے ساتھ رائے اور اسکے دلائل پیش کیجائین ؀

یہی کیفیت مذہبی بحث و تکرار کی ہے - آجکل جبر و تشدد اور مار پیٹ کا دور اب سے
بہت دور رہگیا ہے اور ترقی تہذیب نے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا سبق لوگون کو یاد کروا دیا ہے
مگر تہذیب و متانت کے استعمال مین ابھی بہت زیادہ اہتمام درکار ہے - اگر ہم غیر مذہب کے مقتداؤن
کا ذکر بے ادبی سے کرین - مخالف کا نام ذلت سے لین - اصل مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی بجائے شخصی
عیوب کو فخر سے دہرائین - کتاب کا نام ایسا تجویز کرین جس سے نفرت و عداوت کا اظہار ہو بلکہ اگر
مخالف کے خیال کو حماقت اور جہالت وغیرہ غضب انگیز نامون سے یاد کرین تو ظاہر ہے کہ ان تمام
افعال سے نفرت اور ملال بلکہ غصہ اور عداوت کو تحریک ہوگی اور جس وقت قلب کی یہ کیفیت ہو راستی
پسندی اور نصفت شعاری کی صفت دور ہو جاتی ہے اسلئے وہ صداقت جسکو ہمنے غیر مہذب
کلام مین مخالف کے سامنے پیش کیا ہے اسکو قریب لانے کی بجائے اور زیادہ دور کرنیکا باعث ہوگی
اور اسلئے ایسی مذہبی بحث و تکرار جسمین تہذیب سے چشم پوشی کیگئی ہے کسی طرح مفید نہین اور انسانی ترقی
کیلئے وہی بحث و تکرار ضروری اور مفید ہے جسمین ملال انگیز طرز ادا سے بالکل اجتناب کیا جائے اور
نہایت مہذب طریق سے محض نفس مطلب کو ظاہر کرنے پر اکتفا ہو - چنانچہ اسلام اسی قسم کی تہذیب
کو فرض گردانتا ہے بلکہ جو لوگ بدی سے پیش آئین انکو بھی تہذیب کے ساتھ جواب دینے کی ہدایت

کرتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو تمہارے دشمن ہیں وہ بھی دوست ہو جائینگے * ارشاد ہے

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل پ ۱۴ ع ۱۶)	اپنے خدا کے رستہ کیطرف دانائی اور نیک نصیحت سے بلاؤ اور وہ بحث کرو جو بہتر ہو۔
فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۱۲)	پس تم دونو (موسیٰ ہارون) اُسسے نرم بات کہو شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے۔
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ (مومنون پارہ ۱۸ ع ۶)	بدی کا ایسی تدبیر سے مقابلہ کرو جو نیک ہو۔
وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۵)	اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو مگر جو نیک ہو۔
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)	نیکی اور بدی مساوی نہیں تم نیکی کے ساتھہ مقابلہ کرو۔ اس طرح جو تمہارا دشمن ہوگا وہ بھی دیکھیو گے کہ دلی دوست ہوگیا۔

تہذیب و متانت کے علاوہ مذہبی بحث و تکرار کیلئے یہ بھی ضرور ہے کہ جو مسئلہ زیر بحث ہو اسکے موافق اور مخالف تمام پہلو پورے طور پر ذہن نشین ہوں اور بالخصوص جبکہ فرامین مذہبی کو عقلی پہلو سے دیکھنا ہو اور مروجہ علوم عقلیہ سے مقابلہ کرنا ہو تو اُس وقت ایک طرف مذہبی واقفیت مکمل ہونی چاہیئے اور دوسری جانب علوم عقلیہ میں کامل مہارت کی ضرورت ہے اور اس طرح پر اصولی بحث کے لئے سائنس فلسفہ اور احکام مذہب کی مختلف شاخوں کیلئے قانون۔ اخلاق۔ پولٹیکل اکانمی۔ تاریخ اور سائیکالوجی وغیرہ علوم عقلیہ کے تمام جدید انکشافوں سے آگاہ ہونا ضرور ہے اور علامہ شبلی بجا فرماتے ہیں کہ " جبتک قوم میں فارابی نہ پیدا ہوں غزالی کا وجود میں آنا ممکن نہیں" اور میرے خیال میں مذہبی واقفیت کی ضرورت دیکھتے ہوئے اس کلیہ میں اس قدر اور زیادہ ہونا چاہیئے کہ جبتک فارابی کے ساتھ مالک و بوحنیفہ کا اثر نہ ہو صرف فارابی سے بوعلی پیدا ہو سکتا ہے اور غزالی بننے کی تحریک نہیں ہوتی۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف

مالک و بوحنیفہؒ کا اثر یعنے مذہبی واقفیت کا شوق اور جوش بو نافیوں اور ہ تنزل ہے اور دوسری طرف فارابیت پیدا ہونے مین بہت دیر معلوم ہوتی ہے اور تمام ملک مین علوم عقلیہ ابھی تک آبادی کے بہت مختصر حصہ مین اور وہ بھی بالعموم محض تقلید کی شکل مین داخل ہوئے ہین اور تمام قوی اور ضعیف علمی مسائل پر اسلئے یقین کیا جاتا ہو کہ وہ مسلم الثبوت استادون کی طرف سے پیش ہوئے ہین ورنہ یقین کو ظن سے اور تھیوری کو فیکٹ سے تمیز کرنے کی مہارت شاذ و نادر ہی موجود ہوگی چہ جائیکہ خود موجد یا محقق ہونیکا درجہ حاصل ہو یا اہل علم کی کثرت یا بیشتر آبادی عام علمی اصطلاحون اور واضح اصول سے آشنا ہونیکا فخر کر سکے - اور جبتک مذہب اور نقلی علوم کی واقفیت اس درجہ پر ہے کچھ شک نہین کہ علوم عقلیہ کے مقابلہ مین مذہبی حمایت کا دعوی نہین ہو سکتا لیکن اس عجز کا یہ اثر ہو کہ نامعلوم عرصہ کے لئے مذہبی بحث و تکرار کو ترک کر دیا جائے اور اس خرمن کا انتظار کیا جاوے جسکی تخم ریزی کیلئے علیگڈھ اور لکھنؤ کی زمین ہموار ہو رہی ہے تو ایسی موسم آنے سے پہلے فاقہ کش تباہ ہو چکینگے اور کیا عجب ہے کہ فارابی زمانہ مخالف قوت کو بالکل نابود رکھنے سے ایسا پھل لائے جو مذہبی جذبہ کیلئے زہر کا اثر رکھے یا اگر اس وقت تک دونو طاقتین پوری نشو و نما پا جائین جب بھی - گر از پس من کن فیکون شد شد و باشد - اسوقت کی ارزانی سے کوئی اور نسل فائدہ اٹھائیگی نہ ہم لوگ - اسلئے گو مرض سخت ہو اور معالج ناپید مگر جب تک مناسب علاج نہ ہو سکے تیمار دار اپنی ہمت کے موافق بیمار کی خبر گیری سے دریغ نہین کرتے اور جو کوششین اس بارہ مین موجودہ وسائل کو جتنے الوسع کام مین لا کر ہو سکتی ہین انکو دہریت کی عقلی دوا نہ کہا جائے تب بھی وہ مذہبی غذا کو کسی حد تک صاف اور خوشگوار کرنے مین ضرور مدد دیتی ہین اور اسلئے فائدہ سے خالی نہین اور کیا عجب ہے کہ یہی تدبیر ترقی کرتی ہوئی ایک وقت پر ازالہ مرض کے لیے تیر بہدف ہو - شاید کہ ہمین بیضہ بر آرد و پر و بال عنقا گردد -

علاج بیشک ڈاکٹر ہی کر سکتے ہین مگر تیمار دارون مین وہ شخص بھی شامل ہے جو صاف کرنے کے لئے پانی کو جوش دے چنانچہ ایسی ہی خدمت کی آرزو مجھے بھی ہے اور آج

کل کے مخالفانہ خیالات مین سے جو میرے دلکو پریشان کرتے رہے ہین اگرچہ ان کے لائق سامان میری دسترس مین نہین مگر ایک عرصہ تک غور و تامل مین مصروف رہنے پر جن وجوہ سے مجھے تسکین ہوئی ہے انہین پیش کرنے کی جرأت کرتا ہون - مین نہین کہ سکتا کہ یہ تحریر ان لوگون کے سنوانیکا کام دیگی جنہون نے ان مسائل مین غور کیا ہے اور مخالف راے قائم کر چکے ہین اور یہ بھی توقع نہین ہو سکتا کہ وہ لوگ تسلیم کرینگے جو متذبذب ہین مگر میلان دوسری طرف رکھتے ہین البتہ جو لوگ متذبذب ہین - اور کسیقدر میلان بھی میرے موافق رکھتے ہین - انہین سے بعض ممکن ہے کہ انہی وجوہ سے تسکین پائین جو مجھے مطمئن کرتی ہین - اور مین سمجھتا ہون کہ ایسے لوگون کے لیئے (اگر کوئی ہون) میری تحریر مفید ہوگی - یا جو لوگ پہلے سے میرے ہمخیال ہین اور میری جیسی طبیعت رکھنے کے سبب میرے دلائل کو پسند کر سکتے ہین انہین ایک ہمخیال کی آواز بلند ہونے سے مسرت ہوگی اور مخالف خیالات کے قابو مین نہ آنے کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو جائینگے یا اگر کوئی شخص میری تمام تحریر سے متفق نہ ہو لیکن اسکے بعض مقامات سے اپنے بعض خیالات مین ترمیم کی ضرورت محسوس کرے تو یہ بھی ایک فایدہ ہوگا - اور یہ سب فائدے ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ کم ہین لیکن اگر حاصل ہون تو نہ ہونے سے بہتر ہین اور اگر نہ ہون تو بھی انکی آرزو مین اپنے نقطۂ خیال سے ایک مناسب آرزو اور اُس کیلئے کوشش انسانی فرض سمجھتا ہون

مجھے مفصل معلوم نہین کہ خاص ان مضامین مین قوم کے قابل اشخاص نے کس قدر کام کیا ہے اگر کوئی تحریر انہی عنوانون پر شائع ہو چکی ہے مگر نتائج اور پیدا کئے گئے ہین تو میری کوشش جداگانہ نتائج پیش کرنیکے سبب ضرور توجہ کی مستحق ہوگی - اور اگر انہی نتائج کو ثابت کیا جا چکا ہے تو بھی ایک مضمون کی دو تحریرین طرز بیان مین ضرور مختلف ہونگی - اور اگر کوئی مضمون توجہ کے قابل ہو تو اسکا مختلف طرزون سے پیش ہونا بہرحال مفید ہے اور مین اس مضمون کو توجہ کے قابل سمجھتا ہون اس لئے ایسی کوشش کو اس صورت مین بھی فضول نہین سمجھ سکتا ۔

اِس تحریر مین جو نقص ہونگے وہ دیکھنے والون کو نظر آئینگے۔ البتہ مجھے اِس کی طوالت اور پیچیدگی کی نسبت خیال ہے کہ شاید عیب معلوم ہو۔ لیکن اول تو یہ گذارش ہے کہ میرے دعاوی اگرچہ دیرینہ ہین مگر اُن کو ثابت کرنیکا طرز (کم از کم میرے خیال مین) ضرور نیا ہے اور مین سمجھتا ہون کہ جن رستون مین ہو کر مین منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہون اُردو دان پبلک کو اِنہین دیکھنے کا کم اتفاق ہوا ہوگا۔ بلکہ اکثر اوقات مجھے اُن مضامین کو اُردو لباس پہنانے مین دقت پیش آئی ہے اِسلئے میری توجہ تمامتر اِسی جانب مصروف رہی ہے کہ کسی طرح اُن مضامین کو ادا کر سکون اور کسی مقدمہ کو جس قدر الفاظ سے مین اپنے ذہن مین قائم کر سکا ہون جب لکھنے کے وقت انہین واضح نہین پایا تو اور طول دینا پڑا ہے اور اس وجہ سے عجب نہین کہ کہین ناگوار طول۔ کہین تکرار اور کہین سلجھانے کی کوشش مین اور پیچیدگی پیدا ہوگئی ہو۔ اور دوسرے مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے کہ مین کسی مضمون کو منشیانہ قابلیت سے ادا نہین کر سکتا۔ لیکن نقص اگر ہے تو اس کا الزام ایک شخص واحد پر ہوگا اور با انصاف ناظرین سے یہ توقع بیجا نہین کہ نفس مضمون کی صحت وسقم کو پرکھین۔ اور اگر صداقت نظر آئے تو غیر فصیح کلام کے سبب گردآلود چہرہ کی ذاتی خوبی دیکھنے مین توجہ سے دریغ نہ فرمائین۔

اس تحریر مین جس قدر مطالب دیگر اہل الرائے سے اخذ کئے گئے ہین اُن کو ظاہر کرنیکا حتی الوسع اہتمام کیا ہے لیکن اگر کسی اور کا مضمون اس طرز پر ادا ہوا ہو کہ بظاہر مصنف کا طبعزاد سمجھا جائے تو یہ سہو انسانیت ہوگا ورنہ مجھے اعتراف ہے کہ میرا طبعی کارنامہ کچھ بھی نہین اور جو کچھ ہے وہ اہل علم کی خوشہ چینی کا ثمر ہے۔ اور بعض اوقات کسی مصنف یا سپیکر کا خیال اس طرح ذہن مین در آتا ہے کہ اُس کا فیضان محسوس نہین ہوتا لیکن متفکرہ پر اثر کرتا ہے اور جب انسان ذہنی عمل سے اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ خود اس کا فعل ہے حالانکہ حقیقت مین خارجی ترغیب کا اثر ہوتا ہے اور اس طرح پر ممکن ہے کہ میرے اکثر بلکہ تمام مضامین کی لہر اسی قسم کے شبنمی قطرون سے مرکب ہو۔

مجھے اکثر جگہ آیات قرآنیہ کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئی ہے اور ہم مسلمانون
کے نقطہ خیال سے قرآن پاک کا ہر حرف اور ہر حرکت بیشمار لطائف و نکات سے معمور ہے اسلیئے
اس کا ترجمہ جس قدر دشوار ہے محتاج بیان نہین اور مینے جو ترجمہ لکھا ہے وہ آیت کے تمام
مطالب پر نہ حاوی ہو سکتا تھا اور نہ ایسی کوشش کی گئی ہے بلکہ صرف اُس مدعا کو ظاہر کرنا
مد نظر رہا ہے جس کے لئے کسی آیت سے استناد کیا گیا ہے۔ والسلام تحریر ۱۰ صفر ۱۳۲۸ھ

راقم

محمود علی عفی اللہ عنہ

کپورتھلہ

زیب عنوان

تصنیف کو کسی قابل تعظیم بزرگ کے نام سے مزین کرنا اہل تصنیف کا عام دستور ہے جس سے
کتاب کو کسیکی ذاتی عظمت سے معزز کرنا یا کتاب کی پائیداری سے کسی محسن کی یادگار قائم کرنا مقصود
ہوتا ہے اور میرے خیال مین کتاب سے خود مصنف کی بقا ہی ایسے متصور ہے کہ اسکی کوشش نے
کتاب کو موجود کیا۔ اس لیئے مصنف کے علاوہ اور جو لوگ کتاب کی ہستی کا باعث ہون وہی سب
سے زیادہ کتاب کے ساتھ قایم رہنے کیلئے شایان ہین اور انہی کے نام سے کتاب کو زینت
ہونی چاہیئے۔ مجھے اس تحریر کی توفیق اسی لئے ہوئی کہ ایک عرصہ تک بعض اہل علم کی کفش
برداری کا شرف حاصل کیا ہے سب سے پہلے اور بہت عرصہ تک جس مکتب سے فیضیاب ہوا ہون
وہ بادشہ بخیر آغوش پدر تھی۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ روحانی تعلق جس کے بغیر انسان کو
انسان کہنا شیر قالین کو شیر نیستان کا خطاب دینا ہے اور جس کا فی زمانہ بہت کم اور محقق ہی

لحاظ رکھا جاتا ہے مجھے وہ تعلق بھی جیسا کچھ ہے اُسی جناب سے ہے جس کا توسط جسمانی
وجود کا باعث ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح فخر کرتے ہین کہ اُن کے والد والد بھی ہین
اُستاد بھی ہین اور پیر بھی ہین۔ اس اعزاز سے فائدہ اُٹھانا خوش نصیبون کا حصہ ہے مگر الحمد للہ
کہ یہ فخر مجھے بھی حاصل ہے۔ تہیدستی شامل اعمال ہے ورنہ میرا عقیدہ ہے کہ جس جناب سے مجھے
یہ تینون تعلق ہین اُنکی ذات سے ہر طرح کی دولت حاصل ہوسکتی تھی *

پدری تربیت کی اثنا مین اور اُسکے بعد اکثر بزرگوارون کی آستان بوسی باعث افتخار
ہوئی اور آخر مین بخت بیدار شمس العلما مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج
کی خدمت مین لیگیا اور مجھے بجا فخر ہے کہ جس پایہ فضیلت سب کے بعد جیب ودامن بھرنیکا موقع
ملا وہ اپنے کمال مین گذشتہ اسلامی فہم و فراست کی بےنظیر یادگار ہے اور اسی خوان نعمت کی
ریزہ چینی کا اثر ہے کہ باوجود بیمایانی میدان تصنیف مین قدم رکھنے کی جرأت ہوئی۔

پس مین اس ناچیز تحریر کو اپنے والد بزرگوار میر سید علی دہلوی مرحوم اور مفتی
صاحب قبلہ کے اسمائے گرامی سے مزین کرتا ہون۔ والد ماجد جہان فانی کو طے کر چکے ہین
اسلئے اُن کی خدمت مین عرض کرنے کی صرف یہی شکل ہے کہ نامحسوس قلبی صدا فضائے
خیال سے عالم روحانی تک پہنچاؤن اور اپنی آرزو کیلئے غائبانہ شرف قبول کی التجا کرون
البتہ مولانا مدظلہ کی خدمت مین یہ ناچیز ہدیہ پیش کرنیکے بعد اجازت کی درخواست کرسکتا
تھا جو نہین کرسکا۔ کیونکہ میرے خیال مین جس طرح اپنے محسن کی یاد کا دل مین موجود رہنا
ایک فطری کشش ہے اور اس موقع پر اجازت کا ذکر ایک بے اختیاری فعل پر داد کی طلب ہے
اور جس طرح اپنے محسن کا ذکر زبان پر لانا اخلاقی فرض ہے اور اسکے ساتھ اجازت کا تذکرہ
زیبا نہین اسی طرح اپنے محسن کا نام نامی تحریر مین لانا تحریر کرنیوالے کا اپنا فخر ہے اور اس
لئے یہان بھی اجازت کو دخل دینا فرض واجب الادا کو احسان کے لباس مین جلوہ گر کرنا
ہے۔ اور اُدھر گرانباری احسان اصرار کرتی ہے کہ جب مصنف کا نام جو حقیقت مین کچھ نہین

کتاب کے ساتھ وابستہ ہے تو جس سرچشمہ سے یہ نم پیدا ہوئی ہو اُس کا ذکر نہ کرنا کفران نعمت ہے۔ بیشک جو نتائج مینے پیدا کئے ہین وہ غلط ہون تو الزام مجھ پر ہوگا اور شاگردی تعلق سے اساتذہ جواب دہ نہین ہو سکتے مگر تمنا ہے کہ جو قابل یادگار ہین اُن کے اسماگرامی ہمیشہ صفحۂ ہستی پر ثبت رہین۔ یہ عاجز نہ رہیگا لیکن جو فیضان اِسے متحرک کرتا ہے وہ قائم رہے تو اور موجین اس سے بہتر و برتر پیدا ہو سکتی ہین ؛

در چمن خندہ گل از اثر بادِ صبا ست
گُل نماند مگر این بادِ بہاری ماند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

باب اول

مذہب اور فطرت

مذہبی احساس کی قوت - مذہب کو نابود کرنے کی کوشش اور اس کا انجام - مذہب کو پیدا کرنیکے اسباب بھی فطری ہیں - کیا مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے - مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں عقلی ترقی سے مذہب روشن ہوتا گیا ہے - سائنس مذہب کی کیا خدمت کرتی ہے - مذہب اور معتقدات قوم - مذہب کا معبود ہمیشہ ایک نہیں رہا - ایک معبود ہونے کی وجہ - بعض قومیں مذہب سے معرا ہیں اکثر اشخاص لا مذہب ہو گئے ہیں - تربیت کا اثر اور بغیر استثنا بھی قانون قدرت ہے - لا مذہب بھی اکثر کسی نہ کسی طرح کا مذہب رکھتے ہیں - مذہب کی تعریف - ایک دہریہ کے قول میں مذہبی نشان - درپردہ مذہبی کوشش کے چند اور نمونے - مذہب فطرت میں وہی درجہ رکھتا ہے جو عقل یا ترقی وغیرہ صفات کو حاصل ہے

انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے - اسکی شکل صورت اور قطع وضع سے رغبت یا نفرت کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے - اگر عقل خداداد یاری کرتی ہے تو اس کے متعلق تحقیق و تفتیش میں مصروف ہوتا ہے - حواس ظاہری کو حتی الوسع پورے طور پر کام میں لاتا ہے پھر فکر و تخیل سے مدد لیتا ہے

استقرار و قیاس تمثیل و ترجیح کے قاعدے استعمال کرتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر اسے ہاتھ میں لانے یا اس سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر تہذیب و تربیت سے بے بہرہ ہوتا ہے تو محض حس ظاہری یا خیالِ باطل سے متاثر ہوکر فوراً اسکی طرف جھپٹتا ہے یا خوف زدہ ہوکر بے تحاشا بھاگ جاتا ہے۔ غرض تمام مظاہر عالم اور تمام مناظر قدرت کے پیش نظر ہونے پر عالم و جاہل اپنے اپنے مدارج علم و جہل کے مطابق اِسی روش پر کاربند ہوتے ہیں اور اسکے برخلاف جس چیز تک نظر یا دیگر حواس کی رسائی نہیں ہوتی نہ اس سے محبت یا نفرت پیدا ہوتی ہے اور نہ اُس کی نسبت فہم و ادراک مصروف کار ہوتے ہیں اور نہ اس کے متعلق حصول یا مدافعت کی کوشش ظہور میں آتی ہے۔ اگر اس کو قوت مدرکہ کا ایک کلیہ قاعدہ مان لیا جائے جیسا کہ بظاہر انسانی دل و دماغ کے تمام حرکات و اعمال سے ثابت ہوتا ہے تو بیشک بعض کہنے والوں کے ساتھ ملکر کہنا پڑے گا کہ محض حس ظاہری اور عقل ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اور نتائج کے بعد توجہ یا گریز کا اثر مرتب ہوتا ہے اور جو چیز نا محسوس ہو اور نہ عقل اُسے استنباط کر سکے وہ نہ چیز کہلانے کی مستحق ہے اور نہ اُسکی نسبت کسی قسم کا علم و یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت قوت مُدرکہ اور طبیعت انسانی کی یہ خاصیت ایسی عام اور وسیع ہے کہ جہاں تک عام طور پر تلاش و تجسس کی حد ہے اس کے خلاف پایا نہیں اور اسلئے اس کو قاعدہ کلیہ ماننے میں تامل نہ ہونا چاہیئے ۰

لیکن جس طرح دُنیا کے اکثر کلیہ قاعدوں میں استثنا ہوا کرتا ہے اسی طرح استثنا سے یہ قاعدہ بھی بری نہیں ہے۔ بیشک ہم کسی چیز سے بغیر دیکھے نہ ڈرتے ہیں اور نہ اس کیطرف رغبت کرتے ہیں مگر یہ بھی قریباً ساری دُنیا اور غالباً تمام بنی نوع انسان کا متفقہ میلان ہے کہ کم از کم ایک نا دیدہ ہستی کی طرف انکی رغبت ہے اور رغبت بھی ایسی کہ اور تمام رغبتوں سے فائق اور اُسی ایک نا دیدہ ہستی سے خوف ہے اور خوف بھی ایسا کہ دُنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی خوفناک نہیں۔ وہ اُسے دیکھ نہیں سکتے لیکن جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اُس میں اُسی کا

جلوہ نظر آتا ہے۔ اور جس کو دیکھتے ہیں اُسکے وجود میں شک کریں تو کریں لیکن جس کا نور آنکھوں میں سما رہا ہے اُس پر بے دیکھے ایسا یقین ہے کہ اُسکے خلاف ہزار حجتیں پیش ہوں لاکھوں دلیلیں بیان کی جائیں اور انسان عقلی طور پر جواب دینے سے عاجز آجائے بلکہ کسی وقت مخالف کی مخالفت سے مغلوب ہو کر اُس یقین کو چھوڑنا چاہے غرض کیسی ہی رد و کد اور بحث و تکرار ہو دل جسمیں یقین گھر کیئے ہوئے ہے وہ فنا ہو جائے تو ہو جائے مگر یقین فنا نہیں ہوتا اور یہ اعتقاد زوال نہیں پاتا۔ وہ اسے سمجھ نہیں سکتے اور عقل جو ہر میدان میں جولانیاں دکھا دکھا کر لوگوں کو حیران و ششدر کر رہی ہے اُس کے سراپردۂ جلال پر جا کر خود حیران و ششدر رہ جاتی ہے مگر جن عقدوں کو سمجھنے کا دعوے کیا جاتا ہے اُن میں سے ہر ایک اُس ناقابل فہمید ہستی کو زبان بے زبانی سے ایسا سمجھا رہا ہے کہ سمجھی ہوئی باتیں غلط ہوں تو ہوں مگر اُس برتر از خیال و قیاس ہستی کا جو قبضہ خیال و قیاس پر ہے خود خیال و قیاس کے فنا ہونے پر بھی دور نہیں ہوتا

اور چونکہ یہ اعتقاد جاہل و عالم عامی و عارف ہر شخص کے دل پر کم و بیش قبضہ کئے ہوئے ہے اور دُنیا کا کوئی حصّہ اور زمانہ کا کوئی عرصہ ایسا متحقق نہیں ہوتا جس میں لوگ اِس یقین سے قطعًا بے بہرہ ہوں اس لیئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یقین عقل و استدلال سے پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ اِس یقین کے دلائل عقلیہ جہاں تک پیدا ہو سکے ہیں ایسے دقیق اور پیچیدہ ہیں کہ جب کبھی ہستی باری تعالی کے ثبوت کو محض ان دلایل پر منحصر سمجھ کر بحث و تکرار کیا گیا ہے تو بڑے بڑے عقلا کو اِس ثبوت میں طرح طرح کے شکوک اور فیصلہ کے وقت اُن سے گوناگوں مذاہب پیدا ہوتے رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض عقل ایسے جوہر کا پیدا کرنے کے قابل نہیں اور اگر ہے تو بھی نہایت ہی باریک بیں اور نکتہ رس عقول کا کام ہے کہ محض استدلالی طریق سے اُس ہستی کا پتہ لگائیں اور چونکہ عقل کو روشنی اور جلا کا یہ درجہ تعلیم و تہذیب کے اعلےٰ پایہ پر پہونچ کر حاصل ہو سکتا ہے اِس لیئے ضرور تھا کہ ہستی باری تعالیٰ کا یقین اگر محض استدلال پر منحصر تھا تو جاہل قوموں میں پایا نہ جاتا بلکہ تہذیب کے ابتدائی مراتب

ہیں بھی اسکا وجود نہ ہوتا حالانکہ واقعیت اِسکے خلاف ہے اور جہلا کے دلوں میں جس وثوق اور
اطمینان کے ساتھ یہ یقین موجود رہتا ہے وہ بسا اوقات علماء کے لئے قابل رشک ہوتا ہے
اس لیئے خیال ہوتا ہے کہ اگر وجود باری تعالی کا یقین عقل و استدلال پر موقوف نہیں اور باوجود
اِس کے ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس عموم کے ساتھ پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ فطرت انسانی میں
دیگر فطری خواہشوں کیطرح یہ یقین بھی ازل سے ودیعت ہوگا ۔

اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کم از کم تاریخی زمانہ کے ہر عرصہ میں ایسے چند اشخاص بھی موجود
رہے ہیں جو اس یقین سے بالکل معرا ہوں ۔ بلکہ وہ لوگ اپنی طاقت کے موافق اِس امر کی کوشش بھی
کرتے رہے ہیں کہ اس خیال کو لوگوں کے دل سے مٹائیں اور جو بندشیں انسان کے خیالات
اور اعمال پر خدا کے یقین سے لازمی طور پر عاید ہوتی ہیں اُن کو زایل کریں اور چونکہ خود انسان کی
فطرت میں بندشوں سے رہائی پانے کی خواہش نہایت قوت کے ساتھ موجود ہے اور ضروریات
زندگی کو مہیا کرنے اور نفسانی خواہشوں کو برلانے کیلئے وہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی آزادی سے
بہرہ یاب ہو اور لذایذ جسمانی کے حصول میں کوئی مزاحمت سد راہ نہ ہو اس لیئے چاہئے تھا کہ خدا
کے یقین کو زائل کرنے کی کوشش اس کے اپنی دنیوی خواہشوں کی مدد سے نہایت آسانی کے
ساتھ کامیاب ہوتی ۔ اور دوسرے بسا اوقات دنیوی تہذیب کی ترقی سے تعلیم و تربیت بھی ایسی
رائج ہو جاتی ہے جسمیں منہمک دیکھ کر کچھ عرصہ کیلئے اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مذہبی قیود اور خدا کا
یقین اپنی نسل یا ایسے ملک سے بالکل زائل ہو جائے گا جسمیں محض مادی تعلیم و تربیت پر مدار
کار رہ گیا ہے ۔ مگر زمانہ چکر کھاتا ہوا چلا جاتا ہے ۔ مادی علوم و فنون اپنی ترقی و تنزل کے آثار
چڑھاؤ سے اپنی اپنی نوبت میں ہر ملک اور قوم کو کمال و زوال کی چاشنی چکھاتے ہوئے جاتے
ہیں اور ایسے لوگ اپنے دلکش ترانوں اور فرحت بخش نغموں سے عوام الناس کو اپنی طرف کھینچنے
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے اور کسی کسی وقت انکی کامیابی کا گمان بھی ہو جاتا ہے
لیکن پھر بھی ایسی خوشگوار آزادی کو پسند کرنیوالوں اور مذہب سے بیزار ہو کر اُن لوگوں کے

ساتھ سر ہلانے والوں کی تعداد کو اُن لوگوں کی تعداد سے مقابلہ کیا جاوے جو باوجود آزادی کی خواہش اور اُن لوگوں کی کوشش کے مذہبی دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالتے یا نہیں نکال سکتے تو عاجز آکر ان آزاد خیال بزرگواروں کو اپنے خلاف بے انتہا کثرت دیکھ کر اس کی وجہ تلاش کرتے ہوئے بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ:۔

"جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو بر لانے کے ناقابل ہے تب تک یہاں کی کامیابیوں سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قایم رہیگا تب تک اس اشتیاق کو صریح تسکین مذہب سے حاصل ہوگی جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو خود غرضوں کو بہشت کی امید سے اور پارسا لوگوں کو خدا کی محبت سے حاصل ہوگی۔" [1]

مطلب یہ کہ واقع میں مذہب یا ایمان میں کوئی خوبی نہیں بلکہ انسان مبتلا ہی ایسی حالتوں میں ہوا ہے جس میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے عاجز آتا ہے تو روحانی اور مابعد الموت فوائد پر بھروسہ کرکے اپنے دل کو اطمینان دیتا ہے *

مذہب کو پیدا کرنے کے اسباب بھی فطری ہیں۔

لیکن مذہب ضروری اور مفید ہو یا نہ ہو سر دست دیکھنا یہ ہے کہ جس خیال کو وہ اپنے زعم میں بالکل غلط اور بے سر و پا سمجھتے ہیں اسمیں غور کرتے ہوئے وہ خود کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ گو وہ مذہب کو یا خدا کے یقین کو انسانی فطرت میں داخل نہیں سمجھتے مگر نوع انسانی کو پابند مذہب دیکھ کر اسکی وجہ تلاش کرتے ہیں اور اس جستجو میں مذہب کو پیدا کرنے والے اسباب وہ نظر آتے ہیں جو خود قدرت نے اپنے ہاتھ سے پیدا کئے ہیں اور انسانی اختیارات و تصرف کو اُن میں دخل نہیں۔ انسان کا اپنی تمناؤں کو برلانے کے ناقابل ہونا یہاں کی کامیابیوں سے بالاتر لذائذ کا اشتیاق قائم رکھنا، اور انسانی زندگی کا تکالیف سے خالی نہ رہنا یہ تمام اسباب فطری ہیں پس جو نتیجہ ان فطری اسباب پر مترتب ہوتا ہے یعنی مذہب اگر وہ فطری نہ ہو اس لیئے کہ اس کے اسباب ان حکیموں کو معلوم ہو گئے ہیں تو انسان کے دیگر فطری خواص بھی اسی دلیل سے غیر فطری ثابت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بھوک و پیاس انسان و حیوان کی سب سے مقدم فطری خواہش ہے لیکن کیا بھوک پیاس کا

[1] مسٹر جان سٹوارٹ مل۔ ایسے صفحہ ۱۰۴

کوئی سبب موجود نہیں یا معلوم نہیں ہوا؟ اور کیا اسکو غیر فطری ثابت کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے کہ جبتک حرکت حرارت وغیرہ اسباب انسان کے جسم کو تحلیل کرتے رہتے ہیں اور جب تک معدہ اور دیگر اعضائے غذائیہ اپنے موجودہ ذخیرہ کو بدل ما یتحلل میں خرچ کرکے اپنے سکڑنے اور کشش پیدا کرنے سے ایک طرح کی تکلیف پیدا کرتے رہتے ہیں انسان و حیوان کو بھوک پیاس کی تکلیف مضطرب کرتی رہے گی پس اگر اس دلیل سے بھوک پیاس کا فطری نہ ہونا تسلیم کیا جاسکتا ہے تو بیشک مذہبی احساس بھی چونکہ دنیوی تکالیف سے پیدا ہوتا ہے فطری نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی جو انسان کی سب سے ممتاز اور اسے دیگر حیوانات سے برتر ثابت کرنے والی خاصیت ہے وہ خود انسان کی ناحاصل شدہ تمناؤں اور موجودہ تکالیف کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور اسکی نسبت بعینہٖ مطرل کے الفاظ میں استدلال کیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ۔

"جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو بر لانے کے ناقابل ہے تب تک" موجودہ حالت سے برتر حالت" کا اشتیاق باقی رہیگا اور اس اشتیاق کو صریح تسکین" ترقی" سے حاصل ہوگی۔ جب تک دنیوی زیست تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو محض " ترقی" سے حاصل ہوگی"

لیکن یہ ایک دھوکا ہے جو ان لوگوں کو مذہبی احساس کے کچھ اسباب معلوم ہوجانے سے لگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں ہر چیز کے لیئے اسباب و علل ہوا کرتے ہیں چنانچہ خواص فطرت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کے اسباب خود فطری اور انسانی اختیار سے بالاتر ہیں اس لیئے اس بنا پر بھوک پیاس ہو یا مذہب اور ترقی کسی کے فطری ہونے سے انکار نہیں ہوسکتا ✢

کیا مذہب جہالت سے پیدا ہوا ہے۔

ایک اور صاحب اسی بحث کو یوں پیش کرتے ہیں † کہ انسان اپنی جہالت و وحشت

---

† سر چارلس بریڈلا نے اپنی کتاب "فری تھنکرس ٹکسٹ بک" میں ایک صاحب کو پابند مذہب ظاہر کرکے انکا ایک بہت لمبا مضمون تردید ولائل مذہب میں نقل کیا ہے یہاں اسکے ایک مقام کا خلاصہ لکھا گیا ہے سنہ ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۱۵

کے زمانہ میں اکثر چیزوں سے خوف کھاتا ہے اور بعض مناظر کو دیکھ کر پسند کرتا ہے۔ کبھی کبھی بلا میں مبتلا ہو کر یاس و نا امیدی کا شکار ہوتا ہے کبھی بے انتہا لذت پاتا ہے اور فرطِ مسرت سے بے اختیار ہو جاتا ہے مگر اپنی نادانی کے سبب ان مناظر کے مادی اسباب و علل معلوم نہیں کر سکتا اور قوانین قدرت کو نہ جاننے اور نیچر کے بے انتہا وسائل کو نہ سمجھنے کے سبب اپنے دل کو تسکین نہیں دے سکتا۔ فرطِ حیرت سے اُن کو کسی مخفی کارکن اور غیر محسوس طاقت کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور "روح" "دیوتا" "خدا" وغیرہ مبہم الفاظ سے اپنی دانست میں قدرت کا راز دریافت کرنیکا دعوے کرنے لگتا ہے اور یہی خیال باپ سے بیٹے تک متوارث چلا آتا ہے اور پھر ایسے لوگوں میں سے بڑی سمجھ بوجھ کے لوگ یا حکام اور مذہبی پیشوا لوگوں کو اپنی اطاعت میں رکھنے اور اُن سے ذاتی مفاد حاصل کرنے کیلئے اس خیال کو قوی کرتے رہتے ہیں۔ اپنے معبودوں کے عبادت کے قاعدے قانون بناتے رہتے ہیں اور یوں لوگوں کے غلط خیال اور بیجا خوف سے اُن کی جہالت کے سبب یہ لازمی نتیجہ یعنی مذہب پیدا ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے ❊

اُن کے نزدیک جو فطری اسباب مذہب پیدا کرنے کے ہیں مثلاً عجائبات اور باعث تکلیف اشیا کا دیکھنا اور اُن کو جہالت کے سبب حل کرنے کے ناقابل ہونا اُن کے بعد مذہب کو پیدا کرنے میں استدلال کو بھی دخل ہے اور انسان غور و فکر کرنے کے بعد اپنی نادانی سے خدا اور دیوتا کے وجود کا غلط نتیجہ نکال لیتا ہے۔ لیکن اگر مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے اور استدلال جس سے وہ پیدا ہوا ہے اُن کے نزدیک حقیقت میں غلط ہے تو جیسا کہ دیگر غلط استدلالوں کی حالت ہے تمدن و تہذیب سے اس کی غلطی معلوم ہونے لگتی اور جوں جوں بقول ان کے قوانین قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسایل کا علم ہوتا جاتا اِس استدلال کا ضعف معلوم ہوتا رہتا اور بتدریج مذہبی احساس کم ہوتے ہوتے بالکل فنا ہو جاتا اور چونکہ یہ استدلال بھی ان کے خیال کے مطابق نوع انسان کی محض ابتدائی حالت میں پیدا کیا گیا تھا اِس لیئے تاریخی

زمانہ سے بھی بہت عرصہ پہلے سے اسکی نسبت شکوک پیدا ہونے لگتے اور پھر وہ شکوک علم و شعور کی ترقی سے اعتراض اور اعتراض سے مذہب کے خلاف قوی دلایل مین تبدیل ہوجانے اور ہوتے ہوتے مذہب اِس وقت تک کبھی کا صفحہ ہستی سے یا کم از کم مہذّب قومون سے نابود ہو جاتا - جیسا کہ انسانی قربانی، ستی ہونے کی رسم اور عورتون کو مردون کی غلام اور اُن سے بہت کم درجہ کی مخلوق سمجھنے کے خیالات اور ان کے سوا اور وحشیانہ رسوم و عقاید جنکا وجود مذہبی احساس پیدا ہونے سے یقینًا بعید ہے اور دُنیا کی اکثر قومون مین نہایت کثرت سے رائج رہے ہین غلط استدلال پر مبنی ہونیکے سبب عمومًا مہذّب بلکہ نیم مہذّب ممالک سے بھی حرف غلط کیطرح مٹ چکے ہین یا جیسا کہ عرصہ دراز تک قوم کا سردار یا ملک کا بادشاہ بالکل خودمختار اور مطلق العنان اور رعایا کی جان مال اور آبرو کا بے شرکت غیرے مالک و مختار مانا جاتا تھا اور اس کے ہر فعل کو خواہ کیسا ہی خلاف انصاف اور خلاف انسانیت ہو حکم آسمانی اور ناقابل اعتراض سمجھا جاتا تھا اور اب اس کے بالکل برعکس حسب الحکم وقت کو رعایا کا خادم اور پبلک کی عام رائے کے ماتحت ثابت کیا جاتا ہے اور جان و آبرو ایک طرف اس کو لوگون کی ذرا سی چیز کو بے وجہ تصرف کرنیکا مجاز نہین سمجھا جاتا اور یا سابق مین پہلے لوگون کے غلط استدلال اور لغو نتائج غبار بنکر ایسے اُڑ گئے ہین کہ اب خیال مین بھی نہین آسکتا کہ ان لوگون نے کیون کر اپنے ایک ہمجنس کو ایسے خدائی اختیارات دے رکھے تھے اور ان تمام غلط نتائج کے برخلاف مذہبی احساس کی یہ کیفیت ہے کہ -

مذہب کے خلاف کوئی دلیل ابھی موجود نہین

اوّل تو اس کے خلاف تلاش کرنیوالون کو بھی آج تک کوئی قوی دلیل دستیاب نہین ہوئی جس سے وجود ربّانی ناممکن ثابت ہوسکے مسٹر بریڈلا جو انکار خدا مین بہت سرگرم ہیں لکھتے ہین کہ

"منکر خدا یہ نہین کہتا کہ خدا نہین ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ مین نہین جانتا لفظ خدا سے تمہارا مطلب کیا ہے میرے دماغ مین خدا کا خیال موجود نہین اور لفظ خدا میرے نزدیک ایسی آواز ہے جس کا صاف اور ممتاز مطلب جو مین خدا کا انکار نہین کرتا کیونکہ جو چیز میرے تصور مین نہین اور جس کا تصور خود اُسکے دماغ مین بھی ایسا نامکمل ہے کہ وہ اسکی تعریف و تحدید نہین کرسکتے مین ایسی چیز کا انکار کیونکر کرسکتا ہون"[1]

[1] فری تھنکرز ٹیکسٹ بک سنہ ۱۸۷۶ صفحہ ۱۱۶ -

اِس کے آگے مسٹر ولیم آر گریگ کا قول نقل کرتے ہین کہ۔

"ایک دائمی قدیم اور شخص خدا کا تصوّر مجھے بہت دشوار معلوم ہوتا ہے اور ایسے شخص خالق کے بغیر پیدایش اور ترقی کا تصوّر بھی ایسا ہی دشوار ہے کہ اُس پر غالب نہیں آسکتے۔"

مسٹر جان ایس مل جو آزاد خیالی کے ساتھ علم و فضل اور معقول پسندی میں بھی ممتاز ہین تحقیق مذہب کے بعد اپنی بیچاپار تقریر مین یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ۔

"ایمان کے ثبوت کا اور ایمان کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے متعلق وحی و الہام کے ثبوت کا امتحان کرنیکے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب خواہ الہامی ہو یا فطری دونو مین جس قدر ما فوق العادت کا تعلق ہے اُسکی نسبت ایک ذی شعور قلب کا عقلی میلان انکار کی جانب ہے۔ لیکن یہ انکار جیسا کہ ایک طرف خدا کے اقرار سے جدا ہونا چاہئیے ویسا ہی دوسری جانب انکار خدا سے بھی علیحدہ ہونا ضرور ہے اور یہ انکار خدا جس سے ہم اپنے انکار کو جدا رکھنا چاہتے ہین یہ بھی سلبی اور ایجابی دو قسم کا ہے یعنے ہمکو اس خیال سے بھی علیحدہ رہنا چاہئیے کہ "خدا نہین ہے" اور اس خیال سے بھی الگ رہنا چاہئیے کہ "خدا کے ثبوت کی کوئی دلیل نہین ہے" کیونکہ عملاً اس آخری انکار کا بھی وہی نتیجہ ہے جو وجود خدا کو ناممکن ماننے کا ہوگا پس اپنی گذشتہ تحقیق مین جن نتائج تک ہم پہونچے ہین اگر وہ صحیح ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ وجود خدا کی شہادت موجود ہے مگر اسکو ثابت کرنے کیلئے ناکافی ہے البتہ ایک کم درجہ کا گمان غالب پیدا کرتی ہے۔" ‡

اِس زمانے کے مشہور فلاسفر ڈاکٹر ہربرٹ سپینسر لکھتے ہین

"اگرچہ ایسے لوگ ہین جنہون نے قابل نفرت خیالات مذہب مین ملا کر اسکی اصلی خوبی کو جو سب مذاہب مین مشترک ہے نابود کر دیا ہے تو ایسی جماعت بھی ضرور ہے جو سائنس دان کہلا کر مذہبی عقاید پر ایسی نکتہ چینی کے مرتکب ہوتے ہین جس سے اُن کو نفس علم کی نسبت سخت تعصب پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ اُنکی اِس نفرت کے سببے کوئی دلیل بھی اُن کے پاس نہین۔ وہ صرف اُن ناشایستہ مضمون (اعتراضون) سے واقف ہین جو سائنس نے ان کے بعض عقاید پر پہنچائے ہین

‡ کتاب تھری ایسیز آن ریلیجین ۱۸۷۴ء صفحہ ۲۴۲

اور اس سے گمان کر بیٹھے ہین کہ شاید سائنس ان کے تمام مذہبی خیالات کا استیصال کردیگی
اور اس طرح ایک مہمل خوف مین مبتلا ہو گئے ہین"[†]

عقلی ترقی سے مذہب روشن ہوتا گیا ہے

دوسرے جس چیز کو وحشیانہ خوف اور تعجب کی پیدائش مانا گیا تھا ہمین بجائے ضعف اور شک پیدا ہونے کے اور بجائے آہستہ آہستہ فنا ہوجانے کے جیساکہ دیگر غلط استدلالون کی حالت دیکھی گئی ہے تمدن و تہذیب کی ترقی سے اور جلا آتی گئی ہے اور قوانین قدرت اور نیچر کے بیانتہا وسائل کی شناسائی ہوتے جانے سے اعتقاد و ایمان کا رستہ زیادہ صاف ہوتا گیا ہے۔ پہلے زمانے کے جہلا کسی خوب صورت اور عجیب درخت پتھر یا حیوان کو دیکھ کر اپنے مذہبی میلان کو اسی مین صرف کردیتے تھے اور خدا مانکر اسکی پرستش کرنے لگتے تھے آگے چل کر جب کثرت مشاہدہ اور عقل و شعور کی ترقی سے ان چیزون کے خواص دریافت ہونے شروع ہوئے اور دیکھا گیا کہ یہ عدم سے وجود مین آتی ہین اور کچھ مدت کے بعد فنا ہوجاتی ہین اور نیز ان کے پیدا اور فنا ہونے کے اسباب کا پتہ لگنے لگا تو جن طاقتون کا علم حاصل ہوتا گیا اور جو نسبتاً ان سے زیادہ روحانی اور جسمانیت سے بعید تھین خدا کو ڈھونڈنے والے هٰذَا رَبِّي (میرا خدا یہ ہے) کہہ کر ان کیطرف جھکتے گئے اور بجائے محسوسات کے ان ارواح اور طاقتون کو خدا ماننے لگے جن کا اثر وہ اپنے حواس سے محسوس کرتے تھے اور اس طرح بارش کا دیوتا اور ہوا کا دیوتا وغیرہ فرض کیئے گیئے۔ اس سے قدم آگے بڑھا اور ان طاقتون کو بھی ان سے بالائی طاقتون کا محکوم اور ہست و نیست کی زنجیر مین پابند پایا تو اپنے شاہد مقصود کو ان ابتدائی منزلون سے دور نسبتاً زیادہ مجرد فضا مین دیکھنے لگے اور سمجھے کہ اگرچہ یہ طاقتین یا بالفاظ دیگر یہ دیوتا بھی اس کے مظہر اور جلوہ گاہ ہین لیکن حقیقت مین وہ ان سے بالاتر اور ان سب کا حاکم و فرمان روا ہے اور پھر جب تمام عقل و شعور مین آسکنے والی ہستیون کے کمال عجز اور بے بسی کا یقین ہوا تو لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (مین زائل ہونیوالون کو پسند نہین کرتا) کہہ کر اور تمام مظاہر قدرت سے منہ پھیر کر اس ایک ہستی کی طرف متوجہ ہوئے جسکی شان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ

[†] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۷ و ۱۸ اشاعت ۱۸۶۲ء

سائنس مذہب کی کیا خدمت بجالاتی ہے

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۔ یعنے نظر اُسے پا نہیں سکتی کوئی علم اُس تک پہنچ نہیں سکتا اور کوئی مثال اسے واضح نہیں کر سکتی۔

ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر اپنے نقطۂ خیال سے اِس مضمون کو خوب ادا کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

" مذہب کا اصلی مدعا یعنی ایک ناقابل فہمید ہستی کا اعتقاد اس کو مذہب کی مختلف تشاخین چھپاتی آئی ہیں اور ہر ایک نے جب اپنے اپنے دائرہ میں اُسکو کسی نہ کسی قدر قابل فہمید بنانا چاہا ہے مگر یہ مذہب پر سائنس کا احسان ہے کہ وہ اس مسئلہ کو صاف کرتی جاتی ہے اور ہر ایک محدود علت کے اوپر اس سے عام تر علت ثابت کرتے کرتے وہ آخر اُس اعم العوام علۃ العلل تک پہنچانے کا رستہ صاف کرتی آتی ہے "

چنانچہ اسکی مثال یوں دیتے ہیں کہ۔

" آفتاب کو پُرانے زمانے میں دیوتا کی گاڑی سمجھا جاتا تھا اور یوں اُسکی حرکت کا ایک ایسا ہی سبب مقرر کرکے جیسا کہ عام طور پر دُنیا میں پایا جاتا ہے اسکی علت کو قابل فہمید بنایا ہوا تھا کئی صدیوں کے بعد کیپلر نے ثابت کیا کہ تمام سیارے آفتاب کے گرد پھرتے ہیں اور ہر ایک کے لیئے خاص دائرہ ہے اور اس کے بعد اُس نے مانا کہ ہر ایک سیارہ میں روح ہے جو اُسکو حرکت دیتی ہے۔ اِس طرح اس وقت کی بہری سائنس نے ذریعۂ حرکت ایسا ہی ثابت کیا جو بُت پرستوں کے نقطۂ خیال سے ملتا جلتا تھا مگر اسے نامحدود اور کسی قدر کم سمجھ میں آنیوالا مانا۔ بعد کے زمانے میں تمام حرکات کو کشش ثقل کا اثر مانا گیا اور کیپلر کی ارواح کو غلط ٹھہرایا تو اب خیال میں آسکنے والی علت کی بجائے ایک خیال میں نہ آسکنے والی علت قایم ہوئی کیونکہ کشش ثقل اگرچہ ہمارے ذہن کی گرفت کے اندر ہے مگر پھر بھی اِس کو خیال میں بالکل مشخص و معین کر لینا ناممکن ہے اور خود نیوٹن نے مانا ہے کہ "کشش ثقل ناقابل فہمید ہوتی اگر درمیان میں ایتھر کا واسطہ نہ ہوتا" مگر ہم دکھا چکے ہیں کہ ایتھر کے واسطہ کو مانکر بھی یہ عقدہ حل نہیں ہوتا اور کشش ثقل کا اثر سمجھ میں نہیں آتا۔ غرض سائنس کی ترقی سے عام در عام ذرایع اور علل دریافت ہوتے جاتے

ہیں اور یہ علل جو زیادہ سے زیادہ نامشخص ہوتے جاتے ہیں ضرور ہے کہ ان کو سمجھنے کی قابلیت
بھی درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"سائنس نے بھی اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ پہلے قدم پر جب سائنس نے مظاہر کا
باہمی مسلسل تعلق معلوم کیا اور یوں مختلف ارواح کو ذریعہ کاروبار ٹھہرانے سے انکار کیا تو خود بھی
ایسے ہی اسباب تسلیم کئے جو پرسنل (مشخص) تو نہیں تھے تاہم کانکریٹ (مجسّم) ضرور تھے اور
اس طرح واقعات کو تشریح کرنیکا ایسا طریق اختیار کیا گیا جو اگرچہ موجودہ مذاہب کے طریق سے
مختلف تھا مگر پھر بھی انہیں مختلف علل کو مانا گیا تھا اور اس طرح نامعلوم کو معلوم سمجھ لیا گیا تھا
یعنے آن ملکوتی علل کو چھوڑ کر سائنس نے برق، حرارت، کشش ثقل و انصال وغیرہ مختلف
علتیں تسلیم کیں۔ اور آزادانہ طور پر دیکھا جائے تو سائنس کا یہ طریق غیر فلسفیانہ ہے جیسا کہ
مذہب کا طریق مروجہ (بہت سی دیوتاؤں کو ماننا) غیر مذہبی ہے کیونکہ دونو ناقابل فہمید کو قابل
فہمید بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر تاہم حال میں بعض سائنس کے اعلیٰ درجہ کے ماہر حرارت،
روشنی، مقناطیس وغیرہ طاقتوں کو چھوڑ کر جن کو جداجدا علتیں مانا جاتا ہے اب یہ کہنے
لگ گئے ہیں کہ یہ سب طاقتیں کسی ایک اور محیط کل طاقت کے مختلف مظاہر ہیں اور اس
طرح یہ لوگ اس طاقت کو قابل فہمید سمجھنے سے باز آنے لگے ہیں۔"

پھر کہتے ہیں۔

" جب سائنس یہ مان لیگی کہ اس کے دعاوی بہت ہی قریب کی چیزوں اور صرف تعلقات تک
محدود ہیں اور مذہب یہ مان لیگا کہ جس راز کو وہ مانتا ہے وہ انتہائی او رمطلق ہے (یعنی جب سائنس
حقیقت اشیاء کو جاننے کا دعویٰ چھوڑ دیگی اور جب مذہب اُس کو جاننے کا دعویٰ ترک کر دیگا) اُس وقت دونو بالکل متحد ہو جائینگے"†

غرض یہ شان ہے اُس احساس کی جس کو غلط استدلال نہیں مانا گیا تھا کہ بجائے کم ہونیکے
سائنس و فلسفہ کی ترقی سے وہ اور بھی قوی اور قریب بہ صحت ہوتا گیا اور جو امور انسانی استدلال

---

† کتاب فرسٹ پرنسپلز خلاصہ باب پنجم صفحہ ۱۰۲-۱۰۳-۱۰۴-۱۰۷-مطبوعہ ۱۸۶۲ء۔

مذہب میں ملا تا رہا ہے مثلاً خدا کا درخت پتھر وغیرہ مین محدود کرنا یا اُس کے بعد محسوسات مین
ظاہر ہونیوالی طاقتون مین منحصر سمجھنا یا آگے چلکران سے زیادہ مخفی قوتون کو اپنا معبود ٹھیرانا ان
امور پر عقل و شعور اور تہذیب و تعلیم کا اثر پڑا اور نور تہذیب نے ان تاریک خیالات کو بند ریج
فنا کر دیا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ امور انسان کے اپنے پیدا کردہ اور غلط استدلال پر
مبنی تھے ۔ پس بریڈلا کی تقریر مین اگر کوئی بات ہے تو وہی جو مسٹر مِل نے کہی تھی کہ
جب تک انسانی زندگی تکالیف سے معمور ہے مذہب انسان کیلئے باعث تسکین رہیگا ۔
مطلب یہ کہ جبتک زمانے مین انقلاب و تغیر موجود ہے (اور یہ ہمیشہ رہیگا) تب تک انسان
ان سے اپنے معبود کی طرف توجہ کرنیکا سامان پائیگا اور چونکہ یہ سامان خود نیچر کا پیدا کردہ ہے
اس لیئے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے مذہبی احساس کے فطری ہونے مین اس سے کوئی شبہ
واقع نہین ہوتا ۔

مذہب اور مقتدایان قوم

شائد اس اعتراض مین یہی نقص تھا جسکی وجہ سے مسٹر بریڈلا اور اُن کے ہمخیالون
کو عجائبات عالم کو مذہب کا محرک ماننے کے بعد مقتدایان قوم کی تعلیم و تربیت کا بہانہ بھی
تلاش کرنا پڑا لیکن یہ عذر بھی کچھ وقیع معلوم نہین ہوتا کیونکہ جب مقتدایان قوم کے بنائے ہوئے
دیوتا اور اُن کی تعلیم کردہ رسوم تمدنی اور عبادات مذہبی جن پر اپنے اپنے وقت مین نہایت
سختی سے عمل ہوتا رہا ہے تہذیب و تعلیم سے ایک ایک کرکے نابود ہوتی گئیں اور اُن بزرگو
کا اثر اس سے مانع نہ ہوسکا بلکہ ترقی نے خود بزرگون اور سب سے بڑھ کر بادشاہون تک کی
بالاتری اور خود مختاری کو دلون سے مٹا دیا اور صرف ایک قدر مشترک یعنی مذہب نہ صرف
نابود ہونے سے محفوظ رہا بلکہ اور درخشان ہوتا گیا تو ضرور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب جسطرح
غلط استدلال سے پیدا نہین ہوا اسی طرح مقتدایان قوم کا پیدا کردہ بھی نہین ۔ ڈاکٹر
سپنسر لکھتے ہین :-

"شہادت ثابت کرتی ہے کہ مذہب کو مقتدایان مذہب کا پھیلایا ہوا کہنا غلط ہے اور یہ خیال

کہ نوع انسان کے ایک جگہ سے منتشر ہونے سے پہلے ہی مذہبی خیال معتقدا یان مذہب
نے پھیلا دیا تھا فلا لوجی (علم اللسان) کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان
مذہب کو ظاہر کرنے کے لایق زبان حاصل کرنے سے پہلے ہی پھیل گئے تھے" ‡

مذہب کا معبود ہمیشہ ایک نہین رہا

مذہب یا اعتقاد کے فطری ہونے پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مہذب اور وحشی قومون
کا خدا ایک نہین ہے ۔ چنانچہ مسٹر جے ایس مِل کہتے ہین

" وحشیون کا مذہبی یقین مذہب عقلی کے خدا کا یقین نہین ہے کیونکہ وہ لوگ تمام قدرتی طاقتون
کو جن کا ماخذ جان نہین سکتے اور جن کے عمل کو سمجھ نہین سکتے زندگی شعور اور ارادہ سے منسوب
کر دیتے ہین اور ان طاقتون کو جو نامکمل سی تفہیم ان کے سمجھ مین آتی ہے اپنی جانب مین اسکی
اصلاح کر کے خدا کہنے لگتے ہین اور جتنی یہ طاقتین ہین ۔۔۔ اتنی ہی تعداد اُن کے خداؤن
کی ہے ۔ ان کے نزدیک ہر ایک دریا چشمہ اور درخت کا خدا جدا اُنکا نہ ہے ۔ پس ابتدائی جہالت
کی اس غلطی کو دیکھ کر یہ سمجھنا کہ اُس بالاتر ہستی یعنے خدا نے اپنی مخلوقات کی فطرت مین اپنی ہستی کا
علم ودیعت رکھا ہے خدا کی تعریف نہین بلکہ تحقیر ہے ۔ وحشیون کا مذہب نہایت ہی بھدی
قسم کی محسوس پرستی ہے ۔ وہ جس کو دیکھتے ہین اسے ذی حیات و ذی ارادہ مان لیتے ہین اور
پھر بھجن اور چڑھاوون سے اُنکو مناتے رہتے ہین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر جب مشاہدہ ترقی
کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر محسوس چیزون کی بڑی بڑی خاصیتین اُس قسم یا نوع کے
تمام افراد مین یکسان موجود ہین اور خاص خاص حالتون مین جو اثر ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ
اس حالت کے پیدا ہونے پر ہمیشہ یکسان رہتا ہے اور یون محسوسات کو معبود سمجھنے کے بجائے غیر محسوس
معبود مانے جاتے ہین جن کی نسبت فرض کیا جاتا ہے کہ وہ تمام نوع پر حکمران ہین اور خاص سے عام کی
طرف جانیکا یہ قدم نہایت آہستگی تامل اور خوف کے ساتھ اُٹھایا جاتا ہے جیسا کہ اب بھی جاہل لوگون
مین دیکھا جاتا ہے کہ تجربہ کس دشواری سے انکو اپنے کسی خاص بُت کی ہیبت ناک ناخوشنودی
اور فوق الفطرت طاقت کے اعتقاد سے ہٹا کر راہ راست پر لاتا ہے اور وحشی لوگون کا یہ بھی

‡ فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۱۳ سنہ ۱۸۸۹ء

+ لسا ب فرسٹ پر ۔۔۔ ۱۰۰

خیال اگرچہ کچھ کچھ اصلاح پذیر ہوتا جاتا ہے مگر پھر بھی زیادہ تر اسی خوف کی وجہ سے مدتوں قایم رہتا ہے حتی کہ مہذب دماغوں کا مذہب ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور جس کو مہذب لوگوں کا مذہب کہا جاتا ہے وہ یا تو ان دلایل کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو براہین عقلیہ کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے اور یا مظاہر قدرت کا۔" †

ایک معبود نہ ہونیکی وجہ

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے مسٹر مِل کا بیان بالکل سچا اور درست ہے اور واقعی مہذب اور وحشی لوگوں کے معبودوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور جب ان کے معبود ایک نہیں ہیں تو بظاہر یہی نتیجہ درست ہوگا کہ وہ سب تلاش بھی ایک چیز کو نہیں کرتے اور اس لیئے احساس بھی ان سب کا ایک نہیں ہے پس نہ مذہب اور ایک مذہب یعنی خدا کا یقین سب کی فطرت میں داخل نہ ہوا۔ مگر اس نتیجہ پر یقین کرنے سے پہلے گردوپیش کے اور حالات کو دیکھنا بھی ضرور ہے مثلاً ابتدا میں جب انسان زمین پر آباد ہوا ہوگا تو اُسکو خیال بھی نہ ہوگا کہ یہ زمین جس پر وہ چلتا پھرتا ہے کیا چیز ہے کیونکر بنی ہے؟ کس شکل کی ہے؟ کس چیز پر قایم ہے؟ اور انسان کا اُس وقت ان خیالات سے مُعرّا ہونا بالکل یقینی ہے کیونکہ آج اس قدر زمانہ گزر جانے کے بعد کروڑوں جاہل افراد اور اقوام موجود ہیں جن کے دماغ ان فکروں سے پاک ہیں۔ اچھا تو پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اور اپنی آس پاس کی بہت سی چیزوں کی قطع و صنع اور ترکیب و تحلیل کے منظر دیکھنے اور کچھ کچھ واقفیت پیدا کرنے کے بعد جس تختہ پر اُن کی بودوباش کا سامان آراستہ کیا گیا ہے اُسکی نسبت انکی متجسس نگاہیں دوڑنی شروع ہوئی ہونگی اور یہ پہلا قدم ہوگا جو زمین کے متعلق تلاش و تفتیش کا اُٹھایا گیا۔ اِس کے بعد نہ معلوم کس کس زمانے میں کیا کیا خیالات زمین کے متعلق قایم ہوئے ہوں گے کیونکہ انسانی تاریخ اس قسم کی تفاصیل ظاہر کرنے سے قاصر ہے مگر اتنا یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ اُنہوں نے پہلے پہل یا چند خیالات کو قایم کرنے اور پھر غلط ماننے کے بعد یہ خیال قایم کیا ہوگا کہ زمین مسطح اور ہموار فرش ہے کیونکہ اس خیال کا پتہ اب بھی جاہل قوموں میں مل سکتا ہے اور اس سے آگے بڑھکر کسی وقت وہ خیال قایم ہوا ہوگا جو اب تک ضرب المثلوں اور شعروں میں ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمین ایک گائے یا سانپ کے سر پر قایم ہے اور گمان ہوتا ہے

† تھری ایسیز آن ریلیجن صفحہ ۱۵ سنہ ۱۸۷۴ء۔

کہ یہ خیال انسان کے بہت ہی ترقی کرنے کے بعد اُس وقت پیدا ہوا ہوگا جب وہ اِن دلایل
کو سمجھنے کے قابل ہوا کہ ہر چیز کسی دوسری چیز پر قایم ہوا کرتی ہے اور بغیر کسی جائے قیام کے
معلق رہنا ممکن نہین۔ پھر اس خیال کے بعد جس خیال کا ہمین علم ہے وہ ہے جو ابھی ابھی علمی دُنیا
سے فنا ہوا ہے یعنی یہ کہ زمین گول ہے اور وہ کسی اور چیز پر قایم نہین بلکہ تمام موجودات کے
عین وسط مین ہے اور پیاز کے چھلکون کی طرح اس پر ہوا اور آگ اور متعدد آسمانون کی تہین
چڑھی ہوئی ہین اور سورج چاند اور تمام سیارے اِس کے گرد گھومتے ہین۔ اِس کے بعد ہمارے
زمانے کا دور ہے جسمین آگ کا غلاف اور آسمانون کی تہین غبار بن کر ایسی اُڑی ہین کہ کہیں
دکھائی نہین دیتین اور اب آفتاب دیوتا کی مانند وسط مین اور زمین اور دیگر ستارے راجہ
کی پرجا کی طرح ہوا مین معلق اِس کے گرد طواف کرتے مانے گئے ہین۔ آگے آگے خدا جانے
کیا کیا گُل کھلین گے اور کس راجا کا راج ہوگا مگر اب تک کس قدر انسانی عقل کی ہمت ہے
خیال کو یقینی اور ہر طرح سے قابل تسلیم مانا جاتا ہے۔

اِسی طرح انسان ابتدائی حالت مین جب پھل کو دیکھتا ہوگا بھوک سے لاچار ہو کر مُنہ میں ڈال
لیتا ہوگا جیسا کہ اب بھی اکثر گنوار سیب ناسپاتی اور کھیرے ککڑی کو بے چھیلے اور صاف کئے
جاتے ہین پھر ذرا تمیز پیدا ہوئی ہوگی اور خربوزہ تربوز وغیرہ کا چھلکا کھانے کے بعد اُس کے
کا ذایقہ چھلکے سے بہتر اور خوشگوار معلوم ہوا ہوگا تو پھل کا پوست اُتار کر کھانے کا رواج پڑا ہوگا
یہ پہلا قدم ہوگا جو اشیا کی تحلیل اور اجزا کی شناخت کی طرف اُٹھایا گیا ہوگا۔ پھر جب ذرا اور غور
کی عادت پڑی ہوگی تو سمجھنے لگے ہون گے کہ پھل کے عناصر چھلکا مغز اور اُس کے اندر
اور بیج بھی چیزین ہین اِس کے بعد جب تجربہ بڑھا ہوگا تو بعض چیزون کو پگھلتے اور پانی بنتے
بعض کو بخارین کر اُڑتے اور بعض کو خاک ہوتے دیکھا ہوگا اور سمجھے ہونگے کہ چھلکا اور مغز وغیرہ
نہین ہین بلکہ پانی اور ہوا وغیرہ اصلی اجزا ہین جن سے کوئی چیز بنتی ہے اور یون رفتہ رفتہ وہ
قایم ہوا ہوگا جس کا جنازہ موجودہ زمانے والون نے پڑھا ہے اور جسکی گور کے نشان ابھی

کہ اربعہ عناصر ہر چیز کا اصل ہین اور آگے ان کی تحلیل نہیں ہوسکتی ۔ مگر زمانے کو ایک بات پر چین کہان
ڈھونڈنیوالے ڈھونڈتے رہے اور کھودنیوالے کھودتے رہے حتی کہ مٹی کو پیسا اور پانی کو چھانا ۔
انہون نے بات کر دکھائی اور چار کی جگہ ساٹھ سے زیادہ عناصر نکال کر رکھ دیئے ۔ اکائیون سے دہائیون
کے آخر تک پہنچ گئے اب سینکڑون اور ہزارون کا نمبر باقی رہا ۔ البتہ پچھلون کی غلطی سے فایدہ
اٹھاکر ان لوگون نے یہ عقلمندی کی کہ عنصر کی تعریف کو بدل دیا پہلے عنصر کو ناممکن التحلیل کہتے تھے
اب عنصر اسے کہتے ہین جو موجودہ ذرائع اور وسائل سے تحلیل نہ ہوسکے ۔ گو آئندہ ترقی کرنے اور کسی اور
طرح کے وسایل بہم پہنچانے پر وہ بھی صاحب اجزا ثابت ہون اور اس طرح پانی کو عنصر کہنے والے جھوٹے
ٹہرے مگر ہیڈروجن اور آکسیجن کے اجزا معلوم ہونے پر اُن کو عنصر ماننے والے جھوٹے نہ ہون گے
کیونکہ موجودہ وسائل سے تحلیل ابھی یہ ختم ہوتی ہے اور آیندہ جو عناصر ثابت ہون گے وہ بھی دہی
ہون گے جن تک اُس زمانہ کے موجودہ وسایل پہنچائین گے ۔

غرض یہ ہے انسانی عقل اور عقلی ترقی کی حالت کہ وہ پیدا ہوئی تو ہزارون ٹھوکرین کھا کر اور
ہزارون غلطیان کرکے یہان تک پہنچی ہے اور سٹر مل جو کچھ کہتے ہین اس سے انسانی مذہب کی
حالت بھی یہی ثابت ہوتی ہے ۔ انسان نے زمین اور پھل کو دیکھا اسمین غور کیا یہ اسکی عقلی خوبی تھی
اسی طرح کسی عجیب درخت اور پتھر کو دیکھا اسمین سے قابل تعظیم ہستی کی قدرت کو تلاش کیا یہ مذہبی
خوبی ہے ۔ زمین کو دیکھ کر مسطح مانا اور پھل کو دیکھ کر چھلکے اور گودے کو عنصر سمجھا یہ انسانی کمزوری تھی
اسی طرح درخت اور پتھر کو خدا جانا یہ بھی سہو انسانیت تھا ۔ آگے چلکر عقل اور مذہب دونو نے انسانی
کمزوری اور سہو کو محسوس کیا زمین کو گول چھلکے کو قابل تحلیل اور خدا کو محسوسات سے بالاتر مانا مگر
کمزوری نے پیچھا نہ چھوڑا اور ایک اور ٹھوکر کھائی کہ عناصر کو چار زمین کو ساکن اور خدا کو قوائے
عالم مین منحصر مانا ۔ رفتہ رفتہ عقل اور مذہب زور پکڑتے گئے انسانی کمزوری کم ہوتی گئی عقل نے
اپنی حالت کو پہچانا عجز کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ واقعیت میری گرفت سے باہر ہے البتہ وسایل
منجر جس حد تک مدد کرتے ہین اسی قدر یقین کرنے کا حکم نافذ کرتی ہون ۔ اسی طرح مذہب نے اعلان

کیا کہ میرا معبود احاطۂ فہم و ادراک سے بالا ہے مگر ذرائع کشف و شہود جس درجہ تک اسکی صفات کا علم ظاہر کرتے ہین اُسی حد تک ایمان لانیکا فتوےٰ دیتا ہون۔ پس اگر مذہب فطرت مین داخل نہین ہے اس لیئے کہ وحشیون کا مذہب اور چیز کو خدا سمجھتا تھا اور تربیت یافتہ لوگون کا اعتقاد اور خدا کی پرستش کرتا ہے اور اس لیئے دونو کا مذہبی احساس ایک نہین ہے تو عقل بھی انسان کی فطرت مین داخل نہ ہوگی اسلیئے کہ وحشیون کی عقل اور چیز کو امر واقع سمجھتی تھی اور تربیت یافتہ دماغ اور سمجھتے ہین اور اسلیئے دونو کا عقلی میلان ایک نہین ہے۔ مگر نہین، عقل کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہین ہوسکتا اسلیئے کہ تلاش واقعیت عقل کو ہمیشہ سے رہی ہے اسی بنا پر مذہب کے داخل فطرت ہونیسے بھی انکار نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تلاش خدا مذہب کا دائمی خاصہ رہا ہے ؎

شاید وجہ کا یہ ہوا ہے کہ اس اعتراض کے پیش کرنیوالون نے جذبۂ فطرت اُس خاصہ کو سمجھا ہے جو شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہو مثلاً کھانے پینے کی خواہش یا نشو و نما پانے کی طاقت کہ ایسے خواص جس طرح ابتدائے آفرینش مین کام کرتے تھے اسی طرح ہر زمانے مین کرتے آئے ہین اور ایسا نہین ہوسکا کہ ابتدا مین خوراک کی خواہش کم ہو اور بعد مین اُس کے اندر ترقی ہوئی ہو پس وہ سمجھتے ہین کہ جذبہ فطری وہی ہوتا ہے جو اس طرح ابتداء سے آخر تک ایک حالت پر رہے اور چونکہ مذہب کی یہ صورت نہین ہے اسلئے وہ اسکو جذبۂ فطرت ماننے سے انکار کرتے ہین مگر یہ ایک غلطی ہے جو حیوانی یا نباتی خواص فطرت اور انسانی جذبات فطرت مین تمیز نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ جس قدر جذبات فطرت شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہین وہ یا نباتی ہین مثلاً قوت نشو و نما اور یا حیوانی مثلاً بھوک پیاس کا احساس اور اجسام حادثہ چونکہ نباتی اور حیوانی درجہ سے ترقی کیئے ہوئے انسان تک پہنچے ہین اس لیئے انسان بھی جسم نامی اور حیوان کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے اور وہ تمام نباتی اور حیوانی جذبات رکھتا ہے جو اسکی ترقی یافتہ حالت کے منافی نہ تھے اور ایسے جذبات بیشک اس کے اندر مکمل حالت مین ہین مگر جو جذبات فطرت انسانی نے پیدا کیئے ہین یا جن نباتی اور حیوانی جذبات کو فطرت انسانی نے ترمیم و اصلاح کے ساتھ قایم رکھا ہے ان مین سے غالباً کوئی بھی شروع سے

مکمل اور ناقابل ترقی نہین ہے مثلاً نشو و نما ایک نباتی خاصہ ہے اور اپنے سادہ طریق پر انسان کے
اندر شروع سے مکمل ہے لیکن اِس کے واسطے اسباب و وسائل کا تلاش کرنا انسانی خاصہ ہے یا
یون کہا جائے کہ جذبۂ نباتی مین انسانی فوقیت کی جانب سے ایک اصلاح ہے کیونکہ نبات پر
اسباب و وسائل کی تلاش فرض نہین کیگئی بلکہ قدرت خود ہی اِسکا انتظام کرتی ہے اور انسان کے
لیئے جو ایک کارکن مخلوق تھا یہ رعایت روا نہ رکھی گئی اور فرض گردانا گیا کہ وہ خود اسباب و وسائل کو
مہیا کرے اور یہی فرض حیوانات کی گردن پر بھی رکھا گیا تھا مگر فرق تکمیل اور عدم تکمیل کا ہے کہ حیوانات
کی تلاش ازل سے ابد تک یکسان ہے اور انسان نے اسبارہ مین ابتدائی نسل کی نسبت آجتک بہت
ترقی کر لی ہے - ابتدائے آفرینش سے انسان محض حیوانون کیطرح نشو و نما پاتے تھے اور قدرت کے
دسترخوان پر جو الوان نعمت اس غرض کے لیئے چُنے گئے تھے بے سمجھے بوجھے ان سے کام لیتے
تھے مگر آجکا انسان بہت سے قواعد حصول معیشت حفظ صحت افزائش نسل اور ترقی نمو کے دریافت
کر چکا ہے اور بڑی حد تک سمجھ گیا ہے کہ کیونکر نشو و نما مین ترقی ہو سکتی ہے اور کن اسباب سے اس مین
نقص پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح بھوک پیاس اگرچہ مکمل خاصہ ہے مگر انسان نے اپنی ترقی سے بہت
کچھ بھوک پیاس بڑھانے کے وسائل اور کم ہونیکے اسباب دریافت کر لئے ہین ۔

یہ نوان جذبات فطرت کی حالت تھی جو انسان مین نباتیت اور حیوانیت کے درجہ سے
منتقل ہو کر آئے ہین اب اُن جذبات کو دیکھا جائے جو فطرت نے خاص انسان کیلیئے پیدا کیئے ہین
تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام جذبات نہایت ہی ضعیف اور نامحسوس حالت مین پیدا کیئے گیئے ہین اور کمال
سب کا آہستہ آہستہ اور بہت سی غلطیون کے بعد ہوا ہے مثلاً صداقت، شجاعت، عدالت،
رحم، ہمدردی، نفاست اور خود عقل اور ترقی سب فطری خواص ہین مگر ابتدا سے اب تک ان مین
سینکڑون تغیر اور ان کے مفہوم مین کئی طرح کے اختلاف پیدا ہوتے آئے ہین - وحشت کے
زمانے مین اپنے دشمن کو پامال کرتے ہوئے ضعیفون، اپاہجون، عورتون اور بچون تک کو
بیدریغ تہِ تیغ کیا جاتا تھا اور بیکسون کی فریاد و زاری اور آہ و بُکا پر ترس نہ کھانے کی تعریف

ہوتی تھی اور اس وصف کو شجاعت اور بسالت کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا اور کوئی
شخص کیسا ہی ظلم و ستم کرنے کا عادی ہو لیکن جب کسی بڑے آدمی کے پاس آ کر ذلت کے ساتھ پناہ
مانگے تو حمایت کو فرض سمجھا جاتا تھا اور اگر اتفاق سے وہ شخص پناہ دینے والے کے دشمنوں پر
کوئی مصیبت ڈال کر آیا ہے تو اسکی طرفداری اور بھی امر لازم اور فرض اتم مانی جاتی تھی اور ایسے
پناہ مانگنے والے کی حمایت کو ہمدردی و رحم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ یا ایک زمانے میں دشمن سے
مغلوب ہو جانے پر اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد اور وفادار عورتوں کو قتل اور جانوروں کو
نابینا کر دیا جاتا تھا اور مال و اسباب کو جلا دیتے تھے اور پھر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس فعل کو
مقتضائے شرافت و غیرت اور دشمن سے ایک طرح کا انتقام سمجھا جاتا تھا۔ علی ہذا جھوٹ اور فریب سے
احتراز محض اپنے دوستوں کیساتھ ضرور تھا اور دشمنوں سے اس قسم کا سلوک جائز بلکہ بعض اوقات
واجب سمجھا جاتا تھا۔ غرض یہ اور اس قسم کی ہزاروں غلطیاں تھیں جو ان اوصاف حسنہ کی حقیقت
سمجھنے میں کی جاتی تھیں اور بتدریج اور زمانے کا نامعلوم عرصہ گذرنے کے بعد اخلاق حسنہ کی وہ
تعریف و تحدید ہوئی ہے جو آجکل بالعموم تسلیم کیجاتی ہے +

مسٹر مل ایک موقع پر صداقت و ہمدردی وغیرہ چند اوصاف کا ذکر کرتے ہیں اور دعوے
کرتے ہیں کہ ان کا کمال بہت کچھ تربیت پر منحصر ہے اور آگے چل کر تسلیم کرتے ہیں کہ ان اوصاف
کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اس اظہار سے اس مقام پر جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ درست
ہو یا غلط مگر یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ وہی مل جو مذہب کو داخل فطرت ماننے سے انکار کرتا ہے اس
بنا پر کہ وہ شروع سے مکمل نہیں بلکہ بہت سی غلطیوں کے بعد اس حالت تک آیا ہے وہ بہت
سے دیگر خواص کو تربیت کا محتاج اور باینہمہ فطری تسلیم کرتا ہے اور جب بعینہ یہی حال مذہب کا
ہے کہ اس کا کمال اگرچہ تربیت سے ہوا مگر نامکمل حالت میں موجود وحشیوں میں بھی تھا اور نیز بعینہ
یہی شکل عقل اور خاصۂ ترقی کی ہے پس عقل ترقی اور دیگر تمام خواص کے تخم داخل فطرت انسانی ماننے
کے بعد اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مذہب کا تخم بھی اسی طرح داخل فطرت ہے۔

+ ایسیز صفحہ ۵۳ سنہ ۱۸۷۴ء۔

بعض قومین مذہب سے معرا ہین -

اسی مضمون پر مسٹر مِل† مسٹر ہربرٹ‡ لا اور مشہور فلاسفر ڈارون‡‡ چند وحشی اقوام کو پیش کرتے ہین جو مذہب سے بالکل مُعرّا ہین اور دعوی کرتے ہین کہ مذہب فطرت انسانی ہین داخل نہین ورنہ یہ تو ہین انسان ہو کر اس سے خالی نہ ہوتین - مگر ایک تو مسٹر تھیوڈور پارکر اس کے جواب ہین سچا کہتے ہین کہ :-

" ایسے سیاح (جو لا مذہب اقوام کا پتہ دیتے ہین) اکثر غلطی کرتے ہین - وہ جس قوم کا ذکر کرتے ہین اُس کے اطوار و رسوم سے کما حقہ واقف نہین ہوتے اور سرسری معاینہ سے حکم لگا دیتے ہین اور اس کے سوا اُنکا تعصب بھی اکثر اندھا کر دیتا ہے وہ باقاعدہ عبادت' مذہبی اصول و فروع' مذہبی معتقدات' عبادت خانے اور مذہبی رسوم و قواعد تلاش کرتے ہین حالانکہ مذہبی احساس کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جسمین یہ علامات بالکل نہین ہوتین اور تاہم مذہب موجود ہوتا ہے - سیاح لوگ عبادت کے مروجہ قاعدے نہین دیکھتے تو سرے سے عبادت کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہین اور اس سے بڑھ کر اُس قوم ہین مذہبی احساس کو بھی معدوم مان لیتے ہین لیکن اگر کوئی شخص ایسی قوم کو دیکھے جسمین کھانا پکانے کی کوئی علامت اور اس قسم کا سامان موجود نہ ہو تو اس سلبی ثبوت سے کیا یہ نتیجہ نکالنا عقلمندی ہوگا ؟ کہ وہ لوگ سرے سے کھاتے پیتے ہی نہین اسی قسم کی شہادت سے بُت پرست قدیم عیسائیون کو لا مذہب کہدیا کرتے تھے اور بعد مین عیسائی بت پرستون کو کہنے لگے -" ‡‡‡

اور دوسرے ایسی شہادت کو مانکر اور ایسی اقوام کا وجود تسلیم کرنے کے بعد جو مذہب سے بالکل معرا ہین دیکھنا یہ ہے کہ آیا کوئی اور فطری خاصہ ایسا نہین ہے جس سے کوئی قوم معرا ہو اور کیا ترقی اور عقل انسان کا فطری خاصہ نہین ہے ؟ کیونکہ آجتک جبکہ دنیا کی اکثر قومون نے بے انتہا ترقی کرلی

---

† ایتھنے ع ۳ صـ ۱۵۷ سنہ ۱۸۷۴ء

‡ فری تھنکرز ٹکسٹ بک صفحہ ۹۹ سنہ ۱۸۸۲ء

‡‡ ڈیسنٹ آف مین باب سوم -

‡‡‡ کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن باب سوم صفحہ ۱۶ سنہ ۱۸۸۱ء -

ہے اور جبکہ بعض قومین ترقی کی ایک حد تک پہنچ کر پھر اس دائرہ کے دوسری قوس یعنی تنزل کے راستہ پر بھی ہولی ہین اسی مختصر زمین کے آباد حصہ مین اکثر قومین موجود ہین جنہون نے حیوانیت سے ایک انچ بھر بھی ترقی نہین کی۔ وہی جنگل کی خودرو گھاس پات پر گذارہ ہے اور وہی صحرائی جھاڑیون مین بسیرا ہے اور اسی لیے انکا نام بُش مین یعنی جھاڑیون مین رہنے والے انسان رکھا جاتا ہے۔ پس جبکہ مذہب فطری نہین ہے اس لیئے کہ وہ بعض قومون مین پایا نہین جاتا تو ترقی اور عقل بھی انسانی فطرت مین داخل نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی اکثر قومون مین آجتک معدوم ہے۔ مگر ترقی کو غیر فطری ماننے سے تو یہان تک گریز ہے کہ جب مسٹر ڈارون پر اعتراض ہوا کہ انسان ترقی کرنیوالی مخلوق ہے اور حیوانات ترقی نہین کرتے اور نیز انسان پابند مذہب ہے اور حیوانات نہین ہین اس لیئے انکا دعوے کہ دونو ایک نسل سے ہین غلط ہوگا تو انھون نے مذہب کو انسانی فطرت سے نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ رخصت کر دیا مگر ترقی سے اُسے محروم نہ کرسکے بلکہ نہایت رکیک تاویلون سے حیوانات کو بھی قابل ترقی ثابت کرنے مین مصروف ہوگئے [۱] اور حق یہ ہے کہ بعض قومون مین ترقی

---

[۱] مثلاً وہ کہتے ہین کہ کسی جنگل مین زیادہ شکار کیا جائے تو وہان کے جانور دوسرون کی نسبت زیادہ ہوشیار ہو جاتے ہین۔ حالانکہ یہ دلیل اگر ثابت کرتی ہے تو صرف اس قدر کہ ان مین قوت استدلال ہے اور ترقی اگر ہوتی تو اسکی صورت یہ ہونی چاہیئے تھی کہ ایک نسل کسیقدر ہوشیار ہوتی تو دوسری نسل اس سے ترقی کرکے گریز کی کوئی اور سبیل ایجاد کرتی اور تیسری نسل بجائے گریز کے مقاومت کی سبیل نکالتی۔ حالانکہ یہان یہ کیفیت نہین بلکہ مصیبت کے وقت جس قسم کی ہوشیاری وہ ظاہر کیا کرتے ہین اس کی نوعیت قرنین اور صدیان گذر جانے پر آج تک وہی ایک ہے۔ یا مثلاً وہ کہتے ہین کہ کتے جو بھیڑیا اور گیدڑ کی ترقی یافتہ نسل ہے اس نے گیدڑ اور بھیڑیئے سے چستی اور رشک اور مکر مین کمی کرلی ہے اور محبت اعتماد اور ملنساری مین بڑھ گیا ہے۔ مگر یہ دلیل بعینہ اپنے دعوے کو ثبوت مین پیش کردیتا ہے کیونکہ ترقی کی یہ مثال اسی شخص کو مسلم ہوگی جو پہلے ان کے دعوے پر یقین کرلے کہ حیوانات ایک دوسرے سے بنے ہین حالانکہ یہی ایک اختلاف ہے ملاحظہ ہو ڈی سنٹ آف مین باب سوم ؎

اور عقل نہ ہونے سے یا مذہب کا نشان نہ ملنے سے ان اوصاف کو خارج فطرت نہیں کہہ سکتے اور ڈاکٹر سپنسر کا فیصلہ اس بارہ میں بہت مناسب ہے کہ :-

"بعض قوموں کا مذہب رکھنا خلاف فطرت ہونیکو ثابت نہیں کرتا کیونکہ ایک خاص درجہ ذہانت کا مطلوب ہے جس کے بعد مذہب پیدا ہوا کرتا ہے . . . . . . مذہب یا تو براہ راست خدا نے پیدا کیا ہے یا اور اوصاف انسانی کیطرح خاص حالت انسانی میں پیدا ہو کر بتدریج بڑھتا گیا ہے اور ہر طرح قابل تعظیم ہے ۔"✝

اکثر اشخاص لامذہب ہوتے ہیں -

منکرین خدا تردید مذہب کے لئے اپنے وجود کو بھی ایک دلیل گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں انسان لامذہب اور دہریہ موجود ہیں پس اگر یہ حسیہ فطری ہوتی تو اس قدر ناآشنا موجود نہ ہوتے✝ لیکن اس عذر کا فیصلہ بھی اسی طریق سے ہوسکتا ہے جس سے مذکورہ بالا اعتراضوں کو حل کیا گیا ہے یعنے دیگر خواص فطرت کا مطالعہ ۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قوم پر عرصہ دراز تک بیرونی اور جابر حاکموں کا تسلط رہنے اور مدت تک ان کے خلاف جد وجہد کرنے پر ناکامی اٹھانے سے اور ان کے ظلموں کو برداشت کرتے کرتے اس حالت کے خوگیر ہو جانے سے اس قوم کی شرافت صداقت اور بہت سے اوصاف حسنہ تباہ ہو جاتے ہیں اور انکی جگہ کمینہ پن، مکر و فریب دروغگوئی اور دیگر رذایل طبیعت ثانیہ بنکر اس قوم کی قومیت کو برباد کر دیتے ہیں یا کوئی قوم کچھ مدت دولت و اقبال سے بہرہ ور اور برتری اور حکومت کے نشہ میں سرشار رہنے سے اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ و مقابلہ کا موقع پیش نہ آنے سے محنت کشی اور شجاعت کے جوہر سے تہیدست اور بزدلی اور آرام طلبی کی عادی ہو جاتی ہے یا کچھ تہذیب و تربیت سے بے بہرہ رہنے پر عدالت اور رحم بلکہ عقل اور ترقی سے بھی ناآشنا ہو جاتی ہے اور ظلم ناخداترسی اور جہالت کو اپنا شعار بنالیتی ہے اور ایسی حالتوں میں وہ لوگ ان اوصاف حسنہ سے ایسے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ جب اس قوم کی خوش قسمتی سے پھر کچھ اسباب ان کو تنبیہ دینے والے پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ عقل و شعور اور دیگر کمالات کیطرف توجہ دلاتے ہیں تو شروع شروع میں بلکہ بعض اوقات بہت عرصہ تک وہ لوگ اپنے رہنماؤں اور ناصحوں کو دشمن اور انکی ہدایتوں کو اپنے

✝ کتاب فری تھنکرز ٹکسٹ بک صفحہ ۹۰ مطبوعہ ۱۸۸۲ء

✝ فرسٹ پرنسپلز باب اول خلاصہ صفحہ ۴ اور ۶ ایڈیشن سوم - ✝ کتاب فری تھنکرز ٹکسٹ بک صفحہ ۹۸ و ۹۹

حق میں سم قاتل سمجھ کر ان سے برسر پرخاش رہتے ہیں اور جبتک ہر طرح سے مجبور نہیں ہوتے باعرصۂ تنگ
دیگر صاحبان کمال کی نظیر اور اس کے نوادر کا کثرت کے ساتھ تجربہ نہیں کرتے اپنی خلاف فطرت عادات
و خصائل سے باز نہیں آتے مگر کیا نادر اور تربیت کے اس قسم کے آثار دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے
کہ صداقت و رحم و شجاعت و عدل اور اس سے بڑھ کر عقل اور ترقی وغیرہ جذبات انسانی فطرت میں داخل
نہیں ورنہ وہ تربیت کے اثر سے زائل نہ ہوتے ۔

تربیت کا اثر اور نیز استثنا بھی قانون قدرت ہے۔

حق یہ ہے کہ جہاں انسان کے اندر اور بہت سی خواص فطرت ودیعت ہیں وہاں ایک خاصہ
اثر صحبت اور تربیت پذیری بھی ہے اور نیز خواص فطرت جہاں اکثر میں پائی جاتے ہیں وہاں بعض
میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے اور اس قسم کا استثنا شخصی اور قومی ہر طرح کے خواص میں پایا
جاتا ہے۔ قوت رجولیت اور گویائی وغیرہ فطری قوتیں ہیں مگر بعض انسان مادرزاد نامرد اور گونگے
پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مہذب اور علم قوموں میں بعض اشخاص محض کودن اور ناقابل تعلیم نکل آتے ہیں
اور بعض قومیں سب کی سب کسی خاص جذبہ فطری سے محروم پائی جاتی ہیں۔ بعض دماغی قوتوں
سے عاری ہوتی ہیں تو بعض قلبی ملکات سے حصہ نہیں رکھتیں پس یہی تربیت اور استثنا کا عام قانون
مذہب پر بھی حاوی ہے اور جس طرح بعض اشخاص نامرد یا بعض قومیں ناقابل ترقی نکل آتی ہیں اسی طرح
بعض لوگ مذہبی احساس سے بے بہرہ پائے جاتے ہیں اور جس طرح گرد و پیش کے حالات سے
بعض آدمی اپنی رجولیت اور دیگر قویٰ کو زائل کر دیتے ہیں یا بعض قومیں ترقی سے تنزل کی طرف
آجاتی ہیں اسی طرح کسی زمانہ میں محض جسمانی اور مادی تعلیم کا زور رہنے اور روحانی تاریکی اور جہالت
پیدا ہو جانے سے مذہبی جذبہ افسردہ ہو کر تمام فضا میں دہریت کی ہوا پھیل جاتی ہے مگر جب عقل و ترقی
کے زائل ہونے پر اس کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں کیا جاتا تو انصاف کے رو سے
مذہب کو خارج فطرت یا اکتسابی کہنا بھی روا نہ ہوگا ۔

لا مذہب بھی اکثر کسی نہ کسی طرح کا مذہب رکھتے ہیں۔

اور دوسرے اگرچہ محض مادی تعلیم اور دنیوی توغل کے سبب بلاشبہ مذہبی جذبہ بہت
کچھ دب جاتا ہے اور لوگ کثرت سے مادہ پرست اور دہریہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے

نو جہالت کی اشاعت سے جس قدر عقل اور ترقی پر زوال آتا ہے مادّیت کی تعلیم سے مذہب کو اس قدر نقصان نہین پہنچتا اور جس مبالغہ سے لامذہبون کی تعداد بیان کیجاتی ہے حقیقت مین اُن کے اعداد و شمار اس سے بہت کم ہین مذہب کی تعریف جو مسٹر پارکر نے کی ہے یعنی

مذہب کی تعریف

"مذہب خدا کے اُن اندرونی اور بیرونی قوانین کی اطاعت کا نام ہے جو اس نے ہماری فطرت مین رکھے ہین اور جو مختلف طریقون سے عقل حیوانی، عقل انسانی، ضمیر اور مذہبی جذبہ کی وساطت سے ظاہر ہوتے ہین"۔ *

یہ تعریف تو ایسی عام ہے کہ غالبًا دنیا کا ہر ایک کام اس کے رو سے مذہب مین داخل ہوجاتا ہے مگر جو تعریفین اس سے خاص اور مذہب کو نمایان طور پر تعبیر کرنے والی بیان کیگئی ہین مثلاً فچے کا قول ہے کہ "مذہب دنیا کی اخلاقی سلطنت پر اعتقاد رکھنا ہے" + یا افلاطون کی رائے ہین "مذہب اپنی استطاعت کے موافق خدا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنیکا نام ہے" ‡ یا پروفیسر ولیم جیمس ایل ایل ڈی کی اپنی بے نظیر کتاب مین لکھتے ہین کہ "اگر مذہب کے کوئی ایسے خواص پوچھے جائین جو سب مین پائے جاتے ہون تو جواب یہ ہے کہ مذہب ایک نادیدہ نظام کا یقین دلاتا ہے اور انسان کی سب سے فایق بھلائی اپنے تئین اسکے ساتھ ہم آہنگ کرنے کو بتاتا ہے پس یہی یقین اور یہی ہم آہنگی ہے جو روح کے اندر مذہبی عنصر ہے" ‡ اِن تعریفون سے جس مذہب کا پتہ لگتا ہے اِس سے ناآشنائی محض دنیا مین بہت ہی کم ہون گے بالکم از کم عقل و ترقی سے محروم رہنے والون کی تعداد ضرور ہے لوگون سے زیادہ ہوگی کیونکہ اخلاقی گورنمنٹ یا نادیدہ نظام کا یقین اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ایک تو یہ صورت ہے کہ کسی خاص ہستی کو معبود ٹھیراکر اُسکی خوشنودی حاصل کرنیکی کوشش کرین اور اس حالت کو علانیہ مذہب کے نام سے پکارین اور دوسری صورت یہ

---

* اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن باب چہارم صفحہ ۲۴ سنہ ۱۸۸۱ء۔

+ ایضًا صفحہ ۲۵۔

‡ کتاب ورائٹیز آف دی ریلیجس ایکسپیرئینس لیکچر نمبر ۳ صفحہ ۵۳ سنہ ۱۹۰۲ء

بھی ہے کہ کسی قسم کے اسباب سے معبود، خدا اور مذہب کے نام سے چڑین اور مذہب کا اقرار کرنے
والون کے مقرر کردہ اطوار سے جسکو عبادت کہا جاتا ہے نفرت کرین مگر دوسرے نام اور دوسرے
طریقون سے کسی خاص مدعا کو اسی عظمت اور اہتمام شان کا حقدار بناتین جو پابندان مذہب معبود
کیلئے قرار دیتے ہین اور اس تک پہنچنے کی اور اسکو اشاعت دینے کی ویسی ہی کوشش کرین جیسی مذہب
والے اپنے اعتقاد کیلئے کرتے ہین کہ اس صورت مین بہی وہی نادیدہ نظام کی کشش ہے جو کسی خاص
تربیت کے سبب دوسری شکل مین جلوہ گر ہوئی ہے اور ایسے لوگ جوان دونو صورتون سے بے بہرہ
ہون بہت کم ہونگے - وہ لوگ جو ٹمپرینس سوسائٹی (فریق مانع مسکرات) یا ویجیٹیرین
سوسائٹی (فریق نباتات خوار) وغیرہ نامون سے اپنا ایک خاص مدعا قرار دیتے ہین اور اس کو سب سے
زیادہ اچھا اور مفید جان کر رات دن اسی خیال مین محو رہتے ہین اور اسکی اشاعت کے لیے جنگل اور
پہاڑ کاٹ کر ملکون ملکون چکر لگاتے ہین، اسکی منادی کرتے ہین، اسکی تعریف و توصیف سے
لکچر دیتے ہین اور بھجن گاتے ہین اگرچہ وہ مذہب کا نام اپنے لیئے گوارا نہین کرتے مگر مذہب بہی
سوسائٹی ہی اور اگرچہ کسیکو اپنا معبود نہین کہتے مگر معبود نہ ہی نصب العین ہی ایک اشتیاق
ہے جوان کے دل کو بیقرار کیئے ہوئے ہے اور ایک کشش ہے جوان کے قلب جگر کو اپنی طرف
کھینچ رہی ہے کسی نے قابل تعظیم ہستی کو تلاش کیا اور درخت پتھر مین اس کا جلوہ دیکھ کر سجدہ مین
گر پڑا لوگون نے کہا مذہبی دیوانہ ہے تو کسی اور نے اس سب سے اچھے کو ڈھونڈا ترک مسکرات مین
خوبی نظر آئی اسکے پیچھے سرگردان پھرنے لگا اسے مذہبی دیوانہ نہ کہو سائیٹی کا دلدادہ کہو مگر دونو
مین فرق کچھ نہین - کھانے کی خواہش فطری ہے مگر تندرست کو وہی خواہش الوان نعمت اور
لذیذ غذاؤن کیطرف کھینچتی ہے اور ایک قسم کے بیمار مین وہی خواہش مٹی کھانے کی ترغیب دیتی
ہے ایسا ہی مرض یہان کام کر رہا ہے کہ فطری جذبہ مطلوب کیطرف کھینچتا ہے لیکن یہ دیوانے
اس تک پہنچ نہین سکتے اور اینٹ پتھر یا وہم و خیال کے پیچھے پھرنے لگتے ہین مٹی کھانیوالا اور
پتھر یا خیال کو پوجنے والا قابل رحم دونو ہین مگر فطری جذبہ سے محروم نہین ہین -

ایک دہریہ کے قول میں مذہبی نشان

اور تو اور وہ خدا کا بندہ جس نے پروفیسر سٹاربک کی گشتی چٹھی کے جواب مین نہایت بیگانگی ظاہر کی ہے اور اس سوال کے جواب مین کہ "تمہارے نزدیک مذہب کا کیا مطلب ہے" لکھا ہے کہ

"میرے نزدیک مذہب کا کچھ بھی مطلب نہین اور جہان تک مین خیال کرتا ہون یہ اورون کے لیئے بھی بیہودہ ہے۔ میری عمر ستر سال کی ہے اور مین مقام اکس مین پچاس سال رہا ہون اور پینتالیس سال کاروبار کیا ہے۔ اس لیئے مجھے مردون کی اور کسیقدر عورتون کی زندگی کا تھوڑا بہت تجربہ حاصل ہے اور مین جانتا ہون کہ سب سے بڑے پابند مذہب اور سب سے بڑے پارسا لوگ راستی اور اخلاق مین سب سے زیادہ ناقص ہوتے ہین اور وہ لوگ جو عبادتخانون مین نہین جاتے اور مذہبی میلان نہین رکھتے سب سے بہتر ہوتے ہین۔ عبادت، حمد سرائی اور مذہبی رسوم منحوس کام ہین۔ یہ باتین سکھاتی ہین کہ کسی فوق الفطرت طاقت پر بھروسہ کرو حالانکہ ہمکو خود اپنے اوپر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ مین خدا کا بالکل منکر ہون۔ خدا کا خیال جہالت، ترس اور قوانین فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر مین اس وقت مرجاؤن مگر جسقدر میری عمر کے لحاظ سے ہوسکتا ہے مین قلبی اور جسمانی طور پر تندرست ہون تو مین مرنے کے وقت ایسا ہی خوش ہونگا جیسا کہ اب ہون بلکہ راگ رنگ شکار یا اور ایسے ہی عاقلانہ تفریحون سے لطف اٹھاتا ہوا جان دیدونگا جس طرح ایک ٹائم پیس ٹھہر جاتا ہے ہم مرجاتے ہین اور ہمارے لیئے کوئی بقاء بعد الموت نہین ہے"[۱]

افسوس ہے کہ مجھے اس شخص کا نام معلوم ہونے کی بھی عزت حاصل نہین حالانکہ دل مین نہایت شوق اسکی زیارت کا ہے کیونکہ باوجود اس ناآشنائی کے جو وہ اپنی طرف سے نہایت زور کے ساتھ ظاہر کرتا ہے مجھے محبوب ازل کا قبضہ اسکے دل پر بھی نظر آتا ہے وہ مذہب اور مذہب والون سے کیون نفور ہے ؟ اس لیئے کہ راستی اور اخلاق جسکو وہ سب سے اچھی چیز سمجھتا ہے اس کو ان لوگون مین نہین پاتا۔ وہ خدا کا کیون انکار کرتا ہے ؟ اس لیئے کہ اسکو جہالت اور ناواقفی پر مترتب سمجھتا ہے اور ان دونون سے اسے نفرت ہے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ اسکو مکمل خوبی اور مکمل علم کی تلاش نہین

[۱] ورائٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرئینس لکچر نمبر ۴ و ۵ صفحہ ۹۲ سنہ ۱۹۰۲ء۔

مگر افسوس ہے کہ بیچارہ بیمار ہے مکمل ہستی کا اشتیاق اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن نظر میں ضعف ہے کھینچنے والے کو نہیں دیکھتا اور اس دنیوی خوبی اور دنیوی علم کو جو حقیقت میں کھینچنے والے کی رسیاں اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں بعینہ کھینچنے والا سمجھ لیتا ہے اور اسلئے جو لوگ ان سیون سے پرے کسی اور کو دیکھ رہے ہیں ان پر خفا ہوتا ہے اور ان کے خیال سے نفرت کرتا ہے۔ بچہ بیماری میں کسی ایسی چیز کیلئے ضد کرتا ہے جو طبیب اس کیواسطے مضر بتاتا ہے۔ سرپرست بجائے اس چیز کے کوئی مفید اور صحت بخش غذا کھلانے لگتے ہیں بچہ غصہ میں آکر لات مارتا ہے اور مفید چیز کو ضایع کر دیتا ہے یہی کیفیت اس غریب کی ہے صرف حسن اخلاق اور دنیوی علوم کو معراج کمال سمجھتا تھا اور مذہب اس سے گذر کر اور مدعا کیطرف بھی لیجانا چاہتا تھا بچون کیطرح غصہ آگیا اور حقیقی مدعا سے نفرت ظاہر کرنے لگا لیکن جس طرح بچہ حقیقی صحت کی خواہش رکھتا ہے گو اسے نہیں سمجھتا اور صحت بخش چیز کو نہیں پہچانتا اسی طرح اسکے دل میں کامل خوبی حاصل کرنے کی خواہش ہے مگر بیماری کے سبب کامل خوبی تک پہنچانے والے مذہب سے بیزار ہوتا ہے۔

پروفیسر جیمس اس شخص کا قول نقل کرتے ہوئے بجا فرماتے ہیں کہ

"اس قسم کی دلی حالت کو بیشک دہ پیشیانی مذہب کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ تمام اشیا کی فطرت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں باقاعدگی اور میلان ہے اور اپنے تئین وفاداری کے ساتھ ایک خاص قلبی نصب العین سے وابستہ کرتا ہے۔"

ہمارے داستان دہریت کے ہیرو مسٹر بریڈلا مذہب کے بڑے بھاری مخالف ہیں اور اسکو اپنے خیال میں گویا بڑی بُری قسم کا جنون سمجھتے ہیں جسمیں دُنیا کا بڑا حصہ مبتلا ہے اور ایک دہ یا "ایک ارب تیس کروڑ انسانون میں سے صرف چند ملین" ان کے خیال اس مرض سے بری اور تندرست ہیں۔ مگر مجھے وہ بھی اسی مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک عجیب خیال ہے مگر ان کا وہ جوش جو ان کو تردید مذہب میں محو کئے ہوئے ہے اور وہ تصانیف اور مباحثون کا سلسلہ جو بانیان مذہب کے خلاف نہایت کوشش سے جاری

دہریہ وہ مذہبی شخص کہ پیشوا اور نمونہ نئے۔

رکھا گیا ہے † یہ خود ایک مدعا ہے جس کو وہ سب سے زیادہ پاک اور سب سے زیادہ لائق اشاعت اور قابل اعتقاد سمجھتے ہیں - خدا یا کوئی دیوتا ان کا معبود نہیں مگر مذہب کی تردید بجائے خود ایک معبود بنکر ان کے دل پر قبضہ کیئے ہوئے ہے - وہ معبود کے آگے سجدہ نہیں کرتے منتیں نہیں مانتے مگر اسکی خدمت میں انکی تمام عمر صرف ہوئی ہے - پس یہی جذبہ دل میں قائم ہونے کے لحاظ سے ان کو مریض کہنا انکے اپنے خیال کو ظاہر کرنا ہے وہ اس لحاظ سے میرے نزدیک تندرست ہیں البتہ دوسری حیثیت سے وہ بیشک بیمار بلکہ مہلک مرض میں گرفتار ہیں کہ تلاش میں تھے نوشدارو کے اور دھوکہ میں کھا گئے زہر ہلاہل اور وہی دوسروں کو نوشدارو سمجھ کر کھلانا چاہتے ہیں -

میدان آزاد خیالی کے دوسرے شہسوار مسٹر مِیل مذہب کے داخل فطرت ہونے سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں بلکہ اس طرح پر خدا کا ثبوت دینے کو اَن سائنٹیفک یعنی غیر عالمانہ بتاتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس فطری کشش نے اُن کے دل و دماغ دونو پر قبضہ کیا ہوا ہے

† تردید مذہب میں مفصلۂ ذیل مصنفات مسٹر بریڈلا کی تصانیف اور مباحثات ہیں "آزاد خیالی انکار قصہ آدم و انکار خدا" "مذہب عیسوی کیا سکھاتا ہے" "خدا انسان اور بائبل" "الحاد کے اخلاق اور فائدے" "خدا کا خالق اور اخلاقی حاکم ہونا" "ہماری انجیلیں کب لکھی گئیں" "کیا انسان میں روح ہے" "انکار خدا اور اعتقاد خدا کے ساتھ عیسائیت کا تعلق" "کیا خدا کی عبادت کرنا عقلمندی ہے" -

میں یہ فہرست تھاٹ پبلشنگ کمپنی کی فہرست کتب سے نقل کرتا ہوں ورنہ مجھے اُن کی صرف پہلی کتاب دیکھنے کی عزت حاصل ہوئی ہے اور اسی ایک میں انہوں نے اپنے نزدیک مذہب کا تسمہ لگا نہیں چھوڑا اور معلوم ہوتا ہے کہ انتہا نمون سے انھیں کامل عشق ہے لیکن جس دلیل سے مسٹر بریڈلا کو پابند مذہب کہتا ہوں اُسی دلیل سے اس فری تھاٹ پبلشنگ کمپنی یعنی آزاد خیالی کی اشاعت کرنے والی جماعت کو بھی مذہب کے دائرہ میں منتسب سمجھتا ہوں کیونکہ وہ بھی ایک مدعا کو اعلیٰ نصب العین فرض سمجھ کر اپنی کتابوں اور اخباروں کی وساطت سے اسکی اشاعت میں سرگرم ہے -

دماغ پر اس خیال کا قبضہ یون ثابت ہوتا ہے کہ تردید مذہب کی تین کوششون یعنی ان کے تین لکچرون
مین سے ایک لکچر محض فطرت اور اس کے آثار و احکام کی تحقیق سے مخصوص ہے جس سے جہان
تک مین سمجھ سکا ہون یہ مطلب ہے کہ انسان کو عقل و بکیہ فطرت پر حاکم اور اپنی ضرورتون کے مطابق
اس سے کام لینے والا بنایا گیا ہے پس جو فطرت کا قانون پایا جاے یہ معلوم ہو اسکا اثر یہ نہیں ہونا چاہئیے
کہ ہمیشہ اسکی اطاعت کیجائے بلکہ کبھی ترمیم اور کبھی تنسیخ کا عمل جاری کر کے ہمیشہ اپنا مطلب نکالنا
چاہئے ۔ یہ تمام کوشش اسی لیئے ہے کہ مذہب کے فطری ہونے کو وہ کچھ نہ کچھ زوردار سمجھتے
ہین اور اس لیئے یہ حجت پیدا کرنی چاہتے ہین کہ مذہب اگر فطرت مین ہو تب بھی ضرور نہین کہ اسکی
پابندی کیجائے ۔ اور ان کے دل پر اثر ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ خود ایک مذہب کا بانی بننا چاہتے
ہین اور ریلیجن آف ہیومینیٹی یعنی مذہب انسانیت کے نام سے† ایک نیا مذہب
بنانے کی ترغیب دیتے ہین جسمین بجائے خدا کو ماننے کے نوع انسان کی ہمدردی کو مقصد اعلیٰ
قرار دیا جائے ۔ بات وہی ہے کہ سب سے اعلیٰ ہستی اور سب سے اعلیٰ فائدے کی تلاش دل مین موجود ہے
مگر نظر دنیا تک محدود ہے یہین کی اعلیٰ ہستی یعنی انسان کو معبود گردانتے ہین اور یہین کے اعلیٰ
فائدون یعنے اخلاق حسنہ کو معراج کمال سمجھتے ہین اور یہ وہی مرض ہے جس سے بنی اسرائیل
کی اشتہا من و سلوی کو چھوڑ کر جنگلی گھاس پات اور لہسن پیاز کی طرف سے بدل ہوگئی تھی یا کوئی
بیمار مفید غذا کو چھوڑ کر مٹی پھانکنے لگتا ہے ۔

مسٹر مل لکھتے ہین کہ ”روما الکبریٰ کا ملک کئی نسلون تک اہل ملک کے لیئے مذہب
بنا رہا تھا یعینہ جیسا کہ یہووا (خدا) یہودیون کے لیئے نہین بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ
وہ کبھی اپنے ملک کی پرستش سے نہین اکتائے جیسے یہودی اپنے خدا کی عبادت سے سرتابی
کرتے رہے ہین“ ‡ اس واقعہ سے جو نتیجہ وہ نکالتے ہین (یعنی دنیوی فرائض کی پابندی
خدا پر ایمان لانے کے بغیر بھی ملک یا نوع انسانی کو مدعائے اعلیٰ بنانے سے ہوسکتی ہے اس لیئے
خدا کی ضرورت نہین) اسکو ماننے کیلیئے اگرچہ مین آمادہ نہین ہون کیونکہ اس نتیجہ پر پہنچنے کیلیئے

† ایضاً ۲ سنہ ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۱۵ ‡ ایضاً ۲ صفحہ ۱۰۴ سنہ ۱۸۷۴ء

پہلے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ خدا کو ماننے کی اگر ضرورت ہے تو صرف دنیا میں اخلاق و عادات کی اصلاح اور انتظام عالم کی بہتری کیواسطے ہے حالانکہ جیسا اپنے موقع پر بیان ہوگا حقیقی ضرورت کچھ اور ہے اور دنیوی انتظام اسکا دوسرے درجہ کا نتیجہ ہے اور وہ بھی جیسا کچھ ہونا چاہئے خدا کو ماننے کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر اس بحث کو اپنے موقع مناسب کیلئے ملتوی چھوڑ کر یہ سب استحقاق کسی واقعہ سے ہر ایک شخص کو نتیجہ نکالنے کا ہے اُسے مانتے ہیں لیکن روم الکبریٰ کے اس واقعہ سے ہم یہ نتیجہ ضرور نکال سکتے ہیں اور منکر کو دکھا سکتے ہیں کہ جس فطرت کا آپ انکار کرتے ہیں یہ بھی کا جلوہ ہے اور وہی کشش جو صاحب کشف کو نا دیدہ خدائے لایزال کی طرف اور روشنی کو اینٹ پتھر کی طرف کھینچتی ہے وہ عقل و خرد کے دعویداروں سے جو محض دنیوی مفاد کو معراج کمال سمجھتے ہیں ملک یا بنی نوع کے آگے سجدہ کروا رہی ہے اور چاہے کسی رنگ میں ہو چھپا ہر گز کسی کا نہیں چھوڑتی -

غرض مذہب سے محض بیگانہ وہی لوگ رہتے ہیں جن کو ابتدا سے دنیوی تعلیم اور جسمانی خیالات میں منہمک رکھا گیا ہو اور تمام عمر اسی قسم کے کاروبار میں سرتاپا غرق رہیں ✣ اور یہ لوگ جیسا کہ

✣ اور ایسے لوگوں کے دنیوی انہماک کو یا عیاشیوں اور بد معاشوں کی عیش پرستی اور سیہ کاری کے توغل کو جو دیں مذہب کے معرز خطاب سے ممتاز نہیں کر سکتا حالانکہ وہ بھی ایک قصص میں لگے رہتے ہیں تو اسلئے کہ مذہب کا یہ بھی ایک خاصہ ہے کہ اسکو ماننے والے دل سے چاہتے ہیں کہ اور لوگ انکے ہمخیال ہو جائیں اور اس لئے وہ اپنے خیال کی اشاعت میں حتی الوسع مصروف رہتے ہیں اور اسکی بھلائیاں اور اسکو ترک کرنیکی برائیاں لوگوں پر ظاہر کرتے رہتے ہیں اور مذہب کو اور مذہب کی اشاعت کو سب سے اعلےٰ خوبی سمجھتے ہیں اور یہ وصف عیاشوں اور بد معاشوں میں نہیں ہوتا بلکہ انصاف کے رو سے وہ عموماً اپنی طرز و روش کو قبیح جانتے ہیں اور اسکی بجا آوری کو اپنی ضرورت کے سبب مجبوری جائز سمجھتے ہیں - اور دنیوی کاروبار میں منہمک رہنے والے اگر بدعیان روشن خیالی کے زیر اثر نہ ہوں تو وہ گو اپنے فعل کو جائز یا واجب سمجھیں مگر اسکو سب سے بڑی خوبی نہیں جانتے اور پابندان مذہب کے برسر غلط ہونیکا یقین نہیں رکھتے بلکہ اس بارہ میں نیوٹرل یعنے اقرار و انکار دونوں سے بیگانہ ہوتے ہیں اور اگر بالفرض ان میں سے کوئی شخص اپنے کام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتا ہو جیسا مذہب کا خاصہ بیان کیا گیا ہے یعنی وہ اپنے کام کو سب سے بہتر اور اس کے خلاف اور روش اختیار کرنیوالوں کو گمراہ جانتا ہو تو پھر اس شخص کو بھی پابند مذہب کہنے میں تامل نہ ہوگا کیونکہ اب اُس کا معبود یہی اُس کا کام ہے -

اوپر ذکر ہو چکا ہے اسی قاعدہ استثناء کے ماتحت اور اسی فیض صحبت سے متاثر ہیں جس کے رو سے بعض لوگ مادر زاد نابینا یا دیوانہ پیدا ہو جاتے ہیں یا محض جاہل اور وحشی سوسائٹی میں پرورش پانے کے سبب جذبہ ترقی سے کام نہیں لے سکتے۔ ورنہ دہریت کی منادی کرنیوالوں اور دیگر روشن خیالوں کا حال دیکھ کر یہ مذہبی احساس کا معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس میں غور کرتے ہیں وہ اگر فطرت سلیم نہیں رکھتے تب بھی ضرور کسی نہ کسی شکل میں کسی نہ کسی مدعا کو بطور معبود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر ولیم جیمس لکھتے ہیں

"بہت سی ایسے فرقے جو خدا کو نہیں مانتے مگر اخلاق کے حامی ہیں اور اخلاقی سوسائٹیوں کے نام سے آجکل تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک امر انتزاعی کو معبود ٹھہرایا جاتا ہے اور قانون اخلاق کے نام سے اسکو مقصد اعلٰی فرض کیا جاتا ہے۔ اور بہت سی لوگوں کے نزدیک آجکل سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور ایسے سائنسدان قوانین فطرت کی معبود کے طور پر تعظیم کرتے ہیں" ٭٭

مذہب فطرت میں وہی درجہ رکھتا ہے جو عقل و ترقی وغیرہ صفات کو حاصل ہے

مذکورہ بالا تحقیق سے جس مدعا تک ہم پہنچ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ جذبہ فطری اگر اس کشش کو کہتے ہیں جس کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہو اور باستثنائے واقعات نادرہ ہر ایک شخص میں اس کشش کا اثر نظر آئے مگر انسان کی عقل اور تجربہ کے تفاوت سے وہ اثر مختلف شکلوں میں ظاہر ہو تو مذہب بیشک ایک جذبہ فطری ہے۔ لیکن اگر اس تعریف کو غلط مانا جائے اور جذبۂ فطرت کسی اور چیز کا نام ہو تو اس صورت میں مذہب کو شاید جذبۂ فطرت نہ کہہ سکیں لیکن اتنا پھر بھی یقیناً تسلیم کرنا پڑیگا کہ مذہب انسان کا اُسی قسم کا خاصہ ہے جس قسم کا خاصہ عقل، ترقی، عدالت، شجاعت وغیرہ امور کو مانا جاتا ہے کیونکہ جس طرح ابتدائی حالت کے وحشیوں میں مذہب نہیں اسیطرح ان میں عقل و ترقی بھی نہیں اور جس طرح کسی قدر تربیت کے بعد مذہب غلط شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اُسی طرح عقل و ترقی بھی بہت سے غلط راستے دکھاتی ہے اور جس طرح مذہبی احساس کے ظہور کے واسطے دنیوی مصائب و آلام ایک ظاہری سبب ہیں اسی طرح عقل و ترقی کے ظہور کے واسطے

٭٭ ورائٹیز آف دی ریلیجس ایکسپیرینس لکچر ۳

بھی یہی اسباب کام دیتے ہیں اور جس طرح کسی خاص تربیت کی اشاعت سے مذہب پر ضعف یا عدم طاری ہوتا ہے اسی طرح کسی خاص تربیت سے عقل و ترقی بھی معدوم ہو جاتی ہے اور جس طرح مذہب کے عموم میں بعض بعض استثنا پائے جاتے ہیں اسی طرح عقل و ترقی سے بھی بعض لوگ فطرۃً محروم ہوتے ہیں بلکہ دیکھا جا چکا ہے کہ عقل و ترقی سے محروم رہنے والے زیادہ اور مذہب سے بالکل بیگانہ نسبتہً کم ہیں۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (اعراف پ۹ ع۲۲)

اور جب لیا تیرے پروردگار نے بنی آدم یعنی ان کی پشتوں سے انکی اولاد کو اور گواہ بنایا انکو خود ان کے اوپر (اور سوال ہوا کہ) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ بیشک تو پروردگار ہے اور ہم اس پر گواہ ہیں (اور یہ اس لئے کیا گیا) تم قیامت کے دن نہ کہو کہ ہم اس سے بےخبر تھے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)

پس قائم کر اپنے تئیں دین کیلئے سب طرف سے منہ پھیر کر۔ خدا کی فطرت ہی جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدائش میں تغیر نہیں ہوتا۔ یہ سیدھا رستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

باب دوم

تحقیق مذکور کے نتائج

مذہب کی اصلاح و ترقی انسان کا اولین فرض ہے۔ کیا کوئی جذبہ فطرت تباہ کرنے کے قابل ہے۔ جذبات فطری کے امراض غلطی فائدے سے محروم رکھتی ہے غلطی سے نقصان

پہنچتا ہے۔ اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون حاوی ہے مذہبی صحت و غلطی کے بارہ مین کیا قانون ہونا چاہیئے؟۔ تمام مذاہب کو یکسان سمجھنے کی وجہ۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے۔ مہذب ممالک کے اخلاق۔ مل کی تدبیر اور اسکا نقص۔ مذہب عین اخلاق نہین۔ پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے۔ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہتر ہین مذہب کی تدریجی ترقی۔ بعثت انبیاء۔

جذبۂ فطری کی تعریف کو جو ابھی ذکر ہوئی ہے صحیح مانکر مذہب کو داخل فطرت انسانی سمجھا جائے یا کوئی اور فرضی تعریف تسلیم کر کے اسکو عقل و ترقی کا ہم پلہ مانا جائے۔ دونو صورتون مین مذہب کی اِس خصوصیت پر چند نتائج مرتب ہوتے ہین۔

اصلاح [illegible] اولین فرض ہے

اول جس طرح سے عقل، ترقی، عدالت، شجاعت وغیرہ صفات کو اگر کوئی انسان صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش کے لیئے ناکامی کے سوا کوئی ثمرہ نہ ہوگا اور جس طرح عقل کا مقتضا ان اوصاف کے بارہ مین یہ سمجھا جاتا ہے کہ حتی الوسع ان اوصاف کو حد کمال تک پہنچایا جائے اور جو غلط خیالات عقل کو اور جو نازیبا آمیزش عدالت شجاعت وغیرہ کو عیب لگانے والے ہین اُن کو مٹا کر ان اوصاف کا حقیقی جوہر ظاہر کیا جائے یہی استحقاق عقل و ترقی کے ہم پلہ اور برابر کے حصہ دار یعنی مذہب کو بھی حاصل ہے۔ یعنی وہ بھی ایسی صفت ہے کہ نوع انسانی کو اِس سے پاک کرنا اور صفحۂ ہستی سے اس کا نام مٹانا ناممکن ہے اور انسان کو اِس بارہ مین مناسب یہی ہے کہ اس خاصہ کو اس کے معراج کمال تک ترقی دے اور انسانی جہالت اور تربیت کے اثر سے جو غلطیان اور قباحتین اس خاصہ کو مکدر اور ناشائستہ بنانے والی ہین ان کو دور کرے پس جو لوگ تعلیم و تربیت اور عقل و شعور حاصل کرنے اور بزعم خود فرائض انسانی کو سمجھنے کے بعد محض دنیوی کار و بار اور لذائذ جسمانی مین مصروف و منہمک رہنا شرافت انسانی کا اعلیٰ مقتضا سمجھتے ہین اور مذہبی ضرورت کو محسوس نہین کرتے بلکہ پابندان مذہب اور اسکی اشاعت اور اصلاح کرنیوالون کو عقل سے بیگانہ سمجھکر ان پر تمسخر کرتے ہین نہ معلوم وہ خود کہان تک دعوی

عقل و خرد مین صادق ہین اور کیا مذہب کے سوا کسی اور جذبۂ فطرت کا نشان دے سکتے ہین جسکو
اِس طرح بیکار چھوڑنا اور اسکی اصلاح و ترقی کی کوشش نہ کرنا داخل انسانیت اور مقتضائے
دانشمندی ہو؟

کیا کوئی جذبۂ فطرت تباہ کرنے کے قابل ہے؟

مسٹر مل کی مضمون آفرینی اور بلند پروازی قابل تعریف ہو کہ وہ جب جذبۂ مذہبی
کو کشتنی و گردن زدنی ثابت کرنا چاہتے ہین تو قوت سے موت کیوقت اپنے فیصلہ مین اُس کی
نظیرین درج کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ گو اکثر خواص فطرت کے بارہ مین یہی ضرور ہے
کہ انکی اصلاح کیجائے اور معدوم نہ کیا جاوے مگر سب خواص فطرت کا یہ حال نہین بلکہ بعض
قابل انعدام بھی ہین اور قابل انعدام جذبات فطرت مین تباہ کرنیکی خواہش، خود مختار یا غالب
رہنے کی خواہش اور ظلم کرنے کی خواہش کا ذکر کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ بعض لوگون مین یہ
خواہشین فطری ہوتی ہین مگر باوجود فطری ہونے کے اُنکو تباہ کرنا ضرور ہے نہ کہ ان کو بڑھانا
اور پرورش کرنا †

لیکن اول تو وہ خود تسلیم کرتے ہین کہ یہ خواہشین بعض اشخاص کی فطرت مین ہوتی
ہین پس اُن کو عام نوع انسانی یا کسی خاص قوم کی فطرت سے بھی تعلق نہین اور ایسی عادت کو جو
کبھی شاذ و نادر کسی شخص مین دکھائی دیتی ہے جذبۂ فطری کا خطاب اور وہ بھی ایسے فلاسفر کی
طرف سے حاصل ہو جو مذہب جیسی عام اور عالمگیر صفت کو بعض انسانون مین نہ پائے جانیکے
سبب فطرت سے خارج کرتا ہے نہایت تعجب ہے۔

جذبات فطری کے امراض

اور دوسرے اوصاف کو مستقل جذبات فطرت کہنا اس لئے بھی غلط ہے کہ
فی الحقیقت جو جذبات فطرت نوع انسان مین ودیعت ہین اُن پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ ہر ایک کے ساتھ مختلف امراض بھی ہوتے ہین جو کامل تربیت نہ ہونیکی حالت مین زور پکڑتے
ہین یا بعض اوقات کسی شخص مین استعداد کے طور پر ایسے امراض پیدایشی ہوتے ہین مثلاً قوت
نمو فطری ہے لیکن اکثر نقص تربیت کے سبب اسمین کئی طرح کے نقص پیدا ہو جاتے ہین یا بعض

† ایسے نمبر ا صفحہ ۵۶ و ۵۷ سنہ ۱۸۸۴ء

ازوفات بعض انسان پیدائشی پست قامت اور بالشتئے ہوتے ہین یا بعض انسان پیدائش
مین عام انسانی یا قومی مقدار نمو سے زیادہ بلند بالا اور بدنما طویل القامت نکل آتے ہین مگر کسی
شخص کی پیدائش ٹھنگنا یا لم ڈھینگ ہونے پر یا نقص بسبب سے اس قسم کا نقص پیدا ہونے پر
نہین کہا جاتا کہ پست قد یا طویل القامت ہونا انسان کا فطری خاصہ ہے۔ علیٰ ہذا اپنی ضروریات
اور خواہش کے مطابق اپنے مال کو صرف کرنا انسانی جوہر ہے گو یہی ترقی مین اسراف تک اور
کبھی تنزل مین بخل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض شخص پائے جاتے ہین جو فطرۃً مسرف یا بخیل
ہوتے ہین لیکن ایسے شخصون کے وجود سے اسراف یا بخل کو فطرت انسانی کہنا غلط ہوگا
اسی طرح ایک قوت انتقام انسان مین فطرۃً ودیعت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس شخص یا جس چیز
سے اسے نقصان یا تکلیف پہنچی ہے اسکو حتی الامکان دور کرے اب اس جذبہ کی صحیح اور
تندرست حالت یہ ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے واقعی نقصان یا تکلیف پہنچے اسکو اسی حد تک
نقصان یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے جس حد تک فی الواقع اس کا ہرج ہوا ہے اور اس
معیار کے دونو جانب مرض کے بیشمار درجات ہوسکتے ہین بعض اشخاص یا بعض قومین انتقام
کے موقعون کو سستی بزدلی یا کسی اور سبب سے ضائع کرتے کرتے ذلت اور کمینہ پن تک
پہنچ جاتے ہین اور ایسا ہی دوسری جانب بعض اشخاص واقعی نقصان اور تکلیف سے بڑھ کر خیالی
بلکہ وہمی نقصان و تکلیف پر بھی انتقام لینے کیلئے آمادہ ہوجاتے ہین اور نیز انتقام کی کیفیت
مین حد سے بڑھ کر ایسی تکلیف پہنچانے لگتے ہین جو انہین خود برداشت کرنی نہ پڑی ہوتی
کہ یہ مرض ترقی کرتا ہوا بعض اشخاص مین اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ جو چیز ان کو بدنما معلوم ہو یا
جس شخص کے اطوار وعادات انکو مکروہ نظر آئین ایسے شخص یا ایسی چیز کا ان کے سامنے آنا یا رہنا
انکو ایک تکلیف مالا یطاق معلوم ہوتا ہے اور پھر اس وہمی تکلیف سے متاثر ہوکر وہ انتقام کی کیفیت
مین بھی انصاف کو روا نہین رکھتے اور چاہتے ہین کہ وہ مکروہ اور بدنما منظر صفحہ ہستی سے معدوم
ہوجائے اور اس وقت اگر وحشت و جہالت کے مرض مین بھی مبتلا ہون اور نیز زور اور غلبہ رکھتے

ہوں تو وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس کو ڈاکٹر مِل تباہ کرنے کی خواہش کہتے ہیں یعنی وہ شخص اپنی حالت جنون میں ہر بیجا چیز کو توڑنے اور ہر بیکردہ شخص کو مارنیکا عادی ہوجاتا ہے اور ایسا وقت جس فعل کو ڈاکٹر صاحب جذبۂ فطری کا معدوم کرنا سمجھتے ہیں اور جایز جانتے ہیں حقیقت میں وہ جذبۂ فطری کا معدوم کرنا نہیں بلکہ ایک جذبۂ فطری کی اصلاح کرنا اور اُس کے مرض کو معدوم کرنا ہے یعنی ایسی تباہ کرنیکی خواہش کو دبانا یا دوسری جانب اپنے پست لوگوں کو انتقام کیلئے اُبھارنا حقیقت میں یہ دو نو فعل جذبۂ انتقام کو اصلی حالت پر لانے اور ترقی دینے کیلئے ہیں — علیٰ ہذا القیاس جسکو وہ ظلم کی خواہش کہتے ہیں وہ بھی درحقیقت کہیں شجاعت اور جوانمردی کی صفت کا اور کہیں جذبۂ انتقام کا ایک مرض ہے جو کسی شخص میں اسی طرح پیدا ہوجاتا ہے جس طرح کوئی شخص بالشتی یا لم ڈھینگ بن جاتا ہے پس اس مرض کا ازالہ بھی حقیقت میں ایک اور جذبۂ فطری کی اصلاح و ترقی ہے نہ کسی جذبۂ فطری کی بلا لت و اعدام

البتہ ایک تیسرا وصف جو ڈاکٹر مِل نے قابل انعدام مانا ہے یعنی خودمختار یا غالب رہنے کی خواہش اس کو ہم بیشک عام نوع انسانی کا جذبۂ فطری ماننے میں تامل نہیں کرتے مگر جس شکل میں یہ انسانی جذبۂ فطرت مانا جاسکتا ہے اُس شکل میں اسکو قابل انعدام کہنا فاش غلطی ہوگی کیونکہ اگر خودمختار یا غالب رہنے کی خواہش انسان میں نہ ہوگی اور وہ کسی اور کے بس میں اور کسی اور کا معاون ہو کر خوش رہ سکتا تو وہ انسان کی ابتدائی وحشیانہ حالت جسمیں اُسکو خوراک بہم پہنچانا موسمی خودرو ساگ پات اور پھل پھول کے بس میں، پانی دینا بارانی چشموں کے اختیار میں گرمی دینا آفتاب کے قبضہ میں اور سردی پہنچانا رات کی ٹھنڈی ہوا کے تصرف میں تنہا انسان ہی ہے ایسی کیحالت میں آجتک رہتا اور یہ بے انتہا ذرائع حصول اسباب معیشت جن پر نوع انسانی کو بجا فخر ہے کبھی عدم سے وجود میں نہ آتے لہٰذا انسان کی خودمختار رہنے کی خواہش ہی تھی جس نے اسکو خودرو پھلوں کی بجائے اپنے اختیار سے کاشت کرنیکا رستہ دکھایا نالوں کی جگہ کوئیں اور نہریں کھدوائیں گرمی اور سردی کے واسطے طرح طرح کی غذائیں قسم قسم کے لباس اور

دیگر ذرائع مہیا کرتے تھے اب اسٹیم اور بجلی سے بھی یہ کام لینے کا ڈھنگ بتایا - اور نیز اگر دوسرے
کی مرضی پر منحصر رہنے کی خاصیت ہوتی اور اپنے اختیار رہنے کی خواہش نہ ہوتی تو دیگر جذبات
فطرت میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان سے نوع انسانی نقصان اٹھا اٹھا کر جلد روز میں فنا ہو جاتی
مثلاً کسی شخص کے جذبہ شجاعت میں مرض نمودار ہونے سے وہ ظالم ہو جاتا یا کوئی حصول معاش
کے جذبہ میں مرض پیدا ہونے سے حریص اور مکار بن جاتا تو دوسرے لوگ چونکہ دوسروں
کی مرضی پر خوش رہنے والے ہوتے اس لئے کسی کی ظلم اور مکاری کا سدباب نہ کرتے اور
اس طرح سرقہ رہزنی اور قتل و غارت سے مزاحمت ہوتے ہوتے یہ نوع تھوڑے عرصہ میں نابود ہو
جاتی پس یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے
انتظام کو قایم رکھا اور پھر یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے بادشاہوں اور حاکموں
کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتے دیکھ کر انکی مزاحمت کی اور اس طرح حاکم و محکوم کے فرایض
اور شاہ و رعیت کے تعلقات معین ہو کر انسان کو وہ دستور العمل ہاتھ لگا جس سے وہ امن و آسایش
کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور آیندہ اس دستور العمل کو اور ترقی دینے سے اور
زیادہ راحت و آرام سے بہرہ ور ہوگا -

پس خود مختار اور غالب رہنے کی خواہش بیشک فطری اور اسلئے بیشک قابل اصلاح
و ترقی ہے۔ اس کو قابل انعدام کہنا نہیں معلوم کس وجہ سے کسی دماغ میں جاگزین ہوا ہے
ہاں بیشک دیگر خواص فطرت کیطرح اسمیں بھی مرض اور نقص ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو خود
مختار رہنے کی یہاں تک خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر نہ صرف کسی انسان کی بلکہ خود نیچر
قدرت کی حکومت بھی پسند نہیں کرتا پس اس نقص کو دور کر کے خواہش غلبۂ اقتدار کو اسکی صد مناسب
پر لانا اور اختیارات انسانی سے شخصی اور نوعی فوائد اور راحت و آرام کا کام لینا اس فطرت کو نور
اور جلا بخشنا ہے نہ تباہ و برباد کرنا -

غرض کوئی جذبۂ فطرت نہیں پایا جاتا جس کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنا قرین مصلحت ہو

یا اسکی اصلاح وترقی باعث بہبود عالم و انسان کے لیئے فرض و واجب نہ ہو پس جو لوگ
مذہب کی طرف سے بے پروا اور اسکی اصلاح وترقی کیجانب سے غافل رہتے ہین اور اس بارہ
مین غور و تامل کرنے کو لغو اور جاہلانہ فعل سمجھتے ہین وہ یقیناً انسانیت کے ایک بڑے
فرض کو ترک کرنے کے مجرم اور نوع انسانی پر ایک سخت ظلم روا رکھنے کے مرتکب ہین -

دوم عقل وترقی اور شرافت وعدالت وغیرہ صفات انسانی کا یہ ایک عام اور کلیہ قاعدہ
ہے کہ نوع انسانی کو ان مین سے کسی صفت کا سچا فائدہ محض اسی حالت مین پہنچتا ہے کہ انسان
اسکی حقیقی اور واقعی مفہوم تک پہنچ جائے اور جبتک یہ کیفیت حاصل نہ ہو اور انسان غلطی سے
کسی صفت کے اصلی مطلب تک نہ پہنچے اس صورت مین خواہ وہ کیسا ہی نیک نیتی اور صدق دل سے
کام لے غلطی سے ہرگز منزل مقصود تک نہین پہنچتا عقل انسانی نے اپنی طرف سے نہایت خلوص
کے ساتھ غور کیا اور اپنی طاقت کے موافق زور لگایا مگر جب تک زمین کو ایک مسطح فرش اور گاؤ
کے سینگ پر ٹھیرے ہوئے سمجھا اسکو وہ فائدے ہرگز حاصل نہ ہوئے جو زمین کو گول اور چارون
طرف سے فضا مین محصور ہونے کے علم سے حاصل ہو سکتے تھے - اُس وقت تک نہ وہ دنیا کے گرد چکر
لگا سکا اور نہ اُن ویرانہ و آباد ممالک کو پا سکا جو اسکی جائے سکونت سے دوسری جانب واقع تھے
اور اس طرح اُن تمام فوائد سے محروم رہا جو زمین کی اصلی حالت دریافت ہونے پر مترتب تھے
اسی طرح اُس نے حتی الوسع غور کیا اور مرکبات کو تحلیل کرنیکے بعد چار چیزون کو بسیط اور ناقابل
تجزی سمجھا اُس وقت تک قدرت نے اسکو اُن تمام نعمتون سے بے بہرہ رکھا جو ان مفروضہ
عناصر کو تحلیل کرنے اور آئندہ بہت سی عناصر دریافت ہونے پر منحصر تھین - قدرت کے رازون
کو تلاش کرنیکی کوشش ہمیشہ رہی اور اپنے اپنے وقت پر اکثر عقلا نے علم و ہنر مین انا ولا غیری
کا دعوی کیا مگر خشکی و تری مین قطع مسافت کے حیرت انگیز کارنامے انہی کی قسمت مین تھے
جن کو سٹیم کی طاقت دریافت ہوئی صنعت و حرفت کے بیشمار وسائل انہی کو حاصل ہوئے
جنہون نے میکینیکل قوانین معلوم کئے اور نامہ و پیام کے معجز نما کرشمے انہی کے حصے مین آئے

جنہون نے برقی طاقت پر قابو پایا۔

غلطی سے نقصان پہنچتا ہے۔

اور نہ صرف یہی کہ مفید چیز تک رسائی نہ ہونے سے اُس کے فوائد سے محروم رہنا پڑتا ہے بلکہ ہمیشہ جس چیز کو غلطی سے مفید مان لیا گیا ہے اُسکے نقصان بھی ضرور ہی برداشت کرنے پڑتے ہین۔ تلاش ہوتی ہے قیام صحت اور درازی عمر کی اور اُس کے لیئے مناسب غذا خوشگوار آب و ہوا اور دیگر وسایل کی جستجو رہتی ہے مگر جو شخص اس مبارک تلاش مین غلطی سے مضر غذا، بد آب و ہوا یا دیگر منافی صحت وسایل کو مناسب سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے وہ نہایت اشتیاق سے اپنی طاقتون مین افزایش کا منتظر ہوتا ہے مگر دفعتہً امید کے خلاف خوفناک مرض اور سخت تکالیف مین مبتلا ہو جاتا ہے پھر اپنی طاقت کے موافق پوری کوشش سے ازالہ مرض کی تدبیر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تیر بہدف دواؤن اور صحی تدبیرون سے اپنی گذشتہ صحت کو واپس لائے مگر اس حق بجانب و پُر مطلوب مین جہان اپنی غلطی یا دیگر یا ان معالجون کی کوتاہی سے کسی مخالف دوا یا بے موقع عمل سے کام لیتا ہے تو اپنی آرزو کے خلاف غلطی کے نقصان کا شکار ہو جاتا ہے اور بجائے صحت کے موت کا لقمہ بنتا ہے۔

اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون حاوی ہے

اور فائدے کو تلاش کرتے ہوئے غلطی سے نقصان اُٹھانا نہ صرف افعال جسمانی تک محدود ہے بلکہ یہ قانون افعال اخلاقی پر بھی اسیطرح حاوی ہے اور انسان جب کبھی کسی بد عادت کو اپنے خیال مین نیک اور باعث برتری سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو اُس کا نیک سمجھنا اس عادت کی فطرت کو بدل نہین سکتا اور جو فائدہ وہ سمجھے ہوئے ہوتا ہے وہ حاصل نہین ہوتا اور جو نقصان اُس عادت مین ودیعت ہوتا ہے وہ نہین ٹلتا۔ انسان نے جبتک دشمن کے زن و بچہ کو بے دریغ تہ تیغ کرنا اور بیکسون کی فریاد و زاری پر ترس نہ کھانا زیور شجاعت سمجھا پناہ مانگنے والے ظالم کی بیجا حمایت کو شرافت مانا وہ شجاعت و شرافت کے اصلی جوہر سے قطعاً محروم اور انسانیت کے مفہوم سے بالکل بے بہرہ رہا۔ جس شخص نے جھوٹ کو فعل مذموم نہ جانا اور حیا نہ سمجھ کر اسکا مرتکب ہوا یا رہزنی اور قتل کو ظلم اور بے رحمی نہ سمجھا اور اپنے خیال مین امر مباح سمجھ کر اس فعل سے معاش

حاصل کرتا رہا جو مکر و فریب کی عادت جھوٹ سے پیدا ہوا کرتی ہے اور جو قساوت اور سخت دلی قتل و غارت کا نتیجہ ہوتی ہے وہ نادان اس اثر سے ہرگز بری نہین رہا اور قدرت نے جس قدر دل کی سیاہی ایسے فعل کی سزا مقرر کی ہوئی ہے اس سے کبھی معاف نہین رکھا اور اس کی نادانی پر ترس نہین کھایا۔ بھیل قوم کا بچہ جو ویران جنگل مین پیدا ہوا ہے اور ایسے لوگون مین پرورش پا رہا ہے جو رات دن قتل و غارت اور لوٹ مار کے سوا کوئی کام نہین کرتے اور جو اپنے بچون کو ہوش سنبھالتے ہی اس کام کی تعلیم دینے لگتے ہین اور رحم یا انصاف کی آواز کبھی کان تک نہین آنے دیتے وہ بچہ بڑا ہوکر اس تعلیم و تربیت کے اثر سے ضرور صدق دل سے اس فعل کو جائز اور اپنی بہبود کیلیئے ضروری سمجھتا ہے لیکن باایںہمہ اس فعل کی این جسمانی سزا سے بری نہین رہتا اور ضرور سخت دل سیہ کار اور قسی القلب ہو جاتا ہے +

+ ڈاکٹر پال ڈائسن (کتاب ایلیمنٹس آف میٹافزکس حصہ دوم باب پنجم صفحہ ۱۳۱ سنہ ۱۸۹۴ء) لکھتے ہین کہ جب انسان کی اصلی قدر و قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو ذاتی صحت اور غلطی کو نہین دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کیلیئے جو قبر سے پرے تک جاتا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفت خواہش کا ظہور ہے (یعنی یہ کہ اسکی نیت کیسی ہے) اس دلیل سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہین (تفصیل کیلیئے ملاحظہ ہو باب ۱۲ کتاب ہذا) کہ انسان کی اصلی یعنی روحانی صفت خواہش ہے نہ علم۔ یہ خیال اس حد تک بیشک درست ہے کہ بسیط اور دائمی روح کی صفت دائمی ہونی چاہیئے اور علم چونکہ جسم کی ضعف و قوت سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لیئے وہ روح کی صفت نہ ہوگا اور ان کے اس خیال کو مانکر کہ روح نے جسم کی وساطت سے علم کی صفت حاصل کی ہے پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان کو جو نعمت عقل و شعور کی دگئی ہے یہی ایک صفت ہے جس سے انسان کی روح حیوان کی روح سے افضل مانی جاتی ہے اس سے لیئے اسکو ایسا فضول سمجھنا کہ اسکی غلطی او صحت کو انسانی قدر و قیمت مین کچھ دخل ہی نہین یہ بھی بڑی زبردستی ہے اور جیسا کہ ہماری پیش کردہ مثال سے ظاہر ہوتا ہے انسان کے غلط اعتقاد کا اثر نہ صرف جسم تک ہی محدود ہے بلکہ اسکی روحانی حالت مین سختی یا نرمی پیدا کرنے مین بھی ویسا ہی دخیل ہے ۔ (باقی برصفحہ ۱۴۲)

مذہبی صحت میں غلطی کے باعث ہمیں کیا قانون ہونا چاہیئے؟

غرض فطری اور کسبی روحانی اور جسمانی ہر قسم کے تمام افعال کا یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ جو اثر کسی فعل میں ودیعت ہے اُسکا بجالانے والا اُس اثر سے بے بہرہ نہیں رہتا اور جس چیز کو غلطی سے اپنا مدعا و مقصود سمجھا جاتا ہے وہ کبھی مدعا و مقصود کا کام نہیں دیتی اور عقل انسانی یا جذبۂ اخلاقی کو جہاں دھوکا ہوتا ہے وہیں ضرور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب اِس قانون فطرت کو ملحوظ رکھ کر مذہب کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس چیز کو تلاش کیا ہے اُسکے حصول کے لیے بہت سی چیزوں کیطرف متوجہ ہوا ہے کبھی اینٹ پتھر وغیرہ کو خدا سمجھ لیا ہے اور کبھی بارش اور ہوا کی طاقتوں کو سجدہ کرکے متعدد معبودوں کا معتقد ہو گیا ہے اور کبھی اُسے واحد سمجھا ہے تو بہت سے جسمانی خواص اسمیں تسلیم کرنے لگا ہے۔ کبھی ممتاز انسانوں کے جسم میں اُسکے حلول کا قایل ہوا ہے اور اُسکو جسمانی ضروریات میں مبتلا مانکر بجائے نادیدہ اور پاک خدا کے خاکی انسان کی پرستش میں محو ہو گیا ہے اور کبھی دیگر انسانی ضروریات سے پاک مانا ہے تو باپ بیٹے کا رشتہ فرض کرکے ایک انسان کو خدائی طاقتوں میں اُسکا شریک ٹھیرالیا ہے اور کبھی نظام عالم اور کُنہ خالقیت کو سمجھنے کے بہانہ سے اُسکی صفات کو ناقص اور مفروضہ چند اشیا کو اُسکے ساتھ قدامت وغیرہ میں شریک گردان لیا ہے اور اگرچہ اُسکی نسبت عقل و قیاس سے بالاتر اور اُس کے کارخانہ قدرت کے ناقابل فہم ہونیکی آواز بھی انسان کے منہ سے نکلی ہے مگر پھر دیگر انسانی خیالات کی آمیزش سے حلول اور نقص خالقیت وغیرہ عیوب نے اِس خیال کو مٹا دیا ہے اور اِس طرح کے بہت سے انقلابوں کے بعد صاف لفظوں

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۱ — اور دوسرے قبر سے پرے تک جا پہونچتا ہے یعنے عذاب ثواب کا اصول جیسا کہ اپنے موقع پر ظاہر ہوگا یہ نہیں کہ خدا کبھی نیک نیت کو دیکھ کر اُسکو دنیوی بادشاہوں کی طرح کوئی جاگیر بخش دیتا ہے بلکہ عذاب ثواب کا اصول حقیقت میں صداقت کو پیدا کرنیسے اُس بڑی صداقت یعنی خدا سے قرب حاصل کرتا ہے اور صداقت سے دور ہونیکی صورت میں اُس حقیقی صداقت سے دور ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہے تو جس صورت میں کسی شخص نے تقلید ناحق کو ذات باری کا کام سمجھنے کا خلاف واقع اعتقاد رکھا ہے اُس وقت میں اس دماغی غلطی کے نتیجہ میں صداقت پیدا ہی نہیں ہوئی اس لیئے وہ [illegible] صداقت سے قریب نہیں ہوتا [illegible] ہی خیال حال ہے غرض یہ جہان ہمیارہ جہاں انسان ہے کہ عقل کی [illegible] کے یعنی کمال حاصل کرنیکی امید رکھنا اپنی روح کو انسانی روح سمجھنے کی بجائے حیوانی روح سمجھنا ہے۔

مین اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط اور وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ کی آواز نے اسکی کامل توحید و تنزیہ اور انسانی عقل کی کوتاہی کا اظہار کیا ہے۔

پس جذبۂ فطرت کے ان تمام اختلافات اور معبود کی نسبت ان متضاد خیالات مین سے جو اعتقاد درست اور واقع کے مطابق ہوگا مذکورۂ بالا قانون عام کو دیکھ کر یقیناً کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کا حقیقی فایدہ اس اعتقاد پر مرتب ہوگا اور اس کے علاوہ دیگر تمام قسم کے عقاید چونکہ غلط ہین اس لئے حسب فرق عدد وہ ضرر و مضر ہون گے یا کم از کم ان سے کچھ فائدہ نہوگا مثلاً اگر معبود واقعی تمام کمالات سے متصف اور تمام عیوب سے بری اور تمام احتیاجون سے پاک ہے تو جس نے اُسے درخت سمجھا ہے اس پر وہی اثر ہوگا جو غذا کی تلاش مین زہر کھانے والے پر ہوتا ہے۔ دودھ پینے کیلئے پیالہ کٹورا گلاس وغیرہ مختلف وسائل ہین لیکن انہین دودھ ڈالکر پینے کی بجائے اگر کوئی خالی برتنون کو کوٹ کر پھانک جائے تو اس فعل سے دودھ کا فائدہ ایک طرف اُلٹا معدہ تباہ ہو جائیگا اسی طرح آگ پانی وغیرہ مختلف طاقتون کو جو نادیدہ ہستی کے اظہار قدرت کا نشان ہین دیوتا اور خدا مان کر پرستش کرنے سے خدا کی معرفت ہرگز حاصل نہ ہوگی بلکہ جہالت کی تاریکی اور بڑھ جائیگی۔ طبیب صحت کی تدبیر اور مرض کی دوا بتانے والا ہے لیکن اگر کوئی بیمار طبیب کی بتائی ہوئی دوا استعمال کرنے کی بجائے طبیب ہی کو مجسم صحت سمجھ کر اُسکی آستان بوسی پر اکتفا کرے تو مرض ہرگز دور نہ ہوگا اسی طرح جو لوگ کسی برگزیدہ بندے کو خدا کا اوتار سمجھ کر عبادت کرین وہ گمراہی سے نجات نہ پائین گے۔ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہین رہ سکتا لیکن اگر کوئی شخص ہوا کی اس خاصیت کا معترف ہو مگر سمجھتا ہو کہ بجائے پاکیزہ ہوا کے بدبودار اور متعفن ہوا کی ضرورت ہے اور اسی کی تلاش مین سرگرم رہے وہ صحت بخش ہوا کے فائدون سے محروم اور مختلف امراض مین مبتلا رہیگا اسی طرح جو لوگ معرفت خدا کو باعث نجات سمجھتے ہین مگر شرک ولدیت اور دیگر عیوب اور جسمانی خواص سے اسکو متصف مانتے ہین اور اسی طرح کے خدا کا اعتقاد رکھتے ہین وہ سچے خدا کی معرفت سے بیگانہ اور نور روحانی سے بے بہرہ

ناآشنا ہیں گے۔ سکاربن (ایک عنصر کا نام ہے) ایک چیز ہے مگر جب اسمین روشنی کی صفت ہوتی ہے تو ہیرا بنجاتا ہے اور یہ صفت نہ ہو تو وہی کاربن محض ایک کوئلا ہوتی ہے پس جو شخص ہیرے کو تلاش کرتا ہو مگر روشنی کی صفت سے ناآشنا ہو وہ لیبرٹری مین ہیرا بنا تا ہوا کوئلے سے ہاتھ کالے کریگا۔ اسی طرح اگر خدا ایک واحد ہستی ہے جو تمام صفات کمال رکھتی ہے تو اسکو تلاش کرنیوالا جبتک صفت مثلاً خالقیت یا قدامت وغیرہ مین لاشریک اور یگانہ ہونا اسکی ذات سے منفک سمجھے تو وہ کامل خدا کا ایسا ہی عارف ہوگا جیسا روشنی کے بغیر ہیرے کو تلاش کرنیوالا۔

غرضکہ جس طرح عقل کا حقیقی مدعا یعنی سچا علم اور اس کا فائدہ اسیوقت حاصل ہوتا ہے جب تلاش مین کسی قسم کی کوتاہی اور تدبیر مین کسی طرح کی غلطی نہ ہو اسی طرح مذہب کا اعلیٰ مقصد یعنی وصال ربانی اور عرفان الٰہی بھی جبھی پیدا ہوگا کہ اسکی نسبت کوئی غلط فہمی اور کوتہ اندیشی واقع نہ ہونے پائے اور جس طرح سے نیچر عقل کو اسکی غلطی پر ضرور سزا دیتی ہے خواہ غلطی کرنیوالا کیسا ہی نیک نیت اور طالب صادق ہو اسی طرح عقل جیسا دوسرا جذبہ فطری یعنی مذہب بھی غلطی کرنے سے مستوجب سزا ہوگا اور اس لیئے عقل اور مذہب دونوںمین بے سوچے سمجھے دوسرون کی کورانہ تقلید سے قدم اٹھانا باعث ہلاکت اور پوری تحقیق وتدقیق اور کامل سعی وکوشش سے افضیت کو تلاش کرنا فرض اتم اور لازم مانا گیا ہے۔ پس جو لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہین مگر کہتے ہین کہ مذہب ہر شکل و صورت مین اور مدعائے مذہب یعنی معبود کی پرستش ہر طریق اور کیفیت سے باعث نجات ہے اور اس خیال کو اپنے زعم مین فلسفیانہ مذہب اور سلامتی کا رستہ سمجھتے ہین اور اس کے خلاف کسی ایک روش کو مدار نجات سمجھنے والا ان کے نزدیک تنگ خیال اور متعصب ٹھیرتا ہے ان کا یہ خیال ان کے نزدیک چاہے کیسا ہی شریف اور اعلیٰ ہو مگر نیچر کا مطالعہ اور قوانین قدرت کے تمام مناظر اس خیال کی بڑے بڑے زور سے تکذیب کرتے ہین۔ اگر کاڈلورآیل کا کام مٹی کے تیل سے اور شیرمادر کا فائدہ کھیا سے حاصل ہو سکتا ہو تو بیشک نادیدہ خدا کا وصال پتھر کی پوجا سے میسر آئیگا۔ اور اگر یہ کہنے والا کہ لوگ مختلف کثافتوں مین مبتلا رہتے ہین اور صفائی کا خیال نہین رکھتے اس لئے طاعون

کا شکار ہوتے ہین یا سگرٹ کو استعمال کرتے ہین اسلئے اعصابی اور دماغی طاقتون سے محروم رہتے ہین، تنگ خیال اور متعصب ہے تو بیشک مختلف ناقص نع ہیون کو باعث ہلاکت کہنے والا اور ایک کامل خدا کے اعتقاد پر اصرار کرنے والا بھی اسی خطاب کا مستحق ہوگا۔ ہمین نہین معلوم جو لوگ لعل او گنکر کو برابر سمجھتے ہین وہ اپنے خیال کو فلسفیانہ اور سائنٹفک کہہ سکتے ہین یا وہ لوگ جو کہتے ہین :-

هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (انعام پارہ ۷ ع ۵)

کیا اندھا اور بینا برابر ہین کیا تم فکر نہین کرتے ؟

لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۲)

ناپاک اور پاک برابر نہین خواہ تم کو ناپاک کی کثرت سے دھوکا ہو -

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)

اندھا اور بینا برابر نہین اور نہ روشنی اور تاریکی برابر ہے اور نہ دھوپ اور چھاؤن برابر ہے اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہین -

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر پارہ ۲۳ ع ۱۱)

کیا برابر ہین وہ لوگ جو جانتے ہین اور وہ لوگ جو نہین جانتے - بیشک نصیحت عقلمند ہی حاصل کرسکتے ہین -

تمام مذاہب کو یکسان سمجھنے کی وجہ -

آفتاب کی روشن شعاعین اور اس کا چمکتا ہوا چہرہ آنکھون کو خیرہ کر دیتا ہے اور لوگ اسکی گرمی اور نور کے لطف مین محو ہو کر اسکی حقیقت کو دریافت کرنے سے غافل ہو جاتے ہین اور بہت کم روشن دماغ ہوتے ہین جو آفتاب کی ماہیت کو تلاش کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ہین یہی کیفیت مذہب کی ہے کہ اسکے چہرہ پر جو اخلاق کا گلگونہ نظر آتا ہے اکثر دیکھنے والے اسی کے نظارہ مین غرق ہو جاتے ہین اور چونکہ اخلاق کا اثر اور فائدہ نمایان اور محسوس ہے اور اسی لیئے مذہب

کی نہایت ابتدائی اور بدنما شکلوں میں بھی اس وقت کے لوگ اخلاق کے بہت کچھ حامی ہی ہیں
لہذا اکثر غور کرنیوالے دھوکا کھا جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مذہب میں جو کچھ فائدہ ہے وہ یہی حسن
اخلاق کی اشاعت ہی ہے پس انہیں سے جو لوگ مذہب کی دوسری تعلیم یعنی خدا پر ایمان لانے سے
چڑتے ہیں وہ کوشش کرنے لگتے ہیں کہ کسی طرح اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ثابت کریں
اور جو لوگ خدا کے اعتقاد کو ایسا خوفناک تو نہیں سمجھتے مگر اسکی ضرورت اور سچے عرفان کے لطف سے
بھی چنداں آشنا نہیں ہوتے وہ محض اخلاق کو اپنا منتہائے نظر ٹھیرا کر چونکہ اخلاق کا جلوہ
کم و بیش ہر مذہب میں دیکھتے ہیں اسلئے یہ دعوے کرنے لگتے ہیں کہ ہر ایک مذہب اپنے واحد
مقصود کو پورا کر رہا ہے اور اسلئے سب کی پیروی باعث نجات ہے مگر حقیقت میں یہ دونو فریق غلطی
پر ہیں۔ نہ اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ہے اور نہ مذہب میں اخلاق اور نہ مذہب کا
فایدہ محض حسن معاشرت ۔

مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے

انسان کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے فائدہ سے اسی صورت میں دست بردار
ہوتا ہے جب اس سے بہتر کسی اور فائدہ کی توقع ہو یا کسی بڑی نقصان کا اندیشہ ہو۔ طالبعلم
جو اپنے مطالعہ میں رات کی میٹھی نیند کے فائدے سے دستکش ہے تو محض اسلیئے کہ اس فائدے
کو چھوڑ کر علم کے بیبہا مفاد سے بہرہ اندوز ہوگا اور کاشتکار جو گرمیوں کی دھوپ میں ہل
چلانے میں مصروف ہے اور ٹھنڈی ہوا اور سایہ کے فائدے سے محترز ہے تو محض اسی لیئے
کہ ہوا کھاتے سال بھر تک بھوکا مرنا پڑیگا اور اگر یہ خیال نہ ہو تو صرف دوسروں کے نقصان
کا خیال کبھی فائدہ حاصل کرنے سے روک نہیں سکتا۔ انسان تمام دنیا کی جڑی بوٹی اور چرند
کو اپنی غذا بناتا ہے اور تمام جانور اور بیجان چیزوں کو اپنے صرف میں لاتا ہے حالانکہ یہ تمام فایدے
دوسری مخلوق کو بیشمار نقصان پہنچا کر حاصل ہوتے ہیں مگر چونکہ اپنا کوئی اور بڑا فائدہ ہاتھ سے جاتا یا کوئی
بڑا نقصان اپنے اوپر عائد ہوتا نہیں نظر آتا اس لئے اوروں کے نقصان کی ذرا پروا نہیں کرتا
اور نہ صرف یہ کہ انسان غیر انسان مخلوق کے نقصان کی پروا نہ کرتا ہو بلکہ اپنے ہی نوع کی بھی پروا نہیں

کرتا اور جتنی چیزوں کی عام بنی نوع کو ضرورت ہے ان کو مہنگے داموں خرید کر اپنے صرف میں لاتا ہے اور جو لوگ اس قدر قیمت نہیں دے سکتے اور اس سے لیئے تکلیف اٹھاتے ہیں ان کی رعایت نہیں کرتا اور جب یہ صورت دنیا کے ہر ایک کام میں دیکھی جاتی ہے تو اگر ایک لحظہ کے لیئے مذہب کو مٹانے کی کوشش بار ور مان لیجائے اور خدا کا وجود اور اسکے جزا و سزا کی طاقتوں کو معدوم فرض کر لیا جائے اس وقت جو لوگ دوسروں کا مال چھیننے اور جان و آبرو لینے میں اپنا فائدہ تصور کرتے ہوں اور نیز دنیوی حکومت کے دائرہ اثر سے باہر یا خود برسر حکومت ہونے کے سبب پورے طاقتور ہوں یا مخفی ریشہ دوانیوں سے کامیاب ہو سکتے ہوں وہ اپنی انسانی یا بہیمی فطرت کے ہاتھوں کیا کچھ طوفان برپا نہ کرینگے اور دنیا پر کیا بلا نہ لائینگے اور اس وقت کونسی طاقت ہوگی جو ان لوگوں کو حسن اخلاق پر مجبور کریگی اور دنیا میں امن و امان قایم رکھیگی؟

مہذب ممالک کے اخلاق

کہا جاتا ہے کہ آجکل مہذب ممالک میں اکثر لوگ مذہب کو چھوڑ چکے ہیں اور باوجود اس کے وہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور معاشرت کو ترک مذہب سے کوئی نقصان نہیں پہنچا مگر اول تو دیگر کمزور اقوام کے ساتھ انکا برتاؤ بہت کچھ انکی اخلاقی حسن و خوبی پر روشنی ڈالتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ نیک برتاؤ محض انہی کے ساتھ ہے جو برابر کے طاقتور اور کلمہ بکلمہ جواب دینے والے ہیں مگر اس گفتگو کو طول دینے کے بغیر دوسری پتہ کی بات یہ ہے کہ مذہب کا ہزارہا سال کا طولانی اثر چند صدیوں میں بھی زایل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ چند نسلوں کی مادی تعلیم اس کو بالکل فنا کر دے یہ تعلیم کہ برائی کا اثر روح کو تاریک کرنیوالا اور اب اور آیندہ ہزارہا جسمانی اور روحانی نقصان پہنچانے والا ہے اور کوئی ایسا قانون یا قانون کا بنانے والا ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت کرتا ہے اور اسکی نظر کبھی اور کسی وقت خطا نہیں کرتی غرض یہ خیال مذہب کی برکت سے اب تک تمام دنیا کی فضا میں پھیلا ہوا ہے اور اسی کی کشش ہے جو ابتک عقلا اور جہلا کے دلوں کو پورے طور پر [illegible] کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی اور یہی کشش ہے جو ڈاکٹر مل کے قول پر [illegible] قایل ہونے پر بھی انکی [illegible] کی شکل میں حکمران ہے

پس مذہب کے بغیر اخلاقی ترقی کی نظیر اس وقت پیش ہو سکے گی جب یہ مادی تعلیم اور خدا کا انکار بھی مذہب کے عمر کے برابر طول کھینچے اور تمام زن و مرد پر مذہب کیطرح قابض ہو اور پھر اُس وقت کے لوگ اخلاق میں نمونہ بن سکیں ۔ اور حقیقت میں اگر خدانخواستہ کبھی ایسا زمانہ آئے کہ تمام عالم خدا سے منکر ہو تو وہ وقت نہایت منحوس ہوگا اور یہ انسانی مخلوق اگر اس وقت بھی انسان ہی رہے اور فرشتہ نہ بن جائے تو نہ ملکی حکومت و قانون کی پیش جائیگی اور نہ کھوکھلی اخلاقی تعلیم کے بنائے کچھ بنیگا اور جو لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہونگے وہ وہ قیامت بپا کرینگے کہ عالم تہ و بالا ہو جائیگا مگر یقین ہے کہ بفضل خدا ایسا دن نہیں آئیگا اور جبتک مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے ان مشتے چند واویلا کرنے والوں کی کوشش مذہب کو نابود کرنے میں کامیاب نہ ہوگی کیونکہ فطرت کو بدلنا انسانی طاقت سے باہر ہے ۔

بسیر اور
نقص

ایسی کوشش کرنیوالے اب بھی اگرچہ چلاتے ہیں مگر مذہب سے بے نیاز نہیں ہو سکتے روحہ والوں نے ملک کو دیوتا مانا تو اب ڈاکٹر مِل اخلاق کو بحال رکھنے کیلئے انسانی زندگی کو معبود بنانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں †

کہ ”بجائے نادیدہ طاقت کے اِس زمینی زندگی کو خدا مانکر ہم اعلےٰ اخلاقی خیالات کی اشاعت کر سکتے ہیں“ یعنی بجائے خدا کے لئے بلکہ اپنی انسانی زندگی کیلئے ہم ناجائز فائدوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں تو اِس پر اعتراض ہوتا ہے کہ

”یہ چھوٹا سا حصہ اور یہ تھوڑی سی بے حقیقت عمر اگر دنیا کے پرستے تک دراز نہ مانی جائے تو ایسے چھوٹے سے پیمانہ پر اعلےٰ خیالات کی بنیاد رکھنی ناممکن ہے اور ایسی چھوٹی عمر کا یقین کر لینے کے بعد تو وہی یونانی فلاسفر ایپی کیورس کا عقیدہ اشاعت پا سکتا ہے کہ کھا لو اور پی لو کل تو مرنا ہی ہے“

اِس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ

”افراد انسانی کی زندگی اگرچہ حقیر ہے مگر نوع انسان کی زندگی خاصی طویل اور بے انتہا ہے

† ایتھیکس ۲ صفحہ ۱۰۵ تا ۱۰۹ سنہ ۱۸۷۴ء

اور جب انہیں سے خاص خاص ملکون کی زندگی خدا بن سکتی ہے چنانچہ رومہ والون نے ایسا کر دکھایا تو عام نوع انسان کی زندگی سے یہ اثر کیون نہ پیدا ہو سکیگا"

چنانچہ ایسا اثر پیدا ہونیکی تدبیر بتاتے ہوئے لکھتے ہین کہ

"یہ اعلیٰ اخلاق اپنے عروج کیلئے کسی معاوضہ کی امید پر منحصر نہ ہوگا بلکہ اسکا ایسا معاوضہ ہوگا جو دیکھا جا سکے اور جو تکلیف کے وقت تسلی اور کمزوری کے وقت سہارے کا کام دے اور وہ معاوضہ اگلے جہان کی مشتبہ زندگی نہین بلکہ اسی زندگی مین ان لوگون کی خوشنودی ہے جنکی ہم عزت کرتے ہین اور خیالی طور پر ان تمام مردہ اور زندہ لوگون کی پسندیدگی ہے جنکی تعریف و تعظیم کے ہم معترف ہین کیونکہ یہ خیال کہ ہمارے مردہ آبا و اجداد ہمارے اطوار کو پسند کرتے ہون گے ایسا ہی طاقتور ہے جیسا یہ خیال کہ زندہ لوگ پسند کرتے ہین اور یہ تصور کہ سقراط، ھاورڈ، واشنگٹن، انٹانی نس یا مسیح ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہونگے یا یہ کہ ہم بھی اسی نیت سے کام کرتے ہین جس نیت سے وہ کرتے تھے بہت سے نیک دلون کے لیئے اعلےٰ خیالات کیواسطے قوی محرک ہوا ہے"

ڈاکٹر موصوف اس تدبیر سے نیک اخلاق پیدا کرنیکے لیئے خدا کو چھوڑ کر کوئی محسوس محرک پیدا کرنا چاہتے ہین مگر جہان آکر ٹھیرے ہین دیکھا گیا تو تکیہ اسی غیر محسوس طاقت پر ہے یعنی خدا نہ سہی اپنے آبا و اجداد اور بزرگون کے ارواح کو حاضر ناظر مان کر انکی خوشنودی کا فائدہ مدنظر رکھنا پڑا اگر انکی زوردار تقریر کے ساتھ جن بزرگون کو شفیع بتایا گیا ہے وہ فلسفیانہ خیال بھی لکھہ دیا جاتا کہ روح کوئی چیز نہین اور مرنے کے بعد جسمانی اجزا اپنے اپنے عناصر مین مل جاتے ہین اور غبار بن کر اڑ جاتے ہین تو پھر دیکھتے کہ یہ مردہ اور زندہ لوگون کی خوشنودی کیونکر ہم سے ہمارے مفاد کو چھڑوا سکتی کیونکہ جب وہ مر کر کچھ رہے ہی نہین تو اب خوشنودی مٹی اور ہوا کی ہمکو کیا تسکین دیگی! غرض ناممکن ہے کہ کوئی طاقت خوشنود ہونیوالی اور جزا و سزا دینے والی ماننے کے بغیر انسان نیک اطوار پر مجبور ہو سکے پس فطرت انسانی مین داخل ہونے کے سبب اگر مذہب کی اصلاح

و ترقی انسانی فرض ہے تو مدار اخلاق ہونیکے باعث اُسکی تلقین و اشاعت اخلاقی فرض ہے -

مذہب بغیر اخلاق نہیں

ان لوگون نے مذہب کی ضرورت کو محسوس نہین کیا اور اس لیئے مذہب کو چھوڑکر اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہین مگر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی ماہیت سے نا آشنا نہین ہین اور جانتے ہین کہ مذہب خدا پر ایمان لانیکا نام ہے لیکن جو لوگ تمام مذاہب کو باعث نجات اِس لئے ملنتے ہین کہ سب مین اخلاقی تعلیم موجود ہے وہ لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود مذہب کی حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہین اور نہین دیکھتے کہ اسکی اصلی خواہش خدا کا اعتقاد اور اسکی ذات وصفات کی معرفت ہی اسلیئے کہ شروع سے لیکر آج تک مذہب کی تمام شکلون مین اور مذہبی ترقی کے تمام مدارج مین ایک بالا تر ہستی کا یقین کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کو اعلیٰ مقصد اور منتہائے نظر مانا جاتا ہے اور جب مذہب کا یہ مطلب ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ اور چیز ہے اور رحم و انصاف شرافت و شجاعت وغیرہ جدا گانہ اوصاف ہین پس جس طرح شجاعت اور دلیری کی مشق کرنے سے صنعت و حرفت یا نجوم کی مہارت سے نجاری و معماری کا علم حاصل نہین ہوسکتا سچائی اور ہمدردی کا وصف پیدا کرنے سے علم و حکمت کا وقوف پیدا نہین ہوتا اسی طرح انسان نیک برتاؤ اور حسن معاشرت مین لاکھ امتیاز پیدا کرے معرفت و شہود سے بہرہ یاب نہ ہوسکیگا پس جو لوگ محض اخلاق سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہین وہ زمین پر چلنے سے آسمان پر چڑہنے کی امید رکھتے ہین - غرض اگر دنیا مین علت و معلول کا قانون ناقابل تنسیخ ہے اور اگر ہر ایک مدعا کیلیئے اس کے مناسب حال اسباب ضرور ہوا کرتے ہین تو یا تو خدا کا عرفان حاصل کرنیکے لیئے مذہب کی اُس حد تک پہنچنا ضرور ہوگا جسمین خدا کی سچی معرفت کی تلقین ہو اور خدا کو اُنہی اوصاف و خواص سے ماننا ہوگا جو واقعیت رکھتے ہون اور اگر نہین یعنے اگر خدا کی حقیقی معرفت پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہو تو پھر یہ کہنا چاہیئے کہ مذہب کی اصلی کشش انسان کے اندر ایک غیر ضروری عنصر ہے اور اس طرح نتیجہ وہی ہوگا جو مذہب سے انکار کرنیوالے ملنتے ہین فرق صرف اس قدر ہوگا کہ وہ لوگ مذہب کے علانیہ دشمن ہین

اور یہ بظاہر اسکی ضرورت کا دعوی کرتے ہیں اور دریردہ تکمیل چاہتے ہیں اور انکی جانب سے
جو حمایت ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک اور جذبۂ فطرت یعنی اخلاق کی ہوتی ہے۔

پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خدا کی معرفت پیدا ہونیکے بعد خواہ وہ کسی درجہ کی ہو اسکو ساتھ مناسبت
اور تعلق پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور اس کے واسطے ایک طریق وہ غور و فکر کی شکلیں
ہیں جن کو عبادت کہا جاتا ہے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ جس قسم کے اوصاف اور خواص خدا کے
معلوم ہوتے ہیں اسی قسم کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجائے مثلاً خدا رحم
انصاف انتقام وغیرہ قوانین سے دنیا کو قایم رکھتا ہے اس لئے انسان بھی اپنی طاقت
کے موافق ان اوصاف کو حاصل کرے اور مخلوق خدا کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو اپنے
ذہن میں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اس لئے اخلاق بہت بڑی حد تک مناسبت اور تعلق میں
مدد دینے والے ہیں اور نہ صرف دنیوی حیثیت سے بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی نہایت ضروری اور
مفید ہیں اور اس لیئے مذہب اعتقاد کے بعد اخلاق کی بھی ویسی ہی تاکید کرتا ہے جیسی غور و فکر یعنی
عبادت کی۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اخلاق اور عبادت سے جو مناسبت اور تعلق خدا کی ذات سے پیدا
ہوگا وہ قدر و کیفیت میں اسی درجہ پر ہوگا جس درجہ تک خدا کی معرفت حاصل ہو چکی ہے مثلاً اگر
کوئی شخص خدا کو مجسم اور مکان اور زمانہ میں محصور سمجھتا ہے اور پھر عبادت اور اخلاق سے اس کے
ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے تو اس کا تعلق ایک مجسم چیز سے ہوگا اور اسی کی معرفت کا نقش دل پر
گہرا ہوتا جائیگا اور یہ نہ ہو سکیگا کہ مجسم سمجھ کر عبادت کرتا ہو اور اس عبادت سے ہی اس کا جسم سے
پاک ہونا دل میں بیٹھ جائے۔ پس اخلاق تو تعلق اور مناسبت کیلئے ضروری اور مفید تسلیم کرنے
کے بعد بھی مذہب کا مدار معرفت ہی پر رہتا ہے اور کسیطرح ثابت نہیں ہوتا کہ ناقص معرفت کے
وقت اخلاق حسنہ حاصل کرنے سے انسان عارف کامل بن سکیگا اور محض حسن معاشرت سے
سچے خدا تک پہنچ سکے گا۔

مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہتر ہیں

اور بلحاظ ہذا اسمیں بھی شک نہیں کہ مذہب کی مختلف شکلوں میں سے بعض بعض

کی نسبت خدا کی واقعی معرفت تک پہنچنے کی قابلیت زیادہ ہے اور اس لحاظ سے ناقص مذاہب
مین سے بعض کو بعض سے اچھا کہہ سکتے ہین مثلاً اگر درخت یا پتھر کو خدا سمجھا جاتا ہے تو چونکہ
پتھر اور خدا مین بہت بڑا تفاوت ہے ایک محسوس ہے تو دوسرا غیر محسوس ایک مادی ہے اور
دوسرا غیر مادی ایک محدود ہے اور دوسرا غیر محدود اسلئے یہ خیال خدا کی معرفت سے بہت دور
بلکہ اس سے منافض ہے اور اگر خدا کو درخت اور پتھر سے بالاتر سمجھا جاتا ہے مگر اعتقاد کیا جاتا ہے
کہ انسان کو متوجہ کرنے کیلئے اس نے درخت مین ظہور اور حلول کیا ہے تو یہ خیال پہلے خیال کی
نسبت معرفت سے کم بُعد رکھتا ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ شخص خدا کو جسم مین آنے اور محتاج مُنخر
کے لائق سمجھتا ہے سچے عرفان سے بیگانہ ہے اور اگر خدا کو جسم مین درآنے سے بھی پاک سمجھا
جاتا ہے مگر ولدیت وغیرہ بعض جسمانی صفات سے متصف مانا جاتا ہے یا اسکی صفات کمال
مین سے کسی صفت سے عاری مانا جاتا ہے تو بعینہ خدا کے حلول کرنیکی نسبت یہ خیال شریف اور
بہتر ہوگا مگر ایک گونہ ناقص سمجھنے کے باعث سچی معرفت سے ابھی بھی ناآشنائی ہے اور جس طرح
بچہ پیدا ہونے کے بعد بالغ ہونے تک اپنی نشو و نما کے مدارج مین رفتہ رفتہ جوانی سے قریب ہوتا
جاتا ہے اور بلوغ کی استعداد مین ترقی کرتا جاتا ہے لیکن اگر بالغ ہونے کے وقت سے ایک دن پیشتر
بھی مر جائے تو خواہ اُسے ایک شیر خوار کی نسبت بہت زیادہ لذتین اور فائدے حاصل ہو گئے
ہون گے مگر بلوغ اور جوانی کی نعمت سے ضرور محروم جائیگا اِسی طرح معرفت کامل کی استعداد خواہ
کیسی قوی پیدا ہو چکی ہو لیکن اُس تک پہنچنے سے پہلے جس درجہ پر انسان ٹھہر جائیگا اگرچہ اپنے
سے پست تر خیالات کی نسبت فائدے مین رہیگا مگر اس بالاتر نعمت سے ضرور ناآشنا رہیگا۔
اور جس طرح قریب البلوغ لڑکا کبھی بے اعتدالی سے ایسا مریض ہو سکتا ہے کہ شیر خوار بچے جیسی راحت
اور لذت کو بھی کھو دے اسیطرح خدا کی نسبت کوئی سے اعلیٰ خیالات رکھنے والا ممکن ہے کہ شرک
اور نقص کے اعتقاد کو اعلےٰ خیالات سے ملا کر معرفت سے ایسا دور جا پڑے کہ مجمل طور پر پاک
ہستی کو ماننے والا اُس سے بہتر ہو۔

غرض دُنیا کا نظام قدرت اور نیچر کے تمام کاروبار بالاتفاق اور بلا استثنا شہادت دیتے ہین کہ مذہب کا سچا فائدہ اِسی صورت مین حاصل ہوگا جبکہ مذہب سچا ہو اور جھوٹے مذہب سے سچے فائدے کی امید رکھنا سراب سے دریا کو پانا اور شیر قالین سے شبِ بستان کا کام لینا ہے یعنی ہیچ –

مذہب کی تدریجی ترقی

سوئم – عقل ترقی اور دیگر جذبات فطرت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا تخم انسان کی فطرت مین موجود ہے مگر ہر ایک کی ترقی اور اُس کا کمال عموماً تربیت اور دوسرون کی رہنمائی پر منحصر ہے اور جب انسان کو ایک حالت مین رہتے ہوئے کچھ عرصہ گذرتا ہے اور جدت پسندی کی برکت سے اور ایک حالت مستمرہ سے ملول ہو جانے کے باعث کہ یہ بھی انسان کی فطرت مین ودیعت ہے کہ سبین اپنی حالت کو بدلکر اُس سے بہتر حالت مین جانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے تو اُس وقت وہ اپنی حالت پر متجسسانہ نگاہ ڈالتے رہنے سے اور گاہ کسی اور قوم کی بہتر حالت پر مطلع ہونے سے ان مین سے کسی کو کوئی نیا خیال سوجھتا ہے اور اکثر مہتم بالشان اور باریک نکات کو دریافت کرنے کیلئے دیکھا گیا ہے کہ کبھی تمام قوم نے دفعتہً ترقی نہین کی بلکہ عموماً اپنے زمانہ مین کسی ایک یا چند اشخاص کو اختراع و ایجاد کی عزت حاصل ہوتی ہے اور پھر اُس ایک یا چند افراد کی کوشش سے اور نیز اپنی موجودہ حالت کی ملالت سے ملک اور قوم اس جانب توجہ کرتی ہے اور اگرچہ عموماً ایسے لوگ بھی اسوقت موجود ہوتے ہین جو نئے نکات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہین اور اس سے اختلاف ظاہر کرتے ہین لیکن اگر نیا خیال واقعی ترجیح اور برتری رکھتا ہو تو ایجاد کی کوشش بارور ہو جاتی ہے اور بتدریج پرانے اوہام نئے خیال کیلئے جگہ خالی کر دیتے ہین – زمین کے مسطح ہونے کے بعد حرکت کرنے کا، اشیاء کے میلان طبعی کی بعد کشش ثقل کا، عام وسایل نقل و حرکت کے بعد بخار کی طاقت سے کام لینے کا، نامہ و پیام کیلئے اور دیگر تدابیر علاج کیلئے عام ذرائع کے بعد برقی طاقت کو استعمال کرنے کا اور اس کے بعد بے تار ٹیلیگرافی کا خیال اسی طرح پیدا ہوا ہے کہ ایک مدت دراز تک ایک خیال پر قایم رہنے اور اس سے کام لینے کے بعد انسان مین یہ قابلیت

ہوئی کہ اور طرف توجہ کرے اور پھر اس وقت کسی بندہ خدا کو نیا خیال سوجھا اور رفتہ رفتہ اس کا رواج ہوا۔ ڈاکٹر ایچ اے مل انرجی یعنی طاقت کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ :-

"طاقت دنیا میں مادہ کے علاوہ ایک اور حقیقی وجود ہے جو ہمارے حواس پر ایسا براہ راست اثر نہیں کرتا جیسے مادہ کرتا ہے اور پچاس سال گزرے کہ اس ہستی کا کسی کو علم نہ تھا اور استدلال کا ایک لمبا سلسلہ ضروری تھا جس کے بعد اس کے موجدوں کو اس کے وجود اور اس کی حقیقت کا یقین آیا" †

اور زمین کے گول ہونیکا خیال تو خیر بہت پرانا ہے مگر ان دوسرے خیالوں کی ایجاد کا وقت زمانہ کو یاد ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اس وقت تمام دنیا میں سے ایک ہی مرد ایسا نکلا ہے جس نے خلاف معمول ایک انوکھی بات معمولی واقعات میں سے نکال لی سیب کا درخت پر سے گرنا کس نے نہیں دیکھا اور دیگچی پر سرپوش کی حرکت سے یا اور طرح پر بخار کی طاقت کو کون نہ جانتا تھا مگر نیوٹن اور جیمس واٹ ہی وہ خوش قسمت تھے جن کو ایسے معمولی واقعات نے کشش ثقل اور سٹیم انجن جیسے گرانمایہ اور مہتم بالشان نتائج تک پہنچایا۔ انسان کو بیرحمی سے پکڑنا اور اینٹ پتھر کیطرح ان سے سلوک کرنا کس کی آنکھوں سے پوشیدہ تھا مگر کسی نے ترس نہ کھایا اور جو ترس کھانے تھے ان کا کہنا زمانہ نے نہ سنا اور گرینول شارپ ہی وہ بااقبال نکلا جسکی باریک نظر نے اس اخلاقی نقص کو دور کرنے کی تدبیر نکالی اور انسداد غلامی میں وہ کام کر گیا جسکو آج زمانہ فخر سے یاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قاعدہ بھی ان تمام قسم کی ترقیوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جہالت کی تاریکی میں جب کسی ترقی کا شرارہ چمکتا ہے تو اگرچہ فی ذاتہ وہ شرارہ پاک اور بے عیب ہوتا ہے مگر اکثر اوقات گردوپیش کی تاریکی اس تو میں کسی طرح کی آمیزش کر دیتی ہے اور وہ خیال باوجود پاک اور اعلیٰ ہونے کے دوسرے خیالوں میں ملکر ناپاک اور پست ہو جاتا ہے۔ بجائے مسطح ہونیکے زمین کے گول ہونیکا خیال ایک واقعی اور سچا خیال تھا مگر اس کے ساتھ دوسرے خیالات مل گئے اور گول زمین کو عالم کے وسط میں مانکر بطلیم

† کتاب سربلدا آف نیچر باب دوم صفحہ ۹۲ ۱۹۱۲ء

کہا گیا اور عالم کا مرکز ٹھیرا کہ تمام موجودات کو اُسکے گرد حرکت کرنیوالا اور اس طرح اس چھوٹے سے کُرّہ کو تمام ستارون اور سیارون کی پیدائش کا مقصد سمجھ لیا گیا۔ غرض دوسری خیالات کی آمیزش سے زمین کی نسبت جو یقین قایم ہوا وہ راستی سے بہت دور ہو گیا علیٰ ہذا جب سیارون کو آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہوئے مانا گیا تو اس خیال کے ساتھ جسکی واقفیت آجتک مسلّم ہے یہ آمیزش ہو گئی کہ ہر ایک سیارہ مین ایک روح مانی گئی جو اس سے آفتاب کے گرد طواف کرواتی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آسمانون کی چند تہین مانی ہوئی تہین انہین میں ہی روح اور حرکت ارادی کا وجود مانا جاتا تھا پس اسی تاریک خیال کے بعد جب یہ روشن خیال کیپلر نے پیدا کیا تو وہ ہین آسمانون کی بجائے سیّارون مین فرض کر لی گئین اور بہیئت مجموعی سیّارون کے بارہ مین واقعی علم حاصل نہ ہوا۔

غرض اس غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان جذبات فطری مین ترقی درجہ بدرجہ ہوتی ہے اور تربیت پر منحصر ہے اور ہر ایک ترقی کو پانیوالے ابتدا مین چند افراد ہوتے ہین اور ترقی کے درمیانی درجون مین ایجاد کرنیوالون کی تعلیم گرد و پیش کے تاریک خیالون سے مل کر ملکدّر ہو جاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی اور روشن خیال پیدا ہوتا ہے جو اپنی حیثیت کے موافق تاریکی کے کسی حصہ کو دور کر کے کسی اور موحد کیلئے جگہ خالی کر جاتا ہے۔ یہی صورت مذہب مین دیکھی جاتی ہے کہ اس کا تخم فطرت مین موجود ہے اور انسان اپنی جبلی کشش کے سبب سے اسکی تلاش شروع کرتا ہے مگر نقص بشریت اور کوتاہی نظر کے باعث غلطیون مین مبتلا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے ناپاک خیالات اور افعال کو اس پاک کشش کے ساتھ ملا لیتا ہے مگر کچھ مدت یہ حالت قائم رہنے کے بعد حسب قاعدہ ملالت اور ناپسندیدگی کا میلان پیدا ہوتا ہے اور کسی نور کو قبول کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اس وقت کوئی خدا کا بندہ پیدا ہوتا ہے جو اس زمانہ اور حالت کے موافق مذہب کے متعلق کوئی روشن خیال پیش کرتا ہے اور اگرچہ ابتدا مین اُس کے جدت اور انوکھے پن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر آخر وہ استعداد جو قوم مین

پیدا ہو چکی ہوتی ہے غالب آتی ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنیوالے پیدا ہونے لگتے ہیں
اور کچھ عرصہ اس روشنی کا فروغ رہنے کے بعد پھر گرد و پیش کے تاریک خیالات غلبہ پاکر
اسکی خوبی کو ڈھک لیتے ہیں اور نیک و بد خیالات مل کر بہیئت مجموعی وقعیت سی دور رہجاتے
ہیں اور پھر اسی قسم کا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد کوئی اور شخص پہلے شخص کی تعلیم کے ساتھ دیگر تاریکیون
کے متعلق اپنے چند اور روشن تجربے لیکر پیدا ہوتا ہے اور حسب دستور پھر باقیماندہ تاریکیون کے
سبب سے کوئی اور شکل پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے ـ مثلاً زمانہ
جہالت و وحشت مین جب فطری کشش نے مجبور کیا اور یہ پاک خیال پیدا ہوا کہ کوئی ہستی
ہم سے برتر اور ہماری مالک اور پرستش کے لایق ہے تو چونکہ ان لوگون کی نظر صرف محسوسات
قریبہ تک محدود تھی اس سبیئے کسی نے کسی خوب صورت پتھر کو کسی نے کسی عجیب درخت کو
اور کسی نے کسی سفید جانور کو محسوسات مین سب سے برتر سمجھکر اسکی پرستش شروع کی اور یہ وہ پہلا
اختلاف ہوگا جو اس کے ماقبل کے متحدہ خیال کے بعد پیدا ہوا اور پھر اس حالت مین رہنے
کے بعد جب ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو کوئی شخص اُٹھا جس نے درخت پتھر وغیرہ
کو بیقدر اور ناقابل عبادت بنایا اور اُن کے خیال کو ان محسوسات سی بالاتر لیجانا چاہا مگر چونکہ
انکی نظر وسیع نہ تھی اس سبیئے جو طاقتین ان چیزون سے دوسرے درجہ پر تھین صرف انہی
کیطرف متوجہ ہو سکے جس سے وہ اس کوشش مین تو کامیاب ہوگیا کہ یہ درخت پتھر ہی سب سے
بالاتر نہین ہین بلکہ ان کے اوپر بارش اور ہوا آفتاب اور ماہتاب وغیرہ کی طاقتین ہین
جو محسوسات پر حکمران ہین اور واقع مین یہان تک جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بالکل سچا اور درست
ہے اور اس سبیئے اس مسئلہ کو صرف اسی درجہ تک ماننے والے اور اینٹ پتھر کو معبودیت سے
اس بنا پر برطرف کرنیوالے کہ ان سے بالاتر اور بہی کوئی ہستی ہے اس بارہ خاص مین برسر
حق ہین مگر پھر اس خیال مین دیگر تاریک خیالات کی آمیزش کا موقعہ آیا اور ہر چیز کو بے سمجھے
بوجھے خدا مان لینے کی جو عادت تھی اس نے درخت پتھر کو چھوڑ کر آفتاب و ماہتاب وغیرہ

دیوتاؤن کو سجدہ کروایا اور درخت پتھر کی ناقابل عبادت ہونیکا پاک خیال ہوا اور آگ کی خدائی کے ساتھ ملکر حقانیت سے دور جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی استعداد پیدا ہونے پر اسی طرح کے روشن خیالون کی تعلیم سے ترقی کرتے کرتے اس درجہ پر آئے کہ کسی نے سب سے بالاتر اور جو اس سے پرے کسی ہستی کا نشان بتایا اور اس عالم کی محسوس اور نامحسوس تمام اشیا کا تغیر اور انقلاب دکھا کر اس معبود کا پتہ دیا جو ہمیشہ یکسان رہتا ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنے کے بعد انسان کی دنیا پرست نظر نے ایک اور شکل مین اپنی تاریکی کو ظاہر کیا کہ کبھی اپنے جسمی تعلقات اور رشتے مان کر اور کبھی اس خیال سے کہ جب وہ ہماری گرفت سے باہر ہے تو ہماری دستگیری اور مدد کے لیے کسی نہ کسی شکل مین ظہور کرتا ہوگا اس کے لئے اولاد اور اوتار تسلیم کئے اس طرح باوجود نادیدہ خدا کو ماننے کے اپنی تمام توجہ دیدنی اشیاء مین صرف کرنے لگے اور کبھی دنیوی اشیا کو باعظمت اور برتر ماننے کی جو عادت راسخ ہو چکی تھی اس کے سبب یک لخت سب چیزون کو اس کا مخلوق اور محکوم ماننے پر رضامند نہ ہوئے اور اگرچہ اپنے تئین اس سے سب سے بالاتر نہ مان سکے مگر یہان کی بعض چیزون کو جو سب سے بڑی نظر آئین مثلاً مادہ یا روح اور ان کے خواص کو اسکی خالقیت سے مستغنی اور اسکی طرح قدامت اور عظمت سے بہرہ ور سمجھنے کا نقص اس پاک تعلیم مین ملا کر ایسی تاریکی پیدا کی جس سے شاہد ازل کا چہرہ اپنے واقعی حسن کے ساتھ انکی کوتاہ نظرون مین جلوہ گر نہ ہو سکا۔

بعثت انبیاء

غرض عقل اور مذہب کے یکسان داخل فطرت ہونے اور باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہونے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ابتدا مین سب بنی آدم محض فطری حالت مین ہون گے اور مذہب کی نسبت یکسان کیفیت رکھتے ہون گے جیسے کہ اس وقت عقل کی نسبت ابتدائی اور یکسان حالت مین تھے مگر مدعائے مذہب یعنی خدا کی تلاش مین مصروف ہو کر جو کشش ان کو قدرت کی جانب سے دی گئی تھی انہین اپنی خواہشون کو ملا کر اس کے متعلق مختلف رستے اختیار کئے ہونگے جیسے مدعائے عقل یعنی فلاسفی یا واقفیت کی تلاش مین واقعیت کو بہت سے غیر واقع خیالات سے

ملا کر مختلف روشیں اختیار کر رہے ہیں پھر مذہبی تجربہ کار وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہونگے جو مناسب حال کوئی خاص تعلیم دیتے ہونگے اور لوگوں کے مختلف عقائد کا فیصلہ کرتے ہونگے جیسے عقلی تجربہ کار اپنے اپنے وقت میں نئے فلسفیانہ نکات کی تعلیم دیکر اختلافات عقلی کا فیصلہ کرتے رہے ہیں پس جن لوگوں میں طلب صادق اور شوق حقانیت موجود ہوتا ہوگا وہ ان ہادیوں کے فیصلہ پر کاربند ہوکر اپنے مدعا میں کامیاب ہوتے ہونگے جیسے طالبان واقعیت اور شائقین فلسفہ عقلا کی رہنمائی سے علم و ہنر کا لطف اٹھاتے ہیں اس طرح ایک طرف عقلی فرقے اور سکول ہوتے گئے اور دوسری جانب مذہبی گروہ اور شاخیں نکلتی آئیں ایک اپنے رہنماؤں کو موجد کہتے ہیں اور دوسرے اپنے ہادیوں کو پیغمبر۔ ایک طرف ڈیوی[1]، جینر[2]، ایڈیسن[3]، واٹسن[4]، ہرٹز[5] اور مارکنی[6] ایسے رہنما بلکہ عقلی فضا میں قابل تعظیم و تسلیم قرار پائے تو دوسری طرف کرشن اور زردشت بدھا اور کنفیوشس۔ موسیٰ اور مسیح مذہبی دنیا میں لائق عقیدت اور مدار ایمان ٹھیرے

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۶)

(پہلے) لوگ ایک فرقہ تھے پھر خدا نے انبیاء خوشخبری دینے والے اور اللہ سے ڈرانے والے بھیجے اور اُن کے ساتھ احکام ربانی نازل فرمائے تاکہ لوگوں کے مابین اُنکے اختلافوں کا فیصلہ کریں اور اختلاف اُنہی لوگوں نے کیا جنکو وہ (حکم ربانی) بخشا گیا تھا اور اختلاف ایسے وقت کیا جبکہ اُن کے پاس روشن دلیلیں آچکی تھیں اور اختلاف اپنی خواہشوں کے سبب کیا پس خدا نے اپنے حکم سے اس اختلاف کے بارہ میں ان لوگوں کو ہدایت کی جو ایمان لائے اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کر دیتا ہے

[1] معدن کا چراغ بنانیوالا۔ [2] علاج کیلئے ٹیکا لگانیکا موجد۔ [3] فونوگراف کا موجد۔ [4] تار برقی کا موجد۔ [5] برقی لہروں کو ثابت کرکے بے تار پیام رسانی کا خیال پیدا کرنیوالا۔ [6] ایکس رے فوٹوگرافی کا موجد جس سے زندہ انسان کی ہڈیوں کا عکس لیا جاسکتا ہے۔

باب سوئم

وحی

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟ - مسٹر پارکر کا خیال - روحانی حواس - کشف کی چند شالین - یقین حاصل ہونیکی عقلی اور قلبی صورتین - خدا کو ماننے کے دو طریق - جذبہ فطرت اور استدلال کی آمیزش - استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے - عقل مذہب کو پیدا نہین کر سکتی - مذہب کے تین خادم ہین - تجربہ مین قوی عامل ہوتا ہے اور ضعیف معمول - وحی مین خدا عامل ہوتا ہے اور انسان معمول - نبی اگرچہ بہت ہین مگر تمام انسان نبی نہین ہو سکتے - استعداد مین تفاوت درجات کا ہے یا نوع کا؟ تفاوت حالات - انبیاء کی ضرورت - الہامی کتابون کی ضرورت - نسخ شرائع - احکام شریعت کے فائدے حقیقت مین تجربے سے ہی معلوم ہو سکتے ہین تعلیم کے علاوہ نبی کا اُمت مین کچھ عرصہ تک رہنا بھی ضرور ہے سلسلہ ارشاد و ہدایت کی ضرورت - وحی اور الفاظ -

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟

جس طرح سے عقلی موجدون پر فلسفہ کے نئے نکات کا ظاہر ہونا خلاف عقل نہین اسی طرح مذہبی مسئلون پر معرفت کے تازہ دقایق کا انکشاف قدرت کے عام قانون کے مخالف نہین مگر اب سوال یہ ہے کہ آیا جس طرح سے عقلی موجد غور و فکر اور استدلال و استقراء سے کسی نکتہ کو دریافت کرتے ہین اور انکی اپنی طبیعت کا میلان اور محض ذاتی کوشش اُن کو کسی ایجاد تک پہنچا دیتی ہے اسی طرح انبیاء بھی اپنی ذاتی قابلیت اور فطری استعداد سے اس نعمت کو پا لیتے ہین یا اُن کے انکشافات مین جس کو وحی و الہام کہتے ہین کسی بالائی طاقت کا بھی دخل ہوتا ہے پس جو لوگ فلسفیانہ نظر سے مذہبی خوبیون کا اعتراف کرتے ہین وہ عموماً پہلے خیال کے حامی ہین چنانچہ مسٹر تھی پارکر اس مضمون کو نہایت قابلیت سے لکھتے ہین اور "مذہب کا فطری نظارہ یا سپرچوئلزم" کا عنوان قایم کر کے فرماتے ہین کہ:-

مسٹر پادکن کا خیال

" اِس عقیدہ کی یہ تعلیم ہے کہ جس طرح جسمانی خواہشوں کیلئے فطرت نے اُن کے سامان مہیا کئے ہین اسی طرح روحانی خواہشون کیواسطے بھی مہیا کئے گئے ہین اور یہ کہ جیسی روشنی اور آنکھ آواز اور کان - خوراک اور ذائقہ - راستی اور ذہن - حُسن اور تخیل مین باہم تعلق ہے اسی طرح خدا اور روح مین بھی تعلق ہے اور یہ کہ جیسے طبعی میلان کی پیروی اور جسمانی قوانین کی اطاعت کرنے پر جسم کی خواہشون کیلئے نیچر کیطرف سے سامان مہیا پاتے ہین اور صحت اور قوت حاصل کرتے ہین اور جیسے قلبی قوانین کی پابندی کرنے پر قلبی ضرورتون کا سامان مہیا پاتے ہین اور دانائی یا قابلیت کو جو قلبی صحت ہے حاصل کرتے ہین اسیطرح اگر ہم ایک اور طبعی میلان کی پیروی کرین اور قاعدہ اخلاقی و مذہبی کو ملحوظ رکھین تو اُنکی ضرورتون کیلئے بھی سامان مہیا پائینگے اور سب سے برتر اخلاقی صحت یعنی اخلاقی اور مذہبی راستی اور روحانی امن شعور اور راحت حاصل کرینگے - اِس عقیدہ کی یہ تعلیم ہے کہ خدا اور روح مین جو قرب ہے دُنیا اور جسم کا قرب اِس سے زیادہ نہین کیونکہ ہم خدا ہی مین زندہ ہین اور اسی مین چلتے پھرتے ہین اور اسی مین ہمکو وجود حاصل ہوتا ہے اور جیسے مادہ پر قبضہ پانے کیلئے اور جسمانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم جسمانی حواس رکھتے ہین جن سے فطری طور پر تمام مادی اشیاء کو جو ضروری ہون حاصل کرتے ہین اسی طرح خدا تک پہنچنے کیلئے اور روحانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم روحانی حواس رکھتے ہین جن سے تمام روحانی اشیاء کو جو ضروری ہون حاصل کرتے ہین - جب ہم جسمانی حالات کا لحاظ رکھتے ہین تو فطرت کو اپنے پہلو مین پاتے ہین اور جب روحانی قوانین کا لحاظ رکھتے ہین تو خدا کو اپنے پہلو مین پاتے ہین اور جو لوگ ان حالات کو مدنظر رکھین وہ ان سب کو صداقت بخشتا ہے - ہم عقل ضمیر اور جذبہ مذہبی کی وساطت سے اُسکی بارگاہ مین دخل پا سکتے ہین جیسے آنکھ کان اور ہاتھ کی وساطت سے براہ راست نیچر تک پہنچ سکتے ہین پس اِنہی راستون مین سے اور ایک کشش ثقل جیسے یقینی باقاعدہ اور عام قانون کے ذریعہ سے خدا انسان پر وحی کرتا ہے اور اس پر راستی کا الہام کرتا ہے

اور کیون نہ ہو کیا رہستی خدا کا ویسا ہی خاصہ نہین جیسے حرکت مادہ کا خاصہ ہے ؟ اس لیئے
اگر خدا ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہمیشہ کیلیئے فاعل ہے تو وحی کوئی معجزہ نہین بلکہ ذی شعور روح پر خدا کے
اثر کرنیکا ایک باترتیب قاعدہ ہے جیسے کشش ثقل بے شعور مادہ پر اثر کرنے کا قاعدہ ہے
پس وحی کو گاہ گاہ خدا کا تنزل نہین سمجھنا چاہیئے بلکہ انسان کا دائمی عروج - اور فرائض کا علم
حاصل کرنیکے لیئے انسان کو اسکی اپنی ذات سے پرے پرانی دستاویزون (الہامی کتابون)
کیطرف نہین بھیجا جاتا کیونکہ اعتقاد اور عمل کا واحد قاعدہ یعنی کلمۃ اللہ انسان سے بہت ہی
قریب اور خود اس کے دل مین موجود ہے اور اسی کلمہ کے ساتھ وہ تمام دستاویزون کی
خواہ کوئی بھی ہون پرتال کر سکتا ہے - خدا کے حضور مطلق کیطرح وحی ان چند مصنفین
پر محدود نہین جن کو یہودی عیسائی یا مسلمان مانتے ہین بلکہ اسکی وسعت اسی قدر ہے
جس قدر نسل انسانی وسیع ہے - خدا تمام فضا مین ہے اسی طرح تمام روحون مین ہے
اور جس طرح وہ بے شعور اور مجبور مادہ پر اثر کرتا اور اسکو مجبور بناتا ہے اسی طرح آزاد اور
ذی شعور انسان پر وحی کرتا ہے اور اسکا مددگار ہوتا ہے"

روحانی حواس

جس صفت کو مسٹر پارکر مذہبی خاصہ اور روحانی حواس کہتے ہین اور جس کے قوانین
کا لحاظ رکھنے سے ان کے نزدیک کشف و الہام پیدا ہوتا ہے اسکو پروفیسر جمیس ایل ایل
ڈی انسانی وجود کا نہ صرف مذہبی بلکہ ایک عام حاسہ مانتے اور اپنے لیکچر مین جو انہون نے
"نادیدہ ہستی کے تحقق" کا عنوان قایم کر کے دیا ہے مختلف واقعات اور تجربون کے
بنا پر اسکو ثابت کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ †

"ہماری مثالون کے تمام سلسلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی شعور کے اندر دیگر حواس کے علاوہ اور
ان سے زیادہ پرزور اور عام ایک اور حاسہ ایسا موجود ہے جو (بغیر چشم و گوش کی وساطت کے) کسی چیز
کے تحقق اور وجود خارجی کا حکم دیتا ہے اور وہ ایسا تصور ہے جسکی بنا پر انسان کہہ اٹھتا ہے
کہ" وہ دیکھو وہ چیز موجود ہے" اور جسکی نسبت موجودہ سائی کالوجی (علم النفس) کا فیصلہ

† کتاب دی ورائٹیز آف دی ریلیجیس ایکسپیرینس لکچر ۲ صفحہ ۵۸ سنہ ۱۹۰۲ء

ہے کہ ہر قسم کی واقعیت کا یقین اسی حاسہ سے پیدا ہوتا ہے"

لیکن خواہ مذہبی خاصہ جداگانہ موجود ہو یا پروفیسر جیمس کا یہی حاسہ تحقیق ہو مذہبی کشف پیدا کرنے کیلئے اس خاصہ کا ظہور جس وضاحت سے پروفیسر مذکور نے بیان کیا موجودہ طرز بیان مین وہ انہی کا حصہ ہے اور میرے نزدیک اس مضمون سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ میری تحریر مین اب تک مذہب کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے کہ وہ اکثر حالات مین جذبۂ عقلی سے مشابہت رکھتا ہے اور جو خصوصیتین مذہب کو ممتاز کرتی ہین اور جس طرز سے مذہبی تجربہ یعنی کشف و الہام کا ظہور ہوتا ہے اسکا ابھی ذکر نہین ہوا پس مسٹر پامر کو کے خیالات پر رائے قایم کرنے سے پہلے ان کے لکچر کا کچھ حصہ نقل کرنا ضرور ہے تا کشف کی صورت سے کسیقدر شناسائی حاصل ہو جائے اور فیصلہ کرنے مین تمام پہلوؤن کا لحاظ رکھنا آسان ہو اور اس مضمون کی عظمت کے لحاظ سے اس اقتباس کی طوالت مین خیال کرتا ہون کہ قابل معافی ہوگی - پروفیسر مذکور مذکورہ بالا نتیجہ کو چند اور نظایر سے ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہین کہ †

کشف کی چند مثالین

" اب ہم یقینی طور پر اس دعوے کو پیش کرتے ہین کہ خالص تجربہ ہائے مذہبی کے عالم مین ایسے بہت سے اشخاص ہین (اگرچہ ہم بتا نہین سکتے کہ ان کی تعداد کس قدر ہوگی) جو اپنی معتقد علیہ اور اپنے ایمانیات کو نہ صرف اسی قدر سمجھے ہوئے ہین جس قدر ان کا ذہن تصور کر سکے بلکہ مشہود ہستی کے طور پر براہ راست آشنا ہوتے ہین اور چونکہ یہ کشفی مشاہدہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اس لیے ایسے ایماندار کے اعتقاد مین بھی قبض و بسط کی موجین پیدا ہوتی رہتی ہین اور کلیات کے طور پر اس قاعدہ کو بیان کرنے کی نسبت مثالون سے واضح کرنا زیادہ مفید ہوگا اس لیئے مین چند حوالجات پیش کرتا ہون اور پہلے ایسی نظیر کا ذکر کرتا ہون جسمین ایسے کشف کے زوال کا ذکر ہے اور یہ میرے ایک دوست کی مذہبی زندگی کا نقشہ ہے وہ ایک سائنٹیفک مین یعنی اہل علم ہے اور اسکا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا کشف ذہنی تخیل کی نسبت احساس سے زیادہ مشابہ ہے - وہ کہتا ہے کہ :-

† کتاب دی ورائٹیز آف دی ریلیجیس ایکسپیریئینس لکچر نمبر ۳ صفحہ ۶۴ سنہ ۱۹۰۲

"بیس یا تیس سال کے اندر میں رفتہ رفتہ لا ادریہ اور لامذہب ہوتا گیا لیکن پھر بھی میں نہیں کہہ سکتا
کہ میں نے کبھی اس ناقابل تحدید ہستی کو بالکل کھو دیا ہو جس کو ہربرٹ سپنسر "مظاہر کے
پیچھے چھپی ہوئی مکمل ہستی" کے نام سے نامزد کرتا ہے بلکہ سپنسر تو اسکو تفصیل میں نہ آنیوالی ہستی
کہتا ہے مگر میرے لیئے وہ ایسی بالکل ناقابل فہم بھی نہ تھی کیونکہ اگرچہ میں نے خدا کی طفلانہ عبادت
چھوڑ دی ہوئی تھی اور کبھی دستور کے موافق نمازیں میں ادا نہیں کرتا تھا مگر موجودہ تجربہ یا مکاشفہ
ثابت کرتا ہے کہ میرا اس کے ساتھ ویسا ہی عملی تعلق تھا جیسا عبادت میں ہوا کرتا ہے۔ جب کبھی
مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور خصوصاً جب کبھی امور خانہ داری یا کاروباری مصیبت میں کوئی جھگڑا پیش
آیا یا فکر لاحق ہوا۔ میں اب سمجھتا ہوں کہ ان دنوں ایسی حالت کے اندر میں مدد کیواسطے اسی کیطرف
جھکتا تھا جسکو "وہ" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ غرض ایسی تکالیف کے وقت میں وہ میرے
پہلو میں ہوتا تھا یا میں اس کے پہلو میں کچھہ ہی سمجھو مگر تعلق ضرور ہوتا تھا جو مجھے تشفی دیتا تھا
اور ایسی بے پایان پائیداری بخشتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حاضر ہے اور حمایت کر رہا
ہے اور حقیقت میں وہ زندہ انصاف صداقت اور قوت کا نہ غائب ہونیوالا سرچشمہ تھا جسکی طرف
میں اپنی کمزوری کی حالت میں علانیہ جھکتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھہ کو اس حال سے نجات بخشتا تھا،
مجھے اب معلوم ہوا کہ میرا اس کے ساتھ نمایاں اور مشخص تعلق تھا کیونکہ گذشتہ سالوں سے مجھے
اس رابطہ و پیام کی قوت نے چھوڑ دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک کامل اور نمایاں نقصان
پہنچا ہے۔ ان دنوں جب کبھی میں اسکی طرف جھکا اس کو پانے میں ناکام نہیں رہا لیکن پھر چند
سال ایسے آئے کہ کبھی تو میں اسے پا لیتا تھا اور کبھی بالکل نہیں پا سکتا تھا۔ مجھے بہت سے ایسے
موقعے یاد ہیں کہ تمام رات اس رنج میں نیند نہیں آئی اور میں تاریکی میں کروٹیں بدلتا رہا ہوں
کہ اپنے اس اعلےٰ اور بہتر شناسا کا دامن پکڑ سکوں جو پہلے ہر وقت ساتھ رہتا تھا اور حمایت
کرتا تھا مگر اب اسکی برقی رو کہیں کھو گئی ہے اور بجائے اسکے میرے سامنے ایک ہو کا
میدان ہے جسمیں کچھہ نہیں ملتا اور اب قریباً پچاس سال کی عمر میں اس کششی طاقت نے مجھے

بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا ہون بلکہ میری زندگی موت سی بدل گئی ہے، اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اب مجھے معلوم ہوا کہ میرے وہ گذشتہ تجربے اور خوش اعتقاد لوگون کی نماز یکسان تہی اگرچہ مینے اسکو کبہی نماز نہین کہا اور (اب معلوم ہوا کہ) جس کو وہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہون وہ میرے لئے سپنسر کی "ناقابل فہم ہستی" نہ تہی بلکہ میرا اپنا معین و مشخص خدا تھا جس پر مین حمایت کیلئے پورا توکل کہتا تہا اور جس کو مینے اب کہین کہو دیا ہے"

مذہبی تاریخ مین اس سے زیادہ کثیر الوقوع واقعہ کوئی نہ ہوگا کہ ایمانداروں کا ایمان اور اعتقاد قبض و بسط یا قوت و ضعف مین ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور غالبًا ہر مذہبی آدمی کو کوئی خاص وقت ایسا ضرور یاد ہوگا جبکہ صداقت کا بے وسطہ مشاہدہ اور زندہ خدا کی ہستی کا براہ راست تخیل اگر اس کے اعتقاد کے ضعف اور سستی کو فنا کر دیتا ہو جیمس رسل لاول کا تجربہ اسی قسم کا ہے وہ اپنے ایک خط مین لکھتے ہین"۔

"مجہے گذشتہ جمعہ کی شام کو ایک الہام ہوا۔ مین مقام میری مین تہا اور اپنے احباب کے ساتھ حاضرات ارواح کے بارہ مین گفتگو کر رہا تہا جنکی نسبت مینے کہا کہ بہت کم شناسا ہون مسٹر پٹنام روحانی حالات پر بحث کرنے لگے اور اثنائے گفتگو مین مینے دیکھا کہ گویا تمام عالم میرے سامنے ایک دفعہ لی ہی چیز کی طرح گہراؤ سے نکل کر آ کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے مینے کبہی ایسی صفائی کے ساتھ خدا کی ہستی کو اپنے اندر اور اپنے ارد گرد محسوس نہین کیا تہا۔ تمام کمرہ میرے نزدیک خدا سے گہرا ہوا تھا اور تمام ہوا ایک ایسی چیز کے وجود کے ساتھ لہرا رہی تہی جسکو مین نہین جانتا کہ یہ کیا ہے اور مین اس وقت ایسی صفائی اور اطمینان سے بول رہا تہا جیسے پیغمبر بولتے ہین۔ مین نہین بتا سکتا کہ وہ الہام کیا تہا مینے اس وقت تک اسکا تجربہ نہین کیا تہا لیکن مین کسیدن اس کو مکمل کر لونگا اور اس وقت تم سنو گے اور اسکی عظمت کا اعتراف کرو گے"۔

ایک اور طویل اور زیادہ مکمل تجربہ ایک پادری کا ہے جو مین سٹاربک کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہون

وہ کہتے ہیں :-"

"مجھے وہ رات بھی یاد رہے گی اور قلعہ کوہ کی وہ جگہ بھی یاد رہیگی جہاں میری روح کھل کر
ایک غیر محدود ہستی کیطرف گئی تھی اور جہاں اُسوقت ظاہری اور باطنی دونوں جہان ایک
جا جمع ہو گئے تھے - وہ ایک عمیق ہستی کا دوسری عمیق ہستی کیطرف جانا تھا یعنی ایک عمیق
ہستی میرے اندر سے ظاہر ہوئی تھی اور ایک دوسری عمیق ہستی تک پہنچ گئی تھی جو سبے تھا ہی
اور ستاروں سے بھی پرے تک پھیلی ہوئی تھی - میں تنہا اس ایک کے ساتھ کھڑا تھا جس نے
مجھے بنایا ہے اور دنیا کی خوبی، محبت اور غم وغیرہ تمام حالتوں کو پیدا کیا ہے - میں نے اُسے تلاش
نہیں کیا تھا مگر پھر بھی میری روح کا اُس کے ساتھ کامل اتحاد محسوس ہوتا تھا اور دیگر گردونواح کی
اشیا کا معمولی احساس اُسوقت میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا تھا - اس لحظہ کیلئے سب چیزیں
سوا ایک ناقابل بیان مسرت اور جوش کے نابود ہو گئی تھیں - اِس نظارہ کو مفصل بیان کرنا
ناممکن ہے اسکی مثال صرف یہ ہوسکتی ہے کہ گویا ایسے جیسے کی ایک روشن چوکی بج رہی ہے جسمیں تمام مختلف
سُر ملنے کے بعد ایک ہم آہنگی اور ایک آواز پیدا ہو رہی ہے اور جسمیں سننے والا اور کچھ محسوس نہیں
کرتا سوا اس کے کہ اسکی روح اوپر کو اچھل رہی ہے اور اپنے جوش میں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے
رات کے سکون میں ایک ویسے سے بھی زیادہ سنجیدہ خاموشی کے اثر سے تھرتھری پیدا ہوتی
تھی اور تاریکی میں ایک ایسا وجود پیدا تھا جس کو میں معلوم کرتا تھا مگر دیکھ نہ سکتا تھا اور مجھے
اپنے وجود کی نسبت شک ہو تو ہو لیکن اُس کے وجود کی نسبت کوئی شک نہیں تھا اور فی الحقیقت
اس وقت میری اپنی ہستی اسکی ہستی سے کم تھی - خدا کی نسبت نہایت اعلیٰ ایمان اور ایسا نہایت ہی
سچا تصور میرے دل میں اُسیوقت پیدا ہوا ہے - میں اس وقت گویا کوہ طور پر کھڑا تھا اور اس سرمدی ہستی
کو اپنے اردگرد دیکھ رہا تھا اور وہی جوش اُس وقت جیسا پھر کبھی پیدا نہیں ہوا - میں اُس وقت بالکل
خدا کے سامنے کھڑا تھا اور اُسکی روح نے مجھے نئی زندگی بخشی ہوئی تھی - یہ میں مانتا ہوں کہ اُس وقت
میرے خیال یا اعتقاد میں کوئی نیا تغیر پیدا نہیں ہوا تھا سوا اس کے کہ وہ پہلا اعتقاد ہوا ایک

بھدّا سا عقیدہ تھا اُس وقت شگفتہ ہوکر پھول بنگیا تھا - اس وقت میرا پہلا عقیدہ تباہ نہین ہوگیا تھا بلکہ نہایت تیزی سے اور نہایت عجیب طور پر اُسکی تہ کھل گئی تھی اُسوقت سے کوئی بحث جو خدا کی ہستی کے خلاف ہو میرے عقیدے کو متزلزل نہین کرسکی اور ایک بار خدا کی حضوری محسوس کرنے کے بعد مینے آجتک اُسے گم نہین کیا بلکہ اُسکی ہستی کی یقینی شہادت میرے دل مین اسی وقت سے مستحکم ہوئی ہے اور مطالعہ اور غور و تامل سے معلوم ہوا ہے کہ ایسا ہی اعلیٰ تجربہ اور لوگون کو بھی ہوا ہے جنہون نے خدا کو پالیا ہے اور مین جانتا ہون کہ بیجا طور پر اسے معرفت کہ سکتے ہین میں اسقدر فلسفہ نہین پڑھا ہون جو اس تجربہ پر واقع ہونیوالے اعتراضون کو دفع کرسکے اور نہ لکھنے مین اُس کو واضح کرسکا ہون بلکہ میرے الفاظ نے اُس کے اصلی رنگ پر کسی قدر پردہ ڈال دیا ہے مگر جیسا کچھ بھی وہ ہے مینے اسکو اپنی طاقت کے موافق بیان کردیا ہے ؎"

اور ایک اور اس سے زیادہ واضح تجربہ ہے جو ایک سوٹزلینڈ کے باشندے کو پیش آیا ہے اور مین اُسے فرانسیسی زبان سے ترجمہ کرتا ہون - وہ لکھتا ہے :-

"مین بالکل تندرست تھا ہم لوگون کے سفر کا چھٹا دن تھا اور سب انتظام عمدہ تھا - ہم ایک دن پہلے مقام سکسٹ سے ٹرینٹ کو جانے کیلئے روانہ ہوئے تھے - مین نہ تھکا ہوا تھا اور نہ بھوکا پیاسا تھا اور میرا قلب بالکل سکون مین تھا اور مقام فارلز پر ہمکو گھر کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوگئی تھی اور مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہ تھا اور ہمارا راہبر بھی واقف کار تھا اور جس رستہ پر ہمکو جانا تھا اسکی نسبت بھی کسی غلطی کا گمان دل مین نہ تھا - غرض میری حالت بالکل اطمینان اور تسکین کی تھی ایسی حالت مین ناگہان مجھے ایک شے کی حضوری ہوئی جو میرے اوپر چھا گئی - مختصر یہ کہ مین نے جانا کہ مین خدا کے حضور مین ہون اور معلوم ہوا کہ اسکی نیکی اور اسکی طاقت میرے باطن مین در آئی اور اس جوش کا جھٹکا ایسا سخت تھا کہ مینے رفیقون کو کہا کہ تم چلو اور میرا انتظار نہ کرو اور مین کھڑا نہ رہ سکا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے - مین نے خدا کا شکر کیا کہ اُس نے مجھے اس زندگی مین اپنی معرفت دی اور مجھ جیسے ناچیز اور گنہ گار پر عنایت کی اور مینے نہایت خضوع و خشوع سے

دعا کی کہ میری زندگی اُس کے کاموں کیلئے مخصوص ہو۔ مجھے اسکی طرف سے جواب ملا وہ یہ تہا کہ مجھے ہمیشہ اسکی خوشنودی کے کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے تمام کاروبار کا فیصلہ اسی پر چھوڑنا چاہئے۔

پھر آہستہ آہستہ اس حالت وجد نے میرے دل کو چھوڑنا شروع کیا یعنی میں نے معلوم کیا کہ خدا نے جو کام میرے ساتھ کیا تہا وہ ختم ہوگیا ہے لیکن اب بہی اندرونی شورش کا ایسا اثر تہا کہ میں چلنے کے قابل تو ہوگیا مگر آہستہ آہستہ اور چونکہ میں زار زار رویا تھا میری آنکھیں سُرخ تہیں اور میں نہیں چاہتا تہا کہ میرے رفقا میری اس حالت کو دیکھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وجد کی حالت چار یا پانچ منٹ رہی ہوگی مگر مجھے اس کا عرصہ طویل معلوم ہوتا تہا۔ میرے رفیقوں نے مقام دلیوں کے گذر پر میرا دس منٹ انتظار کیا لیکن میں ان سے کوئی پچیس یا تیس منٹ میں مل سکا۔ وہ نقش میرے دل پر ایسا گہرا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھتا ہوا خیال کرتا تہا کہ کیا حضرت موسیٰ ع نے طور سینا پر اس سے زیادہ خدائی جلوہ دیکہا ہوگا؟ اتنی بات اور سُن لو کہ میرے اس وجد میں خدا کی نہ کوئی شکل تہی نہ رنگ تہا نہ بو نہ مزہ اور نہ اُس کا جلوہ کسی خاص سمت کو تہا بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے وجود کو اُس روح الارواح نے بدل دیا ہے اور جس قدر میں کوشش کرتا ہوں کہ لفظوں میں اس حالت کا نقشہ کہینچوں اسی قدر مجھے یہ کوشش ناممکن ثابت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ جو میں کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا حاضر تہا گو وہ کہائی نہ دیتا تہا اور نہ کسی اور حاسہ کے تحت میں آسکتا تہا تاہم میری قوت فہم نے اسے پہچانا۔“

(دو نظیروں کو چہوڑ کر) ہونو گاہ گاہ خدا کی حضوری کی مثالیں نہیں مگر خدا کی حضوری کا خیال دخل عادت ہوتا اس تجربے میں نظر آتا ہے جو میں پروفیسر سٹاربک کے قلمی مسوّدہ سے نقل کرتا ہوں اور غالباً ہزاروں بے تصنع عیسائی اس قسم کے تجربے بیان کرسکتے ہیں۔ یہ ایک انچاس سالہ شخص کا تجربہ ہے وہ کہتا ہے کہ“

خدا میرے لیئے تمام خیالات تمام اشیا اور تمام اشخاص سے زیادہ ثابت اور متحقق ہے۔ میں اسکی حضوری کو صحیح طور پر محسوس کرتا ہوں بلکہ اس سے بہی زیادہ کیونکہ میں بالکل اسکے قوانین کے

مطابق زندگی بسر کرتا ہون جو میرے جسم اور میرے دل مین لکھے ہوئی ہین۔ مین اس کو دھوپ مین اور بارش مین ہر جگہ محسوس کرتا ہون اور مین اپنی اس کیفیت کو صرف یون بیان کرسکتا ہون کہ وہ خوف اور ایک لذیذ اطمینان کا مجموعہ ہے۔ مین اس سے دعا اور حمد مین اس طور پر باتین کرتا ہون گویا اپنے کسی رفیق سے گفتگو کر رہا ہون اور ہماری گفتگو بہت ہی مسرت بخش ہوتی ہے وہ مجھ ہر بار جواب دیتا ہے اور بعض وقت تو جواب الفاظ مین اور ایسا صاف ہوتا ہے کہ مین خیال کرتا ہون کہ میرے جسمانی کان اسے سنتے ہین مگر عموماً وہ جواب ایک مضبوط قلبی نقش ہوتا ہے اور اکثر بائبل کی کوئی آیت ہوتی ہے جس سے اسکا کوئی نیا نظارہ اور اس کے رحم اور اسکی حمایت کا منظر پیش نظر ہوتا ہے اور طالبعلمی کے حالات اور خانگی کاروبار اور مالی مشکلات کی بابت اسکی مدد اور حمایت کی سینکڑون مثالین پیش کرسکتا ہون جنہین مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا ہے اور مین اسکا ہون وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑتا اور اسکی وجہ سے میرے اندر ایک پائدار مسرت موجود رہتی ہے۔ اس کے بغیر زندگی ایک لق و دق میدان اور بے پایان و بے نشان صحرا سے مشابہ ہے“

چند مثالین اور مختلف العمر ذکور و اناث کی ذکر کرتا ہون۔ یہ سب پروفیسر سٹاربک کے قلمی نسخہ سے لی ہین اور ایسی مثالین بیشمار مہیا ہوسکتی ہین۔ یہ تجربہ ایک ستائیس سالہ شخص کا ہے وہ کہتا ہے کہ :۔

”خدا میرے لیئے بالکل متحقق ہستی ہے مین اس سے باتین کرتا ہون اور اکثر جواب پاتا ہون اور جب کبھی خدا سے ہدایت کی درخواست کرتا ہون تو ایسے خیالات میرے دل مین پیدا ہوتے ہین جو دفعتاً آتے ہین اور تمام ان خیالات سے جدا اور ممتاز ہوتے ہین جو میرے دل مین اور ذرائع سے موجود ہون۔ ایک سال کا عرصہ گذرا ہے کہ مجھے چند ہفتہ تک ایک بڑی تشویش رہی تھی۔ جب پہلے پہلے وہ تشویش پیدا ہوئی ہے تو مین ششدر رہگیا تھا مگر تھوڑی ہی دیر مین یعنی دو یا تین گھنٹہ مین مینے صریح طور پر بائبل کا ایک فقرہ سنا کہ ’میری عظمت تیرے لیئے کافی ہے‘ اور پھر جب مجھے اس تشویش کا خیال آیا مینے وہی فقرہ سنا۔ مجھے یاد نہین کہ مینے کبھی خدا کے وجود کی نسبت شک کیا ہو یا اس کا یقین میرے دل سے نکل گیا ہو۔ اور اکثر خدا نے نمایان طور پر میرے کاروبار مین دخل دیا ہے اور مین محسوس کرتا

ہون کہ اُس نے ہمیشہ مجھے مختصر تفاصیل سے آگاہ کیا ہے اور دو یا تین دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ اُس نے مجھے ایسی تدبیر کی ہدایت کی ہے جو میرے میلان اور میری تجویز کے بالکل خلاف تھی"

ایک اور سترہ سالہ شخص کا تجربہ ہے جو اگرچہ ایک بچے کا ہے مگر سائیکالوجی (علم النفس) کے رو سے کچھ کم نتیجہ خیز نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"مین بعض اوقات گرجا مین جاتا ہون وہان بیٹھتا ہون اور فریضہ ادا کرتا ہون مگر باہر آنے سے پیشتر مین محسوس کرتا ہون کہ گویا خدا میرے ساتھ ہے میری داہنی جانب ہے اور میرے ساتھ زبور پڑھتا ہے اور بھجن گاتا ہے اور پھر مین محسوس کرتا ہون کہ گویا مین اُس کے پاس بیٹھ سکتا ہون اپنی ہاتھون سے اس کی کولی بھر سکتا ہون اور اُسے بوسہ دے سکتا ہون اور جب مین قربان گاہ کے پاس جایا کرتا ہون تو اُسکو پانے کی کوشش کرتا ہون اور اکثر اسکی حضوری محسوس کرتا ہون"

مختلف مقامات سے چند اور مثالین لکھتا ہون۔ ایک کہتا ہے"

"خدا مجھے ایسا محیط ہے جیسا کوئی جسمانی کرہ۔ وہ میرے لیئے میرے اپنے سانس سے زیادہ قریب ہے۔ مین حقیقی طور پر اُسی مین رہتا ہون اسی مین حرکت کرتا ہون اور اسی مین میرا تمام وجود ہے"

ایک اور کہتا ہے

"بسا اوقات مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مین خدا کے حضور مین کھڑا ہون اور اس سے باتین کرتا ہون اور میری مناجات کے جواب مجھکو ملتے ہین اور بعض اوقات وہ جواب بالکل براہ راست ہوتے ہین اور الہامی اثر سے اسکی حضوری اور اسکی قدرت کو ظاہر کرتے ہین۔ کچھ وقت ایسا ہی ہوتا ہے کہ خدا مجھ سے بہت دور معلوم ہوتا ہے مگر یہ ہمیشہ میرا اپنا ہی قصور ہوتا ہے"

ایک اور کہتا ہے۔

"مین ایک حضوری کا احساس رکھتا ہون جو قوی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اطمینان بخش ہوتی ہے اور وہ میرے اوپر منڈلاتی رہتی ہے اور کبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بازوؤن مین مجھے تھامے ہوئے ہے

: اس قسم کے تجربے پیدا ہو گزشتہ ہر ملک اور ہر قوم مین پائے جاتے ہین اور طالبان خدا ہر زمانہ مین اپنی اپنی استعداد

"یہ ہے اُس وجودِ مطلق کا خیال جو انسان کے دل پر نقش ہوتا ہے اور یہ ہے وہ اعتقاد جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ شکل ہستی پیش نظر ہوتی ہے اور ایسے نمایان طور پر جیسے خلل دماغ کے وقت مین خیالی تصویرین۔ اور ہمارے اوضاع و اطوار پر اُن کا ایسا پختہ اثر ہوتا ہے جیسا کہ عاشق کے دل پر اُس کے محبوب کے خیال سے یعنی عاشق کے اندر خصوصیت کے ساتھہ ایسا احساس پیدا ہوتا ہے کہ خواہ وہ کسی چیز

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹

کے موافق اس شربت کا مزا چکھتے رہے ہین۔ یہ قومی اقبال و ادبار کا اثر ہے کہ جو عالی ہمت ہین وہ آج تک دیگر ہر طرح کی خوبیون کے ساتھہ اس قسم کے تجربون کو بھی نقل و تحریر سے زندہ رکھنے کی کوشش مین سرگرم ہین اور دوسری طرف جو قومین غفلت و جہالت کا شکار ہو چکی ہین وہ جیسے اپنے دنیوی ہنروردون کی قدر نہین کرتین اسی طرح ان باطنی اہل کمال کے انکشافون کو قایم رکھنے کی بھی آرزو نہین رکھتین ان کے پاس اگر کچھہ سرمایہ ہے تو وہ چند خفتگان لحد کی سرگذشتین ہین جو گذشتہ قدر دانون کی برکت سے فرسودہ اوراق مین کہین کہین نظر آجاتی ہین چنانچہ مین خواجہ عطار رح کی کتاب سے دو چار اسی قسم کے حوالے نقل کرتا ہون۔

خواجہ بایزید بسطامی سے لوگون نے پوچھا کہ آپ کو یہ رتبہ کیونکر حاصل ہوا انھون نے فرمایا کہ "لڑکپن مین ایک دفعہ رات کو مین شہر سے باہر نکل گیا۔ چاندنی رات تھی اور جہان سکون مین تھا۔ مجھے ایک حضوری ہوئی کہ یہ اٹھارہ ہزار عالم اس کے سامنے ایک ذرہ معلوم ہوتے تھے۔ میرے دل سے ایک شور اٹھا اور عجیب حالت طاری ہوئی۔ مینے عرض کی یا الٰہی ایسی بڑی بارگاہ اور ایسی خالی ایسا کارخانہ اور اس طرح پوشیدہ۔ آواز آئی کہ بارگاہ اسلیے خالی نہین کہ کوئی آتا نہین بلکہ اس لئے خالی ہے کہ ہر ناشستہ رو یعنی ہر ناپاک اور نالایق کو اس بارگاہ مین دخل نہین" پھر ایک موقع پر فرماتے ہین "مینے یقین کی آنکھون سے خدا کو دیکھا اُس نے مجھے تمام موجودات سے مستغنی کر دیا اور اپنے نور کا جلوہ مجھہ پر ظاہر کیا اور اپنے اسرار نمایان فرمائے اور اپنی عظمت اور اپنی ذات مجھہ دکھائی مینے اُس وقت اپنی ذات اور اپنی صفات کا خیال کیا میرا نور خدا کے نور کے سامنے تاریکی تھا اور میری عظمت خدا کی عظمت کے سامنے حقارت تھی اُس طرف ہمہ تن صفائی تھی اور اس طرف سرتاپا کدورت پھر جو دیکھتا ہون تو اپنے تئین اُس کے نور مین پاتا ہون اور مجھہ پر منکشف ہوا کہ مین جو کچھہ کرتا ہون آپ کی قدرت سے کر سکتا ہون اُسکا نور میرے جسم مین چمکا اور حقیقت

کی طرف متوجہ ہو اس کا اپنا مطلوب ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے۔ اس کے حافظہ سے کبھی غائب نہیں ہوتا اور ہمیشہ اس پر اپنا اثر کرتا رہتا ہے۔"

یقین حاصل ہونیکی قسم اور قلبی حضوری میں

"ایسی حضوری کے احساس سے جو خیال پیدا ہوتا ہے مجھے اسکی نسبت اور بھی کچھ کہنا ہے ایسی حضوری جس کو حاصل ہو اسکا اعتقاد ایسا ہی پختہ ہوتا ہے جیسا کسی ظاہری حواس کے تجربہ کا ہوا

یہ ظاہر ہوئی کہ عبادت جو میں کرتا تھا وہ بھی میری طرف سے نہ تھی بلکہ اسکی طرف سے تھی اور میں یہی سمجھتا رہا کہ میں عبادت کرتا ہوں۔ میں نے عرض کی خداوندا یہ کیا معاملہ ہے جواب ملا کہ سب کچھ میں ہی ہوں کوئی اور نہیں یعنی کام کا ارتکاب تیری طرف سے ہے مگر اسکی طاقت اور توفیق میری جانب سے ہے۔ جبتک میں توفیق نہ دوں تجھ سے عبادت یا اور کوئی کام نہیں ہو سکتا غرض اس وقت مجھے معلوم ہوتا تھا کہ نہ میری آنکھیں ہیں نہ میرے کان ہیں اور نہ میری ہستی ہے وجود سب اسی کا ہے اور اس وجود نے باوجود میرے موجود نہ ہونے کے مجھے اپنی ہستی سے آگاہ کیا ہے پس میں خدا کو خدا سے دیکھتا تھا اور نہایت سکون اور اطمینان کا عالم تھا میرے کان سنتے نہیں تھے زبان بولتی نہیں تھی اور تمام کسبی علوم فراموش ہو گئے تھے۔ میں نے اس بے سامانی کی حالت میں بہت مدت صبر کی۔ پس خدا نے مجھ پر عنایت کی اور مجھ کو ازلی علم بخشا اور اپنے نور سے مجھے آنکھیں عنایت کیں۔ پس میں نے اسی کے نور سے اسکو دیکھا اور اسکی وساطت سے تمام موجودات کو دیکھا۔ ادھر سے القا ہوا کہ کیوں بایزید تو کیسا ہے میں اور یا میرا سیدالہ اور بالہ ہے میں نے عرض کی خدایا میں اس شرف پر مغرور نہیں ہوتا اور اپنی ہستی کیلئے تجھ سے مستغنی نہیں ہوں۔ میں نہ ہوں اور تو میرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ تو میرا نہ ہو اور میں ہوں اور میں تجھ ہی سے باتیں کروں اس سے بہتر ہے کہ تیرے بغیر اپنے نفس سے گفتگو کروں حکم ہوا کہ شریعت کا خیال رکھ اور امر و نہی کی حد سے پاؤں باہر نہ نکال تا تیری کوشش مشکور ہو۔" اس کشفی حالت کے بہت سے مکالمہ کے بعد فرماتے ہیں کہ "اس کشفی ترقی میں میں وحدانیت کے درجہ پر پہنچا اور وہ پہلی دفعہ تھی کہ میں نے توحید کو دیکھا کئی سال تک میں اس وادی میں دوڑتا رہا۔ پھر معلوم ہوا کہ میں پرندہ بن گیا ہوں جو اسکی صفات کے فضا میں اڑتا ہوں اور میں نے دل میں خیال کیا کہ میں خدا تک پہنچ گیا مگر آگے الوہیت کا میدان تھا چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ گویا میں تیس ہزار سال وحدانیت کے

کرتا ہے اور یہ اعتقاد اُن نتائج سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے جو منطقی استدلال سے پیدا ہون۔ یہ ممکن ہے کہ بہت لوگون مین ایسا احساس ہی نہ ہو لیکن جب کسی مین پیدا ہو اور ہو بھی مستحکم طور پر تو وہ اپنے عقیدہ کو ایسا حق اور صدق جانیگا کہ گو سخت سے سخت دلیل اسکے خلاف پیش کیجائے اور گو وہ خود اسکی تردید کے قابل نہ بھی ہو مگر اُس کے اعتقاد مین کبھی تزلزل

فضا مین اور تیس ہزار سال الوہیت کی فضا مین اور پھر تیس ہزار سال فردانیت کی فضا مین اُڑتا رہا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ مینے اس طرح کی چار ہزار وادیان قطع کی ہین مگر نگاہ کی تو اپنے تئین درجہ انبیاء کے آغاز مین پایا پھر مینے اس پیلے نہایت فضا مین اس قدر سفر کیا کہ مین سمجھا اس سے اوپر اور کوئی قرب کا درجہ نہ ہوگا مگر دیکھا تو اپنا سر انبیاء کے پاؤن پر پایا اور معلوم ہوا کہ اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتدا ہے"۔

خواجہ ابو الحسین نوری فرماتے ہین "چالیس سال گذرے ہین کہ مجھ مین اور میرے دل مین جدائی ہو گئی ہے اس عرصہ مین نہ مجھے کوئی آرزو پیدا ہوئی اور نہ کسی شہوت نے ستایا اور نہ کوئی خیال دل مین گذرا اور یہ جب سے ہے کہ مینے خدا کو پہچانا اور وہ اس طرح ہوا کہ مینے ایک چمک دیکھی جو محسوسات سے پرے غیب تک پھیلی ہوئی تھی اور مین اُسے دیکھتا رہا یہان تک کہ مین خود اس نور مین گم ہو گیا"۔

ایک دفعہ شیخ جنید بغدادی خواجہ ابو الحسین نوری کے پاس آئے نوری نے فریاد کی کہ "یا سید الطائفہ مین ایک سخت مصیبت مین مبتلا ہون اور طاقت سلب ہو چکی ہے اور وہ مصیبت یہ ہے کہ تیس سال ہوئے جب خدا جلوہ کرتا ہے مین گم ہو جاتا ہون اور جب مین ظاہر ہوتا ہون وہ غائب ہو جاتا ہے غرض اسکی حضوری ہمیشہ میری غیبت مین ہوتی ہے۔ مین ہر چند زاری کرتا ہون مگر اُدھر سے جواب ملتا ہے کہ یا تو رہیگا اور یا مین"۔

جنید نے کہا "اے نوری ایسا ہونا چاہیئے کہ تو تو نہ ہو اور جو کچھ ہو وہی ہو"۔

حضرت رابعہ عدویہ سے لوگون نے پوچھا کہ آپ جو اس قدر عبادت مین مصروف ہین کبھی آپ نے خدا کو دیکھا بھی ہے اُنھون نے فرمایا کہ "اگر مین اُسکو نہ دیکھتی تو کبھی عبادت نہ کرتی"۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ "اے بنی آدم خدا کیطرف نہ آنکھون کو راہ ہے اور نہ زبان کو نہ کان اس بارہ مین کچھ سن نہین سکتے اور پاؤن حیرت کے مارے

ہدایتکا فلسفہ میں جو راستہ معرفت آلہی کے خلاف ہے اُس کو استدلال عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اِس استدلال عقلی کا زور اِس بات پر ہے کہ اعتقاد کی بنیاد واضح ثبوت پر ہونی چاہئیے اور ایسے ثبوت میں چار باتوں کا ہونا لازمی کہنا ضروری ہے (۱) اصول کلیہ بصراحت بیان ہو سکیں (۲) حسی واقعات صحیح اور نمایان ہوں (۳) ان واقعات سے جو خیال قایم کیا جاوے وہ مشخص و معین ہو۔ (۴) حوالجات منطقی اصول کے موافق واضح ہوں مبہم اور ناقابل توضیح خیالات کا استدلال عقلی میں کوئی دخل نہیں اور یہ فی الحقیقت قوائے ذہنیہ کا ایک عظیم الشان تقاضا ہے اور ہمارا تمام فلسفہ اور تمام علوم ظاہری اسیکا ثمرہ ہیں"

لیکن اگر ہم انسان کی قلبی حالت کو دیکھیں اور اُسکی اس زندگی کا مطالعہ کریں جو علم و ہنر سے قطع نظر کیے وہ کہتا ہے اور جس کا اندرونی اور ذاتی طور پر وہ اتباع کرتا ہے تو ہمکو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس حالت اور اس زندگی کا وہ حصہ جس کو استدلال عقلی نہایت بالشان ظاہر کرتا ہے (یعنی واضح اور مفصل دلایل کے سوا کسی امر پر یقین نہ کرنا) یہ بہت ایک سرسری اور مصنوعی حصہ ہے نہیں

چل نہیں سکتے۔ یہ کام دل کا ہے کوشش کرو کہ دل بیدار حاصل ہو کہ جب دل بیدار ہوگا تو پھر اسکو کسی مددگار کی ضرورت نہیں کیونکہ بیدار دل ہی وہ ہے جو خدا میں گم ہو جائے اور جو اس میں گم ہوا اسکو مددگار کی کیا ضرورت

موسم بہار میں ایک دفعہ حضرت رابعہ حجرہ میں در آئیں اور مدت تک باہر نہ نکلیں خادمہ نے عرض کی کہ باہر آیئے اور خدا کی صنعت کو دیکھیئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تو اندر آ تا کہ صانع کو دیکھے۔ مجھے صانع کے دیدار نے ایسا محو کیا ہے کہ صنعت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں -

اہل تصوف کے احوال میں اس قسم کے کشفی اثرات بکثرت مل سکتے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ وہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یا تو غلبۂ شوق میں بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے اور یا کسی الہام میں انکی رفتار کو نہ پہنچ سکے سوا کچھ اور علمی فائدہ بھی نہیں ہوتے ہیں جنکے واسطے اس کیفیت کو ظاہر کرنا ضروری ہو جیسا کہ خواجہ بایزید کے کشف میں دیکھا گیا ورنہ ان دو موقعوں کے سوا عام طور پر اہل تصوف اپنے کشف کو پوشیدہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ غرور کی آمیزش نہ ہو چنانچہ شیخ ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ دیکھنا ہرگز معرفت کا دعوی نہ کرنا کیونکہ اگر یہ دعوی سچا ہی ہو تو اپنی تعریف ہوگی جو نیسا بی اپنی تعریف نہیں چنانچہ شیخ ذوالنون کا مقولہ ہے کہ بہترین خطر اگناہ

تو شک نہیں کہ زندگی کا یہ حصہ ایک خاص رعب و داب رکھتا ہے کیونکہ اسمیں بکواس زیادہ ہوتی ہے اور ثبوت مانگ کر اور کج بحثی کرکے زبان بند کردیا کرتا ہے لیکن اگر تمھارا وجدان اور قلبی میلان اس کے نتائج کے خلاف ہو تو دل کو پھیر لینے اور اپنی بات پر یقین دلوانے میں یہ بالکل ناکام رہتا ہے اگر تمہارے اندر وجدان ہے تو تمہاری فطرت میں اس کا مرکز استدلال عقلی کے مرکز سے زیادہ عمیق ہے۔ تمہارا وجدانی علم، تمہاری قلبی تحریک، تمہارا اعتقاد اور تمہاری ضروریات یہ سب ملکر ایسے مقدمات بناتی ہیں جن سے تمہارا دل ایک نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے اور تمہارے اندر کوئی جاننے والا ہے جو جان لیتا ہے کہ یہ نتیجہ ان نتائج سے زیادہ سچا ہے جو عقلی کج بحثی سے پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ کیسی ہی قوت سے مقابلہ کررہے ہوں اور یہ استدلال عقلی کا درجہ میں کمتر ہونا خواہ وہ مذہب کی تائید میں پیش کیا جائے یا اسکی تردید میں ہر جگہ نمایاں ہے وہ بڑے سے بڑے فقرے جن میں نظام کائنات سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب ایسے حقیر ہوگئے ہیں کہ کتب خانوں میں انکی بجائے خاک بھردی جائے تو مضائقہ نہیں اس تغیر خیال کی صرف یہ وجہ ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جس کو دلایل ثابت کرتی نہیں۔ آج ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہیں ہے جس نے ہم کو بنا کر اپنا جلال ظاہر کرنیکے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہ ہمارا عقیدہ کیوں پیدا ہوا ہے اسکو تقریر میں ہم بیان نہیں کرسکتے۔ نہ دوسروں کو تسلی دینے کے قابل اور نہ اپنی تسلی کے قابل۔ آج جو خیال پیدا ہورہا ہے کہ خالق اگر کوئی ہے تو وہ رحیم قادر خدا نہیں بلکہ ایک جبار اور محدود ہستی ہے میں اس کے خلاف بھی ایسی ہی بحث کرسکتا ہوں جیسی خدا کے ثبوت کے خلاف ہوسکتی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ الٰہیات اور مذہب کے دائرہ میں عقلی دلایل جبھی تک مفید ہوتی ہیں جبکہ خود ہماری وجدانی رغبت اس نتیجہ کو مانتی ہو۔ اس حالت میں بیشک ہماری ضمیر اور ہماری عقل ملکر کام کرتی ہیں اور اس سے ایک دنیا پر حکومت کرنیوالے اعتقادات جیسے بدھ یا رومن کیتھلک مذہب ہیں پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس وقت ہمارا میلان طبعی اعتقاد کا اصلی عنصر ہوتا ہے اور عقلی استدلال صرف

اسکو ترجمہ کرنے کے کلیہ قاعدہ بنانیکا کام دیتا ہے۔ پس بے دلیل اور فوری یقین ہماری فطرت مین نشین ہوتا ہے اور ثبوت عقلی سطح پر تیرنے والا قُبلہ ضمیر رہتا ہے اور ذہن پر دہ۔ اگر کسی شخص کو خدا کی ہستی کا ایسا ہی یقین ہے جیسا جیسے گذشتہ حوالجات مین بیان کیا ہے تو تمہارے اعتراضی دلایل اس کے اعتقاد کو بدلنے کی جو کوشش کرین گے محض بیہودہ ہوگی۔“

مین یہ نہین کہتا کہ خلاف عقل اور بے ثبوت باتون کو مذہب مین فوقیت دینی چاہئے اور عقل سے بالکل آنکھ بند کرلینی چاہئے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ واقع مین دنیا کرتی یونہی ہے۔“

مذہب کو اختیار کرنیکے دو طریقے

فاضل پروفیسر نے جہان تک مین خیال کرتا ہون بجا فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مذہب کی بنیاد وجدان پر ہے اور تاہم جذبۂ فطرت مین موجود ہونے کے بعد دو رستے پیش آتے ہین ایک تو وہ تجربہ اور کشف کا رستہ ہے جسکی چند مثالین انہون نے لکھی ہین اور جو بقول انکے مذہبی دنیا مین بیشمار موجود ہین اور دوسرا رستہ استدلال عقلی کا ہے جو بعض لوگون نے وجدان کی رہنمائی کے بعد اختیار کیا ہے یعنی انکی رغبت مذہب کی تلاش اور بدعاے مذہب کی جستجو مین پیدا وجدان اور جذبۂ فطری سے ہوتی ہے مگر اس پر یقین اور اعتقاد کرنے کیلئے ویسا تجربہ اور کشف حاصل نہین ہوا اور بجائے اس کے عقلی غور و فکر اور قیاس و استدلال سے کام لینا پڑا ہے۔ اسکی عمدہ مثال موجودہ فلسفہ ہاے مذہبی مین مشہور جرمن فلاسفر امینوئل کانٹ کے مسلک مین ملتی ہے جس کے عقیدہ کو ڈاکٹر موصوف یون بیان کرتے ہین✝:—

جذبۂ فطرت اور استدلال کی آمیزش

”امینوئل کانٹ خدا کی نسبت پیش بینی کے ساتھ پیدا کرنیکی نسبت، روح اور روح کی آزادی اور حیات بعد الموت غرض ایسے عقاید کی نسبت عجیب مذہب رکھتے ہین - وہ کہتے ہین کہ یہ چیزین علم کا معمول نہین ہو سکتین (یعنی انکا علم نہین ہو سکتا) کیونکہ ہماری تعلقات ہمیشہ چاہتے ہین کہ کوئی محسوس چیز ہو جس پر وہ عمل کرین اور چونکہ لفظ خدا، روح اور سرمدیت، کے مقابل مین کوئی محسوس معنی موجود نہین اسلئے استدلالی طور پر تو ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ الفاظ کوئی اصلیت نہین رکھتے مگر یہ عجیب بات ہے کہ عملی طور پر ہم ان کے معین معنی مراد لیتے ہین - ہم اس طرح پر کاروبار کرتے ہین گویا کوئی خدا رکھتے ہین

✝ ورائٹیز آف دی ریلیجس ایکسپیرینس لکچر ۳ صفحہ ۵۲ سنہ ۱۹۰۲ء

ایسے طور پر غور و فکر کرتے ہین گویا ہم آزاد ہین۔ نظام فطرت کو ایسے طور پر دیکھتے ہین گویا وہ خاص مشین ہی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ تدبیر کرتے ہین گویا ہم غیر فانی ہین اور پھر ہم پاتے ہین کہ یہ الفاظ ہماری اخلاقی زندگی مین ایک واقعی اختلاف پیدا کرتے ہین۔ پس ہمارا یہ اعتقاد کہ یہ نامحسوس اشیاء موجود ہین اس بنا پر ویسا ہی اعتقاد ہے جیسا اس صورت مین ہوتا جبکہ ہم اس کو حقیقت مین تصور کر سکتے پس ہماری ذہن کا یہ ایک عجیب نظارہ ہے کہ ہم ایسی چند اشیاء کے حقیقی وجود کے قایل ہین جن کا تصور ہم کسی طرح بھی نہین کر سکتے ۔

استدلالی یقین انسانی [illegible]تی ہے۔

اگرچہ کانت نے اپنے اعتقاد کو محض جذبہ فطرت پر بنا کیا ہے اور دیگر عقلی دلایل سے کام نہین لیا بلکہ انکو ناکافی مانا ہے مگر چونکہ جذبہ فطرت کو علت ٹھہرا کر اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے اس سبب سے ان کا مسلک بھی استدلال عقلی مین ہی داخل ہوگا اور معرفت کے ان تجربون سے جدا گانہ ہوگا جنہین خدا کی براہ راست حضوری اعتقاد کو مستحکم کر دیتی ہے پس غالبا مین غلطی نہین کرتا ہون جبکہ کہتا ہون کہ فطری کشش کے بعد دو مسلک ہو جاتے ہین ایک مین جذبہ فطری کی شہادت پر جیسا کہ کانت کا خیال ہے یا کسی اور عقلی شہادت پر خدا کو ثابت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرا مسلک ہے جسمین اپنے جیسی مشاہدے اور اپنے کشف و الہام کو مدار ایمان ٹھیرایا جاتا ہے اور خدا کو اس لیئے مانا جاتا ہے کہ اسکو دیکھا ہے پس جو خدائی کشش کے بعد جو عقلی طریقے خدا کو ثابت کرنے اور اس پر ایمان لانے کے ہر زمانے مین مختلف عقلا نے ایجاد کیئے ہین اگر انکی اس کوشش کو بھی وحی و الہام کے نام سے ملقب کیا جائے تو ایسی وحی کی نسبت مسٹر پارکر کا خیال بیشک درست ہوگا کہ اس مین کسی بالائی طاقت کو دخل نہین اور صرف وہی جذبہ فطرت اور ما فقا غور و تامل کی طاقت جس نے ان عقلا کے ذہن مین خدا کو ثابت کرنے کی دلائل پیدا کین اور جذبہ فطرت اور عقل و ہوش کا نشان سب انسانون مین پایا جاتا ہے اس لیئے عقل و خرد کی وحی کو اگر وحی کہا جائے تو بقول ان کے یہ ایسی ہی وسیع ہے جیسی وسعت نسل انسانی کو حاصل ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ محض عقلی استدلال وحی کے لقب سے ملقب ہی ہوا نہ کبھی مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے بلکہ مذہب

فطرت سے مذہب کی تلاش پیدا ہونے کے بعد اُس کا وجود اور اُسکی اشاعت اُنہی لوگون کے توسل سے ہوتی ہے جو براہ راست خدا سے تعلق رکھنے کا اور اُس کے جلوے دیکھنے کا دعوے کرتے ہین اور پھر جب مذہب کے مخالف اسکا انکار کرتے ہین تو اُن کی دہان بندی کیواسطے مذہب کیجانب سے اپنے اپنے حال اور زمانے کے مناسب عقلی دلایل پیدا کی جاتی ہین۔

پروفیسر جیمس ایک اور لکچر مین فرماتے ہین [۱]

"معرفت کے مضمون نے ہمین اس سوال تک پہنچایا ہے کہ آیا وجود باری تعالیٰ کا احساس کیا ایسا احساس ہے جس کو ظاہر مین نظر ہی صحیح مان سکے۔ اس سوال کو جبلے تصوف کے آگے پیش کیا تو اگرچہ تصوف نے بڑے زور سے اس کے ثبوت کا دعویٰ کیا مگر اس کے تجربے ایسے مخفی اور بنیر با ہمہ گر مختلف ہین کہ اس کا فیصلہ عام طور پر قابل تسلیم نہین ہوتا البتہ فلسفہ دعوے کرتا ہے کہ جو فیصلہ اسکی بارگاہ سے صادر ہو وہ عام اہل الرائے کے نزدیک قابل تسلیم ہوتا ہے اس لیئے یہی سوال فلسفہ کے آگے پیش کیا جاتا ہے ...... (آگے فلسفہ کے رو سے جو فیصلہ انکے ذہن نے کیا ہے اسکو یون بیان کرتے ہین) میرا اعتقاد ہے کہ مذہب کا اصلی سرچشمہ ضمیر یا وجدان ہے اور فلسفیانہ اور عالمانہ دلایل جو اسکی تائید مین پیش کی جاتی ہین وہ دوسرے درجہ پر ہین۔ اور ضمیر کے فیصلہ کو ان سے وہی نسبت ہے جو کسی مضمون کو اس کے دوسری زبان کے ترجمہ سے ہوتی ہے مگر صرف اتنا کہنے سے غلط فہمی واقع ہوتی ہے اس لیئے مین بیان کرتا ہون کہ میرا مطلب کیا ہے"

عقل مذہب کو پیدا نہین کر سکتی۔

جب مین عالمانہ دلایل کو دوسرے درجہ پر کہتا ہون تو اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی دنیا ایسی ہو جسمین مذہبی احساس پیدا ہی نہ ہوا ہو تو مین یقین نہین کرتا کہ ایسی دنیا مین محض عقل کی رہنمائی سے مذہب پیدا ہو جائے اور مین یقین نہین کرتا کہ ایسی دنیا جسمین ایکطرف تکالیف اور تکالیف کے ساتھ اُن سے نجات پانے کی تلاش اور دوسری طرف عارفانہ الہام نہ ہوتے تو ایسی دنیا مین صرف خشک عقل غور و فکر ایسا مذہبی فلسفہ پیدا کر سکتا جیسا کہ آج ہمارے پاس موجود ہے اُس

[۱] ورائیٹیز آف ریلیجس ایکسپیرئینس لکچر ۱۸ صفحہ ۴۳۳ سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۴۴۷ ۴۴۶

دُنیا مین صرف مظاہر قدرت کی عالمانہ چھان بین ہوتی اور یہی دُنیوی علوم مرتب ہوتے جو آجکل موجود ہین یا سائنس اور علوم کے ساتھہ کسیقدر روحانی مناظر کی تلاش کیجاتی جیسا کہ اب بعد مین اسکی طرف میلان ہوا ہے لیکن وہ بلند پروازیان جو خود ساختہ اور خیالی دلائل مذہبی کی صورت مین کیجاتی ہین اسکی طرف اس دُنیا کے لوگون کا میلان ہرگز نہ ہوتا کیونکہ ان کو خدا کے ساتھہ راہ ورسم پیدا کرنیکی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ پس بدلائل عقلی میرے نزدیک عقاید ثانوی اور بیرونی عمارتین ہین جن کو عقل نے ضمیر کی ہدایت اور وجدان کا اشارہ پاکر بنا لیا ہے۔" اس لکچر کے آخر مین کہتے ہین

"مذہب جو کچھہ اظہار کرتا ہے وہ حقیقت مین ذاتی تجربہ کی چیز ہے۔ وہ خدا کو واقع مین حاضر ناظر جانتا ہے اور بندہ اور خدا مین تعلقات داد وستد کو واقعی سمجھتا ہے۔ پس اگر اس عتبار سے مین اپنے پل پر کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو اور استدلال عقلی سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو استدلال اسے اتنا بڑا سہارا دینے سے قاصر ہوگا جسکی اسے ضرورت ہے۔ استدلال بیشک واقعات کی تقسیم تعریف اور توضیح کرسکتا ہے لیکن انکو پیدا نہین کرسکتا اور نہ ان کو مشخص معین کرسکتا ہے اور مذہب مین یہان تک زور دیا جاتا ہے کہ گویا خدا وہ سامنے موجود ہے پس اسے صرف وجدان ہی ثابت کرسکتا ہے۔ فلسفہ اس فضا مین دوسرے درجہ کی قوت ہے اور عقیدے کی صداقت کو ثابت نہین کرسکتا پس تاسف آمیز متانت کے ساتھہ ہمکو نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ تجارب مذہبی کی صداقت کو محض ذہنی عمل (عقل) سے ثابت کرنا بالکل خلاف امید ہے"۔

مذہب کے تین خادم ہین

غرض معلوم ہوا کہ مذہب کے تین خادم ہین۔ جذبۂ فطرت[1]، تجربہ[2] یعنی کشف اور استدلال[3]۔ ان مین سے جذبہ فطرت اصل الاصول ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کم وبیش تمام انسانون مین موجود ہے اور اسکی نسبت یہ سوال بے محل ہے کہ اسمین کسی بالائی طاقت کو دخل ہے یا خود بخود موجود ہے کیونکہ انسان اور فطرت انسانی کا جو خالق مانا جائیگا اسی طرف فطرت اور خواص فطرت بھی منسوب ہونگے اور استدلال چونکہ عقل کی ایجاد ہے اسلئے جہان عقل کا وجود ہوگا وہان اس کا وجود بھی ممکن ہے پس براہ راست بالائی طاقت کا دخل صرف انہی حالات کی نسبت دیکھنا باقی رہا جن مین

بیواسطہ خدا کی حضوری ہوتی ہے سو اسکی نسبت غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تجربہ کیلئے نیچر مین کیا قانون مقرر ہے کیونکہ جو قاعدہ عام طور پر تجربہ کیواسطے مقرر ہوگا ضرور ہے کہ الٰہیات کے تجربے پر بھی وہی نافذ ہو سکیگا۔

تجربہ مین قوی کا حاصل ہونا، اور خفیف کا حصول

موجودات عالم مین سب سے کم درجہ جمادات کا ہے اوس کے اوپر بترتیب نباتات حیوانات اور انسان کا درجہ ہے اور ان سب کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے اور علیٰ ہذا طاقتون مین قوت کیمیائی، قوت نمو، قوت حیوۃ، قوت فعل، اور قوت ارواح ایک دوسرے سے افضل برتر ہین اور ایک دوسرے پر موثر۔ جمادات کو نباتات اپنے نسون اور مسامون سے جذب کرتی ہین وہ ان کے بدن مین پہنچکر ان کو نشو و نما بخشتی ہین اور کبھی بعض جمادات اپنے اثر سے ان کے نشو و نما کو زائل کر دیتی ہین یا حیوان جمادات اور نباتات دونو سے خوراک حاصل کرتا اور اس سے بڑھتا ہوا ہے مگر کبھی وہی زہر کے اپنے اثر سے اسکی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ انسان ان سب کو اپنی ضرورتون مین صرف کرتا ہے اور کبھی فائدہ اُٹھاتا ہے کبھی نقصان۔ اسی طرح کیمیائی طاقتین جب اپنی اصلی حالت مین ہون کسی غیر چیز کے در آنے پر اگر وہ ٹھوس ہو مثلاً لوہا زمین مین دفن کر دیا جائے تو تحلیل کر دیتی ہین اور اپنی موجودہ شکل مین لے آتی ہین اور اگر متخلخل ہو مثلاً روئی زمین مین دبا دی جائے تو اسکے اجزا کو خاک بنا کر پیوستہ کر دیتی ہین اور اپنی ترکیب کے قانون کو ظاہر کرتی ہین۔ لیکن قوت نمو اپنے اثر سے کیمیائی ترکیب سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور تحلیل کو باطل کرتی ہے یعنی درخت کی جڑین جو زمین مین دفن ہوتی ہین بجائے تحلیل ہو کر مٹی ہو جانیکے زمین کے ذرّون کو جذب کرکے اپنے جسم کو بڑھاتی ہین۔ قوت حیوۃ ان دونو سے فائدہ لیتی ہے اور کبھی کسی چیز کو تحلیل کرکے کام مین لاتی ہے اور کبھی ترکیب سے اپنا مطلب نکالتی ہے۔ قوت فعل جو ان سب پر فائق ہے سب سے خدمت لیتی ہے وہ ان سب کے کیمیائی خواص سے ترکیب و تحلیل کا کام لیتی ہے اور غذا و دوا کا استعمال کرکے جسمانی اجزا کو پیوستہ کرتی اور غیر مفید مواد کو تحلیل کرتی رہتی ہے نباتات کی قوت نمو سے فائدہ اُٹھا کر غذا اور دوا کے سامان فراہم کرتی ہے اور حیوان کی قوت حیوۃ سے مستفید ہو کر اسکو انسانی

ضرور تون کیلیئے مطیع و منقاد بناتی ہے اور اس طرح سب قسم کے اجسام اور ہر طرح کی طاقتین ایک
دوسرے پر اثر کرتی دکھائی دیتی ہین۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو ایک فریق اثر کرنیوالا ہے اور
دوسرا اثر قبول کرنیوالا ایک فاعل ہے اور دوسرا منفعل۔ جمادات سب سے نیچے ہین اسلیئے سب کا
اثر قبول کرتے ہین اور جو اثر ان کا نباتات وغیرہ پر دیکھا جاتا ہے اسمین فاعل در حقیقت اوپر والے
ہوتے ہین یعنی نباتات اپنی جڑون کی کشش سے کھاد کو اور تنہ اور پتون کی کشش سے نم اور ہوا
کو جذب کرتی ہین انکی فاعلیت سے جو اجزا جسم مین داخل ہوتے ہین ان پر نباتات کی قوت محللہ اپنی فاعلیت
کا اثر ظاہر کرتی ہے اور تحلیل کرکے جزو بدن بنا لیتی ہے یا اگر نبات کسی ایسی زمین یا ہوا مین پیدا ہوئی
ہے جس کو لوگ نشو و نما کیلیئے مضر کہا کرتے ہین تو وہان بھی فاعلیت اس زمین یا ہوا کی طرف
منسوب ہونے کی بجائے حقیقت مین نبات ہی کو حاصل ہے یعنی اسکی قوت کشش یا تو نامناسب غذا
کو کشش ہی نہین کرتی اس لیئے اسکی جسمانی ترقی یا بالفاظ دیگر اسکی نباتیت زائل ہوجاتی ہے اور
یا اسکو کشش کرنیکے بعد جب قوت محللہ ان ذرات کو جزو بدن بناتی ہے تو چونکہ وہ ذرات نباتی غذا
کے منافی ہوتے ہین ان سے جو جسم بنتا ہے وہ نبات نہین رہتا۔ غرض ہر حال مین جمادات کا اثر
نباتات پر نباتات کی اپنی کشش اور فاعلیت پر موقوف ہے۔ اور اسی طرح جمادات اور نباتات
دونو کا اثر حیوان پر اس کے اپنے منہ سے نگلنے یا تنفس و مسام سے کشش کرنے پر یعنی اسکی اپنی
فاعلیت پر منحصر ہے اور علی ہذا القیاس انسان جو کچھ مفاد ان اشیا سے اٹھاتا ہے اسمین بھی
وہی فاعل ہے اور دیگر تمام اشیا منفعل۔ اسکی طبعی کشش خوراک کو جزو بدن بناتی ہے اور ارادی
حرکت نباتات اور حیوانات سے کام لیتی ہے اگر وہ درخت کو اگانا اگے ہوئے کو توڑنا یا ٹوٹے
ہوئی کو اٹھانا نہ چاہے تو قوت نمو کا کوئی اثر اس تک نہ پہنچیگا اور اگر جانور کو اپنے ساتھ ملانا اور
مطیع کرنا نہ چاہے تو قوت حیات اس پر کوئی عمل نہ کریگی۔ غرض ہر ایک عمل مین اعلیٰ اور قوی فاعل
ہوتا ہے اور ادنیٰ اور ضعیف منفعل اب اس عمل سے اور ان کا اثر ظاہر ہونے سے جو واقفیت اور
شناسائی فریقین کو ایکدوسرے سے ہوتی ہے اگر اس کا نام تجربہ رکھا جائے (اور درحقیقت تجربہ اسیکو کہتے ہین)

توبیشک انسان کو حیوان کا تجربہ ہے اور حیوان کو انسان کا مگر اس تجربہ مین حیوان کی اپنی
کوشش کو چندان دخل نہین - بیشک کتے مین یہ خاصیت ہیکہ وہ انسان سے مانوس ہو کر
اس پر اپنی جان فدا کرے اور اسکی عادات و خصایل سے آگاہ ہو کر اس کے اشارہ پر چلے
لیکن جبتک انسان کتے کو مانوس کرنا چاہے کتا انسان کا تجربہ ہرگز حاصل نہین کر سکتا
اور اسی طرح اگر نباتات مین شعور فرض کر لیا جائے اور جو حالت اُسکی تختہ بندی یا کھانے کے وقت
ہوتی ہے اس کے احساس کا نام تجربہ رکھا جائے تو جو تجربہ نبات کو حیوان یا انسان کی نسبت
ہے وہ اوسکو ہرگز حاصل نہ ہو اگر انسان اور حیوان خود اسکی طرف توجہ نہ کرین - علی ہذا لکڑی کو
آگ کا اور لوہے کو مقناطیس کا تجربہ ہرگز نہ ہو اگر آگ اور مقناطیس اُن کو یہ تجربہ کروانا نہ چاہین
مین شاید اس مضمون کو جس طرح پر میرے دل مین ہے ابتک ادا نہین کر سکا اور اس
لیئے شاید کوئی یون کہ سکے کہ خوراک انسان اور حیوان مین جاتی ہے گو اسکو تحلیل کر کے
جزو بدن بنانے والی طاقتین انسان و حیوان مین ہوتی ہین - مگر اس کے بعد خوراک کے
اجزاء کا اثر بھی کھانیوالے پر ہوتا ہے جس سے وہ کبھی توانا ہو جاتا ہے اور کبھی مختلف امراض
کا شکار بنتا ہے اور اس اثر مین فاعل خوراک ہے اور اسکے علاوہ شیر جو انسان کو پھاڑتا ہے
اور یون اُسکا تجربہ حاصل کرتا ہے اسمین انسان کے اپنے فعل کو کچھ بھی دخل نہین اور خود شیر
فاعل ہے اور انسان منفعل ہے - مگر نہین ، یہان شیر کو انسان کا جس قدر تجربہ ہے وہ یہی ہے
کہ اس شکل کی چیز گوشت دار ہوتی ہے جو میری غذا ہے اور کھانے کے بعد اُس ذائقہ سے
آشنا ہوتا ہے جو انسان کے گوشت مین ہوگا مگر انسان کی شکل اور گوشت کا ذائقہ عام
جسمانی صفات ہین جن کا اسے تجربہ ہوا اور نہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے جو صفات
رکھتا ہے انکا تجربہ شیر کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ بہادر انسان شجاعت کے زور سے اور سر کس کا
ایکٹر عقلی تدبیرون سے اسکو زیر کر لیتا ہے اور اس وقت اس تجربہ مین فاعلیت ظاہر ہے کہ
انسان کی جانب سے ہی اور اسی طرح اگر خوراک کے ذرات مین شعور ہو اور ان کے اثر کا نام تجربہ

رکھا جاوے تو خوراک کو جو تجربہ کھانیوالے کا اپنا اثر کرنے کے وقت ہوتا ہے وہ اسکی عام
جسمانی صفت کا ہوتا ہے ورنہ خاص حیوانی یا انسانی صفات کا تجربہ خوراک کو اسی وقت ہوتا ہے
جبکہ وہ ارادی حرکتوں سے اسکی طرف جھپٹتا ہے عقلی تدابیر سے اسکو مہیا کرنے کا اہتمام
کرتا ہے اور طبعی کشش سے اُسکو جذب کرتا اور جزو بدن بناتا ہے اور ان صورتوں مین وہ
خود فاعل ہوتا ہے اور خوراک منفعل ۔

غرض تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا کہ اعلیٰ کی فاعلیت کے بغیر ادنیٰ کو اوس کا تجربہ
نہین ہوسکتا بیشک انسان کو بہت بڑا تجربہ ہے وہ اپنی عقل سے زمین کی تہ تک پہنچ گیا ہے اور آسمان
کی چوٹی تک اور جو حالات اجسام سفلی اور اجرام علوی کے اُس پر منکشف ہوئے ہین اُن کے
گھمنڈ مین وہ اپنی عقل کو غیر محدود اور ہر چیز کو اپنی گرفت کے اندر سمجھنے لگا ہے مگر وہ
آفتاب کو ماپ رہا ہو یا زمین کو تول رہا ہو اسکی اپنی کوشش سے جس قدر تجربہ حاصل ہوا ہے
وہ محض کم درجہ کی مخلوقات کا ہے ۔ اس نے چاند کے پہاڑون کو دیکھ لیا تو اور آفتاب کے
داغون کو جانچ لیا تو محض روشنی اور روشنی کے مختلف رنگون کو دیکھا ہے جو ایک کیفیت ہے اور
اُن کے ماپ تول اور عناصر کی نسبت قیاس دوڑائے ہین جو جمادی جسم اور اُن کے خواص
ہین ۔ اپنے سے کسی بالاتر ہستی کا تجربہ ایک طرف وہ خود اپنا اور اپنے برابر والون کا تجربہ
بھی نہین کرسکتا ۔ انسان کی نسبت اُس کے معلومات کیا ہین ؟ محض جسمانی ساخت جسمانی
عناصر اور جسمانی خواص غرض وہی باتین جو کم و بیش اِس سے کم رتبہ یعنی حیوان اور نباتات
مین بھی پائی جاتی ہین مگر جس چیز کے سبب سے انسان انسان بنا ہے اور جو اسے دیگر موجودات
سے بہتری دیتی ہے اس کا انکشاف نہ آجتک ہوا ہے اور نہ غالباً آگے کبھی ہو ۔

پس جب یہ کیفیت ہے اور ادنےٰ اعلےٰ کو بلکہ برابر والے کو بلکہ خود اپنے تئین بھی نہین
دیکھ سکتا تو کس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اُس بالاتر سے بالاتر ہستی کا جلوہ اور اسکی ذات و صفات کے
متعلق انکشاف انسان خود اپنی کوشش سے حاصل کرسکتا ہے اور جب یہ صورت ہے تو وحی

جو ایک اعلیٰ درجہ کا تجربہ ہے اور جسمین نہ صرف جلوہ ربانی پر اکتفا ہوتا ہے بلکہ انسان پر ایسے تجربون سے خدا کی معرفت حاصل کرنے اور خلق اللہ کو ایسے عرفان تک پہنچانے کے وسایل بھی جن کو عبادت کہا جاتا ہے منکشف ہو جاتے ہین اسکی نسبت کیونکر دعوے ہو سکتا ہے کہ ایسا بڑا انکشاف خود انسان کا اپنا دائمی عروج ہے"۔ اور اسکی اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور خدا کی فاعلیت کا اسمین کوئی دخل نہین -

مسٹر پارکس ہمکو "وحی کوئی معجزہ نہین" کہکر ڈراتے ہین اور بیشک معجزہ کا لفظ آجکل کسی چیز سے نفرت دلوانے اور خوفزدہ کرنیکے لیئے کافی ہے لیکن اگر معجزہ کے معنی خلاف قانون قدرت کے ہین تو ادنی کا محض اپنی کوشش سے اعلےٰ تک پہنچ جانا بیشک معجزہ ہے اور اس جرم کے مرتکب مسٹر پارکس ہین کہ وحی کو خلاف قانون تجربہ مانکر آجکل کے فلاسفرون سے معجزہ منوانا چاہتے ہین مگر جو لوگ خدا کی فاعلانہ حرکت سے ایسے جلوون کا نظر آنا مانتے ہین وہ بالکل لا اف نیچر یعنے فطرۃ اللہ المستمرہ کے موافق اعتقاد رکھتے ہین اور معجزہ ماننے کے گنہگار نہین ہین - سرکس کا گھوڑا خواہ کیسا ہی اصیل ہو اگر مالک تعلیم نہ دے گھوڑا اپنے آپ اسکے اشارون کو نہ سمجھیگا اور ہاتھ اُٹھانے پر بیدم ہو کر نہ لیٹ جائیگا اسی طرح انسان خواہ کیسا ہی نجیب و شریف ہو جبتک خود خدا اپنی حضوری نہ دے محض اپنی کوشش سے اسکی معرفت کا عین الیقین حاصل نہ کریگا اور اس کے نور سے روح کو منور نہ کر سکیگا - یہ ضرور ہے کہ مٹی اور ہوا سے نبات انہی اجزا کو جذب کرتی ہے جن مین نبات بننے کی قابلیت ہے - نبات مین سے حیوان انہی پتون اور پھلون کو کھاتا ہے جو اس کو گوارا ہین نبات و حیوانات وغیرہ مین سے انسان انہی کو استعمال کرتا ہے جو کام کے لایق ہین اسی طرح خدا انہی بندون کو برگزیدہ کرتا ہے جنکی فطرت اس بار گرانمایہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس بنا پر ہم کہ سکتے ہین کہ انسان کی اپنی قابلیت کو بھی اس منصب مین دخل ہے اور اسی لیئے انبیاء کو حسب فطرت دیگر بنی نوع سے فایق اور افضل مانا جاتا ہے مگر نبات کی کشش کو خوراک جذب کرنے مین حیوان

کی خواہش کو نباتات کے لگنے میں انسان کے ارادہ کو مخلوقات سے کام لینے میں جس قدر دخل ہے بس اسی قدر دخل خدا کو وحی بھیجنے میں سمجھا جا سکتا ہے یعنی اسکی طرف سے فعل اور انسان کیطرف سے انفعال۔ پس اگر نباتات حیوان اور انسان کی فاعلیت معجزہ اور خلاف قانون نہیں ہے تو خدا کی فاعلیت بھی معجزہ نہ ہوگی ۔

نبی اگرچہ بہت ہیں مگر تمام انسان نبی نہیں ہو سکتے۔

مسٹر پارکر یہود و نصاریٰ اور اہل اسلام کو الزام دیتے ہیں کہ وہ چند مصنفین پر وحی کو محدود سمجھتے ہیں اور خدا کے حاضر و ناظر اور سرمدی فاعل ہونیکا واسطہ دیکر تمام انسانوں کو وحی کا شرف دلوانا چاہتے ہیں مگر نہیں معلوم یہود و نصاریٰ پر یہ الزام کہاں تک درست ہے البتہ اسلام کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہتان کے مرتکب ہوئے ہیں ۔ اسلام ہر قوم میں رسول بھیجنے کا مدعی ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ط (فاطر پ۲۲ ع ۳) اور خدا کی رحمت کو انسان ایک طرف تمام اشیا پر وسیع مانتا ہے رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف پارہ۹ ع ۱۹) مگر اس بارہ میں وہی عمل کا قانون پیش نظر رکھنا ہوگا۔ انسان جو جانور خریدتا ہے چاہتا ہے کہ اس کے اشاروں پر کام کرے اور اس غرض کیلئے سب پر حتی الوسع جان کھپاتا ہے مگر تمام عمر کے عمل میں چند یا ایک آدھ جانور ہی ایسا نکلتا ہے جو اسکی آرزو کو پورے طور پر برلاتا ہو۔ کتنے سب یکساں ہیں مگر شکار کی مہارت اور آقا پر جان قربان کرنے کی صفت سب میں موجود نہیں اور جن میں موجود ہے ان میں سے بھی وہ بہت ہی نادر ہیں جنکی خدمت اور وفاداری کے گیت گائے جاتے ہیں اسی طرح باریک ذرات والے جمادات اور سبز پتوں والے درخت سب ہیں مگر ان میں وہ بہت کم ہیں جو نباتات کو تر و تازہ اور جانوروں کو فربہ کرنے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ غرض ان سب حالات میں کام لینے والوں کیطرف سے بخل نہیں ہوتا مگر کام آنیوالے کی استعداد کے سبب اثر میں ہزاروں کوس کا فرق نظر آتا ہے یہی کیفیت اس فعل کی ہے جو خدا کی طرف سے روحانی صفائی کے لیئے کیا جاتا ہے ۔ مبدء فیاض کیجانب سے بخل نہیں مگر مادہ قابلیت چند انسانوں میں پایا جاتا ہے اور وہی اس برکت سے بھی مستفید

ہوتے ہیں۔ آفتاب کی روشنی (جو سات رنگوں سے مرکب مانی جاتی ہے) جب کسی شفاف چیز پر پڑتی ہے تو اپنا پورا جلوہ دکھاتی ہے لیکن رنگین شیشہ اپنی ہمرنگ شعاعوں کے سوا روشنی کے باقی تمام رنگوں کو جذب کر لیتا ہے اور اس لیئے روشنی شیشے کے ہمرنگ ہو جاتی ہے سیاہ چونکہ (حسب تحقیق جدید) تمام رنگوں سے محروم ہے اس لیئے وہ روشنی کو بالکل جذب کر لیتا ہے اور روشن دان کو سیاہ کر دینے سے کمرہ تاریک ہو جاتا ہے مگر اس طرح تاریکی پھیلنے یا مختلف رنگوں کی روشنی پیدا ہونے سے آفتاب پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا اور اس کے فیض عام سے کسیکو انکار نہیں اسی طرح وحی ربانی اپنے کامل اوصاف سے اسی با اقبال پر نازل ہوتی ہے جس کا قلب رذایل کے تمام الوان سے پاک اور نور معرفت کو اخذ کرنیکے قابل ہو اور چونکہ ایسے نفوس قدسیہ کم ہیں اسلیئے منصب نبوت بھی اسی نسبت سے عطا ہوتا ہے۔

استعداد میں تفاوت درجات کا ہے یا نوع کا؟

مسٹر پارکر اس اختلاف حالات سے انکار نہیں کرتے مگر اسے تسلیم کرنے میں اپنے انداز کو بھی نہیں بدلتے چنانچہ فرماتے ہیں[1]

چونکہ خدا نے فطرۃً کسی نسل اور کسی انسان کو عقل، ضمیر، محبت اور روح سے محروم نہیں کیا اسی طرح کسی کو وحی سے بھی محروم نہیں رکھا۔ یہی ہماری تمام ہستی کیلیئے روشنی ہے اور تمام انسانی قابلیتوں کیلیئے بنیاد ہے اور یہی واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اس نادیدہ ہستی کا علم، تمام محسوس علوم کی منطقی شرطیں اور روحانی دنیا کا رستہ پاتے ہیں جیسا انسان مادہ کے بغیر نہیں رہ سکتا ویسا ہی خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا پس نظر کی طرح وحی بھی اپنی نوع میں سب جگہ یکساں ہوگی۔ البتہ درجات کے لحاظ سے ایک قوم کی نسبت دوسری قوم میں اور ایک انسان کی نسبت دوسرے انسان میں متفاوت ہوگی۔ کیونکہ وحی کا درجہ دو چیزوں پر منحصر ہوگا ایک تو فطری قابلیت اور خاص خاص ذہنی اخلاقی اور مذہبی جذبات پر جو ہر شخص کو خدا کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور دوسرے اس طریق استعمال پر جو انسان ان عطیوں کی نسبت اختیار کرے۔ مختصر یہ کہ درجات کا فرق انسانی فطرت کی مقدار اور اطاعت کی مقدار پر موقوف ہے اور چونکہ انسان اپنے فطری عطیات

[1] اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجن جلد دوم باب ششم صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲

ہین اور اس سے بہت زیادہ ان عطیون کے استعمال مین باہم کر مختلف ہین اس لیئے ان مین نہایت حقیر درجہ کے گنہگار سے لیکر اعلیٰ درجہ کے پارسا تک وحی کے درجات بہی مختلف ہون گے۔"

یہان "خدا کے بغیر نہ رہ سکنے" سے تمام انسانون کے لیئے وحی کو عام ماننا تو ایسا ہی ہے جیسے آفتاب کے فیض عام سے شیشہ کو منور سمجھنا البتہ وحی کے درجات کا مختلف ہونا وہ بجا فرماتے ہین کہ انسان کی اپنی استعداد اور اس کے استعمال پر منحصر ہے لیکن یہ بات کہ وحی ہوتی سب کو ہے اور صرف درجات کا تفاوت ہو اسمین بہت کچھہ کلام ہے۔ حقیر درجہ کے گنہگار پر جس وحی کا آنا وہ تسلیم کرتے ہین اگر اس سے مراد وہ تجلی ربانی ہے جس سے انسانی روح اُسکی ذات و صفات کا تجربہ حاصل کر کے صاف اور منور ہو جاتی ہے اور نہ صرف نور اور صفائی حاصل کرتی ہے بلکہ اپنی روشنی سے دیگر جویندگان راہ کو مشعل دکہا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے تو گنہگار پر ایسی وحی اور ایسی تجلی کا ہونا بالکل خلاف قانون اور خلاف واقع ہے اور خود مسٹر پامر تسلیم کرتے ہین کہ "بیوقوف کو دانائی کی بدکار کو نیکی کی اور رند کو مذہب کی وحی نہین ہوسکتی" پس اس بنا پر صرف درجات کا فرق نہین ثابت ہوتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پر وحی ہوتی ہے اور دوسرا اس سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اور اگر ان کا مقصد اُس جذبۂ فطرت سے ہو جو انسان کو بالائی ہستی کیطرف کہینچتا ہے اور جس کو جذبۂ مذہبی کہتے ہین یا جو جذبۂ نیکی کی رغبت پیدا کرتا ہے اور جذبۂ اخلاقی کے نام سے موسوم ہے تو بیشک یہ دونو جذبے کافر و مومن اور فاسق اور پارسا سب مین موجود ہین ۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ط (دہر پارہ ۲۹ ع ۱)	ہمنے اس کو رستہ دکہا دیا ہے اب چاہے شکر گذار بنکر رہے یا ناشکری کرے
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ط (بلد پارہ ۳۰)	کیا ہمنے اسکو دو آنکہین زبان اور دو لب نہین دیئے اور کیا اسکو دونو رستے نہین بتائے
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ط (شمس پارہ ۳۰)	(خدا نے) بتائی اسکو اسکی بدکاری اور نیکوکاری

تفاوت حالات

یہ دو نو جذبے یعنی مذہبی اور اخلاقی چونکہ خدا کی طرف سے ہین اس لیئے مجازاً ان کو وحی کہا جائے تو مضایقہ نہین مگر حقیقت مین یہ وحی نہین ہین البتہ ان کے وجود سے وحی کا رستہ صاف ہوتا ہے اور انسان مین ترقی کی خواہش پیدا ہو کر وہ اپنی طرف سے ایسی کوشش بجا لاتا ہے جس سے تو پہر ماری کو اخذ کرنے کی قابلیت ہو اور پہر کوشش کا تفاوت نتایج مین اختلاف پیدا کرتا ہے مثلاً اگر شیشۂ دل مادی کدورتون اور جسمانی ناجایز خواہشون سے بالکل صاف ہو گیا ہے تو آفتاب وحدت کی روشنی براہ راست اس پر جلوہ کرتی ہے اور وہ اس آئینہ کی طرح منور ہو جاتا ہے جو آفتاب کے سامنے رکھا ہو اور یہی لوگ ہین جن کو رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے اور اگر پاکیزگی کے اس درجہ تک نہین پہنچا اور نور سے کیف کو بے واسطہ اخذ کرنے کے قابل نہین ہوتا تو منور ہونے کیلئے کسی اور قلب مصفا کی وساطت تلاش کرتا ہے جیسے آفتاب کے سامنے رکہے ہوئے آئینہ کی شعاع بازگشت دوسری چیزون کو انکی حیثیت کے موافق روشن کر دیتی ہے وہ شخص قلب صافی کے جلوہ سے حسب طاقت نور حاصل کرتا ہے اور ایسے لوگ پیغمبر کی اُمت اور اُس کے پیرو مشہور ہوتے ہین لیکن اگر کوئی شخص جسمانی خواہشون اور دنیوی آلایشون سے مغلوب ہو کر مذہبی جذبہ کو ضایع کر دیتا ہے تو وہ اس سیاہ تختہ جیسا ہے جو آفتاب کی تمام شعاعون کو رایگان چہوڑتا ہے اور مطلق روشن نہین ہوتا۔ ایسے لوگ بےواسطہ منور ہو سکتے ہین اور نہ کسی درمیانی واسطہ یعنی نبی کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہین اور باوجودیکہ دنیا مین انبیا کی آواز کا ہر طرف غلغلہ ہے مگر وہ لوگ سوائے تاریکی اور گمراہی کے کچہہ نہین پاتے۔ اور اسی لیئے ارشاد ہے کہ انبیا کی ہدایت انہی لوگون کو مفید ہے جو جذبۂ مذہبی کے سبب سے دیکہے خدا کی طرف متوجہ ہین ورنہ جس طرح بہت لوگ اس سے راہ راست پاتے ہین اسی طرح اکثر اشخاص گمراہ بہی ہوتے ہین اور وہ وہی ہین جنہون نے اپنے ازلی عہد کو توڑ دیا ہے یعنی جذبۂ مذہبی ضایع کر دیا ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (بقر ع ۱)	یہ کمل کتاب ہے۔ اس مین کوئی شبہ نہین۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگارون کیلیئے جو ایمان لاتے ہین غیب پر

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ

(بقرہ پارہ ۱ ع ۳)

وہ اس سے اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہ انہی کو کرتا ہے جو فاسق ہین اور جو خدا کے پیمان کو (ازل مین) مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہین۔

انبیا کی ضرورت

غرض مذہبی جذبہ جو سب مین موجود ہے وہ اور چیز ہے اور صرف انسان کو استعداد پیدا کرنیکا کام دیتا ہے اور وہ جلوہ ربانی جس کو وحی کہتے ہین اور چیز ہے جو بالاتر ہستی کی اپنی توجہ اور فاعلیت سے حاصل ہوتا ہے۔ مسٹر پارکر کی نظر صرف جذبۂ مذہبی تک محدود ہے اور اسی کو وحی سمجھتے ہین۔ اسی لیئے اسکو تمام انسانون کے لیئے عام مانتے ہین اور وہ اور ان کے دیگر ہمخیال جو انبیا کی ضرورت کو تسلیم نہین کرتے اور کہتے ہین کہ انسان محض خدا کو ماننے سے نجات پاسکتا ہے اور کلمۃ اللہ خود اس کے اندر موجود ہے وہ اس امر کو بالکل نظرانداز کردیتے ہین کہ مذہب جیسا کہ ذکر ہوچکا تجربہ کی چیز ہے اور تجربہ بھی ایسی ہستی کا جو از روئے فطرت انسانی ہستی سے بالاتر ہے پس اسکی معرفت اور اسکی ذات و صفات کے تجربہ کیلیئے خود اس ذات کی توجہ درکار ہے۔ یہ لوگ مذہب اور عقل اور نیز مذہب اور اخلاق مین تمیز نہین کرتے اور اس لیئے اپنی عقل کے گھمنڈ مین سمجھتے ہین کہ جس طرح وہ جسمانیات کی تحقیق کرسکتی ہے اسی طرح الٰہیات مین بھی اس سے کام نکل سکتا ہے۔ اور مذہب کا ثمرہ محض اخلاق کو سمجھ کر کہنے لگتے ہین کہ اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے پر مذہب سکھانیوالون کی ضرورت نہین رہتی حالانکہ دونو اصول غلط ہین عقل محض جسمانیات پر حاکم ہے اور اپنی ہم پلہ یعنے روح اور اپنے سے برتر یعنے خدا کی نسبت وہ کوئی تجربہ نہین کرسکتی۔ اور اخلاق مذہب کا واحد ثمرہ بلکہ مہتم بالشان ثمرہ بھی نہین۔ اخلاقی جذبہ بیشک عجیب و شریف کشش ہے مگر مذہب کا یہ نہایت بیش بہا افادہ نتیجہ ہے مذہبی جذبہ خدا کی تلاش کرواتا ہے پس اسکا حقیقی ثمرہ خدا کی معرفت ہے البتہ خدا کی معرفت حاصل ہونے پر اور یہ معلوم کرنے پر کہ تمام موجودات اسی کی مخلوق ہے

خدا کی محبت پیدا ہو کر قانون محبت سے اپنے محبوب کے ساتھ محبوب کی تمام چیزون سے
اُلفت پیدا ہو جاتی ہے اور مقتضائے اُلفت سے جو افعال سرزد ہوتے ہین وہی اعلےٰ
اخلاق ہین۔ لیکن چونکہ اخلاق کا فائدہ محسوس اور نمایان ہے اور انسان کو دوسرون سے
نیک برتاؤ کرنے پر اپنی ذات کیلئے بھی بہت راحت و آرام ملتا ہے اِس لیئے انسانی عقل
اگر کامل ہو تو اخلاق کا تجربہ کر سکتی ہے اور عقلا زمانہ مذہب سے بیباک ہو کر بھی اسکی ضرورت
کو محسوس کرتے ہین پس اگر نجات اسی کا نام ہے کہ انسان اس دنیوی زیست مین لوگون سے
نیک سلوک رکھے اور اُس کے عوض مین اُن کیطرف سے عمدہ برتاؤ کا لطف اُٹھائے تو
پھر بھی اگرچہ مذہب سے بے پروا ہو کر تمام لوگ اخلاق پر قایم نہین رہ سکتے مگر شاید بعض دانا اور
دور اندیش محض عقل کی رہنمائی سے نجات پا سکین گے اور اس صورت مین ان کے لیئے
نہ صرف مذہب سکھانیوالون یعنے پیغمبرون کی بلکہ مدعائے مذہب یعنی خدا کو ماننے کی بھی ضرورت
نہین لیکن اگر نجات محض دنیوی راحت و آرام کا نام نہین بلکہ اس تجلّی ربانی اور معرفت الٰہی
کو کہتے ہین جو اس دنیا مین اور اس سے پرے ابدالآباد تک انسانی روح کو منور اور بشاش رکھتی ہے
اور کشف و شہود کے وہ تجربے کراتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی دماغ کی دسترس سے باہر ہین
اور جسکی تشنگی ابتدائے آفرینش سے ابتک انسانی فطرت کے کسی نامعلوم گوشہ مین شعلہ زن ہو کر
اِس سے ہزارون کنوئین جھنکواتی رہی ہے تو ایسی نجات کا حاصل کرنا یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے
اور محض جسمانی بلند پروازیون سے اس تک پہنچنا ویسا ہی موہوم ہے جیسے نور آفتاب کی حرکت
کے بغیر تہ خانہ کے روشندان کا منور ہو جانا یا انسانی کوشش کے بغیر جنگلی گھوڑے کا باجے کی
آواز پر ناچنا یہ اپنے وقت کے فلاسفر اور فیلسوف مادیات کو شوق سے دیکھین بھالین اور
نہ صرف زمین بلکہ مریخ و مشتری کے چپہ چپہ سے واقف ہو جائین لیکن اپنی حد سے قدم نہ بڑھائین
کشش ثقل سے تحت الثریٰ مین جا پہنچین مگر جسمانی غبارون سے اس بالاتر ہستی کیطرف نہ اُڑین
اُس تک پہنچنا ہے تو جسمانی آلائشون سے ایسے پاک ہون کہ نور وحدت بلا واسطہ اُن پر چمکے یعنی

خود پیغمبر بنجائین اور یہ نہین ہوسکتا تو خود پسندی چھوڑکر اپنے صفوہ دل کو کسی اور قلب صافی کے مقابل رکھین اور بالواسطہ آفتاب وحدت کے نور سے منور ہون یعنی کسی نبی کی اُمت بنکر اُسکی وساطت سے معرفت حاصل کرین - کیا کہا ہے

نگنجد نور خورشید ازل در ظرف ہر دیدہ   بآبِ دیدۂ مردان نگر تا عکس آن بینی

تو خفاشی ز نورِ مہ قیاسِ نور خور میکن   ترا سود این بود - گر نور خور بینی زیان بینی

الہامی کتابون کی ضرورت

یہ لوگ اپنے مطلب کے وقت اور دوسرون کو ساکت کرنیکے لئے قانون قدرت اور لاآف نیچر کو ایک مہلک حربہ اور بیخطا حملہ سمجھا کرتے ہین مگر افسوس ہے کہ مذہب کے بارہ مین خود قانون قدرت کا حفظ کیا ہوا سبق بالکل بھول جاتے ہین اور نہین سمجھتے کہ جس چیز کا تجربہ وہ خود نہین کرسکتے اُسکا علم تجربہ کارون کی شاگردی کے بغیر کیونکر حاصل ہوسکتا ہے - مسٹر پارکر پُرانی دستاویزون (الہامی کتابون) کو تقویم پارینہ سمجھتے ہین اور خود "کلمۃ الحق" سے واقف ہونیکا دعوے کرتے ہین - حالانکہ ان جسمانی تجربون مین بھی وہ پُرانی دستاویزون سے مستغنی نہین ہین جو سائنس کے تجربے نئی تحقیق کے موافق سالہا سال سے ہوتے آئے ہین اور جنکی دستاویز مین دفتر کے دفتر تیار ہوچکی ہین اگر اُن سب کو دریا بُرد کردیا جاوے اور آجکل کا ایک طالب علم یہ دعوی کرے کہ کلمۃ العلم "خود اُسکے دل مین موجود ہے اس لیئے اِن دستاویزون کی ضرورت نہین وہ اپنی واحد کوشش سے اُن تمام قوانین کو کیونکر دریافت کرلیگا جو نیوٹن کے وقت سے آجتک بتدریج معلوم ہوتے آئے ہین اور وہ صنعتین کیونکر ایجاد کرسکیگا جن سے ان بزرگون کی برکت سے ہم آج بہرہ ور ہین - اسی طرح اگر کوئی شخص نیوٹن کو سائنس کا امام نہ مانے اور اسکی اس تھیوری پر اعتقاد نہ رکھے کہ روشنی چند رنگون سے مرکب ہے وہ سہ گوشہ بلور کو روشن دان کے سامنے رکھکر نیوٹن کیطرح آفتاب کی شعاعون کا تجربہ کرنا ضروری نہ سمجھیگا اور روشنی کے متعلق وہ علم حاصل نکرسکیگا جسکی ترکیب اس فلاسفر نے ہمکو بتائی ہے -

اہل چین نے جب پہلی دفعہ دخانی جہاز کو دیکھا جو یورپ سے آکر اُن کے کسی بندر پر لنگر انداز

ہوا تھا تو چونکہ وہ اپنی پرانی صنعت و حرفت پر نہایت غرہ تھے اس نئی اور مفید ایجاد کو دیکھ کر متوجہ نہ ہوئے اور وہی بات کہی جو مسٹر پادکر کہتے ہین کہ "ہمارے پاس سب کچھہ موجود ہے" دوسرون کے تجربون سے فایدہ نہ لینے کی یہ ایسی غلطی اُن سے سرزد ہوئی جس کے وبال مین آج تک تمام ملک چین مبتلا ہے اور اُس کو اب تک ترقی کی اس راہ پر چلنا نصیب نہین ہوا جس کو دوسرے لوگ بڑی حد تک طے کر چکے ہین۔

پس اگرچہ مادی علم کی استعداد ہمارے اندر موجود ہے مگر اس سے کام اسی طرح لے سکتے ہین کہ جو لوگ پہلے اس کوشش مین سرگرم رہے ہین اُنکی عالمانہ قابلیت کو تسلیم کرین اور جو ندبیر علم تک پہنچنے کی اُنہون نے ایجاد کی ہین اُن کو عمل مین لائین اور یون مدارج ترقی پر فایز ہون اور دوسری اگر ہم اُن کو بالکل نظرانداز کردین اور خود ابتدا سے ہر بات کو اپنی رائے سے دریافت کرنا شروع کرین تو اگرچہ بہت ہی کم مگر کسی قدر علم سے آشنا ہو جائینگے لیکن یہ فائدہ جو ہمکو حاصل ہوگا تو اس لیئے کہ یہ تجربے ہم ادبات پر کرتے ہین اور مادیات ہم سے کمتر اور خود ہماری فاعلیت کے زیر اثر ہین اور جو چیز خود ہم پر فاعلانہ اثر کرنیوالی ہے اسکی نسبت ہماری جو کچھہ کوشش ہو سکتی ہے وہ محض استعداد پیدا کرنے کی اور اُن لوگون کے بتائے ہوئے وسایل عمل مین لانے کی ہے جو ہم سے پہلے اس میدان مین قدم رکھ چکے ہین ورنہ اُن لوگون کی تمام باتون کو بھول کر اور خود اپنی قوت پر بھروسہ کر کے ہم اس کوشش مین آتنا بھی کامیاب نہین ہو سکتے جس قدر مادیات کے تجربے مین ہونا ممکن ہے۔ اور اگر مسٹر پادکر کے کہنے پر نوع انسانی کو محض اپنے دل کے کلمۃ الحق پر چھوڑ دیا جاوے تو پھر وہین سے چلنا ہوگا جہان سے ابتدائی تلاش کرنے والے چلے تھے یعنی کبھی چوہے کو خدا مانینگے اور کبھی مینڈک کو یا آجکل کی ایجاد دیکھ کر کبھی مشین کو سجدہ کرینگے اور کبھی بیٹری کو۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہب مین نہ صرف عوام الناس کو بلکہ خود صاحب مذہب یعنی پیغمبر کو بھی گذشتہ پیغمبرون پر ایمان لانا اور جس امر مین خود اُسکو وحی ہوا اُنکی شریعت پر عمل کرنا فرض ٹھیرایا گیا ہے۔

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام پارہ ۷ ع ۱۰)	(یہ پیغمبر) وہ لوگ ہین جن کو خدا نے ہدایت دی ہے پس تو اُن کی ہدایت کی پیروی کر۔

نسخ شرائع

اور اس طرح پیغمبر قدیم شرائع شریعتون سے اور اُن الہامون سے جو خود اُسکو ہوتے ہین ایسا دستور العمل تیار کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے معرفت آلہی کے عقدے حل ہو سکین اور ہر شخص حسب حیثیت نور ہدائت سے منور ہو۔

یہ بہی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بجز اس امر کے کہ معرفت مین بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اور جسمانی علوم مین اپنے سے کمتر چیزون کا اور طرح پر جسمانی علوم اور معرفت کی تحصیل مین بہت کچھ مشابہت ہے۔ ایک طالب علم عرصہ تک کسی علم کے مقررہ اصول کے موافق عمل کرنیسے اکثر اس قابل ہو جاتا ہے کہ گذشتہ تجربہ کرنیوالون کی بعض کوتاہیون سے واقف ہو جائے اور خود مصلح اور مجدد بن کر اُس علم کو اصلاح و ترمیم سے ترقی دے مگر بعض اوقات جب کوئی علم یا علم کی کوئی شاخ یا مسئلہ پورے طور پر حل ہو چکا ہو تو اُس مین آیندہ آنے والے طلبا کو اصلاح و ترمیم کی گنجائش نہین رہتی اور اس صورت مین اُن کا کام محض یہی رہ جاتا ہے کہ گذشتہ اُستادون کے اصول کو سیکھین اور اُن کے موافق عمل کرنیسے فائدہ اُٹھائین مثلاً علم ہندسہ یعنی تحریر اقلیدس ایک ایسا فن ہے جو بظاہر اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے اب اس کے اصول و قواعد مین غلطی نکالنا جہل مرکب کے سوا کوئی معنی نہین رکھتا اس لئے اسمین جو کچھ ہو سکتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اسی قدر ہے کہ اُن قاعدون کو حکمی اور یقینی مان کر اپنی اپنی استعداد کے موافق ان سے نتائج نکالتے ہین یا آجکل کے عالمون نے اس فن مین پرکٹیکل جیومیٹری کے نام سے جو ترقی کی ہے اسمین اور کچھ نہین کر سکے سوا اس کے کہ جن عقلی دلایل سے اقلیدس اپنے دعوون کو ثابت کرتا ہے اُنکی جگہ پیمائش کے آلات استعمال کرنے لگے ہین اور دو خطوط یا مثلثین وغیرہ کو برابر یا مختلف ثابت کرنے کیلئے قواعد کلیہ کو کام مین لانے کے بجائے زیادہ تر آلات سے پیمائش کر کے دکھا دیتے ہین مگر اس تبدیلی سے اصول علم مین کوئی ترقی نہین ہوئی بلکہ کہنا چاہئے کہ عقلی غور و تامل کی جو

مشق پہلی صورت میں ہوتی تھی آلات کے استعمال سے وہ فائدہ معدوم ہو گیا۔ یا اگر علمی مشق کو ایک فایدہ کہا جائے تو یوں کہنا پڑیگا کہ ایک فائدہ کو چھوڑ کر اسی جیسا ایک اور فائدہ پیدا کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ علم اگر نامکمل ہے تو آیندہ آنیوالے اُسمیں بہتر انقلاب پیدا کر سکتے ہیں اور مکمل ہے تو آیندہ یا تو کوئی جدید فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے تو پہلے فائدہ کی مانند۔ یہی کیفیت یہاں ہے کہ معرفت اور حصول معرفت کے قواعد و ضوابط (شریعت) خدا کی طرف سے قلوب مصفا پر القا ہوتے ہیں مگر جب تک یہ قاعدے یا ان میں سے بعض انبیاء کی قلت استعداد کے سبب ناقص شکل میں القا ہوتے رہتے ہیں آیندہ آنیوالے انبیاء پر اُنکی غلطیاں واضح ہوتی رہتی ہیں اور اس صورت میں پہلی وحی کی بجائے دوسری وحی بہتر ہوتی ہے مگر جب تمام قاعدے یا ان میں سے بعض اپنی حقیقی صورت میں منکشف ہوتے ہیں تو آیندہ بہتر انقلاب کی گنجائش نہیں رہتی اور اُس وقت یا تو جدید انکشاف ہوتا ہی نہیں یا حسب ضرورت کچھ القا ہوتا بھی ہے تو اسکا فائدہ پہلے انکشاف کی مانند ہوتا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۳)	ہم کسی نشان کو منسوخ یا فراموش اسی صورت میں کرتے ہیں کہ اس سے بہتر یا اسی جیسا اور نشان پیدا کر دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

احکام شریعت کے فایدے حقیقت میں تجربے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

تجربہ کا عام قاعدہ ہے کہ اس میں استدلال عقلی کو بہت ہی کم دخل ہوتا ہے یعنی کسی چیز یا کسی فعل سے جو اثر مترتب ہوتا ہے اُسکی نسبت بتایا نہیں جا سکتا کہ کیوں ایسا ہوا۔ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے خاص خاص حالات میں کبھی پھیلاؤ، کبھی حرکت، کبھی برق ظاہر ہوتی ہے۔ کونین سے بخار اُتر جاتا ہے۔ کلورافارم سے حس باطل ہو جاتی ہے سنکھیا سے انسان مر جاتا ہے اور خاص طریقوں سے اسکا استعمال بہت سے امراض کو دور کرتا ہے مقناطیسی سوئی کے دونو کناروں میں سے ایک معین سرا ہمیشہ شمال کیجانب رہتا ہے اور دوسرا ہمیشہ جنوب کیطرف اسیطرح کے لاکھوں اثر پیدا ہوتے ہیں جنکی کوئی عقلی وجہ بتائی نہیں جاتی اور ایسا

کیون ہوا ؟ اسکا جواب نہین ہو سکتا مگر اثر کو دیکھکر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایسا ہونا ضرور ہے۔
اسی طرح جو تجربے حاملان شریعت پیش کرتے ہین اُنکی نسبت ہر جگہ کیون اور کس لیئے کا سوال بہی
بے معنی ہے وہ لوگ تجربے سے دیکھتے ہین کہ وہ مختلف قسم کے اعمال جنکو عبادت اور کار ثواب
کہا جاتا ہے اُنکو مقررہ شرطون کے ساتھ پورے طور پر بجا لانے سے روح کو جلا اور نور حاصل ہوتا ہی
اور معرفت ربانی کے وہ کرشمے نظر آتے ہین جنکو دل محسوس کرتا ہی مگر زبان ادا کرنے سے قاصر
ہے اور اس کے خلاف کرنیسے اور ان اعمال کے ارتکاب سے جنکو گناہ کہتے ہین روح مین ظلمت اور
کثافت پیدا ہوکر لذائذ روحانی سے بیگانگی ہو جاتی ہے غرض عبادت اور گناہ کے ان اثرون کو
جسمانی عقل اگرچہ حل نہ کرسکے مگر تجربہ کرنیوالے ان پر یقین کرنے مین ایسے ہی مجبور ہین جیسے سائنسدان
اور ڈاکٹر قوائے قدرت اور دواؤن پر یقین کرتے ہین ۔
لیکن جس طرح تجربہ کے ان ابتدائی اصول اور ان کے اثرون کو مانکر دوسرے درجہ پر جو اثر
پیدا ہوتے ہین اُنکی نسبت استدلال کا سلسلہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً بہاگنے کے بعد دفعۃً ٹھیر جانے پر
جو پسینہ آجاتا ہے اسکی وجہ بیان ہو سکتی ہے کہ چونکہ بہاگنے سے حرکت پیدا ہوئی ہے اور حرکت کے
دفعۃً بند ہو جانے سے وہی طاقت حرارت مین تبدیل ہو گئی ہے اور حرارت سے جسمانی رطوبتون مین سیلان
اور مسام مین پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے اس لیئے بہاگنے والیکو پسینہ آگیا ہے۔ اسی طرح عبادت کی
اُن مختلف صورتون کی نسبت جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام تلقین کرتے رہے ہین کچہہ کچہہ توجیہ
بیان ہو سکتی ہے مثلاً جو پیغمبر کسی ایسی قوم کیطرف مبعوث ہوا ہے جو ہر وقت معصیت اور گناہ کی مرتکب
رہتی ہو یا کسی اور وجہ سے روحانیت سے بالکل بیگانہ اور اپنی حالت پر مغرور ہو ایسا نبی ان لوگون
کو معرفت تک پہنچانے کیلیئے ہدایت کرے کہ اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کو چھوڑکر جنگلون اور
پہاڑون مین بسر کرین اور کسی وقت دھیان اور گیان کے سوا دنیا کیطرف متوجہ نہ ہون اور اس
طرح سخت مرض کیلیئے سب سے زیادہ تلخ دوا تجویز کرے اور اس کے خلاف جس قوم مین اُنکی فطری
استعداد یا گذشتہ انبیا کی تعلیم کا اثر باقی ہونے کے سبب حق کے خلاف حد سے زیادہ تکبر اور

اصرار نہ ہو اُس قوم کا پیغمبر بجائے ہر وقت سخت عبادت میں مصروف رکھنے کے ہفتہ میں ایک دفعہ خدا کا خیال کرنے اور عبادت بجالانے کو معرفت کیلئے کافی قرار دے اور ان دو نوں کے خلاف کوئی ایسا نبی جو ہر قوم اور ہر زمانے کی تعلیم کیواسطے مبعوث ہوا ہو اور عالم و جاہل شقی و سعید سب کے لئے دستور العمل قایم کرنیکے واسطے آیا ہو وہ ایک طرف کئی کئی دن غفلت میں گذارنے کو ممنوع قرار دے تو دوسری طرف ہر وقت خدا کی طرف دھیان لگانا بھی فرض نہ ٹھیرائے اور اس طرح دن میں چند بار عبادت بجالانا ذریعہ حصول معرفت گردانے۔ غرض کہا جاسکتا ہے کہ ایسے یا اسی قسم کے اور اسباب کی بنا پر جو خدا سے قریب یا دور کرتے ہیں انبیا اپنے اپنے وقت پر وحی والہام سے یا بالفاظ دیگر اس بالاتر ہستی کے تجربہ سے عبادت کی مختلف صورتیں اور مختلف اوقات قرار دیتے ہوں گے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے انبیاء کے احکام کو بجالا کر ان کے اثر کا ذاتی تجربہ نہیں کیا اسکی طرف سے عبادت کی ان گوناگوں شکلوں میں سے کسی کو کسی پر فایق سمجھنا اور ترجیح دینے کے لئے یا عام طور پر احکام کی علت بیان کرنے کے لیئے مذکورہ بالا توجیہ یا اور دلائل کو پیش کرنا محض تخمین اور ظن ہے اور حقیقی انکشاف کا مدار خود عمل کرنے اور اُسکے اثر کو دیکھنے پر ہے[۱]

[۱] بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات کسی مذہبی حکم کی کوئی علت تلاش کرنے اور اس پر یقین کر لینے سے اس حکم میں وہ کشش نہیں رہتی جو محض مذہبی حکم ماننے کی صورت میں نظر آتی ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ فائدہ قریبًا باطل ہو گیا ہوگا جو مذہب کا اصلی مدعا تھا۔ مثلاً برہمنوں کے مذہب میں صبح کو نہانا اور خاص اوقات پر صندل اور گھی وغیرہ جلا کر ہون کرنا نہایت تاکیدی فرض ہے۔ اور پرانے خیال کے ہندو اس فرض کو نہایت عقیدت سے اسکی وجہ کا سوال کرنیکے بغیر بجالاتے ہیں مگر حال میں جو مذہب کی ہر ایک مخفی سے مخفی حکم کا عقلی سلسلہ میں ڈھونڈنا اور اسکی لِم کو دریافت کرنا ایک عام فیشن ہو گیا ہے تو اس مذہب کے روشن خیال پیرو کہنے لگ گئے ہیں کہ غسل اور ہون بدن اور مکان کی صفائی کے واسطے فرض ہوا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ غسل سے صفائی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور شاید ہون سے بھی ایسا ہوتا ہو لیکن اگر ان دو نو فعلوں سے صرف یہی غرض ہو تو

تعلیم کے علاوہ نبی کا امت میں کچھ عرصہ تک موجود رہنا بھی ضروری ہے۔

اور پھر عمل کرنے اور اثر کو دیکھنے میں یہ بھی بڑی دقت ہے کہ انسانی طبائع کے اختلاف سے ایک ہی فعل کا نتیجہ مختلف اشخاص میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہی نماز ایک شخص کے لیئے ایک دن میں عرفان کا دروازہ کھول دیتی ہے اور دوسرے شخص کو سالہا سال میں ایک جلوہ نظر نہیں آتا یا کچھ معلوم ہوتا ہے تو اسکے ساتھ کوئی آلودگی بھی موجود ہوتی ہے اور بعض اوقات

بقیہ حاشیہ صفحہ

اسکی ضرورت اسی قدر رہ جاتی ہے جس قدر کپڑے دہونے اور مکان میں سفیدی کرنے اور جہاڑو دینے کی ہے۔ اور اگرچہ ایسے روشن خیال پرانے اثر کے سبب سے ابھی تک ان دو فعلوں کا صفائی کے دیگر لوازمات کی نسبت زیادہ اہتمام کرتے ہیں لیکن اگر غسل اور دہون سے محض یہی مطلب ہو اور یہ شائع ہو کر دلوں میں راسخ بھی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان افعال کی وہ عظمت شان نہ رہیگی جو حکم خدا ماننے کی صورت میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور جس طرح جہاڑو دینا خدا تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں مانا جاتا یہ فعل بھی اس سطح پر آجائینگے۔ اگرچہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ انکا حقیقی فایدہ کیا ہے مگر اس قدر تو ظاہر ہے کہ مذہب اور مذہبی احکام محض دل سے تعلق رکھتے ہیں اس لیئے نہانا اور جہاڑو دینا یکساں قرار پاکر جو خیال خدا کا اور جو دھیان اسکی ذات کی طرف آپ ان افعال کو بجا لانے کے وقت ہوتا ہے وہ اس صورت میں کافور ہو جائیگا جبکہ اسکو محض ظاہری صفائی کی نسبت سے کیا جائیگا اور جو نور خدا کے دھیان سے روح کو حاصل ہوتا ہے وہ اس وقت میسر نہ آئیگا۔ اسی طرح اسلام میں حج بیت اللہ چار بڑے فرضوں میں سے ایک ہے اور مسلمان ہر سال دنیا کے ہر گوشہ سے نہایت شوق کے ساتھ یہ سعادت حاصل کرنیکے لئے جاتے ہیں (اللھم ارزقنا ہ) مگر جو روشن خیالی آجکل تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسکی مسلمانوں میں بھی کمی نہیں چنانچہ ایسے لوگ خیال کرتے ہیں کہ تمام عالم کے مسلمانوں کو سال میں ایک دفعہ کسی مرکز پر جمع کرکے تبادلہ خیالات کرنے کیلئے یہ فرض قرار پایا ہے اور بیشک یہ فایدہ بھی حج سے متصور ہے لیکن محض یہی فایدہ قرار دینے سے حج کی اتنی ہی عظمت رہ جاتی ہے جو چھوٹے پیمانہ پر سالانہ کانفرنسوں اور کانگرسوں کی ہے اور جیسا کہ آجکل خیال دوڑایا جاتا ہے اگر کبھی واقع میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس قرار پائے تو وہ بھی بنائی حج کی قایم مقام بلکہ نعم البدل ہوگی اور اگرچہ کانفرنسوں والے ان جلسوں کو مقدس اور معظم ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے

اِس آلودگی کو عین معرفت سمجھ لینے سے اور اپنے تئیں خدا رسیدہ جاننے سے ایسی معکوس ترقی ہوتی ہے کہ وہی خدا کا بندہ کسی وقت بالکل شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اِس لئے علاوہ اُس دستور العمل کے جس کو شریعت کہتے ہیں اور علاوہ اُن دلائل کے جو اسکی ترجیح اور فوقیت کے لیئے پیش کیے جاتے ہیں کسی ایسے شخص کا موجود ہونا بھی ضرور ہے جو ذاتی طور پر ان کیفیتوں سے واقف ہو اور ہر حالت کو اور اسکی صفائی یا آلودگی کو پہچان سکے اِس وجہ سے نبی کا شریعت کی تعلیم دینے کے علاوہ کچھ مدت تک اُن لوگوں میں موجود رہنا بھی ضرور ہے تا ان اعمال کی بجا آوری سے جو حالات پیش آئیں اور جو نقص یا خوبیاں مختلف طبیعتوں میں پیدا ہوں وہ انکی نسبت اپنے تجربے سے ہدایات دیتا رہے۔ اِسی طرح پر اس دستور العمل کے علم سے اور اس پر عمل کرنے سے اور اپنے رہنما کی صحبت کا فیض لینے سے اس کے متبعین کا ایک ایسا گروہ تیار ہو جاتا ہے جن کے دل صاف ہو کر تجلیات ربانی سے معمور ہوں اور پھر آئندہ کیلئے وہ لوگ نبی کے قائم مقام ہو کر دوسروں کو اپنے تجربوں سے فیضیاب کرتے رہیں۔

مگر ظاہر ہے کہ ان میں شامل ہو کر خدا کی طرف وہ عاجزانہ توجہ نہیں ہوتی جو اعمال مذہبی میں ہوا کرتی ہے وہاں قدم رکھا جاتا ہے تو سو ادب سے اور اُٹھایا جاتا ہے تو ہزار احتیاط سے اور دل میں خیال ہوتا ہے کہ اِن کاموں کو قید ہونے کی بجائے آنکھوں سے اور جسم کی بجائے جان سے کام لیا جائے تو بھی کم ہے اور یہاں قومی جلسوں میں جو بات ہوتی ہے۔ لقلقہ سے اور جو کام ہوتا ہے۔ طنطنہ سے۔ پس اگر حج کو اُسکے اپنے درجہ سے گرا کر محض پان مسلم لیگ یا عام اسلامی انجمن قرار دیا جائے تو اس خیال کو دل میں جما کر اسکو بجا لانے کے وقت خدا کی عظمت و جبروت کا وہ نقش نہ ہوگا جو بحضرت حکم ربانی ماننے کے ہوتا ہے بقول شخصے سادہ لوح مسلمانوں کے دل پر بیٹھا ہے پس اگرچہ مذہبی احکام کی وجہ تلاش کرنا بعض اوقات اپنے اطمینان کیلئے اور اکثر اوقات دوسروں کو ترغیب دینے کیلئے بڑی حد تک مفید ہے اور اس لئے روشن خیال بزرگواروں کی ایسی کوشش قابل شکر ہے مگر ہمیں اتنی تمیز ضرور ہونی چاہئے کہ جو وجہ تلاش کیجائے تو اسی حکم کو محض اسی پر منحصر نہ سمجھا جائے بلکہ یوں ظاہر کیا جائے کہ منجملہ اُن فائدوں کے جو خدا کے اس حکم میں روحانی صفائی اور حصول معرفت کے متعلق ہیں ایک فائدہ یا بعض اوقات ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے۔"

سلسلۂ ارشاد و ہدایت کی ضرورت

لیکن چونکہ نبی کا دل دنیوی آلودگیوں سے بالکل صاف اور تجلیات الٰہی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتا ہے اس لیے جو کام وہ تنہا کرسکتا ہے اُس کو اس کے متبعین باہم تقسیم کرکے پورا کرسکتے ہین چنانچہ اُن مین سے بعض احکام شریعت کی تفصیل اور تشریح اور انکی تعلیم مین مصروف رہتے ہین اور علماے دین کا لقب پاتے ہین اور بعض کشف و مراقبہ مین منہمک ہوکر اپنی صحبت سے طالبان حق کے عرفانی عقدون کو حل کرتے رہتے ہین اور اہل تصوف کے نام سے مشہور ہوتے ہین اور انکی وساطت سے علم عمل اور صحبت کا ایک سلسلہ قایم ہوجاتا ہے اور آفتاب وحدت کا نور کبھی آئینہ قلب کی وساطت سے دیکھنے کی عملی صورت پیدا ہوتی ہے اس لیئے مذہب مین جس طرح ان روحانی تجربون کو جن کو عبادت کہتے ہین نور معرفت حاصل کرنیکا وسیلہ مانا جاتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ (بقرہ پارہ ۱ ع ۵) | اور صبر اور نماز سے مدد لو۔ اور یہ بہت ناگوار ہوتی ہے مگر خدا سے ڈرنیوالون کو ناگوار نہین۔

اسی طرح ان تجربہ کرنیوالے رہنماؤن کو بھی واسطہ گردان کر اُن کا دامن پکڑنیکا حکم دیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ (مائدہ پارہ ۶ ع ۶) | اے ایمان والو پرہیزگاری اختیار کرو اور خدا کی طرف آنیکے لیے وسیلہ پکڑو اور اس کے رستہ مین کوشش سے کام لو تاکہ تم فلاح پاؤ

اور ان کی ہدایتون کو جن کو مستر پامار کر پرانی دستاویزین کہتے ہین تسلیم کرنے کے بغیر کمال معرفت سے ناامید قرار دیا جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ (انعام پارہ ۷ ع ۱۱) | انہون نے جیسا چاہیئے خدا کو نہین پہچانا جو کہتے ہین کہ خدا نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہین کی۔

مگر آہ انسان! اکثر حالات مین خود پسندی اور تکبر سے ایسا مغلوب ہوجاتا ہے کہ وہ کسی کو اپنے سے برتر سمجھنا گوارا نہین کرتا جن مین یہ مرض نہایت شدت سے موجود ہے وہ اپنی شان کے آگے خدا کی خدائی کو بھی پسند نہین کرتے اور جو مجبوری خدا کا اقرار کرتے ہین وہ چونکہ اسکی طرف سے

فیضان نور کے اہل نہین ہوتے نہین برداشت کرتے کہ کوئی اور اس نعمت سی متمتع ہو اور یون وجود انبیاء سے منکر ہوجاتے ہین اور اگر کسی وجہ سے ایسے لوگون کا ایمان بیتے ہین تب بہی اپنی عقل و تدبیر پر ایسے فریفتہ ہوتے ہین کہ تہذیب کے لئے انکی ضرورت ہو تو ہو مگر اپنے جیسے فلاسفرون کو ان سے بے نیاز مانتے ہین اور جو اپنے تئین ان سے بے نیاز نہین مان سکتے وہ ایک اور صورت سی اپنی خود پسندی کا اظہار کرتے ہین کہ نبی کے اقوال کو واجب العمل گردانتے ہین مگر اُس کے وجود کا فیض تسلیم نہین کرتے اور انوار صحبت کو بے اصل ٹھیرا کر مغز معرفت سی ناآشنا رہجاتے ہین اور جو اس وادی مین بہی قدم رکہتے ہین اور قلوب مصفا سی انعکاس حاصل کرنے کے بغیر چارہ نہین دیکہتے وہ بہی بالطبع اپنی عظمت پر گرویدہ اور قلادہ اطاعت کو اتارنے کے مشتاق رہتے ہین اِسلئے چند ابتدائی جلوون بلکہ چند ابتدائی اصولون سے واقف ہوکر جن مین اُنکی اپنی نفسانی آلائشون کا بہی بہت کچہہ دخل ہوتا ہے اپنے تئین بحر معرفت کا شناور سمجہہ کر عین دریا مین خشک لب رہ جاتے ہین اور سب سے زیادہ حسرت و ناکامی کا شکار بنتے ہین۔ غرض نہایت افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جو گوہر شب چراغ روز میثاق سے انسان کی جیب تمنا مین رکہا گیا تہا اُسکی سچی روشنی سے بہت کم حوصلہ مندون نے فائدہ لیا ہے اور بہت کم سلیم المزاج ہین جنہون نے اَورون کے فضل و کمال کو اپنے لئے ثابت کرنیکا بے استحقاق دعوی نہ کیا ہو۔ سچ ہے۔

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (ص پارہ ۲۳ ع ۲)	اور بیشک بہت سی ہم نوا ایک دوسری پر زیادتی کرتے ہین مگر جو ایماندار اور نیکوکار ہین وہ ایسے نہون گے لیکن وہ بہت ہی کم ہین

وحی اور الفاظ

غرض گذشتہ تحریر مین یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ وحی ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے جسمین فاعلیت اور حرکت کا آغاز اس ہستی کی جانب سی ہے اور انفعال اور قبول اثر انسان کیطرف سی اور اس تجربے سے اسکو وہ قاعدے معلوم ہوتے ہین جن پر عمل کرنے سے

اور لوگ معرفت آلہی حاصل کر سکیں اور اسمیں تعلق چونکہ محض روح انسانی اور خدا کا ہے
اس لیے انسانی جسم اور جسمانی حواس کو اس انکشاف میں دخل نہیں ہوتا یعنی کوئی زبان
سے بولنے والا اور دوسرا جسمانی کانوں سے سننے والا نہیں ہوتا مگر اس وجہ سے کہ جسم
اور جسمانی حواس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا مسٹر پارکر کا یہ نتیجہ پھر بھی غلط ہے کہ وحی
میں الفاظ نہیں ہوتے - وہ وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ "الفاظی وحی مفرد خیالات کو جیسے
خدا، انصاف، محبت، مذہب وغیرہ ہیں ظاہر نہیں کر سکتی اور الفاظ سے ان خیالات کو
ادا کرنا ویسا ہی ہے جیسے کسی لفظ سے ایک بہرے آدمی کو آواز کا خیال دلوانا" لیکن اگرچہ اس
میں شک نہیں کہ خدا کی ذات وصفات اور اسکی صفات کا ظہور انسانی عقل سے بالاتر ہے اس لیے
معرفت الٰہی کے متعلق جو وحی خدا کی طرف سے انسان کے قلب پر ہوتی ہے اسکی حقیقت اور
کیفیت کو وہ لوگ ہرگز نہیں سمجھ سکتے جو اس سعادت سے بے بہرہ ہوں مگر جب عقلی دائرہ میں
محدود ہو کر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائیگا تو لامحالہ انسانی فطرت اور اس کے خواص کو پیش
نظر رکھکر فیصلہ کرنا ہوگا اور جب تک چاشنی معرفت حاصل نہ ہو اسی تحقیق پر اکتفا کرنا ہوگا اور
جب انسانی فطرت کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جبتک روح کو جسم سے تعلق ہے انسانی
فطرت کا یہ ایک عجیب تقاضا ہے کہ جو خیالات دل میں گذرتے ہیں خواہ وہ بیرونی دلائل اور تجربوں
کی بنا پر ہوں یا وہبی طور پر دفعتہً پیدا ہوں انسان کے دماغ میں انکا ظہور طبعیتہً اسی صورت پر
ہوتا ہے جس طرح ان کو بیان کرنے کے وقت زبان پر یعنی وہ معانی الفاظ کا لباس پہنے ہوئے
ظاہر ہوتے ہیں اور انسان اپنے دل سے اسی طرح باتیں کیا کرتا ہے گویا کسی غیر سے ہم کلام ہے
اور اگر کوئی شخص ایسی سوسائٹی میں پرورش پائے جسمیں مختلف زبانوں کے لوگ موجود ہوں اور
اور اس وجہ سے اسکو اپنے رفقا کی تمام زبانوں میں گفتگو کرنے کی قدرت حاصل ہو تو اس وقت یہ معلوم
کرسکینگے کہ اس شخص کی مادری زبان کونسی ہے یہی ایک ذریعہ ہے کہ اپنے دل سے باتیں کرتے وقت
جس زبان کو وہ استعمال کرتا ہو یا تنہائی میں خدا سے مناجات کرنے کے وقت جو الفاظ اس کی زبان

پڑا سکتے ہون اُنہی کو اُسکی مادری زبان قرار دیا جائے۔ مسٹر آر وہائیٹ لکھتے ہین کہ*

"یہ نہ خیال کرو کہ مین الفاظ کو محض خیالات کی گاڑی یا صرف آواز سمجھتا ہون اور اس سے زیادہ کچھ نہین ۔ بلکہ مین یہ خیال کرتا ہون کہ دماغی نظم و نسق مین الفاظ اس سے بہی زیادہ مہتم بالشان خدمت ادا کرتے ہین جب ایک طالب علم کو جس کا نام نہ لیا جائیگا (اس سے غالباً اُنکی اپنی ذات مراد ہے) کالج کے پرنسپل نے پوچھا کہ برخوردار تم کس بولی مین خیال کیا کرتے ہو تو لڑکے کو یہ سوال ایک معما معلوم ہوا اور وہ حیران رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت تک وہ بولی کو محض اس چہوٹے سے عضو یعنی زبان سے متعلق سمجھتا تھا اور مین یقین کرتا ہون کہ اس کو اسی وقت معلوم ہوا کہ بولی اور خیال مین بہی تعلق ہوا کرتا ہے بیشک ہم سب چہوٹے بچے سے لیکر بوڑہے آدمی تک کسی نہ کسی بولی مین خیال کیا کرتے ہین اور حقیقتاً خیال کرنا کم و بیش بے خبری مین اپنے آپ سے گفتگو کرنا ہے۔ اس سوال کا فیصلہ کرنے کے بغیر کہ شیر خوار بچے اور کم درجہ کے حیوانات خیال کرتے ہین یا نہین اور یہ کہ ہماری دلی گفتگو خیالات کی پیرو ہے یا اُن کے ساتھہ ساتھہ چلنے والی موجودہ مدعا کے لیئے ہم سمجھتے ہین کہ بولی خیال کیلیئے قریباً دائمی ہمرکاب اور اسکی زندگی اور روح ہے اور وہی ایک ذریعہ ہے جس سے خیال شکل پکڑتا ہے اور پختہ اور مشخص ہوتا ہے۔ الفاظ زبان سے بولے جائین یا نہ بولے جائین وہ خیال کی تحدید کرتے ہین اور الفاظ کے بغیر اسروالٹر بسنٹ کہتے ہین کہ، غیر معین آرزوئین و دھندلے تصوّرات اور ابتدائی اسیاء دماغ کے سامنے آتی ہین اور اس طرح گم ہو جاتی ہین جیسے صبح کے وقت شبنم اور پیچھے کوئی نشان باقی نہین رہتا"

پس خدا اور محبت وغیرہ اگرچہ سادہ اور مفرد خیالات ہین لیکن انسان اپنی فطرت کے رو سے مجبور ہے اور یہ خیالات اُس کے ذہن مین الفاظ کے بغیر آہی نہین سکتے اور غالباً یہ بہی ایک سبب ہے جس سے خدا کا خیال مختلف اوقات مین مختلف الفاظ مین ظاہر کیا گیا ہوگا کیونکہ الفاظ اور زبان بہی انسانی ترقی کے ساتھہ ساتھہ ترقی کرتی ہے پس جس وقت یا جس قوم مین ہر قسم کا مدعا ظاہر کرنے کیلیئے الفاظ نہ ہون گے اس وقت کے لوگ بہی چونکہ الفاظ کے بغیر اس ہستی کا خیال

* دیباچہ نیو سینچری ڈکشنری صہ ۲ سنہ ۱۹۰۱ء

نہ کر سکتے تھے اس لئے کبھی کسی بڑے عجیب درخت پتھر یا جانور کے نام سے اور کبھی کسی قابل تعظیم انسان کے نام سے اور کبھی سب سے زیادہ قابل عظمت رشتہ یعنی باپ کے لفظ سے یہ تصور ذہن مین قایم ہوا ہوگا اور بعد مین غلط فہمی سے اس نام کا درخت یا انسان معبود گردانا گیا یا خدا کے ساتھہ باپ کہکر پکارنیوالے کو بھی بیٹا بنا کر خدائی منصب مین شریک سمجھا گیا ہوگا۔ غرض انسانی فطرت کو دیکھتے ہوئے کسی طرح ممکن نہین کہ قلب پر وحی کا نزول ہوا اور اس کے ساتھہ الفاظ نہ ہون مگر بعد مین وحی کی اشاعت کرنیوالون کیطرف سے یہ کوتاہی اکثر ہوتی ہے کہ الفاظ وحی کو محفوظ نہین رکھا گیا بعض اوقات اون کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اور کبھی اپنی غلط یادداشت سے اسمین کمی بیشی کر دیگئی ہے یا کبھی ترجمہ در ترجمہ ہوتے ہوتے اصلی الفاظ گم ہو جانے پر مضمون کچھہ کا کچھہ ہو گیا ہے اور یہ سعادت بہت کم خوش نصیبون کو حاصل ہے کہ الفاظ وحی کو بعینہٖ بے کم و کاست یقینی طور پر محفوظ رکھین۔

باب چہارم

ملائکہ ۔ معراج ۔ معجزہ

ملائکہ ۔ روحانی مناظر ۔ روحانی مناظر کا قاعدہ ۔ قوائے قدرت کے تحمل کا قاعدہ ۔ واقعات عالم کا عام قاعدہ ۔ نتیجہ ۔ ارواح مجردہ کی نسبت مسٹر ماٹرس کی رائے ۔ سیوخنگئے کا استدلال ۔ جنات اور شیطانی وحی ۔ معراج کے متعلق تمہید ۔ دل برابدل رہیت ۔ قلبی رابطہ سے کسی واقعہ کا علم ہونے پر روح اپنے تئیں وہاں موجود سمجھتی ہے ۔ روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں ۔ معراج کی ایک توجیہ ۔ معراج کے متعلق ابھی کچھہ اور بھی پتہ چلتا ہے ۔ روح کا اثر جسم پر ۔ روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنا ۔ روحانی اثر سے مردہ جیسا بیجس کیا جا سکتا ہے ۔ روحانی اثر سے جسم میں ارادی حرکت پیدا کرنا ۔ روحانی اثر سے جسم کا بلا ارادہ حرکت کرنا ۔ اس طاقت کا انکار اور اسکی وجہ ۔ میز کی حرکتیں ۔ انسان کی حرکت اور آگ کا تجربہ ۔ سر ولیم کروکس کے تجربے ۔ ڈاکٹر سپیٹر کے تجربے مسٹر موسیز کے متعلق ۔ روحانی عمل کیلئے تاریکی مناسب ہے ۔ روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے ۔ روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونیکی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی ۔ ارادہ سے حرکت پیدا ہونیکی علت بھی نامعلوم ہے ۔ جسم کا جسم کو حرکت دینا بھی ایک راز ہے ۔ روحانی اثرات زمانہ میں کمتر نظر آتے ہیں ۔ معجزہ ۔ یقین کیلئے کسی واقعہ کا ثبوت ضروری ہے نہ کہ سبب کا دریافت ہونا ۔ روحانی طاقتیں مہاتما بدھ کی زبان سے ۔ معراج جسمانی روحانی عمل کیلئے قاعدون کی تعلیم ضروری نہیں ۔

ملائکہ

اکثر الہامی مذاہب وحی کیلئے اور دنیا کے دیگر کاروبار کے لیئے علاوہ اُن طاقتوں کے جن کو عقل اور حواس دریافت کر سکتے ہیں اور مخفی طاقتیں بھی مانتے ہیں جو خدا میں اور محسوسات میں بطور واسطہ کے کام کرتی ہیں اور فرشتہ یا ملایک یا دیوتا کے نام سے نامزد ہیں وہ کہتے ہیں کہ مثلاً بارش کیلئے اور تقسیم ارزاق کیلئے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے ۔ موت کیلئے علیحدہ فرشتہ

متعین ہے انبیا کو پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے ایک اور فرشتہ مامور ہے اور اسی طرح عذاب و ثواب اور دیگر کار و بار کیلئے جداگانہ فرشتے ملنے جاتے ہیں لیکن چونکہ یہ طاقتیں احساس کی گرفت سے باہر ہیں اسلئے اہل عقل کو انکی نسبت شک ہونا لازمی امر ہے چنانچہ اکثر عقلا ان کے وجود سے بالکل منکر ہیں اور ایسے اعتقاد کو جاہلانہ ضعیف الاعتقادی سمجھ کر انسان کے دامن عقل پر اسکو ایک بدنما داغ جانتے ہیں اور بعض جو مذہب کے پابند ہیں اپنی عاقلانہ نفرت کے سبب سے اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اس لئے اپنی اپنی استطاعت کے موافق اُن اقوال مذہب کی جنہیں فرشتوں کا ذکر ہے تاویل کرتے ہیں اور اُن اقوال سے محسوس مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض فی زمانہ علمی دنیا کا یہ عام میلان ہو رہا ہے کہ فرشتوں کے معنی امر ہوں تو ہوں مگر کوئی علیحدہ نامحسوس مخلوق ہرگز موجود نہیں ہے چنانچہ مسٹر پارکر نے جو مسئلہ وحی و نبوت کو حل کرنیکی کوشش کی ہے انہیں ایسی مخلوق کی ضرورت نہ رہنے پر فخر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ "خدا اور بندہ کے مابین کوئی واسطہ اور فرشتہ حائل نہیں ہے کیونکہ بندہ بذات خود عرض کر سکتا ہے اور خدا بذات خود سن سکتا ہے جو شخص بلا واسطہ التجا کرنیکی ضرورت نہیں رکھتا اسکو نوع انسان کی وکالت کرنیکے لئے کسی اور وکیل کی ضرورت نہیں"۔ اس وقت جو دلیل مسٹر پارکر نے پیش کی ہے وہ میرے خیال میں دعوی پر چسپاں نہیں کیونکہ وحی جیسا کہ میں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے انسان کی محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے جس کو التجا اور عرض کرنے سے تشبیہ دیجاوے بلکہ وہ خدا کی طرف سے فاعلانہ توجہ ہے اور انسان اپنی استعداد کے موافق اسکا معمول اور متاثر ہوتا ہے پس اسوقت دیکھنا یہ ہے کہ کوئی بالا تر لطیف اور قوی ہستی کمتر کثیف اور ضعیف ہستی پر فاعلانہ اثر کیونکر کرتی ہے۔ اس طرح پر غور کرنے سے جو قانون قدرت دریافت ہوگا عقلی دائرہ میں محدود ہوکر وہی قانون خدا کے اس فاعلی اثر یعنی وحی کے لئے بھی ماننا پڑیگا۔

روحانی مناظر

وہ روحانی منظر جو قدیم الایام سے لیکر آجتک بھوت، پریت، ہمزاد، روح، خیال و واہمہ وغیرہ ناموں سے مشہور چلے آتے ہیں انکی اصلیت چاہے کچھ ہو مگر ان کا لوگوں کو ہر ملک اور ہر زمانہ میں گاہ گاہ نظر آنا اور لوگوں کا اپنی اپنی سمجھ کے موافق انکی وجہ قرار دینا اس کثرت سے

مروی ہے کہ ایسے واقعات سے انکار نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر کہ کسی زمانہ میں ایسے مناظر کو قطعاً بے اصل اور خیالی مان لیا گیا ہے اُن واقعات کی نسبت غور کرنیوالے انکی وجہ دریافت کرنے اور ان سے کوئی مفید سبق لینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ علاوہ اُن ملکوں کے جہاں ایسے مناظر کو جنات فرض کر کے حاضرات وغیرہ عملوں سے اپنے خیال کے مطابق اُن سے علاج معالجہ کا کام لیا جاتا ہے۔ مہذب ممالک میں عالمان مسمریزم۔ تھیوسافیکل سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے ان واقعات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے اور اگرچہ یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچا اور نیز اگرچہ ابھی تک اِن فرقوں میں باہم بہت کچھ اختلاف ہے مگر تلاش و تحقیق سے یہ نتیجہ یقینی پیدا ہوا ہے کہ ایسے واقعات غلط افواہ اور جھوٹ نہیں ہیں اور دوسرے یہ کہ انسان کے اندر بہت سی مخفی طاقتیں ہیں جو خاص خاص حالات میں عجیب اثر پیدا کرتی ہیں مسٹر لیڈ بیٹر لارڈ لاٹن کی کتاب دی سٹرینج سٹوری سے نقل کرتے ہیں کہ ”

اس کتاب کو دیکھنے والے تھوڑے ہوں یا بہت اِن میں سے نسبتہً بہت زیادہ ایسے ہونگے جنہوں نے کم از کم تمام عمر میں ایک وقعہ ضرور کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہوگا جس نے انکی عقل کو متحیر کر دیا ہے اور جو ضرور اِس قسم کے خیالات تک لیگیا ہو جن کو سوپرسٹیشن یا ضعیف الاعتقادی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی خواب ہی ہو جس میں کوئی اطلاع یا پیشین گوئی ہو اور جو نہ صرف عجائبات ہی میں شمار ہو سکے بلکہ اسکو ثبوت جنات یا روحانیات میں شامل ہونا پڑے۔ مجھ یقین ہے کہ لوگ خواہ کیسے ہی تعلیم یافتہ ہوں کیسے ہی مہذب ملک اور روحانیات سے انکار کرنیوالے زمانہ میں ہوں انکی بیشتر تعداد نے ایسے مناظر ضرور دیکھے ہونگے یا بالکل قابل اعتماد شہادت سے سنے ہونگے جن کو نہ تمسخر میں اُڑا سکتے ہوں گے اور نہ عقل اور فلاسفی سے ان کو حل کر سکتے ہوں گے اور ایسے مناظر کا شمار اس تعداد سے بہت زیادہ ہے جس کی روایتیں بیان کیجاتی ہیں اور نسبی ہیں اُڑائی جاتی ہیں کیونکہ جو لوگ انکو دیکھتے ہیں ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو انکی طرف توجہ کریں اور سننے والے

ط کتاب آدرسائڈ آف دی نیچر باب ۱۲ صفحہ ۴۶ سنہ ۱۹۰۴ء

بہی خواہ وہ کیسے ہی قابل یقین ذریعے سے سنیں اس پر یقین کرنے سے بدینوجہ گریز کرتے ہیں
کہ وہ عوام الناس میں شکی مزاج قرار پائینگے کیونکہ عام خیال ایسے مناظر کے برخلاف ظلم کی حد تک پہنچا
ہوا ہے لیکن جو شخص میرے پاس اصرار کو اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھ کر پڑھیگا وہ غور کریگا اور اپنے حافظہ کو ڈھونڈیگا
نرفا لگا اُس کے کسی کسی گوشہ میں ایک خواب سی یاد داشت ضرور پائیگا جو اسکے نزدیک بادہ اور بیہودہ
نہ ہوگی اور جو میرے بیان کو درست ثابت کریگی"۔

(آگے مسٹر لیڈ بیاٹر کہتے ہیں کہ) ہمارے زمانے میں تھیوسافیکل سوسائٹی اور سوسائٹی فار سائیکیکل
ریسرچ کی بدولت ان مضامین کو لارڈ لاٹن کے وقت کی نسبت زیادہ قرین عقل سمجھا جاتا ہے
اور ہم انکی نسبت زیادہ عمدگی اور توجیہ کے ساتھ بیان کرنیکے قابل ہیں مگر جو کچھ لارڈ لاٹن نے لکھا ہے
وہ ان کے زمانے میں جس قدر صحیح تھا اُسی قدر اب بھی ہے"۔

مسز کرو ایسے واقعات کی بڑی تعداد جمع کرنیکے بعد اپنی کتاب کے آخر میں نتیجہ نکالتی ہوئی لکھتی ہیں †
میرا یہی خیال ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ روح ہیں اور اُن کو یہ خیال کرنے کی عادت ہو جائے کہ جسم
سے علیحدہ بھی انکا کوئی تشخص ہے تو نہ صرف آئندہ زندگی کو سمجھنے کی بہتر قابلیت پیدا کرینگے بلکہ انکو
یہ سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہ معلوم ہوگا کہ جس طرح وہ ایک طرف ، دی دُنیا سے تعلق رکھتے ہیں بالکل اسی طرح
کا تعلق انکو دوسری طرف ، روحانی عالم سے ہے اور اس لیئے وہ عجیب قابلیتیں جو بعض ارواح کیطرف سے
بعض موقعوں پر اور خاص حالات میں وہ ظاہر ہوتی دیکھتے ہیں بالکل قرین قیاس ہے کہ ویسی ہی شعاعیں
ان خواص کی ہوں جو روح میں ودیعت ہیں اور جو عارضی طور پر جسمانی تعلق کے سبب پوشیدہ ہو گئے ہیں"۔

روحانی مناظر کا فائدہ

غرض روحانی طاقتوں کا تجربہ اس کثرت سے ہوا ہے کہ ان کے وجود ہی انکار کرنا بقول مسٹر ہڈسن ‡ انکا

---

† کتاب نائٹ سائڈ آف نیچر باب ۱۵ صفحہ ۴۹۹ سنہ ۱۸۶۰ء
‡ مسٹر ہڈسن لکھتے ہیں میں اپنے یا دوسرں تجربوں ایسے واقعات کا پیش آنا ثابت کرنیکی کوشش میں اپنا وقت
ضائع نہ کروں گا اس کام کا وقت گذر چکا ۔ مہذب دُنیا کو یہ واقعات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں ۔
آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ سنانہیں محض جاہل ہے اور ایسے شخص کے خیال کو روشن کرنے کی
کوشش بار آور ہونے کی کوئی امید نہیں ۔ (لا آف سائیکک فینا منا باب ۱۴ صفحہ ۲۰۶ سنہ ۱۸۹۲ء)

نہین جہالت ہی اور اتفاقی واقعات کو دیکھتے دیکھتے کچھہ قاعدے اور شروط بھی دریافت ہوگئے ہین جنہین سے مسمیرزم کرنیوالے اکثر اوقات اپنے ارادہ سے ان تماشون کو دکھہ لیتے ہین بلکہ ان سے سلب امراض وغیرہ کا تہوڑا بہت کام بھی لینے کے قابل ہوگئے ہین اور منجملہ اُن قاعدون کے جو روحانی طاقتون کو ظاہر کرنیکے لیئے دریافت ہوئے ہین ایک سب سے بڑا اور ضروری قاعدہ یہہ ہے کہ ایسا عمل کرنیوالے اپنے حاضرات والون کیطرح کسی شخص کو اپنا معمول ٹھیرا کر اسکو اپنے روحانی اثر سے بیہوش کرتے ہین اور پھر اُسکی وساطت سے دور دور کی خبرین اور مخفی راز دریافت کرتے ہین دور دراز کی چیزین منگواتے ہین اور کئی طرح کے شعبدے دکھاتے ہین[†] ۔ یا دوسرے پر عمل نہین کرتے اور براہ راست اپنی طاقت کا کرشمہ دکھاتے ہین تب بھی اُسوقت وہ پورے طور پر ہوش وحواس مین نہین ہوتے بلکہ ضرور ہے کہ ایک طرح کی بیخودی جس کو ہپناٹزم کہتے ہین ان پر طاری ہو[‡] وجہ یہ کہ جسم اور جسمانی تعلقات کثیف ہین اور راز چونکہ مخفی ہین اس لیئے اس کثافت کے ساتھہ وہ دریافت نہین ہوسکتے اس لیئے یا تو خود عامل کو بیخود ہوکر جسمانی کثافت سے قطع تعلق کرنا اور کسیقدر لطیف ہونا ضرور ہوتا ہے اور یا براہ راست اثر ڈالنے کی بجائے ایک واسطہ سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ واسطہ بھی عموماً بچون یا عورتون کو ٹھیراتے ہین اس لیئے کہ انکی روحین جوان مردون کی نسبت کسی قدر لطیف ہونے کے سبب اور پھر بیہوش ہوکر اور بھی رازون کی پوشیدگی سے قریب تر ہوتی ہین اور اس طرح عامل کی روح مین جو ہوش وحواس مین ہونیکے سبب کثافت رکھتی ہے اور دوسری چیزون مین جو مخفی ہونے کے سبب کثیف روح کے تصرف مین نہین آسکتین ایک واسطہ جو عامل کی نسبت لطیف تر ہے حائل کرنا پڑتا ہے غرض یہ کہ کثیف سے لطیف کیطرف جانا ہو تو لطافت کا ایک درجہ درمیان مین لانا ضرور ہے اور کثیف دفعتہً لطیف تک نہین پہنچ سکتا ۔

[†] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب لا آف سائیکک فینامنا مصنفہ مسٹر ہڈسن اور کتاب آدر سائیڈ آف ڈتھہ مصنفہ سر یوہرنڈ لیڈ بیٹر جنہین اکثر تجربے ومصنفین کے چشمدید ہین ۔

[‡] تفصیل کے لیئے ملاحظہ ہو کتاب لا آف سائکاک فینامنا اور بالخصوص باب سیزدہم اور کتاب ہپناٹزم سلف ہپناٹزم مصنفہ مسٹر الف ڈبلیو ایچ مائرس ۔

قوتِ قدرت کے عمل کا قاعدہ

یہ تو وہ قاعدہ ہے جو انسانی روح کے اثر کے واسطے مقرر ہے اب قدرت کے دوسرے کاموں کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرارت، روشنی، کشش ثقل وغیرہ لطیف طاقتیں جو آفتاب سے یا دیگر ستاروں سے ایک دوسرے تک پہنچتی ہین ان کا اثر بھی بغیر لطیف واسطہ کے مانا نہین جاتا ہے* اور ایتھر جو فضا مین پھیلا ہوا ہے اُنکی حرکت کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے نیوٹن کہتا ہے کہ ان طاقتوں کا بےوساطت جانا سمجھ مین نہین آتا اس پر ڈاکٹر سپنسر اعتراض کرتے ہین کہ ایتھر خود متخلخل ہے۔ پس اسکی ایک جزو سے دوسری جزو تک جو فاصلہ ہے اُسمین روشنی وغیرہ کی حرکت کیونکر ہوگی ؟ ان کے اعتراض کا رُخ مسئلہ پر خلاف روشنی ڈالنے کی بجائے اس طرف ہی کہ ایتھر کے اجزا کے مابین کوئی اور اس سے بھی لطیف واسطہ ہونا چاہیئے جس سے آفتاب کا اثر پہنچ سکے۔

واقعات عالم کا عام قاعدہ

اِس کے بعد عام پیدائش کے قاعدون کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے کُرّے جو فضا مین دوڑتے پھرتے ہین اور کُرون کے اندر یہ بڑے بڑے پہاڑ اور دریا اور درخت اور حیوانات غرضکہ جسقدر جسمانی اشیا نظر آتی ہین قدرت نے اُن کو پیدا کرنا چاہا ہے تو پہلے نہایت لطیف اور نامحسوس ذرون سے کام شروع کیا ہے† اور پھر اُن کو باہم مرکّب کرنے سے اور گیس اور سیّال اور کئی کئی طرح کے تغیرات طے کرنے سے لطافت بتدریج کم ہوتی گئی ہے اور کثافت بڑھتے بڑھتے یہ چاند سورج اور زمین جیسے اجسام پیدا ہو گئے ہین۔ اِن کے بعد فرداً فرداً ہر ایک نوع کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے درختون کا کام چھوٹے چھوٹے تخمون سے اور دیوہیکل حیوانات کا کام ایک قطرہ منی سے شروع ہوتا ہے اور اس کے علاوہ یہ موسلا دھار بارشین، ہلاک کرنیوالے اولے اور تباہ کرنیوالی برفین سب لطیف بخارون سے پیدا

* کتاب فرسٹ پرنسپلز مصنفہ ہربرٹ سپنسر باب ۱۳ صفحہ ۵۹ سنہ ۱۸۸۷ء

† یہ ذرے اس قدر چھوٹے ہین کہ مادہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جو محسوس ہو سکے اسمین ابتدائی ذرے پانچ کروڑ سے زیادہ تخمینہ کئے گئے ہین (کتاب ریلیجن آف نیچر باب دوئم صفحہ ۲۹ سنہ ۱۸۹۳ء) اور چونکہ بعض مذاہب مین مادہ کو خدا کی پیدائش نہین مانا جاتا اور اس کتاب مین اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہین کیا گیا ہے اس لیئے ہم نے یہان ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہو کیونکہ وہ ذرات مخلوق ہون یا قدیم اسمین کلام نہین کہ دیگر مرکبات کے بنانے مین کام انہی سے شروع ہوا ہے۔

ہوتی ہین اور ایک لطیف واسطہ یعنی حرارت آفتاب اُن مین عمل کر رہا ہے ۔ غرض کثیف اور لطیف کا
باہمی تعلق دیکھا جائے تو ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ لطیف اور کثیف مین لطافت اور کثافت کے بیچ مین
کوئی اور واسطہ ضرور ہوتا ہے اور کثیف کی پیدائش کو دیکھا جائے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس
کثیف کی نسبت لطیف ذریعہ سے شروع ہو کر بتدریج مطلوبہ کثافت بہم پہنچائی جاتی ہے ۔

نتیجہ

اب اگر خدا کوئی ہستی ہے اور اگر وہ ایک طرف عالم کو پیدا کر رہا ہے اور دوسری طرف بعض
انسانون کو اپنی معرفت کے تجربے کروا رہا ہے تو اُس کو موجود مان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک تہ مین
جیسے کرہ کی نسبت جس قدر لطافت ایک ذرہ مین ہے اس ذرہ کی نسبت ذات خداوندی کی
لطافت بدرجہا زیادہ ہوگی اور اسی طرح ایک گنہ گار انسان کی نسبت جس قدر لطافت ایک پاک
ومقدس انسان کی روح مین ہے اس رُوح کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت اس ذات کیطرح
بےانتہا ہوگی اور اگرچہ بعض مذاہب مین روح انسانی ذات خداوندی کا مظہر اتم ہے بلکہ روح کو عین
خدا مانا جاتا ہے لیکن فرق مراتب سے کسیکو انکار نہ ہوگا اور انسان اپنے انسانی قفیہ مین رہکر کتنا ہی
پاکباز اور بے تعلق ہو جائے تنفس اور غذا وغیرہ جسمانی ضروریات سے ہرگز بے نیاز نہین ہوتا ۔
یہ مانا کہ جسمانی خواہشون کو پاکباز انسان محبت اور شوق سے پورا نہین کرتا بلکہ محض فرض انسانی
سمجھکر بجا لاتا ہے مگر ان کو چھوڑکر جامہ انسانی کو برقرار نہین رکھ سکتا اس لیئے اس حالت مین اسکی
روح وہ لطافت ہرگز نہین رکھتی جو ذات خداوندی کا خاصہ ہے البتہ تمام عمر مین ایک یا چند
مرتبہ کسی بڑے سے بڑے پاکباز پر ایسی حالت طاری ہوسکتی ہے کہ اسوقت کیلیئے وہ جسم اور جسمانی
خواہشون سے بالکل پاک ہو پس ایک طرف ذرہ لطیف اور خدا اور دوسری طرف روح لطیف اور
خدا کی لطافت کا تفاوت خیال کرنے کے بعد اور نیز دنیا مین لطیف اور کثیف کے اثر اور پیدائش کی
کیفیت دیکھنے کے بعد کیا یہ نتیجہ صحیح ہوگا کہ یہ لطیف سے کثیف کیطرف آنیکی ترتیب اور قاعدہ اسی جگہ
سے شروع ہوا ہے جہان سے ہمکو نظر آیا ہے اور اس سے پہلے تمام کام بے ترتیب اور بیقاعدہ ہو رہا ہے
اور لطیف خدا سے کثیف مادہ دفعۃً متاثر ہو گیا ہے اور ایسا خیال فلسفیانہ اور قابل فخر ہوگا یا یہ

خیال کہ خدا نے پیدائش کا جو کام شروع کیا ہے وہ اس کثیف ذرہ سے نہیں شروع ہوا بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ لطیف ہستی ہی شروع ہوا ہو گا نہ اسلئے کہ ذرہ سے شروع کرنے پر وہ قادر نہیں بلکہ اس لیئے کہ جس طرح زمین جیسا بڑا کرہ براہ راست ذرہ سے پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا اسی طرح اپنی کثافت کے سبب براہ راست خدا کا معمول بننے کے لائق نہیں ہے اور اسی طرح دوسری جانب وحی کے متعلق جو نتیجہ قایم کیا گیا ہے کہ لامحدود لطیف ہستی محدود اور جسمانی کثیف تعلقات میں قید رہنے والے انسان پر بے واسطہ نور القا کرتا ہے کیا اس خیال کے لوگ اپنے تئیں فیلسوف کہہ سکتے ہیں یا وہ لوگ جو انسان کے پرے لطیف ارواح نوریہ مانتے ہیں اور اس طرح سے لطیف و بے کیف نور کے تدریج کثیف تک پہنچنے کے قایل ہیں نہ اسلئے کہ خدا کی قدرت میں نقص ہے بلکہ اس لئے کہ روح انسان جسم میں مقید ہونیکے سبب براہ راست نور اخذ کرنے کے قابل نہیں اور اسی لئے وہ لوگ جبریل کو بھی براہ راست خدا سے نور حاصل کرنیوالا نہیں مانتے بلکہ اس سے اوپر لطافت کے اور درجات مان کر اور جبریل کو کثیف کی ایک حد تک محدود سمجھ کر اسکی زبان سے نکلواتے ہیں کہ۔

اگر یک سر موئے برتر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم

البتہ روح انسانی خاص اسحالت میں جبکہ وہ ایک لمحہ کیلئے جسم اور جسمانی خیالات سے برتری حاصل کرے اور بالکل بے لوث ہو جائے اس وقت اسکی قابلیت کے موافق خدا کی طرف سے فیضان نور میں تامل نہیں ہوتا اور چونکہ اس وقت وہ باوجود مجسم ہونیکے جسمانی خیال سے بالکل قطع تعلق کرتی ہے اسلئے اسکی اسوقت کی صفائی ملائکہ نوریہ کی صفائی سے اپنی اس خلاف معمول کوشش کے سبب زیادہ ہوتی ہے اور اس اعلی صفائی کے سبب ان سے زیادہ نور ربانی حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے اور براہ راست وحی کی سعادت حاصل کرتی ہے۔

پس ان تجربہ کرنیوالے انسانوں کا یہ اظہار بالکل مطابق فطرت معلوم ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کے باہمی اختلاف مراتب اور نیز ایک ہی نبی کے مختلف روحانی انقلابوں کے سبب وحی کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں یا کبھی فرشتہ متشکل نظر آتا ہے کبھی کسی قسم کی آواز میں وحی کا القا ہوتا ہے اور کبھی بلا کیفیت نور سے

بیواسطہ جلوہ گر ہوتا ہے مگر اسوقت بھی اگر نبی مین کسیقدر جسمانیت کا احساس موجود ہے تو آگ یا بجلی وغیرہ
کی شکل مین جلوہ نظر آتا ہے اور چونکہ اس وقت فرشتہ کا واسطہ درمیان مین نہین ہوتا اُس طرف سے
اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ (مین خدا ہون) کا دعوےٰ ہوتا ہے اور چونکہ نبی کا جسمانی تعلق ہمہ وجوہ محو نہین ہوا
نور بے کیف کی بجائے اُس سے کثیف تر کیفیت یعنی آگ کا تصور ہوتا ہے مگر جس حالت مین احساس جسم
بالکل فنا ہوجاتا ہے اُس وقت براہ راست وہ نور نظر آتا ہے جس کو آنکھ نہین دیکھتی کان نہین سنتے
مگر قلب صافی اُسکا لطف اُٹھاتا ہے اور بیان نہین کرسکتا اور اس حالت کو اصطلاح مین
معراج کہتے ہین ۔

ارواح مجردہ کی نسبت مسٹر مائرس کی رائے

پس اگرچہ ملائکہ جسم سے پاک اور نور محض مانے جاتے ہین اور انسان کا سائنٹیفک تجربہ
اسوقت تک کسی روح مجرد کا اثر دیکھ نہین سکا ۔ مگر اس عقیدہ سے انکار نہین ہوسکتا اس لیئے کہ نظام
عالم مین کثافت ولطافت کی ترتیب اور قاعدہ اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور نیز جن لوگون نے
مظاہر روحانی کا مطالعہ کیا ہے اور عالمانہ تعصب کو چھوڑ کر اسبارہ مین تامل کرنے کے عادی ہین وہ
ارواح مجردہ کے اثر کو ثابت شدہ نہین تو ممکن ماننے پر ضرور مجبور ہوئے ہین چنانچہ مسٹر فریڈرک ڈبلیو
ایچ مائرس جو سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ کے ممبر ہین اپنی کتاب ہیومن
پرسنلٹی (دیباچہ صفحہ ۱) مین ایسے دنیوی واقعات کو حل کرتے ہوئے جو انسان کو بغیر حواس کے
معلوم ہوجاتے ہین لکھتے ہین ۔

"ٹیلی پیتھی اور ٹیلس تھیسیا یعنی خیالات بعیدہ او مناظر بعیدہ کا وہ احساس جو معلومہ آلات حواس کے
بغیر ہوتا ہے ایسی انسانی قابلیتون کو یا تو یون حل کیا جاسکتا ہے کہ ہماری اپنی ذہنی طاقتین بحساب وسعت
رکھتی ہین یا باہم پہلے سے زیادہ آزاد اور کم پابند ارواح کا اثر ہوتا ہے ۔ یہ دوسرا اصول جو ارواح مجردہ کی وساطت
سے تمام غیر معمولی مظاہر کی تشریح کرتا ہے باری نظر اس مسئلہ کو حل کردیتا ہے اور اس اصول کو مسٹر
اسے آر ولیس اور دوسرے لوگون نے یہان تک وسعت دی ہے کہ اپنی روحانی طاقتون کے
اصول کی جسکو وے ثبوت اور گرانبار کہتے ہین کوئی ضرورت نہین چھوڑی مگر مین یقین رکھتا ہون کہ

آگے چلکر یہ بات صاف ظاہر ہو جائیگی کہ وہ روحانی طاقتیں جن کو مین ثابت کرتا ہون اگر انسان کے
اندر اُن کے موجود ہونے سے انکار کیا جائے تو اس صورت مین بیشک ایسے اصول کو جیسا کہ یہ ہے
یعنی بیرونی ارواح کا دائمی دخل اور دائمی رہنمائی ضرور ماننا پڑیگا لیکن جو خیال مینے قایم کیا ہی یعنی
انسان کے اندر ایک عظیم الشان روح کا موجود ہونا اسکو جب ان مظاہر پر منطبق کیا جائے جو بادی النظر
مین مسٹر والیس کے اصول (ارواح مجردہ) کا خیال لواتے ہین اور جن مظاہر کو مین بیرونی ارواح کو دخل
دینے کے بغیر انسان کی اندرونی روح کی طاقت سے حل کرتا ہون تو ثابت ہوگا کہ میرا اصول حد سے متجاوز
اور غیر ضروری نہین ہے بلکہ حد بندی کرنیوالا اور معقول اصول ہے مگر حقیقت مین مین یہ نہین کہتا
کہ جو خیال مین قایم کرتا ہون وہ تمام واقعات پر منطبق ہو سکتا ہے اور ارواح مجردہ کے اصول کو بالکل
خارج کر دیتا ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دونو اصول ایک دوسرے کو قوت دیتے ہین کیونکہ مقامات بعیدہ سے
رابطہ پیدا کرنیکی طاقتین بڑی حد تک موجود ہین خواہ ہم اُن کو اپنی ہی روح سے منسوب کرین اور ہم ایسے
وقت مین روحانی طور پر ایک دوسرے پر جو باہم فاصلہ پر ہون اثر کر سکتے ہین۔ پس اگر ہمارے جسم مین آئی
ہوئی روحین ایک وقت مین اس گوشت پوست کی وساطت سے آزاد ہو کر کام کر سکتی ہین تو یہ عقیدہ اور
بھی مضبوط ہوگا کہ اور روحین بغیر جسم کے موجود ہین اور اسی طرح بغیر جسم کے ہمپر اثر کر سکتی ہین"۔ آگے
چل کر دیباچہ کے خاتمہ پر لکھتے ہین (صفحہ ۲۴) "ہم جانتے ہین کہ زندہ انسان کی روح اپنے اعضا پر
حکومت کرتی ہے اور آگے چل کر ایسے دلائل بھی ملینگے جن سے نتیجہ نکلے کہ جسم سے آزاد روحین بھی ایک
قسم کے قبضہ کے ساتھ زندہ انسانون کے اعضا پر حکومت کر سکتی ہین یعنی وہ براہ راست مادہ کے ایک
حصہ پر جس کو ہم زندہ کہتے ہین یعنی دماغ پر انسان کی حالت بیخودی مین اثر کر سکتی ہین پس میری نزدیک
یہ خیال خلاف قیاس نہین ہے کہ اسی طرح روحانی کارکن بوساطت ایک قسم کی طاقت کے جو وہ زندہ
انسان سے اخذ کرتے ہون غیر زندہ مادہ پر بھی کسی قسم کا اثر پیدا کرین۔ اور مین یقین کرتا ہون کہ
سر ولیم کروکس اور مرحوم ڈاکٹر سپیٹر اور اور لوگون نے ایسے اثرون کو بطور ایک واقعہ کے
قابل اعتماد طور پر دیکھا اور بیان کیا ہے بالخصوص ڈی ڈی ہوم اور ڈبلیو سٹینٹن

مومنز کے حالات مین - اور اگر مین انکو اور دیگر ہمچو قسم واقعات کو غیر منتج کہون تو یہ محض اسلیئے ہوگا کہ یہ واقعات اور بہت سی ناقابل اعتماد حکایات مین یعنی اس قسم کی تحقیقات کی ایک لمبی ہسٹری مین جسمین اکثر دہوکا اور فریب ثابت ہوا ہے دب گئے ہین اور مین خیال کرتا ہون کہ اندرین زمانہ اس قسم کی شہادت جو حقیقی قوت رکہتی ہے مصنفہ مجموعون کی نسبت متفرق تحریرون مین عمدہ طور سے موجود ہے"

مسٹر مائرس اپنے معلومات کی بنا پر ارواح مجردہ کا امکان تسلیم کرتے ہین مگر فرنچ فلاسفر مسیو لوئی فگیئے ایک لطیف استدلال سے ایسی ارواح کا وجود ثابت کرتے ہین چنانچہ لکہتے ہین کہ -

ہماری ارد گرد کی زندہ مخلوق مین نباتات سے لیکر انسان تک دائما اوپر کو جانیوالا سلسلہ ہے جو بتدریج کمال حاصل کرتا جاتا ہے - کائی اور دیگر بحری روئیدگیون کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطۂ روانگی ٹہیرا کر ہم نباتی دنیا کے تمام کمال حاصل کرنیوالے سلسلہ مین سے گذرجاتے ہین اور ابتدائی حیوانات یعنی گھونگے اور دیگر نبات نما حیوانات تک پہنچ جاتے ہین اور وہان سے اعلی تر حیوانات کے بے انتہا درجون کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب مین آتے ہین - اس سیڑہی کا ہر ایک پایہ غالباً غیر محسوس ہے اور ان تغیرات اور درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستیون کے ایک غیر محدود سلسلہ کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کائی ہے اور دوسرا کنارہ ہماری نوع انسانی - اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجہتے ہین کہ آیندہ ہم مین اور خدا مین درمیانی ہستی کا کوئی واسطہ حائل نہو اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ مین انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا غار خالی پڑا رہ گیا ہو ! ہم ممکن سمجہتے ہین کہ تمام نیچر مین چھوٹی سے چھوٹی نبات سے لیکر نوع انسانی تک تدریجی اور بیشمار درجات کی ترتیب ہو مگر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپیدا کنار جنگل ہو ! - بے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کبھی مذہب نے یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہے تو اسکی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناواقفی ہے - ہمین شک کرنا ناممکن ہے کہ جس طرح نبات اور حیوان کے مابین اور حیوان اور انسان کے مابین دیکہا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوقات کی بڑی تعداد ہے جسکی وساطت سے انسان اس خدا تک پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سے حکومت کر رہا ہے"

کتاب دی ڈے آفٹر ڈیتھ باب ششم صفحہ ۹۵ سے ۹۸ تک

غرض یہ تو ہمکو یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کی تدریجی مراتب طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے گو یہ ضرور ہے کہ وہ ہمکو نظر نہین آتی لیکن اگر ہم ہر ایک ایسی چیز کے وجود سے انکار کرین جس کو ہم دیکھ نہ سکین تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے - فرض کرو کہ کوئی علم نباتات کا عالم کسی تالاب سے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ جسمین تم کچھ نہین دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات سے بھرا ہوا ہے جو بعینہ محسوس حیوانات اور نباتات کیطرح زندہ رہتے ہین پیدا ہوتے ہین اور مرتے ہین تو وہ جاہل فوراً اسر پھیر دیگا اور کہنے والیکو دیوانہ سمجھیگا - لیکن اگر اسکی آنکھون پر خوردبین رکھ دیجائے اور وہ قطرے کی تشخیص کرے تو اسکو اقرار کرنا پڑیگا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا کیونکہ اب اسی قطرہ مین جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اسکی آنکھ سائنس کی مدد پاکر چھوٹے پیمانہ پر تمام دنیا کو موجود پائیگی - غرض جہان ہم کچھ نہین دیکھتے وہان زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ محض ناشناسی کے امکان مین ہے کہ اس بارہ مین عوام الناس کی آنکھون کو روشن کرے "

ہم چاہتے ہین کہ ہم بھی اسی حکیم کی حیثیت اختیار کرین - بیشک انسان اور خدا کے درمیان طبقہ جہلا کو اور اندھے فلسفہ کو کچھ نہین سوجھتا لیکن اگر ہم جسمانی آنکھون کی بجائے روحانی آنکھ سے کام لین یعنی عقل قیاس مساوات اور تعلیم کو استعمال کرین تو پر اسرار مخلوق روشنی مین آجائیگی "

سیویلگی کا مذہب ہے کہ ایک ہی قسم کی روحین اپنی ہستی کو نباتات کے ابتدائی درجون سے شروع کرتی ہین اور مختلف جونون مین ہوتی ہوئی نباتات اور حیوانات کے تمام مراتب طے کر کے انسانی قالب مین آتی ہین اور یہان سے گذر کر اس سے زیادہ لطیف شکلون مین ظہور کرتی ہوئی انتہائی نقطہ کمال تک پہنچتی ہین اور اسی لیئے اسمقام پر نباتی اور حیوانی ترتیب کا ذکر انہی الفاظ مین کرتے ہین جو اس خیال کیلیئے موزون ہین لیکن خواہ انکا مذہب درست ہو اور ارواح تناسخ کے طور پر بتدریج کمال حاصل کرتی ہون یا اسمقام پر ڈارون کے خیال کو پیش نظر رکھا جائے جسکے مطابق انکا یہ خیال کہ سکتا ہو کہ وہ ہم ہی ہین جو مختلف حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہوئے انسانی صورت تک پہنچے ہین اور یا ان تمام موجودات کو مختلف

ارواح اور مختلف نسلیں مانا جائے غرض سر دست ان تمام اختلافوں سے یکسو ہو کر یہاں تک امر واقع ہے
کہ نہ صرف نباتات بلکہ خاک ایک ذرہ سے لیکر انسان تک جس قدر معدنیات نباتات اور حیوانات کی
قسمیں موجود ہیں ان سب میں ایک ترتیب پائی جاتی ہے اور اس سلسلہ کا ہر ایک درجہ اپنے پہلے درجہ
کی نسبت کسی نہ کسی نقص سے پاک اور کسی نہ کسی کمال سے متصف ہوتا ہے حتی کہ سب کے بعد انسان ہستی کے
سٹیج پر آتا ہے اور ان سب سے کامل تر اور اشرف ہونے کا دعوی کرتا ہے لیکن اس کا دعوی خواہ کیسا ہی
سچا اور درست ہو مگر ہر طرح سے کامل اس مخلوق کو بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ ابھی تک بہت سے نقص بہت سی
کثافتیں اور بہت سی احتیاجیں موجود ہیں۔ اب اس دنیا کو ایک ہر طرح سے لطیف اور ہر طرح سے
کامل خدا کی مخلوق ماننا کہ یہ عقیدہ بیشک نہایت نا انصافی پر مبنی ہوگا کہ اس قادر مطلق نے جو لطافت
و کمال کیطرف جانیوالا سلسلہ شروع کیا تھا وہ محض انسان پر آکر ختم ہو گیا ہے حالانکہ انسان سے اوپر بے انتہا
مراتب لطافت خیال میں آسکتے ہیں مگر واقع میں ایسی کوئی ہستی پیدا نہیں کیگئی جو انسان سے لطیف تر ہو۔
گویا بقول مسیو تگیٹے کے ایک بلندی کیطرف جانیوالی سڑک بنائی گئی ہے جس کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے
کہ برتری کے انتہائی نقطہ تک پہنچیگی مگر تھوڑی دور چلکر ایک ایسی عمیق اور تاریک خندق آجاتی ہے
جو بلندی کا نام و نشان نہیں چھوڑتی۔ پس جب ایک سلسلہ کو کمال کیطرف لیجا کر نامکمل حالت میں چھوڑ
دینا قدرت کاملہ سے بالکل بعید معلوم ہوتا ہے تو لامحالہ عقل سلیم دوسرا نتیجہ وہی نکال سکتی ہے جس کو
حاملان مذہب اپنے روحانی مشاہدوں کی بنا پر امر واقع کہتے ہیں یعنی یہ کہ انسان سے اوپر مخلوق کے
بیشمار درجات ہیں جو انسان کے سے نقص اور کثافتیں نہیں رکھتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق
گوناگون لطافتوں اور کمالوں سے متصف ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر
پارہ ۲۹ ع ۱) خدا کے لشکر کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مگر آہ! دنیا والوں کا عام دستور ہے کہ جس قسم کے عقاید و خیالات کو رواج عام اور فیشن کا
خلعت مل جاتا ہے اُن کے خلاف کوئی نتیجہ خواہ کیسا ہی قرین قیاس ہو اسکو وحشیانہ بیرحمی کے
ساتھ پامال کر دینے پر فخر کیا جاتا ہے چنانچہ مادیت کی ترقی نے محسوسات سے بالاتر خیالات کو نہایت معیوب

سمجھ لیا ہے اور اس خیال کے رواج نے اہل علم کے دلون پر ایسا حجاب پیدا کر دیا ہے کہ وہ تجربہ سے اوپر کی باتون کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے ہین ورنہ گذشتہ استدلال کی روسے عقل نے جن لطیف مخلوق کے نشان دریافت کئے ہین اگرچہ وہ اس کے تمام درجات اور مراتب بتا نہین سکتی کیونکہ اس عالم کی تفاصیل کیلئے انسانی دماغ مین کوئی تمثیل موجود نہین مگر دماغی رصدگاہ کی اسی خوردبین یعنے عقل سے اس منظر کی کچھ اور کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ یہان انسان مین منجملہ اور کثافتون کے شرارت بھی ہے پس اس سے اوپر جو مخلوق ہوگی وہ اگر محض نیک ہو اور شرارت سے بالکل پاک تو یہ امر ترتیب کے خلاف ہوگا اور ضرور ہے کہ جسطرح یہ وہ مخلوق اور لطافتون مین درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوگی اسیطرح شرارت سے پاک ہونے مین بھی تدریجی ترقی ہو اور اس لیئے ضرور ہے کہ انسان سے اوپر کچھ درجات ایسے موجود ہون جن مین کسی نہ کسی حد تک شرارت کا وجود پایا جائے اور پہر وہ درجات شروع ہون جو نیکی مین ترقی کرتے جائین اور پہر وہ نور معرفت جو ذات باری کی طرف سے القا ہوتا ہے ان درجات تک اپنی حقیقی صفائی اور پاکیزگی مین جلوہ گر ہوتا ہوگا جو شرارت سے بالکل معرا ہین مگر ان سے نیچے کے درجات اپنی شرارت اور بدی کے سبب اپنی اپنی کیفیت کے موافق اس صفائی اور پاکیزگی سے محروم رہتے ہونگے۔ اب اگر انسان نے کسی طرح کی روحانی طاقتین پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ ایسی لطیف مخلوقات سے فیضیاب ہونیکے قابل ہوجاتا ہوگا اور پھر اگر ہوا و ہوس کو چھوڑنے مین کامل طور پر کامیاب نہین ہوا بلکہ نجاست اور گناہ کی آمیزش باقی ہے تو اس کے دل کو محض اپنی درجات سے مناسبت ہوگی جو کسیقدر شرارت رکھتے ہین اور وہ انہی کی مکدر روشنی کو حاصل کرتا ہوگا لیکن اگر آئینہ قلب بالکل صاف ہوگیا ہے تو محض نیک ارواح کی وساطت سے نور معرفت حاصل کرنیکے قابل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ گناہ کی آمیزش کے اور پارسائی کے مراتب بھی کثرت سے باہم مختلف ہوسکتے ہین ایک گناہگار گناہ کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اکثر مبتلا رہتا ہے اور دوسرا اکثر گناہ سے متنفر رہتا ہے اور کبھی مبتلا ہوتا ہے اور اسی طرح پارساؤن مین سے بعض خدا کا خیال اکثر قائم رکھتے ہین اور کبھی اپنی جائز خواہشون مین مصروف ہوکر غافل بھی ہوجاتے ہین اور بعض غفلت مین

زیادہ رہتے ہین اور کبھی توجہ کو قایم کرسکتے ہین مگر بالجملہ ایسے انسانون کا پہلا گروہ ہے جن کے کشف والہام سے غلط مذاہب رواج پاتے ہون گے اور موخر الذکر فریق حسب استعداد سچی معرفت سے دنیا کو روشن کرتا ہوگا اور پھر اس دوسرے گروہ مین سے بعض انبیاء کو کسی وقت صفائی کا وہ درجہ میسر آتا ہوگا کہ اُنکی روح نیک ارواح مجردہ سے بھی زیادہ لطیف ہوجائے اور براہ راست ذات باری سے فیضیاب ہو۔ غرض دنیا مین کثیف اور لطیف کے باہمی تعلق کو دیکھتے ہوئے یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور اُسکے خلاف بقول مسٹر پارکر تمام انسان اور بقول متکلمین ملائکہ تمام انبیاء تمام اوقات مین براہ راست خدا سے نور حاصل کرین نیچر کی شہادت ہرگز اُسکی تائید نہین کرتی اور جو کچھ نیچر کہتی ہے وہی مذہب والے اپنے روحانی تجربون کی بنا پر پیش کرتے ہین کہ کچھ لطیف مخلوقات شرارت سے متصف ہین جن کو جنات یا شیاطین کہتے ہین اور کچھ محض نیک ہین اور ملائک کے نام سے موسوم ہین اور نیز یہ کہ شیاطین کیطرف سے گنہ گارون پر وحی ہوتی ہے اور ملائکہ کیطرف سے پارساؤن پر اور بعض اعلیٰ درجہ کے پارسا کسی وقت براہ راست خدا سے نور اخذ کرتے ہین۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ؕ (انعام پارہ ۸ ع ۱۴)

بیشک شیطان وحی کرتے ہین اپنے دوستون کیطرف تا وہ تم سے (حق کے بارہ مین) نزاع کرین اور اگر تم اُن کی اطاعت کروگے تو تم مشرک ہوگے۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ؕ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱)

خدا اُتارتا ہے فرشتون کو اپنے حکم کی وحی کے ساتھ اپنے بندون مین سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ خدا کیطرف سے تبلیغ کرین کہ لائق عبادت میرے سوا کوئی نہین پس تم مجھی سے ڈرنا

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ؕ ...... وَمَا تَنَزَّلَتْ

اور یہ فیضان دنیا کے پروردگار کا ہے اسکو امانتدار روح نے تیرے دل پر اُتارا ہے تاکہ تو لوگون کو خدا کے عذاب سے ڈراوے ...... اور اس کو شیطانون نے

بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ .... هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝

(شعراء، پارہ ۱۹ ع ۱۱)

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝

(والنجم پارہ ۲۷ ع ۱)

نہین اُتارا نہ اُن کو یہ سزاوار ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہین - وہ خدا کا حکم سُننے سے معزول ہین ...... مین تمکو بتاؤن کہ شیاطین کس پر اُترتے ہین وہ افترا کرنیوالون اور گنہ گارون پہ اُترتے ہین وہ (خدا کے سچے حکمون کیطرف) کان لگاتے ہین مگر اکثر جھوٹے ہوتے ہین -

نہین ہے رسول کا فرمان مگر وحی جو خدا کیطرف سے بھیجی گئی رسول کو یہ باتین سکھائین سخت طاقت والے اور مضبوط علم والے فرشتہ نے پس وہ ٹھیرا جبکہ وہ بلند کنارہ پر تھا - پھر رسول خدا سے قریب ہوا اور اسکی طرف جھکا پس دو کمانون کے برابر ہو گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب پس خدا نے اپنے بندہ کو جو وحی کرنی تہی کی - اُنکے دل نے جو دیکھا اسمین دروغ نہین کیا تم اس بارہ مین جو اُسنے دیکھا شک کرتے ہو اور پھر رسول نے فرشتہ کو دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ⁂

⁂ اس آیت کا ترجمہ ضحاک کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر خازن) اور جو وحی و الہام کے راز اس آیت مین بیان کئے گئے ہین اگرچہ سمجھنے والون نے انکو مختلف طرزون سے سمجھا ہے مگر جیسا کہ تفسیر عرایس البیان و تفسیر ابن عربی سے مستفاد ہوتا ہے اس مقام پر نبی کے دو مراتب کا مذکور ہے یعنی ایک درجہ وہ ہے جبکہ نبی فرشتہ کی وساطت سے فہیم و معرفت اخذ کرتا ہے اور یہ حالت اکثر رہتی ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جبکہ وہ بعض متخیلات و اوقات مین فرشتہ سے زیادہ لطیف و پاکیزہ ہو جاتا ہے اور اس وقت جہان تک وہ ترقی کر سکتا ہے فرشتہ وہان تک پہنچنے سے قاصر ہوتا ہے مگر چونکہ ایسی اعلیٰ لطافت انسانی قالب مین رہکر ہمیشہ قائم نہین رہ سکتی اس لیے جب نبی اس حالت سے واپس آتا ہے تو پھر لطافت کے اُس درجہ سے اُترکر جو فرشتہ کا انتہائی مقام ہے فرشتہ کی وساطت سے وحی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے چنانچہ اس آیت مین بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول نے فرشتہ کی وساطت سے علوم ربانی حاصل کئے جس کے بعد ایک اعلیٰ کنارہ پہ

معراج کے متعلق تمہید

جلوۂ معرفت ، وحی ، روئیت ملایکہ ، معراج غرض روحانی ترقی کے تمام مدارج کا پورے طور پر سمجھنا ان لوگون کیلئے جو اس لذت سے نا آشنا ہین اول تو ہی لیئے ناممکن ہے کہ یہ باتین اُن کے نقطۂ خیال سے بلند ہین - ایک جاہل محض کو اُن لطفون سے آشنا کرنا محال ہے جو ایک سائنس دان کو کوئی قانون قدرت دریافت کرنے اور مفید ایجاد تک پہنچنے مین یا ایک ریاضی کے طالب علم کو کوئی مشکل سوال حل کرنے مین حاصل ہوتے ہین اور دوسرے جب خیال کیا جاتا ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے تمام مدارج تجربہ پر منحصر ہین اور نیز ان مین فاعلانہ اثر اس بالاتر ہستی کی جانب سے ہوتا ہے اور انسان کیطرف سے جو کوشش ہوسکتی ہے وہ محض آئینۂ قلب کو حتی الوسع صاف کرکے انفعالی قابلیت پیدا کرنی ہے تو اس وقت ناآشنا کیلئے اسکی حقیقت تک پہنچنا اور کوچۂ معرفت سے بیگانہ ہونے کی صورت مین محض قوت عقل سے اسکی کُنہ کو پانا اور بھی محال ہو جاتا ہے جب دو قسم کی گیس یعنی آکسیجن اور ھیڈروجن کی ترکیب سے پانی کا پیدا ہونا یا پانی کے تحلیل سے دو گیسون کا پیدا ہو جب تا ہم کسی طرح نہین سمجھا سکتے بجز اس کے کہ اسکا تجربہ کرکے دکھا دیا جائے تو ملائکہ کو دیکھنے یا خدا سے ہمکلام ہونیکا تجربہ محض جرح و قدح سے کیونکر منکشف ہو سکتا ہے پس اسکی حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جن کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو اور دوسرے لوگ جو کچھ کر سکتے ہین وہ اسی قدر ہے کہ کسی طرح کی تمثیل و تشبیہ سے اسکا مبہم سا خاکہ پیش نظر کرلین - وہ مبتدی طالب علم جو رات اور دن کے تغیر سے نتیجہ نکالنے کے ناقابل ہے اور جس کو نوکلٹ پینڈولم سے زمین کی حرکت کو سمجھنا دشوار ہے ابتدائی مدرسہ مین اس کو بھی یقین دلوانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸

پہنچ کر فرشتہ کی وساطت ختم ہوگئی اور وہ وہین ٹھہر گیا مگر رسول خدا سے قریب ہوتا گیا اور اسکی طرف جھکتا گیا حتےٰ کہ جس طرح دو کمانون کو ملانے سے دائرہ پیدا ہو جاتا ہے اور دائرہ مین قوسی خطون کی ابتدا اور انتہا مین تمیز نہین رہتی اسی طرح رسول کو بھی اس وقت خدا سے کامل وصال تھا بلکہ اس تشبیہ سے بھی کچھ زیادہ اور اس وقت جو راز منکشف ہونے تھے ہوئے اور دل نے جو لطف اُٹھانا تھا اُٹھایا مگر پھر رسول نے اس حالت کے بعد مقام سدرۃ المنتہیٰ یعنے فرشتہ کے انتہائی درجۂ ترقی پر اسکو دوبارہ موجود پایا -

کی کوشش کیجاتی ہے اور اس وقت اسے صرف مثال سے سمجھایا جاتا ہے کہ گیند کو چراغ کے
گرد حرکت دینے سے جس طرح روشنی اور تاریکی بدلتی رہتی ہے اسی طرح آفتاب کے گرد زمین
کی حرکت سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی حالت ہم لوگوں کی نکات معرفت کے متعلق ہے
اور یہاں بھی گیند اور چراغ جیسی تشبیہوں سے ہی کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ معرفت کے تمام
مدارج کی نسبت حتی الوسع اسی استدلال تمثیلی سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ معراج کیساتھ
علاوہ اس تجلی بیواسطہ کے جو اور واقعات اہل تجربہ نے بیان کئے ہیں اور جنکی نسبت اکثر غلط فہمی
واقع ہوتی ہے انکی نسبت کسیقدر تشریح کی ضرورت ہے، اور چونکہ ان واقعات کے بارہ میں غلط فہمی
اکثر اوقات سخت اعتراضوں کی شکل میں بڑے شد و مد سے ظاہر کی جاتی ہے اس لئے میں بھی
اگر کلام کو طول دوں تو مضمون کی عظمت کے سبب قابل درگذر ہوگا۔ مگر میں پھر باعلان کہتا ہوں
کہ کچھ کہا جائیگا اس سے یہ مدعا ہرگز نہیں کہ معراج بعینہ اسی طرح واقعہ ہوتا ہے کیونکہ سننے والوں
کی ناتجربہ کاری کے سبب سے خود دیکھنے والے اسے بتفصیل بیان نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ایک بیگانہ
اسکی حقیقت کو سمجھنے یا سمجھانے کا دعوی کرے بلکہ غرض صرف اس قدر ہے کہ تشبیہ سے قریب
الفہم کیا جائے۔

دل اور اس کے تجربات

منجملہ اُن روحانی† طاقتوں کے جو دریافت ہوئی ہیں بعض اہل فن کی جانب سے
غیب بینی کے ثبوت کا بھی دعوے کیا جاتا ہے اور اکثر ایسے واقعات بھی پیش کئے جاتے ہیں
جن میں کسی شخص کو پیش از وقت کسی حادثہ کا علم ہو گیا یا کسی شخص نے ہپناٹائزڈ یعنی حاضرات
میں بیخود ہونے پر کوئی نامعلوم امر ظاہر کیا اور تحقیق پر صحیح ثابت ہوا۔ مگر یہ مسئلہ پورے طور پر
پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا بلکہ بعض واقعات سے اس کے خلاف بھی استدلال کیا گیا ہے البتہ

† یہ تمام مضمون مسٹر ہڈسن کی کتاب دی لا آف سائیکک فینامنا کے مختلف مقامات سے لیا گیا ہے
اور عموماً وہی باتیں درج کی ہیں جن کو مسٹر مائرس اور مسٹر پڈمور جیسے نقادوں نے بھی تسلیم کیا ہے ملاحظہ
ہو کتاب ہیومن پرسنلٹی اور سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ۔

دل ابدل ہپیت کا پرانا مشہور مقولہ بڑی حد تک صحیح ثابت ہوا ہے چنانچہ ابتدا میں عاملان مسمریزم اپنے معمول کو دوسرون کے دلی خیالات معلوم کرنے اور اپنے خیالات دوسرون پر ظاہر کرنے کی مشق بطور ایک لازمی سبق کے کروایا کرتے تھے اور اس قسم کے تجربون پر بہت سی کتابین لکھی گئی ہین اور لنڈن کی سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ یعنی اہل علم کی اس انجمن ٭ سے جس کا مقصد مظاہر روحانی کی تحقیقات تھی بہت سے تجربون کے بعد جو ان کی پروسیڈنگ کی سولہ جلدون مین اور بوقت فوقت شائع رسالہ مین اور فینٹازم آف دی لِونگ نام ایک کتاب مین شائع کئے گئے ہین یہ فیصلہ کیا ہے کہ "انسان مین بغیر جسمانی وسائل کے اپنے دلی خیالات دوسرون پر ظاہر کرنے کی طاقت موجود ہے"۔

اس طاقت کا ادنی ظہور جو عام طور پر دیکھا جاتا ہے وہ واقعات ہین جن مین کسی شخص پر کوئی حادثہ گذرنے پر اسکے والدین یا کسی نہایت عزیز کے دل کو غائبانہ صدمہ اور رنج محسوس ہوتا ہے اور اکثر بعد مین معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدمہ واقع مین اس حادثہ کا اثر تہا اور اس سے بڑھ کر اس طاقت کی مشق جو عام طور پر کیجا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ چند آدمی ایک حلقہ باندہ کر اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھ جائین اور انہین سے ایک شخص جو نسبتہً زیادہ اثر پذیر طبیعت رکھتا ہو اسکی آنکھین باندھ دیجائین اور تاش کا ایک پتہ نکال کر سامنے رکھ لین اور سب حاضرین اس پتہ کو دیکھنا اور اپنا خیال جمانا شروع کرین اور اس عرصہ مین کسی اور پتہ کو ہرگز نہ دیکھین - تھوڑے عرصہ مین اس شخص کے ذہن مین جسکی آنکھین بند ہین اس پتہ کی شکل پیدا ہوگی جو ابتدا مین دھندلی سی نظر آئیگی اور ممکن ہے کہ شروع مین معلوم نہ بھی ہو مگر رفتہ رفتہ واضح ہوتی جائیگی اور وہ شخص بغیر دیکھنے کے محض دوسرون کے

٭ یہ انجمن سنہ ۱۸۸۲ء کے شروع مین قایم ہوئی اور قریباً سولہ سال تک تحقیقات جاری رہی - ان لوگون کا مدعا محض سائنٹیفک اور عالمانہ تحقیقات کرنا تہا جسمین تعصب سے بے وجہ انکار کرنے کو یا خوش اعتقادی اپنے مذہب سے ثابت کرنے کو دخل نہ تہا اور اس کے پریسیڈنٹ اپنے وقت کے نہایت مقتدر اور ممتاز اہل علم ہوتے رہے ہین مثلاً پروفیسر بالفور سٹوارٹ ایف آر ایس، رائٹ آنریبل اے جے بالفور ایم - پی، پروفیسر ولیم جیمس، سر ولیم کروکس، پروفیسر ایچ سجوک وغیرہ -

دل کا مطالعہ کرتے ہیئے پتہ کا رنگ اور عدد و بتانے کے قابل ہو جائیگا۔ مسٹر ہڈسن لکھتے ہین کہ مینے یہ تجربہ کئی دفعہ کیا اور اُن شرطون کے موافق جن کا اُنہون نے مفصل ذکر کیا ہے اس تجربہ مین کبھی ناکامی نہین ہوئی۔

اس طاقت کا اس سے زیادہ ظہور خاص خاص حالات مین ہوتا ہے جسکی چند مثالین مسٹر ہڈسن لنڈن سوسائیٹی کے کتاب سے نقل کرتے ہین چنانچہ مسٹر موسز کا واقعہ ہے وہ لکھتے ہین۔

"ایک شام کو مینے اپنے تئین اپنے ایک دوست زیڈ نامی کے سامنے ظاہر کرنیکا ارادہ کیا جو چند میل کے فاصلہ پیر رہتا تہا چنانچہ یہ خیال قایم کرکے مین آدھی رات سے کچھہ پیشتر سو گیا اور اس وقت مجھے اپنے دوست کے خاص کمرہ اور اس کے گرد و نواح کا علم نہ تہا صبح کو اُٹھا اور مجھے کچھہ معلوم نہ تہا کئی دن کے بعد مسٹر زیڈ کو ملنا ہوا اور پوچھا کہ شنبہ کی شب کو تمنے کچھہ دیکھا اونہون نے کہا کہ ہان بہت کچھہ دیکھا۔ مین اس وقت اپنے دوست ایم کے ساتھ انگیٹھی کے پاس بیٹھا سگرٹ پی رہا تھا۔ ساڑھے بارہ کے قریب وہ دوست اُٹھکر گیا مینے دروازہ تک اسکی مشایعت کی اور واپس آیا تاکہ مین بیٹھکر اپنا پایپ ختم کرون۔ کیا دیکھتا ہون کہ اسکی کرسی پر تم بیٹھے ہو۔ مینے تمکو دیکھا اور پہر اخبار اُٹھایا تاکہ یقین ہو کہ مین بیدار ہون۔ اخبار رکھکر پہر دیکھا تو ابہی تم موجود تہے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے بغیر بات چیت کے تم گم ہو گئے +

+ اس قسم کے واقعات مسٹر مائرس نے یقینی شہادت سے لکھے ہین (کتاب ھیومین پرسنلٹی ضمیمہ باب ششم صفحہ ۲۱۶) اور ایسے ہی واقعہ ایک اپنے دوست گاڈفری کے مسٹر پڈمور نے اپنی کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسیرچ مین (باب ششم صفحہ ۲۴۹ سنہ ۱۸۹۷ء) نقل کئے ہین اور ایسے واقعات بتانے والی میڈیم مسز پائپر کا واقعہ خاص طور پر لکھا ہے جس نے قریبًا سترہ سال تک نہایت احتیاط اور سینکڑون کے موقعون پر اجنبی اشخاص کے حالات بتائے اور اس کے امتحان کرنیوالون مین پروفیسر لاج، مسٹر مائرس، ڈاکٹر والٹرلیف، پروفیسر ولیم جیمیس جیسے ممتاز فاضل شامل ہین جنہون نے بعد از امتحان یقین کیا ہے کہ اس کے کرتب بالکل ہو کے سوا تہے اور ایسے اشخاص کا حال بیان کرتی رہی ہے جن کا معمولی وسائل سے اسکو مطلق علم حاصل نہین ہو سکا اور مسٹر پڈمور سوسائیٹی مذکور کے ممتاز ممبر سوسائیٹی کے دیگر ممبرون سے کسیقدر زیادہ محتاط ہین چنانچہ سوسائیٹی کی تحقیقات کا جو نتیجہ خود اُن کے نزدیک نکلا ہے اسی کے متعلق انہون نے کتاب مذکور لکھی ہے اُسکے ابتدا مین لکھتے ہین کہ میرے بعض بعضون کے نزدیک اس تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خیال اُن لہری جو اس کے بغیر اور ایتھر کی لہرون کی وساطت کے بغیر دوسرے

اِس قسم کے کئی واقعات کے علاوہ مسٹر ہڈسن اپنا ایک چشم دید واقعہ لکھتے ہین کہ
شہر نیوبارک مین پیٹنٹ آفس کے ایک اگزامینر کو ایک معمول کے سامنے جو عورت تھی پیش کیا گیا
وہ معمول ان سے بالکل نا آشنا تھی اور ہمنے امتحان کی غرض سے اگزامینر کے حالات اور نیز اس کا نام
بھی اُسکو نہ بتایا اور اس سے حالات بتانے کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر مین جب معمول پر حالت وجد
طاری ہوئی تو اُس نے اگزامینر کو کہا کہ مین ایک عالیشان عمارت کو دیکھتی ہون جسمین بہت سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲

کے خیال پر اثر کر سکتا ہے اور انسان کی روح جسم مین قید ہونے کی حالت مین زمانہ فضا اور دیگر جسمانی قوانین
قدرت کی مدد سے آزاد ہو سکتی ہے اور جسم کی موت کے بعد دوسرون کو اپنی ہستی سے واقف کر سکتی ہے
مگر میرے نزدیک شہادت ایسی ناکتفی اور مشتبہ ہے کہ اس سے ایسا بڑا نتیجہ نہین نکل سکتا۔ یہ مین مانتا ہون
کہ رابطۂ قلبی ثابت کرنیکے لیے جسمین جسمانی حواس کو دخل نہ ہو کافی دلائل موجود ہین۔ لیکن اِس طاقت کو
فوق العادت درجہ دینے کیلئے ابھی سامان مہیا نہین (باب اول صفحہ ۳) غرض مسٹر موصوف اگرچہ تمام نتائج
مین دوسرے رفیقون سے اتفاق نہین کرتے مگر تاہم بہت سی روحانی طاقتون کو مانتے ہین اور بالخصوص دلی
خیالات دوسرون پر ظاہر ہونیکا اور نیز اس کے علاوہ اور کئی طرح سے اس قسم کے تجربون کا تفصیل ذکر کرتے ہین اور
رابطۂ قلبی کو بڑی حد تک تسلیم کرتے ہین۔ چنانچہ جو اسباب اور تصویرین مرنیوالے دوستون کی لوگون کو نظر آتی ہین انکے
بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہین کہ مردہ روحون کا آنا تو ان شہادتون سے ثابت نہین ہوتا البتہ ان واقعات
سے ثابت ہوتا ہے کہ رابطۂ قلبی کے سبب سے مرنیوالے کا خیال مجسم ہو کر نظر آجاتا ہے (باب نہم صفحہ ۲۹۳) اور اسی باب کے
آخر مین لکھتے ہین کہ مسٹر گرنی اور مسٹر کننگ کے واقعات کو جو حواس کی وساطت کے بغیر ایک دل کی دوسرے دل کیساتھ
نامہ و پیام کرنیکی طاقت کا قوی ثبوت مانا جا سکتا ہے۔ آگے چلکر جہان بعض انسانون کے اپنے تئین بھول جانے اور کچھ
اور بنجانے کے واقعات کا ذکر کرتے ہین وہان لکھتے ہین کہ حالت وجد ہسٹیریا (ایک اعصابی تغیر جسکی تشریح واجب
نہین ہو سکی) اور بعض اور حالات مین جبکہ شعور ثانوی پیدا ہوتا ہے تو بہت سی خصوصیتین پیدا ہو جاتی ہین۔ ارادی
اور غیر ارادی حرکت دینے والے اعصاب پر اور رگون پر اور اعضاء تنفس پر اور عموماً خاص اعضا پر پورا تسلط ہو جاتا ہے۔
مختلف احساسی قابلیتین وسیع ہو جاتی ہین۔ خیالات مجسم ہو کر نظر آنے لگتی ہین اور دوسرون کے دلی خیال سے متاثر ہونیکی بڑی
قابلیت پیدا ہو جاتی ہے (باب دوازدہم صفحہ ۴۰۹) غیب بینی کی شہادت لکھکر کہتے ہین کہ مسٹر اکسن نے بہت سے تجربے کئے ہین جن سے
کم از کم علم حاصل کرنیکی خلاف معمول قابلیت ثابت ہوتی ہے اور اسی مضمون کی قابل قدر شہادت مسٹر پاڈمور کے حاضرانی واقعات

کمرہ ہین - ان مین سے ایک مین تم کو دیکھتی ہون - تمہارے سامنے ایک بڑی میز ہے اور اس پر بہت سے کاغذ ہین - مین دیکھتی ہون کہ بہت سے مشینون کے نقشے تمہارے آگے پھیلے ہوئے ہین اور مجھ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ایجاد وغیرہ کی رجسٹری کرنے سے تعلق ہے - یہان تک بالکل اظہار واقعی تھا جسکو تسلیم کیا گیا - کیونکہ تسلیم کرنیسے معمول کی روحانی قوت کو ترقی ہوتی ہے - پھر اس نے کہا کہ مگر تمہارا اصلی پیشہ نہین مین تمکو پھر ایک کتب خانہ مین دیکھتی ہون اور تمہارے گرد کتابین اور قلمی مسودے رکھے ہین معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی کتاب لکھتے ہو - پھر اس نے کتابون کی الماریون اور کمرہ کے سامان کو صحیح طور پر شمار کرکے بتایا - پھر کہا کہ مجھے وہ رستہ بھی معلوم ہوتا ہے جس سے تم اپنی کتاب کے موجودہ نتیجہ تک پہنچے ہو اس رستہ مین بہت سا کوڑا کرکٹ ہے جسکو تمنے صاف کر دیا ہے اور تمہارے سر پر ایک روشنی ہے اور تم پورے اعتماد سے اپنے مطلب کیطرف جا رہے ہو - اگزامینر نے سوال کیا کہ کیا وہ رستہ واقعی سیدھا ہے جس پر مین جا رہا ہون اس نے جواب دیا کہ مین نہین جانتی کیونکہ مین اس مضمون سے ناآشنا ہون جس پر تم کتاب لکھ رہے ہو - البتہ تمہارے سر پر کی روشنی سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً صحیح راستہ ہوگا ؛

قلبی رابطہ سے کسی واقعہ کا علم حاصل ہونے پر روح اپنے تئین وہان موجود سمجھتی ہے -

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت معمول اپنے تئین اُن مکانون مین حاضر سمجھتا ہے جن کے واقعات وہ بیان کرتا ہے اور مسٹر پڈ مور نے بھی چند واقعات لکھے ہین† جن مین معمول پوچھنے والون کے گھرون پر جو بہت فاصلے پر واقع تھے گیا اور وہان کے تمام حالات حتّٰی کہ گھرون کے سامان کی تفصیل اور اُن کا موقع اور باشندگان کی کیفیت بیان کی جکا حاضرین کو علم نہ تھا اور جو بعد مین درست ثابت ہوئی اور مسٹر پڈمور اگرچہ ان واقعات سے انکار نہین کر سکتے مگر وہ تیار نہین ہین کہ بلا واسطہ علم حاصل کرنے کو تسلیم کرین اور اگرچہ تمام واقعات مین کوئی ذریعہ علم ثابت کرنے کو مشکل مانتے ہین مگر کہتے ہین‡ کہ رابطہ قلبی ہی ایک ذریعہ ہے جس سے ظاہری حواس کے بغیر علم ہو سکتا ہے اور چونکہ فراموشی محض اس کا خاصہ ہے اور روح کا علم کبھی محو نہین ہوتا اس لیئے ممکن ہے کہ حاضرین سر دست اُن واقعات کو نہ جانتے ہون

† باب سیزدہم صفحہ ۴۲۷ سے ۴۳۲ تک کتاب سٹڈیز
‡ باب سیزدہم صفحہ ۴۵۰ سے ۴۵۴ تک کتاب مذکور

لیکن پہلے کبھی وہ علم حاصل ہو چکا ہو اور معمول نے اُن کی قلبی تحریر کو پڑھ لیا ہو - اور مسٹر ھڈسن ایسے واقعات کو جنمیں کوئی ظاہری واسطہ علم موجود نہ ہو ایک مثال سے حل کرتے ہیں کہ *

"کوئی شخص پردیس میں ڈوب کر مرجائے تو رابطہ قلبی کی وجہ سے ضرور ہے کہ اسکی ماں کی روح کو صدمہ ہوگا اب اگر ماں کی روح میں صفائی نہیں تو یہ روحانی علم شعور کے درجہ پر نہ آئیگا اور بجز ایک پریشانی کے اسکو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ ہوگی - پھر اگر کسی اور عزیز کو مرنیوالے کی ماں سے دلی محبت ہو تو اس تعلق کے سبب سے اُس کے قلب پر بھی اثر ہوگا مگر عام طور پر اسکو بھی اطلاع نہ ہوگی کہ روح نے کیا تماشا دیکھا اور ممکن ہے کہ اسی رابطہ محبت کے سلسلہ سے اور چند اشخاص بھی اس واقعہ سے متاثر ہوں اور پھر کسی موقعہ پر ان میں سے کوئی کسی ایسے شخص سے ملے جس کو ہپناٹزم یعنے حالت وجد کی مشق ہے اور وہ اس حالت میں اس شخص کے دلی نقش کو پڑھ کر بیان کرنے لگے کہ مجھے ایک اس حلیہ کا انسان دریا میں ڈوبتا نظر آتا ہے اور بعد میں یہ واقعہ صحیح ثابت ہوجائے تو دیکھنے والے اسکو غیب بینی کی طاقت کہیں گے کیونکہ حاضرین میں سے کسی کو اس واقعہ کا محسوس علم نہ تھا مگر حقیقت میں یہ علم ایک ذریعہ اور واسطہ سے حاصل ہوا ہے جو اگرچہ حواس سے بالاتر ہے لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں "

روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں -

اور روحانی طور سے کسی مقام پر جاکر کوئی واقعہ دیکھنے کی نسبت مسٹر ھڈسن روحانی علاج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ †

"مذکورہ بالا درج المقاصد کے اندر ایک خاص ممتاز واقعہ یہ ہے کہ مریض کا جب علاج کیا گیا ہے تو وہ معالج سے ایکہزار میل کے فاصلہ پر تھا [illegible] بھی چند امراض کا علاج کامیابی کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں مریض و معالج کا ایک سو تین سو میل تک کا فاصلہ تھا - پس جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں - دلی حالات معلوم کرنے کے تجربے اسکو پورے طور پر ثابت کرتے ہیں اور انتقال خیالی کے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں معلوم کرنیوالا قطبین کے فاصلہ پر تھا - بڑے فاصلہ پر دلی خیالات معلوم کرنے میں جو دقت کا وقفہ واقع ہوتی ہے وہ محض ہماری عادت کی وجہ سے ہے

---

* لا آف سائیکک فینامنا باب شانزدہم صفحہ ۲۲۵ سنہ ۱۸۹۳ء
† کتاب مذکور باب چہاردہم صفحہ ۱۹۴

یعنی ہم خوگر ہو رہے ہیں کہ فاصلہ کو ایک رکاوٹ سمجھیں۔ پس خیال کا میاب رابطہ پیدا کرنے کو ضروری روک دیتا ہے۔ ہمکو یہ تصور باندھنا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ محض جسمانی آلہ انتقال ہے اور روحانی طور پر خیالات کے انتقال میں یہ کسی طرح مانع نہیں ہے"

اور مسٹر مائرس لکھتے ہیں †

فضا کے بارہ میں جو شہادت پیش کی جائیگی وہ ہمکو جس قدر کہ ایسے معاملات میں امید ہو سکتی ہے اس سے زیادہ صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے قابل بنا دیگی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ روحانی زندگی جسمانی زندگی کی طرح فضا کے تصور میں مقید نہیں ہے۔ لیکن یہ آزادی کیونکر حاصل ہوتی ہے ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری روح کو اس حالت میں کسی قسم کا پھیلاؤ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم زمین پر گویا مادی دنیا کے دو قانونوں کے پابند ہیں۔ ایک تو جسم اسی جگہ کام کرتا ہے جہاں وہ موجود ہو دوسرے ایک وقت میں ایک حصہ فضا کے اندر ایک ہی جسم رہ سکتا ہے اور عام حالات کو دیکھتے ہوئے یہ دونو قاعدے بدیہی معلوم ہوتے ہیں لیکن تھوڑی دیر کے لیئے اس وزندار راستہ سے ہٹ کے چلے جاؤ اور تھوڑی دیر کے لیئے زندگی اور اثیر کو حرکت میں لاؤ معلوم ہوگا کہ اس حدبندی کا قائم رہنا مشکل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ لکچرار اور شاعر ہیں کام کر سکتا ہے جہاں وہ موجود ہے لیکن وہ موجود کہاں ہے ؟ اس نے کاغذ کے پرزے کی کایا پلٹ کر اس کو ایک روحانی طاقت بنا دیا ہے۔ نہیں، بلکہ اسکی یاد ہی دوسروں کے دل پر قوت کے ایک سرچشمہ کی مانند کام کرتی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جہاں لکھنے کی میز ہے وہاں اس وقت کوئی اور جسم نہیں آسکتا۔ مگر اثیر کا کیا حال ہے ؟ غرض جہاں تک ہمنے روحانی عمل کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو باتیں ممکن ہیں۔ رابطۂ قلبی غیر جسمانی روح کی چھپنا تیر حاضری کو بعید وسعت دیتا ہے۔ روحانیات کا جسمانیات میں سے عبور کر جانا ثابت کرتا ہے کہ یہ وزن دار کرہ روحانی اثر کو روکنے اور اسمیں مخل ہونیکے ناقابل ہے۔ ہماری شہادت کیسی ہی عجیب اور نئی ہو فضا کے بارہ میں سر دست اس سے زیادہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ فضا کی حدود کے زائل ہونے پر روحانی تصور بے انتہا وسیع ہو جاتا ہے"

† ہیومن پرسنلٹی باب اول صفحہ ۲۲

غرض مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روح اپنی معلومات دوسری روح پر خواہ وہ کتنے ہی فاصلہ پر ہو ظاہر کرسکتی ہے اور اس وقت معلوم کرنیوالی روح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان واقعات کو خود دیکھ رہی ہے اور نیز جیسا کہ مسٹر مائرس بیان کرتے ہین (اقتباس بحث ملائکہ) ارواح مجردہ بھی ممکن ہے کہ ایسا اثر ظاہر کرین کیونکہ ایسا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا دیکھا گیا ہے[*] جبکہ خواب بیہوشی، وجد وغیرہ کے سبب سے عامل و معمول یک گونہ بیخودی کیحالت مین ہون اور جسم سے ایک طرح کا انقطاع حاصل ہوگیا ہو پس ارواح مجردہ اگر موجود ہین تو جسمانیات سے بالکل پاک ہونے کی وجہ سے وہ بطریق اولیٰ اور نہایت قوت کیساتھ ایسا اثر پیدا کرسکتی ہین۔

معراج کی ایک توجیہ

اب ہم معراج کی کیفیت کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب معراج (صلوات اللہ علیہ) سالہا دُنیا اور علائق دُنیا سے الگ گوشہ عزلت مین بسر کرتے رہے ہین اور ہمیشہ کئی کئی دن تک پہاڑ کی غارون مین رہکر قدرت کی نیرنگیون کو دیکھتے رہے ہین اور اس طرح روح مین صفائی اور پختگی پیدا ہونے پر وہ جلوۂ معرفت نظر آیا ہے جسکو وحی کہتے ہین اور معلوم ہوا ہے کہ دل بیخبری مین جس چیز کو تلاش کر رہا تھا وہ یہی نور ہے۔ اب وہ اس نور کے نظارے مین منہمک ہین بات کرتے ہین تو اسی کے متعلق اور غور کرتے ہین تو اسی کی نسبت۔ اور اب موافق اور مخالف آوازون کا پیدا ہونا ایک ظاہری سبب ہوگیا ہے جو توجہ اور انہماک کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔ اور اس طرح ایک خیال مین رہتے رہتے ایک وقت وہ محویت اور بیخودی بھی پیدا ہو جاتی ہے جسکو اہل علم روحانی انکشاف کی شرط ٹھہراتے ہین اور اس وقت نہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس بلکہ زمین و آسمان کا ہر ایک گوشہ ان کے سامنے ایک آئینہ ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ خواب نہین ہے بلکہ ایک پاکیزہ خیال مین محو ہو جانیکا اثر ہے اس لیئے بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ جو کچھ دیکھا بیداری مین دیکھا اور چونکہ اس حال مین جسمانی تعلقات سے کامل یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اس لیئے اس حال کو ظاہر کرنے کیلئے لفظ رویا سے موزون تر اور کوئی لفظ نہین۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ط (اسراء پارہ ۱۵ ع ۶)	جو رویا ہمنے تم کو دکھایا ہے وہ لوگون کیلئے ایک آزمائش ہے

[*] لائٹ آف انڈیکس و فینامنا باب سیزدہم صفحہ ۱۸۳ تا ۱۹۳ ملخصاً

غرض وہ پاکیزہ روح عوالم بالا کی سیر کرتی ہے اور ملایکہ نوریہ اور ارواح انبیا سے ملاقی ہوتی ہوئی وہ اسرار و عجائبات ملاحظہ کرتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی تعقل سے بالاتر ہیں پس اگر روحانی انکشاف کی حقیقت محض اسی قدر ہے جو اس وقت تک اہل علم کے تجربے میں آچکی ہے یعنی یہ کہ انسان روحانی قوت سے محض وہی معلومات حاصل کر سکتا ہے جو کسی دوسری روح کو پہلے معلوم ہوں اور ان دو نور وحوں کے مابین کوئی تعلق ہو تو اس خیال کو یقینی قانون مانکر بھی معراج کا انکشاف قابل تعجب نہیں کیونکہ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے ایک خاکی جسم میں قید رہنے والی روح اور مجرد و قدوس و مظہر ذات خداوندی میں لطافت و کثافت کا تفاوت ہونے کی سبب تعلق پیدا ہونے کے لئے ملائکہ کی وساطت ضروری ہے اور اس طرح سلسلۂ وحی کے شروع ہونے پر صاحب معراج کا روح الامین سے قلبی تعلق پیدا ہونا ظاہر ہے اور معراج کی کیفیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام انکشافات میں جبرئیل امین کا رسول خدا کیساتھ رہنا بیان ہوا ہے اور آپکی مفارقت اسی وقت بیان کی گئی ہے جبکہ تصور ذات باری کی محویت حد غائت کو پہنچ کر وہ نور بے کیف بے واسطہ جلوہ گر ہوا ہے پس عوالم بالا اور ارواح انبیا کا نظارہ جو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بے وساطت حواس ظاہری حاصل ہوا ہے اگر اس کے لئے کسی اور جاننے والی روح کا تعلق ضروری ہو تو اس وقت وہ سرچشمہ روح الامین کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

معراج کے متعلق ابھی کچھ ور بھی پتہ چلتا ہے

مگر انسان کیا اور انسانی تجربہ کیا؟ جسکی بنا پر معرفت کے انکشاف کو کسی قانون میں محدود کیا جائے وہ یقیناً جسمانی تعقل سے باہر اور انسانی تجربہ سے بالاتر ہے اور اس کے حقیقی قوانین اگر معلوم ہو سکتے ہیں تو انہی قلوب مصفا کو جو اس میدان کے شہسوار ہیں۔ مگر تاہم جسمانی تعقل سے دیکھتے ہوئے بھی ابھی سراغ اور آگے چلتا ہے۔

روح کا اثر جسم پر

حواس کے بغیر حالات دریافت کر لینے ایک روحانی فعل ہے مگر روح کا جسم اور جسمانیات پر اثر کرنا بھی کئی طرح سے ثابت ہوا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے[۴۹] کہ اپنے خیال کا یا غیر کے خیال کا اثر روح پر ہوتا ہے اور روح کا اثر جسم تک پہنچتا ہے اور یہ اثر تین طرح پر ظاہر ہوتا

[۴۹] لا آف .... (ایڈیشن فیفتا) باب یازدہم صفحہ ۱۵۱ سنہ ۱۸۹۲ء

معلوم ہوا ہے۔ (۱) روحانی اثر سے جسم میں کچھ تغیر پیدا ہوتا ہے (۲) روحانی اثر سے دوسرے شخص کے جسم کو ارادی حرکت دی جاتی ہے اور (۳) روحانی اثر سے اجسام بے ارادہ متحرک ہوتے ہیں

روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنا۔

روحانی اثر سے جسم میں تغیر پیدا کرنے کے لئے روحانی طاقت سے معمول میں حالت وجد پیدا کی جاتی ہے اور اس حالت میں امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور کئی طرح کے عارضی دورے پیدا کئے جاتے ہیں اور اس وقت عامل کا اثر معمول پر اس قدر ہوتا ہے کہ اگر اُس سے کہا جائے کہ تجھ کو تپ ہے تو فوراً جسم گرم ہو جاتا ہے نبض تیز ہو جاتی ہے اور تھرما میٹر لگایا جائے تو تپ کا پتہ دیتا ہے اور پھر کہا جائے کہ بخار نہیں ہے تو معمول فوراً اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ اور امریکا میں جو مائنڈ کیور یعنی علاج قلبی کے نام سے ایک نیا طریق معالجہ دریافت ہوا ہے پروفیسر ولیم جیمس اُسکے متعلق نہایت تفصیل سے ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں † کہ بہت سے امراض جو جسمانی علاج سے دور نہیں ہو سکے اس علاج سے رفع ہو گئے ہیں۔ اس علاج کے حامی یقین رکھتے ہیں کہ تمام جسمانی عوارض انسان کے قلبی تغیر سے پیدا ہوتے ہیں اور خواہ یہ خیال غلط ہو مگر اس یقین کی بدولت علاج کرنے والا اپنے دل میں خیال جماتا ہے کہ مرض موجود نہیں ہے اور بعض اوقات خود مریض کو ایسا یقین کروایا جاتا ہے اور اس طرح معالج اور مریض کے روحانی اثر سے مرض زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بزرگوں کے تبرکات سے علاج اعتقادی کے نام سے جسم و جسمانیات کو معدوم فرض کر کے کرسچین سائنس کے نام سے۔ ارواح مجردہ کا اثر یا کہ سپرٹزم کے نام سے اور توجہ کے وقت ایک خاص مادے کا معالج کے جسم سے نکلنا فرض کر کے مسمرزم کے نام سے جس قدر علاج کے طریق ایجاد ہوئے ہیں ‡ اور کام میں لائے جاتے ہیں ان سب میں امر مشترک وہی روحانی اثر ہے جو کسی شئے کسی عقیدہ پر مستحکم ہو کر جسم تک پہنچایا جاتا ہے۔ بلکہ خود جسمانی علاجوں میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس دوا یا جس طبیب پر مریض کو اعتقاد ہوتا ہے اس کے استعمال و معالجہ سے بہ نسبت اور دواؤں یا طبیبوں کے جلدی صحت ہوتی ہے اور ایسے وقت میں خاک کی چٹکی بھی

† لا آف ریلیجس ایکسپیرینس باب ہیلتھی مائنڈڈنیس

‡ لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۵۰

اکسیر کا حکم رکھتی ہے چنانچہ مسٹر ہڈسن ایک واقعہ لکھتے ہین † کہ ایک شخص کی زبان پر فالج گرا
وہ ڈاکٹر کے پاس گیا جس نے اس مرض کیلیئے ایک اپنا نو ایجاد آلہ استعمال کرنیکا ارادہ کیا مگر اس آلہ کو
استعمال کرنیسے پہلے مریض کی حرارت دریافت کرنیکے لیئے اُس کے منہ مین تھرما میٹر رکھا - مریض سمجھا کہ
نو ایجاد آلہ یہی ہے چنانچہ چند منٹ مین وہ چلا اُٹھا کہ میری زبان بالکل درست ہو گئی" بلکہ دیکھا گیا ہے کہ
نیز اور یقینی دوائین مثلاً مسہلات بہی مخالف یقین پیدا ہونے پر بالکل اثر نہین کرتین یا کم کرتی ہین غرض
جسمانی علاج مین بھی روحانی اثر کا بہت کچھ دخل ہے - علی ہذا اسی اثر سے عوارض پیدا کرنے کی مثالین
بہی کثرت سے پائی گئی ہین مثلاً مسٹر ہڈسن لکھتے ہین * کہ ایم ایم یادو نے ایک نوجوان ملاح کو
بے خود کیا اور اس حال مین اُسکو خیال دلوایا کہ آج شام کو چار بجے تم میرے دفتر مین آؤ گے کرسی
پہ بیٹھو گے اور اپنے بازو چھاتی پہ صلیبی شکل مین رکھ لو گے اور اس وقت تمہاری نکسیر پھوٹے گی چنانچہ
معین وقت پر یہی واقعہ ہوا اور اس کے بائین نتھنے سے کئی قطرے خون کے نکلے اور ایک اور
موقع پر یہی ڈاکٹر نے ایک مریض کے دونو بازؤن پہ کسی آلہ کے کند سرے سے اُسکا نام لکھا اور پھر بے خود
کرکے کہا کہ آج شام کو چار بجے تم سو جاؤ گے اور جو خط مینے تمہارے بازؤن پہ کھینچے ہین اُن سے خون نکلیگا
اور تمہارا نام خونی حرفون مین لکھا جائیگا - چار بجے دیکھا گیا تو وہ بے خود سوتا تھا اور اُس کے ایک بازو
پہ چمکیلے سرخ حروف تھے اور اکثر جگہ خون کے قطرے نمایان تھے اور یہ حروف بعد مین تین مہینے تک
قایم رہے گو رفتہ رفتہ ماند پڑتے گئے - گر ڈاکٹر برنھم کا یہ قول بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے
واقعات گاہ گاہ پیش آتے ہین اور خاص روحانی طاقت اور خیالی قوت ہی جو ایسا اثر کر سکتی ہے
اور مرض ایک طرف خیال کے اثر سے جو روح پہ ہوتا ہے اور روح کے عمل سے جو وہ جسم پر کرتی
ہے انسان کو ایسا بے حس کیا جا سکتا ہے کہ وہ مردہ معلوم ہوتا ہے اور اگر اس اثر کو زائل نہ کیا جائے
تو آخر مر جاتا ہے مسٹر ہڈسن اس مضمون پر ایک باب کا عنوان قائم کرکے اور کاملیت زندگی

روحانی اثر سے مردہ جیسا بے حس کیا جا سکتا ہے -

---

† لا آف سائیکک فینامنا باب یازدہم صفحہ ۱۴۸ ۱۸۹۳ء

* کتاب مذا - باب یازدہم صفحہ ۱۵۱ -

بہت سی مثالین دیکر لکھتے ہین +

کیٹلیپسی یعنی اختفاء زیست کی چار صورتین ہین جن مین مختلف اسباب پیش نظر کی شرط یعنی خیالی اثر کو پیدا کرتے ہین (۱) بیخود کرکے مرنیکا خیال دلوانے سے (۲) متعدی اختفاء زیست (۳) خود پیدا کردہ (۴) وہ اختفاء زیست جو مرض یا اعصابی نقصان سے پیدا ہوتی ہے اور ان مین سی پہلی تین صورتون مین تخیل ہی اختفاء زیست پیدا کرنیکا قوی سبب ہے اور یہ تخیل پہلی صورت مین اُس عامل کیطرف سے آتا ہے جو تجربہ کرنے کیلئے عمداً یہ حالت پیدا کرتا ہے اور دوسری صورت مین دیگر کالمیت اشخاص کو دیکھ کر انسان کا اپنا تخیل یہ اثر پیدا کرتا ہے اور ایسی حالتون مین ممکن ہے کہ اختفاء زیست تمام اُس پاس کے لوگون پر طاری ہوجائے جس طرح متعدی جنون اور حال کھیلنے کیحالت یا دیگر اعصابی تکلیفین ایک دوسرے کو دیکھ کر پیدا ہوجایا کرتی ہین۔ کہا جاتا ہے کہ بچون مین یہ حالت پیدا ہونیکا سبب محض نقل کرنا یا نقل کا ارادہ کرنا ہے مگر یہ فاش غلطی ہے اور درحقیقت ان مین بھی اسکا سبب وہی تخیل کی قوت ہے یعنے وہ ڈرتے ہین کہ مبادا یہ حالت اُنکی نہ ہوجاوے پس یہ خوف کا خیال قوی ہوکر اُن کو بیحس کر دیتا ہے اور تیسری صورت مین اپنا خیال جمانے سے یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ ہندوستانی فقیرون کے تجربون مین بیان ہوچکا ہے۔ ان واقعات مین شرط یہی ہپناٹزم یعنی حالت بیخودی ہے جو محض سادہ طرز عمل سے خود بخود پیدا ہوجاتی ہے اور اُن لوگون کو اچھی طرح معلوم ہے جنہون نے اہل شرق کے مشق کردہ حالت وجد کا غور سے مطالعہ کیا ہے"

روحانی اثر سے جسم ارادی حرکت پیدا کرنا

روح کے جسم پر اثر کرنیکی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان خود اپنے ارادہ سے حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت مین اسکی حرکت اثر کرنیوالے کی قوت سے ہوتی ہے مسٹر ایف ڈبلیو ایچ مائرس اپنے تجربات مین جو اُنہون نے ڈاکٹر اے ٹی مائرس کی رفاقت مین کئے ہین لکھتے ہین ++

ہفتے ۲۲ر اپریل ۱۸۸۶ء کی شام کو ڈاکٹر گبرٹ کے ساتھ کھانا کھایا اور اُس شام کو ڈاکٹر موصوف نے

+ کتاب لا آف سائیکک فینامنا باب ۲۱ صفحہ ۳۱۵ سنہ ۱۸۹۳ء

++ کتاب ہیومن پرسنلٹی ضمیمہ باب پنجم صفحہ ۳۶۲

ایک دفعہ اور کوشش کی کہ میڈیم بی کو لٹکے اپنے گھر پر جو ڈاکٹر کے گھر سے فاصلہ پر تھا بیخود کرین اور اپنے
روحانی جذبہ سے انکو بلائین چنانچہ آٹھ بجکے پچپن منٹ پر ڈاکٹر موصوف اپنے مطالعہ کے کمرہ مین چلے گئے
اور مسٹر جنٹ اور اسے ٹی مائرس وغیرہ تمام پبلک کو گئے (جہان میڈیم بی رہتی تہین) اور مکان
سے کچھ فاصلہ پر ٹھیر کر انتظار کرنا شروع کیا۔ نو بجکے بائیس منٹ پر ڈاکٹر مائرس نے میڈیم بی
کو دیکھا کہ وہ باغ کے پھاٹک سے نکلین اور پھر واپس چلی گئین جن لوگون نے ان کو پاس سے دیکھا وہ کہتے
ہین کہ وہ بالکل بیخودی کے عالم مین تہین اور ٹھٹکتی ہوئی چلتی تہین اور کچھ بڑبڑاتی جاتی تہین۔ نو بجکر
پچیس منٹ پر وہ پہر نکلین اور اس وقت دور سے انکی آنکہین بند معلوم ہوتی تہین چنانچہ وہ چلین
اور جلدی سے پروفیسر جنٹ اور مسٹر مائرس کے پاس سے گذر گئین اور ان کو پہچانا نہین اور ڈاکٹر گبرٹ
کے گھر کا راستہ لیا۔ مگر وہ رستہ لیا جو معمولی اور سب سے قریب تہا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ انکی خادمہ نے
انکو دیکہا تہا کہ وہ آٹھ بجکے پینتالیس منٹ پر اپنے کمرہ مین گئین اور وہان سے نو بجکے پندرہ منٹ
پر بیخودی کے عالم مین باہر نکلین اور اس عرصہ کے مابین انکو خادمہ نے نہین دیکہا۔ یہ انکا معمول تہا
کہ دن کا کام ختم کرکے شام کو اپنے کمرہ مین چلی جایا کرتی تہین) وہ لالٹین کے کہمبون سے اور گاڑیون وغیرہ
سے بچکر نکلتی تہین مگر سٹرک کو (عرض مین) بار بار عبور کرتی تہین۔ اس حالت مین کوئی شخص انکے سامنے
نہین ہوا اور نہ ان سے بات کی۔ آخر بائیس منٹ کے بعد انکی رفتار مین زیادہ تذبذب پیدا ہوا اور
ٹھہر گئین۔ گویا گرنے لگی ہین۔ ڈاکٹر مائرس نے دیکھا تو اس وقت نو بجکے پینتیس منٹ تھے اور پہر نو بجکر
چالیس منٹ پر وہ پہر سنبھل گئین اور نو بجکے پینتالیس منٹ پر اس سٹرک پر آگئین جو ڈاکٹر گبرٹ
کے گھر کے سامنے سے ہے جہان وہ ڈاکٹر کو ملین مگر پہچانا نہین اور گھر کے اندر چلی گئین۔ جہان پہنچکر
جلدی جلدی حسب معمول بیرین کے کمرون مین پہرنا شروع کیا۔ جب ڈاکٹر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو پہچانا
اور قرار پکڑا ''

ڈاکٹر گبرٹ نے بیان کیا کہ آٹھ بجکر پچپن منٹ سے نو بجکے بیس تک انہون نے میڈیم کا پورا خیال رکہا
پہر نو بجکے پینتیس منٹ تک کم توجہ کی اور پینتیس منٹ پر خیال بالکل چھوڑ دیا اور بلیرڈ کھیلنا شروع کردیا

لیکن چند منٹ میں پھر اُنکی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ بلیرڈ کھیلنے کا وقت اور میڈیم کے بھٹکنے کا وقت ایک ہی تھا۔ مگر شاید وقت کا اتحاد اتفاقی ہو۔"

آگے مسٹر مائرس لکھتے ہیں کہ "اس قسم کے پچیس تجربوں میں سے انیس میں کامیابی ہوئی اور اس قسم کے تجربے دن کے مختلف اوقات میں اور مختلف زمانوں میں کئے گئے ہیں تا یہ نہ گمان ہو کہ ایک ذہن میں لگے ہوئے تھے اسلئے ایسا نظر آیا۔"

اس واقعے میں روحانی طاقت ہی انسان کو حرکت دینے سے پہلے تجویز کر لیا گیا ہے مگر ایک واقعہ مسٹر ہڈسن نے لکھا ہے† جو خود اُن کے ساتھ گذرا اور جسمیں معمول کو تجویز بھی نہیں کیا گیا وہ لکھتے ہیں کہ

"ایک دفعہ میں نے ایک فوجی جرنیل کو ایک میڈیم یعنے حاضرات کرنیوالی کے سامنے بٹھا کر سلیٹ کی تحریر کا تجربہ کیا اور قرار یہ پایا کہ جرنیل میڈیم سے چھپا کر چند خط اپنے غائب دوستوں کے نام لکھے اور اُن کاغذوں کو لپیٹ کر میز پر اپنے سامنے رکھ لے۔ پھر دو سلیٹوں کو دھو کر ایک دوسری کے اوپر رکھ لیا جائے اور انکے بیچ میں ایک پنسل رکھ دیں اور اس بنڈل کو بستر پر رکھ کر جرنیل اور میڈیم اپنا ہاتھ اسپر رکھیں اور کاغذوں کو اور سلیٹ کو دیکھتے رہیں تا کسیطرح میڈیم کو خود دیکھنے اور دھوکے سے لکھنے کا موقع نہ ملے چنانچہ دن کی روشنی میں یہ عمل کیا گیا۔ اور جرنیل اور مسٹر ہڈسن نے سلیٹوں کے اندر پنسل چلنے کی آواز سُنی اور آخر میں تین خط کھینچنے کی آواز پیغام ختم ہونے کی علامت تھی۔ چنانچہ جرنیل نے خود سلیٹوں کو کھولکر دیکھا تو ہر دفعہ اپنے دوستوں کیطرف سے جواب موجود پائے۔"

ان واقعات کی تفصیل دیکر مسٹر ہڈسن اس امر کا ثبوت بھی نکالتے ہیں کہ اس وقت پیغام دینے والی اور لکھنے والی کوئی خارجی اور بے جسم روح نہ تھی بلکہ خود میڈیم انکشاف قلبی سے جواب دیتی تھی اور روحانی طاقت سے پنسل کو حرکت دیتی تھی۔ مگر اس واقعہ میں جو امر موجودہ مضمون سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ جب خط لکھ کر میز پر رکھی گئی ہیں تو مسٹر ہڈسن کمرہ کے باہر تھے۔ میڈیم نے اُن کو بلایا اور کہا کہ "ایک چٹھی ایسی روح کے نام ہے جو تمہاری بھی دوست ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اسکے جواب دینے کے وقت تم کمرہ میں موجود ہو۔ کیا تم جی نامی کسی شخص کو جانتے ہو؟" مسٹر ہڈسن لکھتے ہیں کہ "مجھے اس وقت

† لا آف سائیکک فینامنا باب ۱۹ صفحہ ۲۸۲-۲۷۵ سنہ ۱۸۹۳ء

اس نام کا کوئی دوست یاد نہ تھا اس لیئے کہ یہ اس شخص کا مصنوعی نام تھا اور میں اس کے صرف خاندانی نام سے واقف تھا۔ حالانکہ وہ حقیقت میں میرا دوست اور جرنیل کا بھائی تھا۔ میڈیم نے ایک پنسل دی اور کہا اس سے ان چھ کاغذوں میں سے جس کو چاہو مس کرو اور پھر کھول کر دیکھو وہ خط جی کے نام ہوگا۔ چنانچہ دیکھا تو میں بہت متحیر ہوا مگر ابھی تک گمان تھا کہ میرا خاص جی کے خط کو مس کرنا شاید اتفاقی ہو۔ میڈیم نے کہا کہ خطوں کو پھر ملا دو اور پھر بالکل سی ایک چٹھی کو مس کرو وہ ایم کے نام ہوگی۔ چنانچہ تین دفعہ ایسا اتفاق ہوا اور ہر دفعہ میرا ہاتھ جو ظاہر میں میرے ارادہ سے حرکت کرتا تھا۔ میڈیم کے روحانی اثر سے خاص اسی خط کیطرف جاتا تھا جس کا نشان بتایا جاتا تھا۔ اور میں اس وقت پورے ہوش و حواس میں تھا اور کوئی دماغی یا جسمانی تغیر مجھے محسوس نہ ہوتا تھا"

جسم پر اثر کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ خود بخود حرکت کرے اور ارادہ کو دخل نہ ہو۔ چنانچہ اسکی ادنی مثال مسٹر ہڈسن کا مذکورہ بالا واقعہ ہے جس میں انہوں نے پنسلوں کو اپنے سامنے حرکت کرتے ہوئے سنا اور جواب لکھے ہوئے دیکھے اور ایک دلچسپ واقعہ مسٹر مائرس نے خود دیکھنے والی عورت کے قلم سے نقل کیا ہے اور اسکے متعلق اس کے گھر والوں کی تحریری شہادت ثبت کی ہے چنانچہ وہ فرنسس ریڈل نام ایک عورت کا واقعہ لکھتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہے کہ ‡

لیڈی والڈگریو کی خادمہ ہیلن الگزنڈر نامی ٹائفائڈ بخار میں مبتلا تھی اور میں اسکی تیماردار تھی۔ ایک دن رات کے چار بجے (۴ اکتوبر ۱۸۸۰ء) میں اسکے پاس میز پر اسکی دوائی بنا رہی تھی کہ میں نے بلانے کی گھنٹی بجتی ہوئی سنی۔ جو اسی ہفتہ میں دو دفعہ پہلے بھی رات کو بجتی سن چکی تھی۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ کمرہ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت اندر داخل ہوئی جسکی نسبت مجھے خود بخود خیال ہوا کہ یہ مریضہ کی والدہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیتل کا شمعدان تھا۔ ایک شال کندھے پر پڑی تھی اور ایک فلالین کا چھوٹا کوٹ پہنے ہوئے تھی جس میں سامنے ایک سوراخ تھا۔ میں نے اسے خوشی کی نظر سے دیکھا کہ اچھا ہوا تم آگئیں اور اس نے ایسے انداز سے دیکھا گویا کہتی ہے کہ مجھے پہلے کیوں نہ خبر کی۔ میں مریضہ کو دوا پلائی اور پھر کر دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ نظر آنے والی ایک پستہ قد سیاہ فام اور مضبوط عورت تھی۔ صبح چھ بجے ہیلن الگزنڈر مر گئی

انی اثر سے
کا ایسے ارادہ
کت کرنا۔

‡ ہیومن پرسنلٹی (مائرس) باب ششم صفحہ ۲۸۷

دو دن بعد اسکے والدین اور ہمشیرہ (جو کسی بستی میں رہتے تھے آئے) اور میں نہایت متعجب ہوئی جب میں نے دیکھا کہ اسکی والدہ کی بعینہٖ وہی شکل ہے جو میری واہمہ نے دو دن پہلے دیکھی تھی۔ میں نے اسکی ہمشیرہ کو اُس رات کا واقعہ اور آنیوالی کا سامان بتایا۔ اس نے تصدیق کی کہ واقع میں والدہ کا رات کا لباس بھی ہوتا ہے اور یہ کہ ہمارے گھر میں ایک اسی قسم کا شمعدان بھی ہے۔ مرنیوالی لڑکی اور اسکی والدہ کی شکل میں کوئی مشابہت نہ تھی"

مالکہ مکان مفصل شہادت دیتی ہے کہ دیکھنے والی نے والدہ کے آنیسے پہلے یہ واقعہ بیان کیا تھا اور لکھتی ہے کہ "جو حلیہ اسنے بیان کیا تھا اس سے میں نے بھی دیکھتے ہی اُس عورت کو پہچان لیا اور یہ کہ مس پیڈل متوہم مزاج کی عورت نہیں اور اسکو اس کے سوا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا"

مسٹر مائرس اسکو یوں حل کرتے ہیں کہ "والدہ نے جو بیٹی کی نسبت متفکر تھی خواب میں اسکو دیکھا ہے مگر خواب یاد نہیں رہا۔ اسکے خیال نے جسمانی صورت اختیار کی اور اتفاق سے ایک ایسا شخص بھی بیٹی کے کمرہ میں موجود تھا جس پر خیال اثر کر سکے چنانچہ اس نے اُسے دیکھا اور ممکن ہے کہ مریضہ نے بھی خواب میں یا بیداری میں اُسکو دیکھا ہو۔ مگر اُسکے جلدی مرجانے کے سبب سے معلوم نہ ہو سکا"

اس واقعہ میں موجودہ مضمون کے متعلق دروازہ کھلنے کا تجربہ ہے جو خیالی طاقت سے پیدا ہوا اور اسکے علاوہ میز کو ہلانا۔ باجا بجانا۔ دور کی چیزیں لانا اور خود انسان کے جسم کو حرکت دینا اور بلند کرنا اس قسم کے واقعات کثرت سے مروی ہیں۔ مسٹر لیڈ بیٹر لکھتے ہیں[†]۔ میرے پاس کئی درخت خط سرطان وجدی کی درمیانی سرزمین سے لائے گئے اور باغ میں لگائے گئے اور دیرتک سے ایک پودا بوتل میں مٹی اور پانی ڈالکر لگایا گیا جو رفتہ رفتہ بڑھا اور پھول لایا اور تین مہینہ بعد آب و ہوا کے اختلاف سے مرجھا گیا"

اس طاقت کا انکار اور اسکی وجہ

مگر ان مناظر کا ثبوت ناممکل ہوگا اگر ان سے انکار کرنیوالوں کی رائے اور ان کے استدلال کی قوت کو نہ دیکھا جائے۔ اور گو لرکے پیٹ میں رہکر زمین آسمان کے وجود سے انکار کرنیوالے تو بہت ملیں گے مگر حسن اتفاق سے مسٹر پڈ جو ہرا ایک ایسے شخص کی تحریر دیکھنے میں آئی جو مناظر روحانی

[†] کتاب آدم ہائڈ آف ڈتھ باب سبت ونہم

کو تلاش کرنیوالی سوسائیٹی کے سرگرم ممبر ہیں اور بہت مدت تک تحقیقات کرنیکے بعد وہ اکثر نتائج میں اپنے رفیقوں سے اختلاف کرتے ہیں اور یہاں تک محتاط مزاج رکہتے ہین کہ دہوکے کی وجہ نہین پاسکے مگر دہوکے کا یقین کر لیتے ہین چنانچہ لکہتے ہین کہ ++

"ہم مجبور ہین کہ کہاین نہ کہین معمول سے بالاتر طاقت کا اعتراف کرین۔ مگر یہ کہنا آسان ہے کہ حاضرات کرنیوالے مین دہوکا دینے کی معمول سے زیادہ طاقت ہے بہ نسبت اس کے کہ معمول سے زیادہ روحانی طاقت کا اعتراف کرین"

پس ہم دیکہتے ہین کہ باوجود اس قدر احتیاط کے وہ کہان تک تسلیم کرتے ہین اور کس جگہ کس بنا پر انکار کرتے ہین اور اس ضمن مین تیسری قسم کے حرکت کے واقعات بہی انہی کے قلم سے بیان ہونگے پہلی قسم کا اثر یعنی روحانی طور پر جسم مین عوارض پیدا کرنیکی طاقت کو اور نیز دوسری قسم کے اثر یعنے دوسرے شخص کی جسمانی حرکت کو جو بظاہر اپنے ارادہ سے ہو اور اصل مین کسی عامل کی قوت کا اثر ہو وہ بڑی حد تک تسلیم کرتے ہین مثلاً ہپناٹزم یعنی حاضراتی اثر کی نسبت لکہتے ہین +

"حاضراتی بیخودی کے اندر معمول اپنے اعصابی تنفسی اور وریدی نظام پر اور بالعموم تمام جسمانی قوتون پر ایسا تصرف حاصل کر لیتا ہے جو حالت بیداری مین نہین ہوتا۔ اور جسم کے کسی خاص حصہ کی یا تمام جسم کی ہر قسم کی حس یا درد کے احساس کو بالکل معدوم کر دینا ہپناٹزم کا عام خاصہ ہے اور اسی طرح خیال کے اثر سے خوفناک امراض کو روکا جاسکتا ہے اور صحت پیدا کی جاسکتی ہے اور بہت سی قریب قریبی ثقہ شہادتون کی شہادت سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے حاضراتی اثر مین اور نیز ہسٹیریا (ایک اعصابی تغیر جس کے اسباب معلوم نہین ہوسکے) کے مریضون مین قوت تخیل مصنوعی درد مصنوعی داغ اور دیگر قسم کی گہری امراضی کیفیتان پیدا کر سکتی ہے"

آگے چل کر حرکت کرنے کی نسبت لکہتے ہین +

++ کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب چہاردہم صفحہ ۱۰۹ سنہ ۱۸۹۶ء

+ کتاب ہذا باب ۱۲ صفحہ ۳۵۵ سنہ ۱۸۹۶ء

+ کتاب ہذا باب ہذا صفحہ ۳۹۴

عام طور پر ایک معتاد حاضرات کو اگر بیخودی کی حالت مین کہا جاوے کہ حالت بیداری مین فلان کام کیجیو
تو وہ کام خواہ کیسا ہی مضحکہ خیز او حقیر بیہودہ ہو وہ نہایت پابندی سے اسکو بجا لائیگا۔ منجملہ تحقیق کرنیوالون کے
مسٹر گرنی نے نہایت احتیاط سے وہ شرطین دریافت کی ہین جن سے ایسے افعال بجا لائے جاتے ہین
اور انہون نے ثابت کیا ہے کہ جس وقت معمول حاضرات اپنی معمولی حالت بیداری مین ہو وہ حکم کو بجا لاتا ہے
اگرچہ نہین جانتا کہ یہ کام کرنے کی وجہ کیا ہے اور بعید نہین ممکن ہے کہ اسکو اس کام کا ارتکاب یاد رہے۔
اور یہ بھی اکثر واقع ہوا ہے کہ اس کام کو بجا لانے کے وقت معمول ایک طرح کی بیخودی مین ہوتا ہے جو اگر
ہپناٹزم کی حالت نہین ہے تو اس سے مشابہ ضرور ہے۔ اور یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس فاصلے کے
اندر جو حکم دینے اور بعد از بیداری حکم بجا لانیکے درمیان ہے (اور یہ فاصلہ منٹون سے لیکر مہینون
تک کا ہو سکتا ہے) اسکی قوت حافظہ مین اس کام کی یادداشت بالکل نہین ہوتی۔ البتہ اسمین ایک قسم
کا تعقل ایسا ہوتا ہے جو مقرر کردہ نشان یا معین کردہ تاریخ اور وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے مثلاً کسی
معمول کو حکم دیا جائے کہ مسٹر گرنی کے چھ دفعہ کھانسنے کے بعد وہ فلان شمع کو جلا دے تو بیدار ہونیکے
بعد اسکو وہ حکم بالکل یاد نہ ہوگا اور بظاہر وہ پورے طور پر اپنی معمولی حالت مین ہوگا مگر چھٹی دفعہ کھانسنے
کے بعد وہ فوراً اٹھیگا اور بتی کو جلا دیگا اور اگر چار دفعہ کھانسنے کے بعد اس سے اس حکم کے متعلق کوئی سوال
کیا جائے تو وہ یہ بھی نہ بتا سکیگا کہ وہ کتنی دفعہ کھانسے ہین۔ لیکن اگر بیخود کرکے یا پلانچٹ (ایک
قسم کی تپائی جو حاضراتی جواب لینے کیلیے استعمال کیجاتی ہے) کے ذریعہ سے پوچھا جائے تو وہ اس
حکم کے متعلق سب کچھ بتا دیگا۔ اسیطرح اگر کہا جاوے کہ ایک سو پچیس دن گذرنے کے بعد فلان کام
کریگا تو اگرچہ بیداری کی حالت مین اسے اسکے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہوگا لیکن درمیانی [illegible]
بیخود کرکے پوچھا جائے تو جتنے دن اسمین گذر چکے ہین اور جتنے باقی ہین انکی تعداد بتا دیگا"
غرضکہ روحانی قوت سے اس قدر اثر کا پیدا ہونا اور جسم کا حرکت کرنا مسلم ہے۔ [illegible]
اب جو واقعات [illegible] حرکت کرنیکے مروی ہین ان مین سے جو مسٹر پڈمور کے نزدیک قابل
التفات ہونیکی عزت رکھتے ہین انکو اور مسٹر پڈمور کی نکتہ چینی کو دیکھنا چاہیے چنانچہ وہ لکھتے ہین:-

[illegible]

میز کی حرکتیں

کونٹ ایم دی گاسپرن اور اُن کے دوست پروفیسر تھری نے ۱۸۵۳ء کی موسم خزاں میں روحانی طاقت سے میز اور دیگر بھاری چیزوں کو حرکت دینے کے تجربے کیے۔ ان میں ایک صورت تو یہ تھی کہ چند آدمی جنمیں یہ دونوں بھی شامل تھے میز کے گرد بیٹھ جاتے تھے اور میز پر ہاتھ رکھ کر روحانی توجہ سے اسکو حرکت دیتے تھے۔ ان میں سے ایک دفعہ پر جو حرکت واقع ہوئی جو جہاں صحیح کرا کے اشاری شائین کیلیو گرام کی طاقت ثابت کرتی تھی جسکو حاضرین پر تقسیم کرنے سے ہر ایک شخص کیلئے قریبا ڈیڑھ پونڈ طاقت پہنچی ہوئی۔ مگر چونکہ ہاتھ کا اتصال تھا اس لئے یہ تجربے ناکافی سمجھ کر بغیر ہاتھ کے اتصال کے حرکت دینی چاہی اور اسمیں بھی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ایک میز پر آٹا چھڑک کر تاکہ کسی کا ہاتھ لگنے تو معلوم ہو سکے سب لوگ اسکے گرد بیٹھ گئے اور دیکھا کہ روحانی طاقت سے میز چکر کھانے لگی اور وہ میز اس قدر وزنی تھی کہ انگلی یا ہاتھ یا چھاتی کے سہارے سے کوئی حرکت نہیں کر سکتی تھی اور پروفیسر تھری دیکھتے رہے ہیں کہ کوئی شخص پاؤں سے بھی اسکو حرکت نہ دے۔"

اس واقعہ میں مسٹر پڈمور سب احتیاطوں کو ناکافی بتاتے ہیں کہ پوری احتیاط نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ کسی نے گھٹنے سے اسکو حرکت دی ہو" مگر معلوم نہیں یہ احتمال کیونکر تسکین دے سکتا ہے گھٹنے سے جو حرکت پیدا کیجائے وہ ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی حرکت سے زیادہ بیقاعدہ ہو گی۔ پس اگر کسی شخص نے گھٹنے سے حرکت دی ہوتی تو بجائے چکر کھانے کے ایک آدھ جھٹکا محسوس ہوتا البتہ اگر چند آدمی اتفاق کر کے اپنے اپنے گھٹنوں سے ایک ہی دفعہ خاص حرکت پیدا کریں تو ممکن ہے کہ کچھ چکر سا پیدا ہو جائے مگر اس طرح سب کا ایک دفعہ کوئی خاص اشارہ دے کر حرکت پیدا کرنا ممکن نہیں کہ دیکھنے والوں کو اور پہلوں کو جو خود سے ان حرکات کا خیال رکھتے ہیں معلوم نہ ہو سکے پس ایسا احتمال پیدا کرنا [illegible] معلوم ہوتا ہے اور اس منظر کو حل نہیں کر سکتا۔

اور اسی قسم کے چند تجربے ڈاکٹر رابرٹ ہیئر پروفیسر آف کیمسٹری نے چند عاملوں کے ساتھ کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے* ایک پانی کا بھرا ہوا پیالہ بورڈ پر اس طرح رکھ دیا گیا تھا کہ اگر ذرا سا بھی ہاتھ کا دھکا لگے تو پانی اچھل پڑے۔ اس پر بھی مسٹر پڈمور وہی گھٹنے یا پاؤں کی حرکت کا احتمال پیدا

* [illegible] ۱۸۹۴ء

کرتے ہیں حالانکہ بانی کیوجہ سے یہ اور بھی مشکل ہے اور ایک عذر یہ بھی پیدا کرتے ہیں کہ چونکہ ڈاکٹر
موصوف ان تجربوں سے مذہبی ثبوت دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کے تجربے قابل اعتماد نہیں ہیں

آگے لنڈن کی ڈائیلیٹیکل سوسائیٹی کی کمیٹی کا ۱۸۶۹ء کا تجربہ ہے [+] یہ سوسائیٹی علوم
عقلیہ کی ترقی کیلئے قایم تھی اور اس نے جیسا کہ اسکی طرف سے بیان ہوا ہے چند معززین و دیانت دار اشخاص
کی کمیٹی روحانی مظاہر کی تحقیق کیلئے مقرر کی تھی اور یہ ایسے لوگ تھے جن کو دھوکا دیکر کوئی فائدہ حاصل
کرنا مقصود نہ تھا چنانچہ اس کمیٹی نے رپورٹ کی ہے کہ انہوں نے اکثر بغیر کسی اتصال کے میزوں کو
حرکت کرتے دیکھا۔ ایک دفعہ اس کمیٹی کے گیارہ ممبر ایک بھاری کھانے کی میز کے گرد بیٹھے تھے
اور انہوں نے چالیس منٹ تک میز کو مختلف حرکتیں اور آوازیں پیدا کرتے دیکھا انہوں نے
امتحان کیلئے کرسیوں کی پشت میز کیطرف کر لی اور خود میز کیطرف منہ کرکے کرسیوں پر گھٹنوں کے بل
بیٹھ گئے تا پاؤں سے اتصال کا گمان باقی نہ رہے اور ہر ایک کے ہاتھ میز کے اوپر قریباً چار انچ
سطح سے بلند تھے اس صورت میں جبکہ کوئی اتصال نہ پایا تھا میز نے ایک منٹ میں چار دفعہ حرکت کی
ایک دفعہ پانچ انچ ایک طرف کو ہوئی پھر بارہ انچ پیچھے کو سرکی اور اسی طرح چار انچ اور چھ انچ ادھر
ادھر حرکت کی۔ پھر سب نے اپنے ہاتھ کرسیوں کے تکیہ پر رکھ لیئے اور میز سے ایک فٹ کے قریب دور
ہو گئے اور میز نے پانچ دفعہ مختلف حرکتیں چار سے چھ انچ تک کیں۔ پھر کرسیوں کو میز سے بارہ انچ
دور رکھ کر اور اپنے ہاتھوں کو کمر کے پیچھے پکڑ کر پہلے کیطرح گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور اس حال
میں میز نے مختلف جوانب میں چار حرکتیں کیں۔ پھر میز کو الٹ پلٹ کر اور اسکے اجزا الگ کرکے
دیکھا گیا لیکن کوئی ثبوت اس مظہر کا نہ پایا گیا۔ اور یہ تجربہ گیس کی پوری روشنی میں ہوا۔ [++]

اس پر مسٹر پوڈمور تمام سوسائٹی پر الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھنے والوں کے
نام نہیں بتائے گئے اور بیشک یہ اعتراض وزن دار ہے مگر آخر کمیٹی وہ ہے جس کے سامنے

+ سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ صفحہ ۴۹

++ کتاب مذکور باب چہارم صفحہ ۱۱۵ ۱۸۶۹ء

انسان کی حرکت اور آگ کا تجربہ

ماسٹر آف لنڈ سے (ارل آف کرافورڈ اینڈ آر لیس) اور لارڈ اڈیئر جیسے معززین نے اپنی شہادتیں قلم بند کروائی ہیں۔* چنانچہ ماسٹر آف لنڈسے نے مشہور عامل مسٹر ڈی ڈی ہوم کے چشم دید واقعات کی شہادت دی ہے کہ انہوں نے اکثر ہوم کے قد کو ایک موقع پر گیارہ انچ اور ایک موقع پر ستر انچ لمبا ہوتے دیکھا اور پیمانہ یوں کیا گیا تھا کہ ہوم کو دیوار کے برابر کھڑا کر کے دیوار پر نشان کر دیا گیا تھا جس کو بعد میں ناپ لیا۔ اور ان میں سے ایک موقع پر لارڈ اڈیئر نے اپنا پاؤں ہوم کے پاؤں پر اور ایک ہاتھ انکی کمر پر رکھا ہوا تھا اور یہ منظر پوری روشنی میں دیکھا گیا۔ اور اسی طرح لارڈ لنڈسے نے ہوم کو جلتے انگارے ہاتھ میں اٹھاتے اور کرتے میں رکھتے ہوئے دیکھا اور خود بھی آٹھ دفعہ آگ کے اثر سے کوئلہ ہاتھ پر رکھا اور تکلیف نہ ہوئی حالانکہ موم کے پاس لیجانے سے موم پگھل جاتا تھا۔ ایک اور موقع پر نو آدمی تھے جن میں سو سات نے گرم کوئلے اٹھائے اور دو ان کے پاس تک نہ آسکے۔ ایک اور موقع پر ۱۸۶۸ء میں جبکہ ان کے ایک ابن عم کیپٹن وائن اور لارڈ اڈیئر بھی موجود تھے اور ان دونوں نے جداگانہ اپنے اظہار قلم بند کروائے ہیں اور ان کے بیان کو تصدیق کیا ہے۔ لارڈ لنڈسے نے دیکھا کہ مسٹر ہوم پر وجد طاری ہوا اور وہ اس حال میں بلند ہوئے اور جو کمرہ انکے کمرہ کے متصل تھا اسکی کھڑکی میں سے نکل گئے اور پھر باہر سے کمرہ کی کھڑکی میں سے ہوا میں تیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ان کھڑکیوں کا فاصلہ باہم قریباً سات فٹ چھ انچ تھا اور ان کے مابین کوئی پاؤں دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمنے ہوم کو اپنی کھڑکی کے باہر ہوا میں تیرتے ہوئے دیکھا جس حال میں وہ چند سکینڈ رہے اور جب ہماری کھڑکی میں داخل ہوئے تو پاؤں آگے تھے اور سر پیچھے اور جب آکر بیٹھ گئے تو لارڈ اڈیئر دوسرے کمرہ میں گئے اور دیکھا کہ وہ کھڑکی صرف اٹھارہ انچ طول رکھتی ہے لارڈ اڈیئر نے تعجب ظاہر کیا کہ اتنے سے سوراخ میں کیونکر جا سکے۔ مسٹر ہوم نے جو ابھی وجد میں تھے کہا کہ میں پھر دکھاتا ہوں چنانچہ وہ پیچھے کو جھکے اور گولی کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گئے اور اس وقت پہلے سر باہر نکالا اور پھر اسی راہ سے واپس آکر بیٹھ گئے۔ اور یہ کھڑکی (باہر کی) زمین سے قریباً

* [illegible] باب سوم صفحہ [illegible]

مسٹر فٹ بلند تھی۔

ان واقعات کے متعلق مسٹر پڈمور کے الفاظ جن کو تائید کہا جائے یا تردید حسب ذیل ہیں کہ

"جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں لینا یا اور عجائبات جو بہت سی شہادتوں سے ثابت ہیں یا مسٹر ہوم کا دراز قد یا بلند ہونا جو ماسٹر آف لنڈسے اور لارڈ اڈیر نے ایک روشن اور بند کمرہ میں دیکھا ان واقعات کی نسبت یہ فرض کرنا مشکل ہے کہ دیکھنے میں سستی کی گئی ہے یا بیوقوفی سے ابتدائی پیش بندیوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اور میں یہ خیال کرنے کے ناقابل ہوں کہ ان حالات کے اندر جو بیان کئے گئے ہیں سادہ فریب ایسے اثر پیدا کر سکتا ہے لیکن چونکہ میں ان مناظر کو درست نہیں تسلیم کر سکتا اس لئے ان واقعات کی محض ایک تشریح خیال میں لا سکتا ہوں اور وہ بھی نمائشی (یعنی حقیقت میں قابل تسکین نہیں) اور وہ یہ ہے کہ عامل نے اپنی خیالی طاقت سے دیکھنے والوں کے دماغ کے ساتھ ایسا منظر پیدا کر دیا ہوگا"۔

مسٹر پڈمور خود اس توجیہ کو بلا دلیل یعنی اوپر کے دل کی تسکین سے کہتے ہیں اور واقع میں ہے بھی سراسر تکلف۔ کیونکہ جیسا کہ مسٹر پڈمور کہتے ہیں یہ مانا کہ خیالی تصویر ایک وقت میں بہت سے اشخاص کو نظر آ سکتی ہے جس کو وہ کالیکٹو ہیلوسی نیشن سے نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اگر کھڑکی میں آنے والی تصویر خیالی تھی تو ہوم کا اصلی جسم جو کمرہ میں موجود تھا وہ بھی غائب ہو گیا تھا اور اسی طرح دوسری دفعہ جب وہ باہر گئے ہیں تو اس وقت بھی اصلی جسم وہاں نظر نہیں آیا اور اس صورت میں علاوہ خیالی جسم پیدا کرنے کے ایک اور جسمانی تصرف یہ کیا گیا کہ موجود اصلی جسم کو نامحسوس کر دیا گیا۔ علاوہ جسم کو حرکت دینے کی مثالیں تو کثرت سے ہیں مگر کچھ عرصہ کیلئے موجود کو غائب کر دینے کی مثال کوئی ضروری نہیں اور اگر ہوگی تو بہت کم۔ پس جسمانی تصرف کی ایک صورت کا انکار کرنے سے خود جسمانی تصرف کی دوسری صورت کو ماننا پڑتا ہے جو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اور اسی طرح مسٹر پڈمور کہتے ہیں کہ انہوں نے جلتے ہوئے کوئلوں کو مانع احتراق دوا لگا کر اٹھایا ہوگا مگر جو ماسٹر آف لنڈسے نے آٹھ دفعہ ان کے اثر سے

ــــ ماڈرن سائیکیکل ریسرچ باب چہارم [illegible]

کوئلون کو اٹھایا اور کچھ اثر نہ ہوا حالانکہ ایک وقعہ ماسٹر آف لینڈسے نے یہ خیال کر کے کہ دیکھون واقع میں یہ کوئلے دہکتے ہین اپنے داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کو ایک کوئلہ کو لگائی تو سکن چپس کے برابر چھالا پڑ گیا اور ایک دفعہ ان کے علاوہ اور چھ شخصون نے کوئلون کو اٹھایا اور اثر نہ ہوا۔ غرض ان واقعات کی توجیہ جو مسٹر پاڈمور کرتے ہین نہ صرف بلا دلیل بلکہ بالکل ناقابل تسکین ہے۔

ولیم کروکس کے تجربے

اور پھر یہ واقعات صرف اسی روایت سے مروی نہین ہین بلکہ سر ولیم کروکس ایک مشہور سائنسدان مسٹر ہوم کے بہت سے واقعات کی عینی شہادت دیتے ہین اور مسٹر پاڈمور کو اعتراف ہے کہ

مسٹر کروکس کا علم کیمسٹری اور فزکس کا ماہر ہونا انکو خاص طور پر اس قسم کی تحقیقات کے قابل بناتا ہے اور جو تحقیقات انہون نے مسٹر ہوم کے متعلق کی ہے وہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری احتیاط ہی کے ساتھ اور ایسے حالات مین کی گئی ہے جو دھوکے کو روکنے یا اسکو ظاہر کر دینے کیلئے خاص طور پر موزون ہین۔ تجربے مسٹر کروکس کے اپنے مکان پر کئے گئے ہین یا بعض دوستون کے مکان مین اور تمام حاضرین سے وہ ذاتی طور سے واقف ہین اور انہین سے اکثر بالالتزام حاضر ہوتے رہتے ہین اور چونکہ اکثر موقعون پر پورا روشنی رکھا گیا ہے تا عامل کی تمام حرکات ہر وقت زیر نظر رہین۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ خود مسٹر ہوم بھی برخلاف اور عاملون کے تحقیقات کے لئے ہر طرح کا موقع دینے کو تیار رہتے تھے"

غرض ان حالات مین مسٹر کروکس نے بہت سے کرشمے دیکھے۔ وزنی چیزون کو ایک خاص ترازو پر رکھ کر ان کا وزن ہلکا کیا گیا جن مین سے ایک دفعہ دھیمی روشنی مین تو پونڈ کی طاقت معلوم ہوئی مگر روشنی تیز کر دینے پر ثابت ہوا کہ صرف دو پونڈ تھی۔ اکارڈین (ایک باجا) بغیر کسی اتصال کے بجایا گیا اور کبھی دو دفعات پر [illegible] ہوا مین معلق ہو گیا۔ ایک دفعہ دو فٹ لمبا اور [illegible] انچ چوڑا لکڑی کا تختہ میز سے دس انچ اوپر ہوا مین تیرتا رہا اور مسٹر ہوم میز سے تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ اور دوسرون نے پکڑے ہوئے تھے اور پاؤن نظر آتے تھے کہ ساکن ہین۔ ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۷۱ء کو جیسا کہ [illegible] الکھا [illegible]

* [illegible]

ہوسکے اور اکار ڈین بھی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں معلق بجتا رہا۔ اور نیز ۲۱ - اپریل ۱۸۶۸ء کو مسٹر ہوم ہوا میں معلق بیٹھے رہے اور ہوا میں لیٹے رہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایک امر قابل غور ہے کہ اس وقت روشنی کم کر دی گئی تھی جسکی نسبت آگے ذکر ہوگا۔

ڈاکٹر سپیئر کے تجربہ مسٹر موسنز کے متعلق

اسی طرح کے بہت سے تجربوں کا ذکر کرکے دوسرے زبردست عامل مسٹر اسٹین موسنز کے واقعات ڈاکٹر سپیئر کی شہادت سے لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بی اور نیز انکی بیوی نے مسٹر موسنز کے اثر سے آوازوں کا آنا۔ باجوں کا بجنا۔ آگ اور روشنی کا دکھائی دینا۔ بند کمروں میں باہر کی چیزوں کا آنا۔ اور خود مسٹر موسنز کا بلند ہونا غرض ایسے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں انہیں سے مسٹر موسنز کا بلند ہونیکا واقعہ ڈاکٹر سپیئر نے مختصر لکھا ہے کہ

"پہلے تو ایک بڑی گول میز کسی بڑی قوت سے کئی دفعہ ہلی۔ اور پھر مسٹر موسنز دو دفعہ ہوا میں لہرا گئے اور ایک کرسی میز کے اوپر رکھی گئی اور میں خود جو ایک بڑی بھاری کرسی پر بیٹھا ہوا تھا نمایاں طور پر ہلایا گیا۔"

تا معلق ہونے کے متعلق خود موسنز کا ایک مفصل نوٹ ہے جو مسٹر پڈمور نقل کرتے ہیں کہ۔

ایک دن ۳۰ اگست ۱۸۷۲ء کو چھوٹا باجا زور سے نیچے کمرہ کے ایک کونے میں پھینک دیا گیا اور میری کرسی میز کے پاس سے گھوم کر قریب کے ایک گوشہ میں چلی گئی اور آسکاریٹ میز کی طرف سے گوشہ والان کی طرف ہوگیا۔ اس حالت میں کرسی اوپر کو اٹھتی معلوم ہوئی اور یہ میرا خیال ہے کہ بارہ انچ کے قریب بلند ہوئی کیونکہ میرے پاؤں سکرٹنگ بورڈ (تختہ جو دیوار کے ساتھ بطور حاشیہ کے لگایا جاتا ہے) سے مس ہوئے جو بارہ انچ بلند ہوگا۔ کرسی وہاں چند لمحہ کیلئے ٹھہری اور پھر میں خود آہستہ آہستہ اور آسانی سے بلند ہوتا معلوم ہوا۔ مجھے کوئی بے چینی اور اندیشہ پیدا نہیں ہوا اور میں پوری ہوش میں تھا اور حاضرین کو اپنے واقعات بتا رہا تھا۔ حرکت بالالتزام تھی اور بہت دیر میں ختم ہوئی۔ میں بالکل دیوار کے قریب تھا حتے کہ میں نے پنسل نکالی اور اپنی چھاتی کے مقابل دیوار پر نشان کر دیا اور بعد میں جب وہ نشان ناپا گیا تو فرش سے قریباً چھ فٹ بلند تھا اور اسکے محل وقوع سے ظاہر ہے

۔۔ مسٹر پڈمور ۔۔۔ جلد ۔۔۔ باب سوم صفحہ ۱۲ ۔۔ ۱۸۹۱ء

کہ اس وقت میرا سر کمرہ کے گوشہ میں چھت سے متصل ہوگا۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں اس وقت کس طرح وجد میں تھا۔ میں بالکل ہوشیار اور اس منظر سے پورے طور پر واقف تھا۔ میرے جسم پر کوئی دباؤ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں لفٹ (چھت پر لیجانے کی مشین) پر بیٹھا ہوں اور چیزیں میرے سامنے نیچے کو چلی جاتی ہیں تنفس میں تھوڑی سی دقت معلوم ہوتی تھی اور سینہ کسی قدر بھرا ہوا اور یہ کہ میں فضا سے کسی قدر ہلکا ہو گیا ہوں۔ پھر میں آہستہ نیچے کو لایا گیا اور کرسی پر بٹھایا گیا۔ مگر کرسی اس وقت اپنی پہلی جگہ پر (یعنے میز کے پاس) تھی"

ان میں سے مسٹر موسزر کا بیان چونکہ زیادہ تر ان کے اپنے قلم کا ہے اور ڈاکٹر سپیر جوان کو دیکھنے والے ہیں انکے بہت معتقد ہیں اسلئے مسٹر پڈمور کو انکی نسبت مشتبہ ہونا چاہیئے مگر تاہم انکو دھوکے کے اصول پر فیصلہ دینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ "

مخفی طاقت۔ عمداً دھوکا دینا۔ یا نیم بیخودی میں بے اختیاری سے دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا۔ ان تینوں احتمالوں میں سے میں دوسرے اور تیسرے احتمال میں مذبذب ہوں اور زیادہ تر تیسرے احتمال کیطرف میلان رکھتا ہوں"

مسٹر پڈمور ایک دشواری کو دور کرنے کیلئے ہمیشہ ایک اور دشواری کو اختیار کر لیا کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی "نیم بیخودی کی حالت میں دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہونا" معلوم نہیں ڈاکٹر سپیر کے بیان پر اور مسٹر موسزر کے بیان پر کیوں چسپاں ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم یہ شہادت ہے اور شہادت میں گواہی دینے والے کے اعتبار پر بھروسہ ہوتا ہے اور مسٹر پڈمور کو بھروسہ ہے نہیں اس لیئے اس بارہ میں ان پر گرفت نہیں ہو سکتی لیکن مسٹر پڈمور کے دوسرے رفیق جو علم و فضل میں اور مطالعہ روحانی کی تلاش میں ان سے زیادہ مشہور ہیں اور جو مسٹر موسزر سے زیادہ تعارف بھی رکھتے ہیں اور جنہوں نے مسٹر موسزر کے قلمی مسودوں کو غائر نظر سے دیکھا اور ان کو ترتیب دیکر شایع کیا ہے یعنی مسٹر ڈبلیو ایچ مائرس انکی نسبت [illegible] اظہار کرتے ہیں (ماخوذ از اقتباس ذکر ملائکہ) اور ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ "

مسٹریز آف سائیکیکل ریسرچ [illegible] باب نہم صفحہ ۳۲۲-۳۲۱

"جب مینے مسٹر موسنز کے انتقال کے بعد اُن کے قلمی مسودہ کو دیکھا اور پرتال کی تو میرا اعتقاد اُن کی نسبت اور بھی قوی ہو گیا"

پھر لکھتے ہین کہ "اون کے مسودہ کو بہت مدت تک مطالعہ کرنے پر کوئی چیز بھی نامعقول نہین معلوم ہوتی - مینے خود بھی اُن کو نہایت غور سے پڑتال کیا ہے اور اپنے بہت سے دوستون کو بھی دکھایا ہے - کوئی بے ربطی - کوئی تناقض اور کوئی شک کی وجہ ہمکو معلوم نہین ہوتی اور تمام واقعات کی تفصیل اور تاریخین ایسی درستی سے درج ہین کہ ان مین سے جو واقعات اور تاریخین دیگر وسایل سے ہمکو ملین ان مین اور مسٹر موسنز کے اظہار مین کوئی تفاوت نہ تھا"

مسٹر ہوم اور اُن کو دیکھنے والے سر ولیم کروکس کی نسبت مسٹر ٹیڈ مور حسب ذیل لکھتے ہین †

"نہ تو اس مختصر مین مسٹر کروکس کے سب تجربون پر مفصل بحث کرنی ممکن ہی اور نہ مجھے ایسا کرنا مناسب ہے مسٹر کروکس جنہون نے ریڈی او میٹر اور سپکٹرا سکوپ †† کی تحقیقات مین بھی ویسی ہی شہرت حاصل کی ہے جیسی مظاہر روحانی کی تلاش مین اور جن کو دو نو قسم کے واقعات پر پورا یقین ہے ان کی نسبت یہ خیال کرنا نادانی ہے کہ انہون نے مظاہر روحانی کی تحقیق مین نکتہ رسی کی عادت تخلیل کی طاقت اور کامل تحقیق کا ملکہ غرض اپنے تمام عمر کے رویہ کو ترک کر دیا ہو - اور مسٹر کروکس کی مہربانی سے مجھہ کو ان سے بذات خود اس معاملہ پر گفتگو کرنیکا موقع بھی ملا ہے اور مین اعتراف کرتا ہون کہ مین اس معمے کو کسی ارزان اور آسان طریق سے حل نہین کر سکتا - تاہم یہ کہا جا سکتا ہی کہ مسٹر ہوم کے جلسون مین اکثر موقعون پر کسی بڑے عجیب منظر سے پہلے کمرہ کی روشنی کو کم کر دیا گیا ہی مثلاً بلند ہونے اور کوئلون کو ہاتھہ مین لینے کے وقت - اور نیز کمرہ کے سامان وغیرہ کی حرکتین انہی منظرون سے مشابہ ہین جو دوسرے عامل دھوکے سے پیدا کرتے معلوم ہوئے ہین - اور نیز چونکہ مسٹر کروکس اور دیگر حاضرین کو مسٹر ہوم کی دیانت پر پورا اعتقاد ہے اس لیے ممکن ہے کہ کسی وقت احتیاط مین سستی کر دیگئی ہو

† سٹنڈرڈ سائیکیکل ریسرچ باب چہارم یا پنجم صفحہ یاد نہین رہا -

†† ریڈی او میٹر مسٹر کروکس کی ایجاد ہی جس سے حرکت دینے والی شعاعین ثابت ہوتی ہین اور سپکٹرا سکوپ غالباً مسٹر کروکس کی ایجاد نہین مگر اس کے ذریعہ سے اُنہون نے تھلیم نامی ایک دہات دریافت کی ہے (ملاحظہ ہو حالات ریڈیو میٹر و سپکٹرا سکوپ - کتاب فزکس مصنفہ گینو)

اور اس سستی نے تحقیقات کو تباہ کر دیا ہو لیکن یہ عمل جو میں کرتا ہوں اس میں دماغی تسلی پانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا"

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر پاڈمور نے پہلے سے عہد کر لیا ہے کہ کیسا ہی واقعہ ہو اس سے انکار کرینگے اور جس طرح ممکن ہو انکار کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کرینگے مگر معقول پسندی بھی اپنا شیوہ ہے اس لیے عادت کے موافق وجہ انکار پیدا کرتے ہیں اور تو عقل کے سبب اُس کے ضعف سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہ اعتراض بھی اسی قسم کے ہیں اور ان سے ایک ایسے شخص کے خلاف جس کو وہ خود بڑا محقق اور بیدار مغز مانتے ہیں کوئی تسکین نہیں ہوتی۔ مسٹر کروکس احتیاط کا ذکر قریباً ہر واقعہ کے ماتحت کرتے ہیں اور ہیوم کی دیانت پر بھی یہی اعتماد ثابت ہوتا ہے کہ ان کو پرے بیٹھایا جاتا ہے۔ ہاتھ پکڑ لیے جاتے ہیں۔ پاؤں کو دیکھتے رہتے ہیں اور ایسے وقت پر دیکھتے ہیں تو اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ معہذا اس منظر کی ظاہری شکل کا دھوکا دینے والوں کے طریقے سے مشابہ ہونا بھی توہم معلوم ہوتا ہے۔ دھوکا کہتے ہی اُس کو ہیں جس کی ظاہری شکل بالکل واقعیت کے مشابہ ہو۔ عدالتوں میں جعلی کاغذات اور جھوٹی شہادتیں ویسی ہی درستی سے پیش کی جاتی ہیں جیسے اصلی تمسک اور سچی شہادتیں مگر اس بنا پر شہادت اور تمسک کو محکمہ عدالت سے موقوف نہیں کیا جاتا۔ البتہ روشنی کم دینے کا اعتراض قوی معلوم ہوتا ہے اور بے شک اس سے دھوکے کا امکان

روحانی عمل کیلئے تاریکی مناسب ہے

ہوتا ہے مگر ایک تو اس مسئلہ کو جس طرز سے مسٹر لیڈ بیٹر حل کرتے ہیں کہ† "روحانی قوت کا ایک عام خاصہ ہے کہ تاریکی میں اسکا اثر زیادہ ہوتا ہے" یہ توجیہ قرین قیاس ہے کیونکہ عاملوں کا روشنی کو کم کر دینا تو بظاہر انکی بددیانتی سمجھا جا سکتا ہے مگر مسٹر لیڈ بیٹر کی تائید ان عام مناظر سے بھی ہوتی ہے جبکہ لوگوں کو خیالی یا واقعی شکلیں اور غیبی پیغام اور خبریں معلوم ہوتی ہیں جو بعد میں سچ ثابت ہوتی ہیں یا [illegible] مرنیوالوں کی شکلیں موت کے وقت یا بعد میں اُنکے دوستوں کو نظر آتی ہیں اور ان کے حدوث کو مسٹر لیڈ بیٹر [illegible] تمام مناظر روحانی کی تلاش کرنیوالے [illegible] ہیں۔ غرض یہ سب مختلف قسم کے منظر تصورات کو دکھائی دیتے ہیں اور کبھی [illegible] روحانی [illegible] گویا پوری روشنی میں نظر آیا ہو بلکہ روحانی طور پر اطلاع پانے کے اکثر واقعات خواب کی حالت میں آتے ہیں اور روحانی علاج بھی اسی صورت میں زیادہ قوی ہوتا ہے کہ سوتے [illegible] خیال سے کام کر لیا جاتا [illegible] ایک ہے اور اسی لئے مسٹر لیڈ بیٹر کہتے ہیں کہ [illegible] کے اندر [illegible] پہنچ جاتے ہیں وہ

† ادر سائڈ آف ڈیتھ باب بست و ہشتم

عموماً خطا نہیں کرتے اس لیے کہ سلیٹون کے اندر ہر وقت تاریکی رہتی ہے اور اس لیے روحانی اثر بے وقت پہونچ سکتا ہے۔ اور دوسرے مسٹر کروکس اور ماسٹر اف لنڈ سے کے اکثر تجربون مین روشنی تیز بھی دیکھی گئی ہے اور اثر ظاہر ہوا ہے چنانچہ بلند ہونے اور کوٹلون کو پکڑنے کے دو موقعون مین سے ایک مین روشنی پوری رکھی گئی ہے -

روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے

غرض روحانی اثر کی تیسری قسم یعنے اجسام کا بے ارادہ حرکت کرنا بھی اکثر روایتون سے ایسی قوت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی گنجایش نہین اور ہم لوگون مین سے جن کو صوفیاے کرام کے حلقون مین حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس گئے گذرے زمانے مین بھی اپنی آنکھون سے دیکھتے ہین کہ ایک با خدا کی قلبی توجہ سے حاضرین کے دل کیسے بیتاب ہو جاتے ہین کہ وہ حلقہ توجہ مین نیم بسمل کی طرح تڑپتے نظر آتے ہین - اور نیز لطائف کی مشق سے کس طرح خاص خاص اعضا اور لطیفہ قلب مین تمام جسم بے ارادہ حرکت کرنے لگتا ہے اور نیز پاس انفاس یا یوگا بھیاس کرنے سے کیونکر انسان کی روح کسی خاص مقام پر مقید ہو کر تمام جسمانی اعضا اور حرکت کرنے والی شریانین اور اعضاے تنفس سرد بے حس و حرکت اور مردہ ہو جاتے ہین -

روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ معلوم نہین ہو سکتی

مگر روحانی طاقت جسم پر کیون کر اثر کرتی ہے ؟ اس کا قانون دریافت نہین ہو سکا مسٹر ہیڈسن لکھتے ہین کہ ؎

"انسانی روح جسمانی حواس اور قوی پر کیونکر حکومت کرتی ہے ؟ فانی انسان کبھی نہین جان سکتا اور یقین ہے کہ اس سوال کو فزیالوجی اور سریبل اناٹومی یعنے علم قواے جسمانی اور علم تشریح دماغی حل نہین کر سکتا یہ ایک سائنٹیفک یعنی علمی واقعہ ہے جس کو اس لیے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ قابل اثبات ہے۔ نہ اس لیے کہ انتہائی اسباب بیان ہو سکتے ہین"

ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ بھی نامعلوم ہے

اور روح کا جسم کو حرکت دینا ایک طرف ارادہ جو جسم کو حرکت دیتا ہے اسکی وجہ بھی معلوم نہین ہے مسٹر مائرس لکھتے ہین ؂

"مجھے یہ بھی معلوم نہین کہ میرا ارادہ میرے بازو کو کیونکر حرکت دیتا ہے لیکن مین تجربہ سے جانتا ہون کہ عموماً میرا بازو

؎ لا آف سائیکک فنامنا باب ۱۱ صفحہ ۱۵۱ سنہ ۱۸۹۳ء ؂ ہیومن پرسنلٹی باب ۹ صفحہ ۳۱۳

میرے ارادہ سے متحرک ہو جاتا ہے اور پھر اُن چیزون کو حرکت ہوتی ہے جو بازو سے متصل ہون۔ یعنے اُن چیزون کو جو
میرے اس حصۂ جسم سے متصل ہون جس پر میری نظام جسمانی کی زندگی منحصر ہے اور کبھی مین اُن چیزون کو بھی
حرکت دے سکتا ہون جن کو میرے جسم سے حقیقی اتصال نہین ہوتا مثلاً حرارت کے ساتھ یا برقی طاقت کے ساتھ
جو میری اُنگلیون سے نکلتی ہے بعض مادّون کو پگھلا کر یا جلا کر حرکت دے سکتا ہون۔ غرض اس طاقت کیلئے مین کوئی
معین حد نہین پاتا اور طاقت کی اُن تمام شکلون کو نہین جانتا جو مناسب بہیئت سے میری اُنگلیون سے
پیدا ہو سکتی ہے"

جسم کا جسم کو حرکت دینا بھی ایک راز ہے۔

اور یہ تو مخفی طاقتین ہین جن سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس لیئے سمجھ مین نہین آتا
کہ کیونکر پیدا ہوتی ہے مگر اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اجسام کا اجسام کو حرکت
دینا بھی کسی اصول سے حل نہین ہو سکتا ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہین +

"ہم ہمیشہ سے دیکھتے ہین کہ متحرک ساکن کو متحرک کر دیتا ہے اس لیئے تعجب نہین کرتے ورنہ سمجھ مین نہین آتا
کہ متحرک کے دھکا دینے سے ساکن مین کیا بات پیدا ہوئی کہ پہلے تو ایک حالت مین تھا اب لحظہ بلحظہ جگہ
بدلتا ہے یہ کہو کہ حرکت دوسری چیز سے اس مین داخل ہو گئی۔ کیونکر؟ وہ کیا چیز اسمین اب آ گئی جو پہلے
موجود نہ تھی۔ پھر سمجھ مین نہین آتا کہ حرکت سے سکون کیونکر پیدا ہوا۔ قانون تواتر کہتا ہے کہ کوئی رفتار کسی درجہ
سے کسی درجہ تک کم نہین ہوتی جب تک درمیانی درجات کو عبور نہ کرے پس جو متحرک ساکن ہوا وہ ساکن
ہونے سے پہلے متحرک تھا اور اسمین رفتار تھی اور وہ رفتار چاہے کیسی ہی سست ہو سکون سے ہر حال مین
بدرجہا زیادہ ہے پس اس سے بغیر درجات کو ختم کرنے کے دفعتہً سکون کیونکر پیدا ہو گیا۔ غرض ان تغیرات کو
ہم یقیناً جانتے ہین کہ واقع ہوتے ہین۔ مگر سمجھ مین نہین آتے"۔

روحانی اثر اس زمانے مین کمتر نظر آتے ہین۔

یہ ضرور ہے کہ جیسا کہ مسٹر ڈیپر جسمانی حرکات کی نسبت لکھتے ہین جسمانی حرکات
ہون یا دیگر قلبی انکشافات تمام مظاہر روحانی اس زمانے مین پہلے زمانون کی نسبت
کمتر واقع ہوتے ہین اور اس کیفیت کو سرسری نظر سے دیکھ کر بیشک ان طاقتون کی نسبت کسی قدر شبہ پیدا ہوتا

+ کتاب فرسٹ پرنسپلز باب سوم صفحہ ۶۱ سنہ ۱۸۸۸ء

مگر واقعات کا کامل مطالعہ کرنے سے جو قاعدے روحانی عمل کے لیے دریافت ہوئے ہین اُن واقعات اور اُن قاعدون کو دیکھتے ہوئے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے - کیونکہ روحانی طاقت کے ظہور کی ایک شرط اپنی توجہ کو جسم و جسمانیات سے ہٹانا ہے اور اسی لیے جب اپنے ارادہ سے کوئی عمل کرنا مقصود ہوتا ہے تو کسی نہ کسی طریق سے حالت وجد پیدا کی جاتی ہے - اور ایک دوسرا قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ روح پر انسانی خیال نہایت شدت سے اثر کرتا ہے حتے کہ اگر مسمریزم کے معمول کو خیال دلوایا جائے کہ وہ مُردہ ہے تو فوراً تمام علامات زیست منقطع ہو جاتی ہین اور اگر اُس کو بندر یا کتا ہونے کا یقین دلوایا جاوے تو انہی کی سی حرکتین کرنے لگتا ہے اور اسی قاعدہ کا اثر ہے کہ اگر معمول کے سامنے کوئی منکر اپنے خیالات اُس کی روحانی طاقت کے خلاف ظاہر کرے تو جیسے وہ خیال کے اثر سے جسمانی قوتون کو کھو دیتا ہے اسی طرح سے روحانی قوتین بھی ایسے خیال سے معدوم ہو جاتی ہین - اور اگر منکر مضبوط خیال کا آدمی ہو تو زبان سے انکار کرنا بھی ضرور نہین بلکہ معمول اپنی روحانی طاقت سے اُس کے دلی خیال کو پڑھتا ہے اور اس خیال کے اثر سے اپنے تئین کھو بیٹھتا ہے پس اسوقت بھی روحانی اثر ہے جو ایک مخالف تموج پیدا کر کے دیگر روحانی اثرون کو زائل کر رہا ہے - غرض یہ دونون قاعدے کلیہ اور یقینی طور پر ثابت شدہ ہین† اور جیسے خاص خاص اشخاص پر صادق آتے ہین خاص خاص اقوام اور زمانون پر بھی چسپان ہین - اس لیے جس زمانے مین اور جس قوم مین جسمانی علوم کا رواج اور ان پر یقین اس درجہ تک ہو کہ جسم کے سوا کسی چیز کا حتے کہ انسانی روح کا یقین بھی زائل ہو چکا ہو اس وقت پہلی شرط یعنی جسم و جسمانیات سے بے توجہی اور روحانی غور و فکر کی عادت زائل ہو جاتی ہے اور ان طاقتون کی مشق نہ کرنے سے یا تو وہ بالکل معدوم ہو جاتی ہین یا کم اثر کرتی ہین اور اسی طرح جب قوت انکار کا غلغلہ دل و زبان سے نکل کر تمام فضا مین پھیلا ہوا ہو تو اس مخالف خیال کے اثر سے جس قدر طاقتین ہوتی بھی ہین عمل نہین کرتین اور اس لیے ظاہر ہے کہ ایسے زمانے مین جیسا کہ اب بھی ان طاقتون کا ظاہر نہ ہونا تعجب نہین بلکہ اگر کہین اُن کا اثر پایا جاسکے تو وہ محل حیرت ہے ٭

---

† مسٹر ہڈسن نے ان دونون عنوانون پر دو باب لکھے ہین اور قرائن اور واقعات سے ان کو ثابت کیا ہے - ملاحظہ ہو باب دوم و ہفتم کتاب لا آف سائیکک فینامنا -

معجزہ

اور اس کے برخلاف گذشتہ زمانے مین جبکہ لوگون کے دلون پر مذہبی گرفت ایکی نسبت زیادہ تھی اسی گرفت کے مطابق اُن کو خدا کی طرف اور روحانیات کی جانب توجہ تھی اور اس قسم کے غور و تامل اور مراقبہ و مجاہدہ سے بیدارادہ اور خود بخود جسمانیات سے وہ بے تعلقی پیدا ہوجاتی تھی جو روحانی اثر کی ضروری شرط ہے اور نیز منکرانہ خیالات کا مخالف اثر بھی اس وقت کہین تو ایسی طاقتون کے خلاف بالکل موجود نہ ہوتا تھا اور کسی جگہ ہوتا بھی تھا تو محض عناد او ہٹ دھرمی سے ہوتا تھا۔ مگر جسمانی علوم کی مدد سے اور اصولی طور پر روح وغیرہ کے انکار سے مخالفت نے جو اعتقادی اور مذہبی کا درجہ اب حاصل کیا ہے اس کا اُن دنون مین نشان نہ تھا۔

اور اس طرح پر روحانی اثر کی دونون شرطون کے پائے جانے سے وہ عمل سرزد ہوتے تھے جو دنیا کے لیے باعث حیرت تصور تھے اور اعجاز و کرامت کا لقب پاتے تھے اور پھر خلق اللہ کو جو توجہ ان عجائبات کی وجہ سے ان بزرگوارون کیطرف ہوتی تھی اس سے کام لیکر وہ ان کو اپنی تعلیم و ہدایت کی طرف بلاتے تھے اور اس طرح پر عوام الناس کے لیے جو نور عقل سے تعلیم و ہدایت کی خوبیان نہ سمجھ سکتے ہون یہ روحانی کرشمے معجزہ کے نام سے دعوی کے لیے دلیل کا کام دیتے تھے

مگر گذشتہ زمانے مین بھی جب کبھی انکار کا اثر بہت قوی ہوا ہے تو وہان روحانی اثر ظاہر کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ منکرون کو کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا۔ اور نیز جس جس قدر انکار کی عادت بڑھتی گئی روحانی آثار یا بالفاظ دیگر معجزون کا اظہار کم ہوتا گیا اور غالبًا اسی اصول کی طرف اشارہ ہے جہان ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط (بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۶)	ہمکو نشان بھیجنے سے اس امر نے روک دیا ہے کہ پہلے لوگون نے انکی تکذیب کی

یہان معجزہ کے رک جانے کو خدا کی طرف منسوب کرنا قرآن کا عام محاورہ ہے چنانچہ وہ تمام مظاہر قدرت کو جو معینہ اسباب سے سرزد ہوتے ہین خدا کی طرف جو علۃ العلل ہے منسوب کیا کرتا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ ہم نے ہواؤن کو چلایا۔ ہمنے بارش برسائی اور ہمنے زمین سے نباتات اگائین اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے وہ قوانین قدرت مقرر کیے جن سے یہ مظہر پیدا ہوئے اسی طرح یہان بھی یہی مطلب ہے کہ ہمنے ایسا قاعدہ مقرر

کیا کہ تکذیب و انکار کی اشاعت سے قوای روحانی کا اثر باطل ہو جائے۔

غرض موجودہ زمانے مین روحانی طاقت کا کم یا زایل ہو جانا اُس تحقیقات کو غلط نہین کر سکتا جو مختلف طریقون سے ان امور کی نسبت کی گئی ہے البتہ اسی تحقیقات سے بہت سے واقعات ایسے بھی دریافت ہوئے ہین جن مین دھوکا دیا گیا ہے اور کوئی شعبدہ جسمانی وسائل سے دکھا کر روحانی طاقت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو لوگ محض عالمانہ طور پر دلایل سے اس کا یقین حاصل کرنا چاہتے تھے اور خود کسی قسم کا ذاتی تجربہ نہین رکھتے تھے ان واقعات سے متوحش ہو کر مطلق انکار کی جانب مائل ہو گئے ہین چنانچہ مسٹر پڈ مور بھی انھی لوگون مین سے ہین۔ مگر دھوکا آمیز واقعات کو مدنظر رکھ کر اور نیز سادہ منطقی طریق استدلال کو رہنما بنا کر جو نتیجہ منصفانہ طور پر نکالا جا سکتا ہے وہ مسٹر مائرس کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ ‡

"جو دلچسپی عوام الناس کو ان مظاہر سے ہے اُس نے جیسا کہ بخوبی معلوم ہے فریب کو بہت ترقی دی ہے جسکو ثابت کرنا اور جس کے لیئے پیش بندی کرنا سوسایٹی فار سائیکیکل ریسرچ کا بہت بڑا مقصد ہے۔ اور بیشک پیشہ ور روحانی طور پر جسم کو حرکت وغیرہ کی جو نقل (دھوکا دینے والے) عام طور پر کرنے لگے ہین اُس نے ان واقعات کی صداقت مین بھی شک پیدا کر دیا ہے جن مین نہایت احتیاط سے دھوکے کی پیش بندی کی گئی ہے یا دھوکا غیر اغلب سمجھا گیا ہے۔ اور اس سبب سے مین اگرچہ پورے طور پر یقین رکھتا ہون کہ روحانی طاقت سے جسمانی حرکات پیدا ہو سکتی ہین مگر یا تنا ہون کہ ان کی نسبت ناظرین کا یقین پیدا کرنا یا انکو اپنی عام اور مکمل تجربہ کا ایک مکمل حصہ بنانا قبل از وقت ہے کیونکہ دھوکے کے اصول کے خلاف ان کو پورے طور پر ثابت کرنا ایک تو اعاظ فسون سازی اور دیگر فنون کی کامل واقفیت پر منحصر ہے جس کا مین دعوی نہین کر سکتا اور دوسرے ان کو پورے طور پر سمجھنا مادہ اور ایتھر کے تعلقات پر موقوف ہے جن کی دھیمی سی جھلک نہایت تازہ علمی انکشافات مین نظر آتی ہے مثلاً وہ انکشافات جو

‡ ہیومن پرسنلٹی باب نہم صفحہ ۳۱۲ —

ابھی حال میں شعاعوں کی نسبت ہوئے ہیں اور جن کا پہلے گمان بھی نہ تھا۔" ؁۴

یقین کے لیے کسی واقعہ کا ثبوت ضروری ہے نہ کہ سبب کا دریافت ہونا

بیشک یہاں مسٹر مارس جس یقین کو فی الوقت کہتے ہیں وہ یقین ہے جو کسی چیز کی علت دریافت کر لینے سے پیدا ہوا کرتا ہے اور شاید جیسا کہ ان کو امید ہے کبھی وقت آ جائے اور ایتھر اور مادہ سے بڑھکر روح اور مادہ کا تعلق دریافت ہو جائے مگر ابھی تک روحانی حرکات کی علت دریافت نہیں ہو سکی ہیں تا حال ایسے امور کی نسبت یقین کا ایک وہی طریق ہے جس سے خود مسٹر مارس کو یقین ہوا یعنے تجربہ اور تجربہ کے متعلق طویل اور منصفانہ غور و فکر۔ اور دیکھا جائے تو جو یقین کسی واقعہ کا سبب دریافت کرنے سے ہوتا ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے کیونکہ علت و معلول کا سلسلہ نہایت پیچیدہ ہے قوانین قدرت بے انتہا اور عقل انسانی ہمیشہ ترقی پذیر ہے۔ آج کسی چیز کا ایک سبب قرار دیا جاتا ہے اور اسی سے طبیعت کو تسکین دی جاتی ہے کل وہی واقعہ پیش آتا ہے مگر وہ سبب چسپاں نہیں ہوتا۔ انسان کچھ دیر کے لیے متحیر ہو جاتا ہے پھر کسی اور سبب کا پتہ لگتا ہے اور اس پر یقین کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ایک ہی واقعہ کی نئی نئی صورتیں اور نئے نئے اسباب دریافت ہوتے رہتے ہیں اس حالت میں جو بات پکی اور یقینی ہے وہ اس امر واقعہ کا ظہور پذیر ہوتا ہے ورنہ اسباب جس طرح پہلے بدلتے رہے ہیں آیندہ بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ کوئی اور سبب دریافت نہ ہو گا۔ انسان دور سے جنگل میں ایک روشنی دیکھتا ہے چونکہ جانتا ہے کہ انسان آگ جلا کر روشنی پیدا کیا کرتے ہیں اس لیے یقین کرتا ہے کہ یہ روشنی بھی کسی انسان کا فعل ہو گا مگر پھر معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانی فعل نہ تھا بلکہ بجلی کی چمک تھی اس پر یقین کرتا ہے۔ پھر کبھی رات کو فاسفرس جل اٹھنے سے ویسی ہی چمک نظر آ جاتی ہے کبھی دن کو آئینہ یا کسی اور روشن چیز پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے اسی طرح کا شعلہ دکھائی

؁۴ غالباً اس سے اشارہ ان شعاعوں کی جانب ہے جن کو اکس ریز کہتے ہیں اور جو حیوانی جسم اور اکثر چیزوں سے گذر جاتی ہیں یا سریاں ہیں جن سے بہت سی عجیب باتیں دریافت ہوئی ہیں۔ یا آفتاب کی وہ شعاعیں جو الٹرا وائیولیٹ ریز کہلاتی ہیں اور جن میں مسٹر کروکس نے ایک آلہ ریڈیو میٹر نامی ایجاد کر کے حرکت پیدا کرنے کی طاقت ثابت کی ہے۔ ان تجربوں کی نسبت کوئی متفق علیہ وجہ کہ یہ حرکت کیوں کر پیدا ہوتی ہے دریافت نہیں ہوئی اگرچہ تھیوریز یعنے احتمالات بہت ہیں (ملاحظہ ہو کتاب ڈی کس مصنف گینو حالات ریڈی آمیٹر اور الٹرا ریڈی اس)۔

دیتا ہے۔ علّت و معلول کا سلسلہ بدلتا رہتا ہے حتی کہ آئندہ کسی اور روشنی کو دوسری دیکھنے پر کسی خاص سبب کا یقین نہیں ہوتا۔ مگر جو بات ہر طرح یقینی طور پر ثابت رہتی ہے وہ روشنی کا وجود ہے۔ اسی طرح روحانی اثروں کے لیے جبکہ کسی عامل نے نظر جما کر کسی کو بیہوش کر دیا ہے خیال ہوا کہ انسان کی آنکھوں سے کوئی مقناطیسی قوت نکلتی ہے۔ پھر کسی مسمرائزر نے انسان کے چہرہ اور چھاتی کے سامنے ہاتھوں کو اوپر سے نیچے کو لا کر اسے مدہوش کیا لوگ سمجھے کہ انگلیوں سے ایک رقیق مادّہ نکلکر یہ حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر آج صدہا تین پیش آئیں جہاں دیکھنے اور ہاتھ سے پاس کرنے کے بغیر کوئی اثر پیدا ہوا اور اس کے سبب کی تلاش ہوئی کبھی الٹراوائیولیٹ ریز (کیمیائی اثر پیدا کرنے والی شعاع) یا اکس ریز (جسم انسانی سے نفوذ کرنے والی برقی شعاع) کیطرف خیال گیا کبھی ایتھر اور مادّہ کا تعلق سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ غرض اہل علم اپنی علمی طاقت سے اس طرح کے سبب دریافت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے مگر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور یہ دعوی نہ ہو سکے گا کہ جس قدر اسباب قدرت نے مہیا کیے تھے وہ معلوم ہو چکے۔ اور جو بات ہر جگہ ثابت اور یقینی ہے وہ یہی ہے کہ انسان میں کچھ مخفی طاقتیں ہیں جن کا اثر کبھی کبھی نظر آجاتا ہے۔ خواہ اسباب و علل کچھ ہی ہوں۔

روحانی طاقتیں مہاتما بُدھ کی زبان سے

قدیم زمانے میں جب کہ انسان کی دماغی طاقتیں اس عروج پر نہ تھیں اور بیشتر روحانی طاقتوں پر مدار تھا اُس وقت میں بھی بعض فلسفیانہ خیال کے بزرگوار ان مظاہر کو دیکھ کر اپنی سمجھ کے موافق اُن کے اسباب مُعیّن کرتے تھے چنانچہ مہاتما بُدھ ان طاقتوں کا یوں ذکر کرتے ہیں[1]۔

"انسان ایک جسم رکھتا ہے جو چار عناصر سے مُرکّب ہے اور جو اُس کے والدین کے اجتماع کا ثمرہ ہے۔ چاول یا آش سے پرورش پاتا ہے اور کاٹا جا سکتا ہے اور پامال کیا جا سکتا ہے۔ اس چند روزہ جسم میں اسکی ذہانت غیر محدود ہے۔ سادھو اپنے تئیں اس طرح مقید پا کر اس سے کسیقدر آزاد و لباس پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں ایک اور جسم کا نقشہ جماتا ہے جو اس مادّی جسم سے پیدا ہوا ہو اور جو اسی طرح

---

[1] کتاب پاپولر لائف آف بُدھا یعنی بُدھ کی سوانح عمری مصنفہ مسٹر آرتھر للی باب پنجم صفحہ ۱۸ ۱۸۸۳ء اقتباس ایک بنگھالی کتاب سے جس کا نام سمانا فالا ستّا ہے۔

کی شکل اور اعضا او نظام جسمانی رکھتا ہو۔ اس جسم کا مادی جسم سے وہی تعلق ہے جو تلوار کو میان سے یا
سانپ کو اس کینچلی سے جس مین وہ بند ہے۔ سادھو اس طرح صاف اور کامل ہو کر اپنی فوق العادت طاقتون
کا استعمال شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے تئین مادی رکاوٹون۔ دیوارون اور احاطون مین سے نفوذ کر جانیکے
قابل پاتا ہے اور اپنے سایہ نما جسم کو ایک ہی وقت مین بہت سی جگہون مین ظاہر کرنیکے قابل ہوتا ہے
وہ پانی کی سطح پر چل سکتا ہے اور ڈوبتا نہین۔ وہ بڑے پرون والے عقاب کی طرح ہوا مین اُڑ سکتا ہے
اور وہ اس دُنیا کو چھوڑ سکتا ہے اور برہما یعنی خدا کے آسمانون مین جا سکتا ہے۔ اس وقت جس طرح یہ
ہاتھی دانت کا کام کرنے والا اپنے خیال کے مطابق ہاتھی کی سونڈ بنا لیتا ہے اسی طرح سادھو اپنے
خیال کے زور سے ایک اور خاصہ حاصل کرتا ہے۔ وہ نادیدہ جہان کی آوازین سُننے کی طاقت
حاصل کرتا ہے بالعینہ جس طرح کہ وہ اس خیالی دُنیا کی آوازین سُنتا ہو۔ بلکہ حقیقت مین اس سے بھی
زیادہ وضاحت کے ساتھ۔ اور نیز وہ اپنے من کی طاقت سے دوسرون کے بہت ہی پوشیدہ رازون
کو معلوم کرنے اور اُن کی خصائل و عادات بتانے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ فلان شخص کا
قلب آزاد ہے۔ فلان اچھی نیت کا آدمی ہے۔ فلان کوئی آرزو ہی نہین رکھتا جس طرح بچہ اپنی کان
کی بالیون کا عکس پانی مین دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ بالیان میری ہین اسی طرح ایک صاف باطن سادھو
صداقت کو پہچان لیتا ہے۔ اس وقت اُس کو دیدار خدا کی قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دیکھ لیتا ہے جو
کچھ انسان زمین پر کرتا ہے اور جو مرنے کے بعد یا دوبارہ پیدا ہونے پر کریگا۔ پھر وہ دُنیا کے رازون کو معلوم
کرتا ہے اور یہ کہ لوگ مصیبت زدہ کیون ہین اور کیون کر وہ اس حال سے رہائی پا سکتے ہین۔"

غرض مہاتما بدھ اپنی طرز ادا سے واقعات بعینہ وہی لکھتے ہین جو ایک ریگستان کے اُمّی پیغمبر کو (صلی اللہ
علیہ وسلم) شبِ معراج مین پیش آئے۔ پس خواہ وہ رُوح ہو جو ایسی حیرت انگیز طاقتین رکھتی ہے اور خواہ اس جسم کے
اندر کوئی اور لطیف جسم ہو اور خواہ انسان محض اسی گوشت پوست کا نام ہو اور اس کے اندر مقناطیسی یا مسمریزم
جیسی طاقت مضمر ہو۔ اس کی تحقیق کرنیوالون کو مبارک ہو۔ جو امر واقعہ ہے وہ اسی قدر ہے کہ اِس
ساڑھے تین ہاتھ کی مخلوق کو بڑی قدرت دی گئی ہے جس کے ادنیٰ کرشمے عموماً ظاہر ہوتے رہتے ہین اور جب

وہ اس نور مطلق کی طرف دھیان لگاتا ہے اور وہ جسمانیت سے بے توجہی جس کو یہ دنیا والے بھی روحانی اثر کے لیے شرط ٹھیراتے ہین اپنی سب سے بڑی اور کامل صورت مین پیدا ہوتی ہے تو اس کی اندرونی طاقتین پوری قوت سے جلوہ دکھاتی ہین اور انسان اپنی استعداد کے موافق کبھی کسی مخفی راز کو معلوم کر لیتا ہے اور کبھی کوئی جسمانی اثر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور جب صفائی اور نور باطن اس درجہ کو پہونچ جاتا ہے کہ دولت دیدار بے واسطہ میسر ہو تو ویسے موقع پر وہ طاقت مکمل ہو کر کئی طرح سے اپنا ظہور دکھاتی ہے وہ لاحد و فضا مین سیر کرتا ہے ارواح مجردہ اور گذشتہ انسانون سے ملاقی ہوتا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے حالات جو پس از مرگ پیش آنے والے ہین مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے کمال کے انتہائی نقطہ پر پہونچ کر جس کو معراج کہتے ہین اُن رازون سے واقف ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے نور معرفت حاصل ہو اور انسان وصال ربانی کے لطف اُٹھائے۔

معراج جسمانی

غرض جو روحانی آثار وقتاً فوقتاً بعض انسانون سے بے ارادہ صادر ہوئے ہین یا جو خاص قاعدون پر عمل کرنے سے انسان اپنے ارادہ سے ظاہر کرتا ہے اُن کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جسمانی معراج مین جس کو اکثر اہل اسلام مانتے ہین کوئی اصولی غلطی نہین اور فرق صرف اسی قدر ہے کہ مخفی رازون کو دریافت کرنے اور جسم و جسمانیات پر عمل کرنے کی طاقت جو ادنے پیمانہ پر عام انسانون مین پائی جاتی ہے وہ اعلی اور اکمل پیمانہ پر کسی خاص سے خاص بندہ کے لیے تسلیم کی گئی ہے۔

روحانی عمل کے لیے قاعدون کی تعلیم ضروری نہین۔

بھاپ سے دیگچی کے سرپوش کی حرکت یا درخت سے پھل گرنے کا میلان ایک ادنے کرشمہ تھا اُس طاقت کا جو کروڑون من وزنی اجسام کو کھینچتی ہوئی بعد مین ثابت ہوئی مگر جن اللہ کے بندون کو نور عقل دیا گیا تھا اُنھون نے چشم بصیرت سے گویا اُسی وقت اُس کے تمام کرشمے دیکھ لیے تھے اور اسی لیے وہ ایسے یقین سے اسکی تحقیق مین لگ گئے کہ اگرچہ دنیا ان پر ہنستی تھی مگر وہ جس چیز کو دیگچی اور سیب مین دیکھ چکے تھے ثابت کر کے رہے کہ صرف دیگچی اور سیب مین نہین بلکہ نہایت بڑے پیمانہ پر تمام دُنیا مین پھیلی ہوئی ہے۔ اور خیر یہ تو ایسے لوگ تھے خود جن کا دماغ اور نیز جن کا زمانہ علم و فضل کی لذت سے آشنا تھا اور اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ انکی تعلیم نے اور زمانہ کی ترقی نے ان کو اس تلاش کی طرف متوجہ کیا۔ ہمکو تو ابتدائی انسان بھی نیوٹن اور واٹ کا ہم پلہ معلوم ہوتا ہے جس نے کسی پتھر کو دوسرے پتھر پر گھستے ہوئے ایک ذرا سی

چمک پیدا ہوتی دیکھی ہوگی اور اس ذرا سی چیز کو دیکھکر اس تجربہ کے پیچھے پڑگیا ہوگا جو آج ہزاروں برس سے انسان کو آگ جلانے کے فائدوں سے متمتع کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ شخص نہ کوئی فلاسفر ہوگا اور نہ کسی قسم کی تعلیم اور تہذیب کا فخر کرسکتا ہوگا مگر اُسکی توجہ محض اسکی فطری میلان سے پیدا ہوئی ہوگی جو انسان میں موجود ہے کہ ہر چیز جو چھوٹے پیمانہ پر ظہور پذیر ہوتی ہے اُسکا بڑے پیمانہ پر موجود ہونا بھی ممکن ہے۔ پس اسی طرح جن لوگوں کو ان کے جاذبہ فطرت نے مذہبی غور و خوض اور روحانی مراقبہ و مشاہدہ کی طرف متوجہ کردیا وہ اگرچہ آجکل کی مسمرزم اور اُسکے قاعدوں سے باضابطہ واقف نہ تھے مگر جو کرشمے اُن کی روح نے اونچے پیمانہ پر دکھائے وہ اپنے فطری میلان سے اسکی مشق میں مصروف ہوئے اور روحانی صفائی سے جس قدر انکشاف بڑھتا گیا اسی قدر اُنکی فطری طاقت کا ظہور ہوتا گیا۔ پس پادری فادر ھل کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ[^] "معجزے مسمریزم اور دیگر روحانی طاقتوں کے اصول پر نہیں ہو سکتے اس لیے کہ یہ علوم اُس وقت مرتب اور مدون نہ تھے"۔ کیونکہ جس طرح ایک کسان ورزش کے قاعدوں اور جسمانی طاقت بڑھانے کے طریقوں سے آشنا نہیں ہوتا مگر جس کام میں وہ لگا رہتا ہے اُس سے اُسکی جسمانی طاقت خود بخود جسمانی طاقت میں ترقی ہوتی رہتی ہے جس سے وہ ایسے کام کرسکتا ہے جو کسی پہلوان سے بھی نہ ہوسکیں۔ اسی طرح جو لوگ مذہبی کشش سے روحانی غور و خوض میں مصروف رہتے ہیں اُنکی روحانی طاقت خود بخود ترقی کرتی رہتی ہے اور وہ ایسے اثر پیدا کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں جو مسمرزم وغیرہ کی مصنوعی تعلیم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات کسی اثر کے ظاہر ہونے پر وہ خود متحیر ہوجاتے ہیں اور چونکہ اُنکے ارادہ اور علم کا اُسمیں دخل نہیں ہوتا ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس طاقت کا تخم خود اُن کے اندر رکھا گیا ہے چنانچہ مسٹر موسس جب ملہم ہوئے ہیں تو وہ نہیں سمجھے کہ یہ اُن کا اپنا فعل ہے بلکہ اس اثر کو اور نیز اپنے تمام تجربوں کو تمام عمر مُردہ ارواح کا اثر مانتے رہے۔ اسی طرح جب وادی ایمن کے مسافر کو (علیہ السلام) اُنکی استعداد کامل ہونے پر جلوہ ربانی نظر آیا ہے اور لکڑی کو سانپ کیطرح لہراتی دیکھا اور اسکا تجربہ ہوا تو وہ خوف سے بھاگنے لگے۔

پس جب دیکھا اسے ہلتا ہوا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔	فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا (نمل پارہ ۱۹ ع ۲ - قصص پارہ ۲۰ ع ۴)

[^]: رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

باب پنجم

معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور معجزہ کا فائدہ

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے ماتحت ہے۔ اسلام اور قانون قدرت۔ معجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے مذہب کی طرف سے اسباب و علل کی تفصیل ہونے پر ہدایت کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ تمام واقعات کے اسباب معلوم نہیں ہو سکتے۔ سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے۔ مذہب کیا عمل کرتا ہے۔ معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہئے۔ بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے۔ معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے۔ معجزہ خاص حالات میں مفید ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ۔ دائمی مذہب کیلئے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہئے۔ عقلی ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب۔ عقل مختلف مذاہب کی نزاع میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ عقلی ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے۔

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے ماتحت ہے۔ ابھی تک معراج اور اس کے ضمن میں معجزہ کے متعلق وہی مسلک اختیار کیا گیا ہے جس کے پتہ اور نشان عقل کے رہنما نے بتلائے ہیں لیکن اکثر اشخاص جو معجزہ کو مانتے ہیں وہ اسکو کسی خاص علت و معلول کا نتیجہ نہیں گردانتے بلکہ براہ راست قدرت خداوندی کا اثر مانتے ہیں جو اس کے تمام معینہ قوانین کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے چنانچہ فادر ای اسرال لکھتے ہیں[1]

"معجزہ کو ماننے والے خدا کو ایک کارکن ہستی مانتے ہیں جس کا عمل ہر وقت جاری ہے اور اس کا ایک دم کے لیئے غافل ہونا تمام دنیا کی تباہی کا باعث ہے پس اس کا دائمی عمل قانون قدرت ہے اور اس کا گاہ گاہ کا فعل معجزہ مثلاً آکسیجن اور ہیڈروجن کے ملنے سے اگر خدا کا ارادہ ہو تو پانی بن جاتا ہے اور یہ قانون قدرت ہے اور اگر خدا کا ارادہ شامل نہ ہو تو پانی نہیں بنے گا اور یہ معجزہ ہے"

اور بیشک خدا کو ماننے کے تین طریقوں میں سے جو دنیا میں رائج ہیں یعنی وحدت وجود جس میں ایک مطلق

---

[1] رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ۔ ماہ جنوری ۱۹۰۲ء۔ خلاصہ۔

ہستی کو خدا اور اس کے مختلف مظاہر کو مخلوق مانا جاتا ہے۔ اور ایمان بالصانع[2] جس میں مانا جاتا ہے کہ خدا نے ایک مشین بنا دی ہے جو چل رہی ہے اور بنانے کے بعد صانع کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور ایمان بالخالق[3] جس میں مانا جاتا ہے کہ مخلوق کسی وقت اپنے خالق سے بے نیاز نہیں ہے۔ ان تینوں شکلوں میں سے اگر تیسری شکل صحیح ہے اور نیز اگر خدا اپنی ذات اور قدرت میں غیر محدود ہے تو جس طرح ہم اوپر سے آنے والے ایک ذرہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر اس کو زمین پر گرنے سے روک سکتے ہیں اس لیے کہ کشش ثقل کا جتنا حصہ اس ذرہ کو نیچے کی طرف لا رہا تھا۔ ہمارے ہاتھ کی طاقت اس سے زیادہ ہے اور اس سبب سے اس وقت کشش ثقل کا عمل نہ کرنا اس کے قانون کا ٹوٹنا نہیں ہے بلکہ ایک اس سے بڑی طاقت کا مزاحم ہونا ہے۔ اسی طرح خدا چونکہ سب سے بڑی طاقت ہے اس لیے اس کا دنیا کی تمام طاقتوں کا مزاحم ہونا اور اپنے ارادہ سے اُن کے قوانین کو کسی خاص وقت کے لیے معطل کرنا خلاف قانون قدرت نہیں ہو سکتا۔ اور نیز بیشک مذہبی حیثیت سے خدا کو مدبر عالم جاننا اور ہر کام کو اسی کی قدرت اور ارادہ کا اثر سمجھنا فرض ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو قاعدے اس نے مقرر کر دیے ہیں اگرچہ اپنی بالاتر طاقت کو دخل دیکر کسی وقت کے لیے اُن کو معطل کر دینا خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر چونکہ وہ حکیم و خبیر ہے اس لیے خاص اسکی اپنی طاقت کو دخل دینے کا کوئی فائدہ ایسا ہونا چاہیے جو اس عمل کے سوا صورت پذیر نہ ہو سکے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ فائدہ بندگان خدا کو ہدایت کرنا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی ذات سے انکار کرنے والے اور بالخصوص اس خاص صورت سے انکار کرنے والے جس صورت پر خدا کو ماننے کے لیے معجزہ لانے والے انبیا تاکید کرتے ہیں اور نیز اس کے ساتھ شرک کرنے والے ہر زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں پس اگر اُن کو ہدایت دینے کا فائدہ محض معجزات سے حاصل ہو سکتا ہے تو لازم ہے کہ معجزات کا ظہور ہر وقت ہوتا رہے حالانکہ اگرچہ معجزات ہر زمانہ اور ہر قوم میں کثرت سے مروی ہیں مگر ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتے اور زمانے کا بہت بڑا حصہ ان سے خالی گذر گیا اور گذر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ کی حرکت میں آنے کی وجہ محض ہدایت کے سوا کچھ اور ہوگی۔ اور نیز جس طرح پر خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے معجزہ کا ظہور ہو سکتا ہے اسی طرح خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے خلق اللہ کو ہدایت ہو سکتی ہے پس خلق اللہ کو ہدایت کرنے

کرنے کے لئے انبیا کو سبب ٹھیرانا اور انبیا کی تصدیق کے لیے معجزہ کو علّت گردانناتو اس دعوی کو تسلیم کرنا ہے
کہ اگرچہ ہوتا سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس عالم اسباب میں اس کے ظہور کے لیے خاص قواعد اور علّت
و معلول کا ایک خاص سلسلہ مقرر ہے مثلاً آکسیجن اور ہیڈروجن کے ملنے سے پانی کا بننا خدا کے حکم اور ارادہ پر
موقوف ہے مگر اس کے پانی بننے کا حکم جبھی صادر ہوتا ہے کہ دو نو اپنی معیّنہ مقدار پر اور مقررہ شرطوں کے
ساتھ جمع ہوں۔ اور ان کے جمع ہونے پر اس کا پانی نہ بننے کا حکم اسی وقت ہوتا ہے جب انکی معیّنہ مقدار
میں تفاوت ہو یا شرطیں جو پانی بنانے کیلیے اس نے مقرر کی ہیں وہ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح جسم کو آگ
میں ڈالنے پر اس کا نہ جلنا یا جسم کا بغیر جسمانی اسباب کے بلند ہونا اگرچہ ہے خدا کی قدرت سے مگر
ایک وقت میں ایسا اثر ظاہر ہونے کے لیئے اور دوسرے وقت میں ایسا نہ ہونے کے لیئے بھی ضرور کوئی
وجہ ہے اور وہ یہی ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت کوئی خدا کا بندہ ایسا صاف باطن موجود ہوتا ہے جسکی
اُن روحانی طاقتوں میں سے جن کے اونی کرشمے ہم دیکھ رہے ہیں کوئی طاقت ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ
وہ جسم پر حکومت کرسکتا ہے اور اس وقت وہ صفائی جو اسکی روح میں پیدا ہوئی ہے آئینہ بن کر اور وہ نور جو
خدا کی قدرت کاملہ کی شکل میں ہر وقت تابان ہے آفتاب بن کر دونوں باہم متصل ہو جاتے ہیں اور اس
وصل سے اجسام پر اثر کرنے کی ویسی ہی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو بلا تشبیہ (ڈیڈی) آئینہ کے اوپر
روشنی ڈالنے سے چھوٹے پیمانہ پر اس کے اندر کا پنکھا چلنے میں ظاہر ہوتی ہے۔ غرض اس اثر کو خدا کی
قدرت کا اثر کہو یا انسان کی روحانی طاقت کا کرشمہ مطلب وہی ہے کہ ہوتا سب کچھ خدا کی قدرت سے
ہے مگر اس کے ہونیکے واسطے انسان کی روحانی طاقت ایک سنت اور قانون ہے جس میں
تبدیلی نہیں ہوتی۔

اسلام اور قانون قدرت | معلوم نہیں دنیا کے اور مذاہب اور ان کی آسمانی کتابیں اس بارہ میں
کیا فیصلہ دیتی ہیں مگر اسلام اور اس کی آخری کتاب یعنی قرآن کو دیکھا جائے تو اس میں بار بار تصریحاً
مذکور ہے کہ خدا قادر مطلق ہے مگر دنیا میں اس کے تمام افعال خاص سنت اور خاص طریق پر جاری
ہیں اور بغیر معیّن روش اور مقدار کے اسکی قدرت کا ظہور نہیں ہوتا۔ مثلاً ارشاد ہے۔

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (حجر پارہ ۱۴ ع ۲)

اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں مگر ہم انکو نہیں اوتارتے مگر ایک معین مقدار پر۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۸)

یہی طریق ہے ان انبیا کی نسبت جن کو ہمنے تم سے پہلے بھیجا ہے اور تم خدا کی سنت میں تبدیل نہ پاؤگے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (روم پ ۲۱ ع ۴)

یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدائش میں تبدیل نہیں۔ یہی مضبوط رستہ ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (احزاب پارہ ۲۲ ع ۵)

یہی خدا کا دستور ہے ان لوگوں کی نسبت جو پہلے گذر چکے اور خدا کا حکم مقرر اندازہ پر ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا (فاطر پارہ ۲۲ ع ۵)

پس وہ نہیں دیکھتے مگر گذشتہ لوگوں کے طریق کو پس تم خدا کے دستور میں تبدیل نہ پاؤگے۔ اور خدا کے دستور میں انقلاب نہ پاؤگے

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (فتح پارہ ۲۶ ع ۳)

یہ خدا کا دستور ہے جو پہلے سے جاری ہے اور تم خدا کے دستور میں تبدیل نہ پاؤگے

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (ق پارہ ۲۶ ع ۲)

میری بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہوں۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (قمر پارہ ۲۷ ع ۳)

ہمنے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق پارہ ۲۸ ع

خدا نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کیا ہے۔

معجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہے۔

معجزات کی روایتوں کو مذہبی نظر سے دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ اکثر جگہ معجزہ کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ ”خدا نے دریا کو پھاڑ دیا“ یا ”خدا نے آگ کو جلانے سے روک دیا“ اور اس سے سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ بغیر کسی معین سبب کے محض قدرت خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر یہ دھوکا عام طریق ہدایت پر غور نہ کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مذہب کی غرض محض خدا کی طرف

بلانا اور اس تک پہونچنے کے وسائل بتاتا ہے اور غافلوں کو اس مدعا کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے مظاہر قدرت کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور چونکہ ہر چیز کا مبدء اور خالق وہی ذات باری ہے اس لیے اُن کو یاد دلوایا جاتا ہے کہ جو ذات ان مظاہر اور اشیا کی خالق ہے وہی سب کی انتہائی مقصود ہونی چاہیئے چنانچہ ہواؤں کے چلنے کے لیے۔ بارش کے برسنے کے لیے۔ زمین سے نباتات اُگنے کے لیے۔ آفتاب و ماہتاب کی حرکت کے لیے انسان اور حیوان کی شکل صورت اور زبان مختلف ہونے کے لیے خاص اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ معین ہے مگر کہا جاتا ہے کہ خدا ہواؤں کو چلاتا ہے۔ بارش برساتا ہے زمین سے نباتات اُگاتا اور تمام مظاہر قدرت کو پیدا کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ط مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
(یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

خدا وہ ذات ہے جس نے آفتاب کو روشنی اور ماہتاب کو نور بنایا اور اس کے لیئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی تعداد اور ان کے حساب سے آگاہ ہو۔ خدا نے جو یہ پیدا کیا ہے تو حق کیا ہے۔ بیکار نہیں کیا۔ اور وہ جاننے والوں کے لیے اپنے نشانات کی تفصیل کرتا ہے

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ط (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

اور اس کے نشان ہیں آسمان و زمین کی پیدائش اور تمھاری زبان اور تمھارے رنگوں کا اختلاف۔ بیشک اس میں اہل علم کے لیے بڑے نشان ہیں -

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَّلِيُذِيقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ...... فَانْظُرْ إِلٰى آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (روم پارہ ۲۱ ع ۵)

اور اس کے نشانات ہیں جو وہ ہوائیں بھیجتا ہے تاکہ خوشخبری دیویں تاکہ تم اس کی رحمت کا لطف اٹھاؤ اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل یعنی معاش تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو...... خدا کی رحمت کے نشانوں کو دیکھو وہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد کیونکر زندہ کر دیتا ہے بیشک یہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر بات کو چاہے اس پر قادر ہے

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

اور وہی ہے جو بارش اُتارتا ہے اس حال میں جبکہ لوگ نا امید ہو چکتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ دوستی کے قابل اور تعریف کے قابل ہے-

پس اسی محاورہ کے موافق جس طرح پر یہاں بارش اور ہوا وغیرہ کے تمام درمیانی اسباب اور علل کو ذکر نہیں کیا جاتا معجزات کے بارہ میں بھی اُن کے اسباب اور طریق ظہور سے اعراض کیا جاتا ہے اس لیئے کہ غرض اُن کے ذکر سے بھی ان مظاہر کی علت اُولیٰ کو یاد کرنا ہے اور جس طرح فلسفیانہ دماغ کے لوگ ہوا اور بارش کے مضمون کو یوں ادا کر سکتے ہیں کہ ایسا قانون بنانے والا جس سے بارش اور ہوا باعث رحمت ہوتے ہیں بہت بڑا قابل عظمت ہے- اسی طرح معجزات کے ذکر سے تسکین حاصل کی جاتی ہے کہ ایسی طاقتوں کو پیدا کرنے والا جن سے ایسے عجیب افعال صادر ہوتے ہیں بہت بڑا صاحب قدرت ہے-

مذہب کیطرف سے اسباب و علل کی تفصیل ملنے پر ہدایت کی غرض فوت ہو جاتی ہے-

اور دوسرے اگر مذہب معجزات اور دیگر مظاہر قدرت کے اسباب بیان کرتا بھی اپنا فرض گردانتا تو اول تو ان پیچیدہ مسایل کے ذکر سے الہامی کتابیں بجائے روحانی ہدایت کے فزی آلوجی اور ریسائی کالوجی وغیرہ کی کتابیں بنجاتیں اور اصلی غرض یعنے توجہ الی اللہ فوت ہو جاتی- اور دوسرے جس زمانے میں انسانی عقول کسی واقعہ کا اصلی سبب سمجھنے کی طاقت و استعداد نہیں رکھتیں اس وقت کے لوگوں کے لیے ان اسباب کا ذکر فضول ہوتا بلکہ جہلا اور کم علم لوگوں کے لیے جنکی تعداد ہر زمانے میں علما اور فلسفیوں سے زیادہ ہوتی ہے یہ تعلیم اور اُلجھن پیدا کرتی- آفتاب و ماہتاب کی گردش اور کسوف و خسوف کے اسباب کا ذکر وحشی قوموں کے واسطے ایک طرف متمدن ممالک کی عام لوگوں کیلئے بھی محض بے سود ہوتا- روحانی طاقتوں کے قاعدے تو آج سے سو برس پیشتر تمام دنیا کی سمجھ سے بالاتر تھے- غرض نظام عالم کو دیکھتے ہوئے اور مظاہر قدرت اور معجزات کے ذکر سے جو غرض ہے اُسکو لحاظ رکھتے ہوئے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک تو اسباب کا ذکر مذہب کے لیے غیر ضروری اور اُسکی غرض کو فوت کرنے والا ہے اور دوسرے یہ کہ دُنیا عالم اسباب ہے اور یہاں کا کوئی فعل بغیر کسی علت کے اور بغیر خاص طریقِ ظہور کے جس کو قانون قدرت یا سُنۃ اللہ کہتے ہیں

پیدا نہین ہوتا۔

تمام واقعات کے اسباب معلوم نہین ہو سکتے۔

قادرھل یہ درست فرماتے ہین کہ تمام معجزات مسمرزم وغیرہ کے اصول پر حل نہین ہو سکتے۔ اور بیشک دنیا کے تمام مذاہب مین خواہ کسی کی بنیاد فلسفیانہ اصول پر ہو یا الہامی تعلیم پر معجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہین کہ سب کے لیئے خاص اصول اور قوانین کی تلاش انسان کے لیے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب مین ماننے والون کی خوش اعتقادی یا طرز ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی معجزات مین شامل ہو گئے ہونگے۔ یا ایسے واقعات جو معمولی قواعد جسمانی کے مطابق ظہور پذیر ہوے ہون معجزہ کی شکل مین بیان کر دیے گئے ہونگے۔ مگر عقل یہ دعوی کبھی نہین کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلوم ہو چکے ہین تاکہ جو واقعہ معلومہ قوانین کے مطابق حل نہ ہو سکے اسکو غلط کہا جاے یا براہ راست قدرت خداوندی کا ظہور مانین۔ اور دوسری جانب مذہب یہ دعوی نہین کرتا کہ تمام رطب و یابس اور صحیح و غلط روایات کو یکسان سر آنکھون پر رکھ لیا جائے۔ بلکہ ایسے موقع پر جو کام عقل کیا کرتی ہے مذہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے۔

سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے۔

عقل مظاہر جسمانی کو دیکھتی ہے ان کے اسباب تلاش کرتی ہے آج ایک سبب پر یقین ہوتا ہے کل وہی واقعہ اور شکل مین پیش ہوتا ہے اور دوسرا سبب تلاش کرنا پڑتا ہے اور اس طرح غلطی پر غلطی کرتی ہوئی کبھی واقعی سبب تک پہونچ جاتی ہے اور کبھی عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور جہان واقعی سبب دریافت کرنیکا دعوی کیا جاتا ہے۔ وہان بھی اکثر احتمال باقی رہتا ہے۔ زمین تک حرارت اور روشنی پہونچنے کا سبب آفتاب کو گردانا گیا ہے مگر روشنی اور حرارت کی رفتار اور کیسے زمین تک پہونچنے کی وجہ دریافت نہین ہو سکی اور کہا جاتا ہے کہ ایتھر کو فضا مین پھیلا ہوا مانکر بھی یہ مسئلہ آن ذو ایبل یعنے ناقابل فہم ہے۔ سونا۔ چاندی اور بعض دیگر معدنیات تحلیل نہین ہو سکتین اس کا سبب یہ کہ عنصر ہین مگر ابھی احتمال باقی ہے کہ شاید تحلیل نہ ہونیکا سبب آلات کا نقص ہو اور واقع مین یہ چیزین عنصر نہ ہون۔ یہان تک کوشش کر چکنے کے بعد جو واقعات یقینی معلوم ہوتے ہین ان کے

واقع ہونے پر یقین کیا جاتا ہے اور سبب کو کبھی بیاس اور کبھی طول امل کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب مذہب مظاہر جسمانی کے ساتھ مظاہر روحانی اور اُن کشفی کیفیتوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو عارفان الٰہی کو ان کی استعداد کے موافق وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں اور جن کو سمجھنا انسانی عقل کے لیئے ناممکن ہے۔ مگر وہ غلطیوں کا لمبا سلسلہ جو جسمانیات کی تلاش میں عقل کے لیے ضروری اور اس کو ترقی دینے والا ہے مذہب کے نزدیک غیر ضروری اور اسکی غرض کے منافی ہے۔

مذہب کا عمل کیا ہے؟ | مذہب نے اپنی تعلیم کو دو حصّوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ امور ہیں جن کو بجالانے کا یا ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہے اور ان کو اصطلاح مذہب میں محکمات کہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ امور جن سے محض قدرت خداوندی کا اظہار اور انسان کو توجہ الی اللہ کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ان کو متشابہات کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے امور خواہ بارش اور ہوا کی طرح معمولی اسباب سے پیدا ہوتے ہوں یا مخفی اور نامعلوم علتوں سے۔ اختلاف زمانہ سے اُن کے اسباب کے متعلق بہت توجیہیں ایک دوسرے کے متضاد پیدا ہو سکتی ہیں اور روحانی اور کشفی امور کی نسبت بے شبہ ہر وقت ابہام اور اشتباہ رہتا ہے اور کبھی یقینی سبب دریافت نہیں ہو سکتا۔ پس مذہب محکمات کو تفصیل ذکر کرتا ہے اور متشابہات کی نسبت کوئی توجیہ قایم کر کے اس پر اصرار کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اگر توجیہ تلاش کی جائے اور وہ غلط ہو۔ اور کشفی امور میں عقلی توجیہات کا بنظر اکثر حالات غلط ہونا اغلب ہے، تو اس پر عمداً اصرار کرنا فتنہ و فساد پیدا کرتا ہے اور نادانستہ یقین کرنا غلط کو صحیح تصور کرنا ہے جو تاویل بیجا اور روح کے لئے تاریکی کا باعث ہے۔ پس مذہب کے نزدیک سچے عالم کی یہ شان ہرگز نہیں کہ وہ کسی تاویل پر جو اسکے اپنے ذہن سے پیدا ہوئی ہے۔ اصرار کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ جن واقعات کو وہ اپنی علمی یا مذہبی شہادت سے درست سمجھتا ہے انکو بالاجمال مانکر ان کی یاد اور ذکر سے دل پر خدا کی عظمت اور قدرت کا نقش جمائے اور یہ کہ ہر واقعہ کی علت

[illegible]

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ

خدا وہ ذات ہے جس نے تم پر کتاب اتاری۔ جس میں سے بعض آیات محکمات ہیں جن پر ہدایت کا مدار ہے اور بعض متشابہات

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ؕ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱)

ہیں یعنی جن لوگوں کے دل میں شک ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کے لیے یا تاویل معلوم کرنے کیلئے۔ حالانکہ اسکی تاویل (توجیہ) خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو پختہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت وہی حاصل کر سکتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

معراج کے متعلق کیسا یقین ہونا چاہیئے۔

غرض ایک وقت میں قصور استعداد کے سبب، کسی غلط سبب پر یقین کرنا عقل کے لیئے اس وقت کیلئے نازیبا نہیں ہو بلکہ ہمیشہ یونہی ہوتا ہے لیکن مذہب اپنے دائرہ میں انہی غلطی کو بھی جائز نہیں سمجھتا اور وہ اسی قدر یقین کرواتا ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہ ہو مثلاً معراج کی نسبت خواب کا واقعہ۔ روحانی کشفی سیاحت۔ روح کا جسمانی اثر یا اس کے سوا کچھ اور غرض کسی ایک توجیہ پر قایم ہونا اور اصرار کرنا نازیبا ہوگا۔ † اور سلیم تر عقیدہ یہی ہوسکتا ہے کہ غایت کمال انسانی اور توجہ الی اللہ کے نہایت استغراق سے کسی قسم کا انکشاف ہوا ہے جس کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

بالعموم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے۔

اور یہی مسلک ہر مذہب کے لیئے اُن معجزات کے متعلق ہوسکتا ہے جو اس مذہب کی معتبر اور قابل وثوق روایتوں سے ثابت ہوں کہ بعض واقعہ گو مانکہ عظمت خداوندی

---

† اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو روایات معراج کے متعلق قطعی طور پر مروی ہیں اُن میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو کسی خاص صورت پر یقین کرنیکا موجب ہو مثلاً ان میں ذکر نہیں کہ معراج خاص جسم عنصری سے ہوا بعض "خدا نے بندہ کو سیر کرائی"، یا "میں گیا اور میں نے دیکھا" اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ اور ان لفظوں سے روح مع جسم بھی مراد ہوسکتی ہے اور صرف روح کا ذکر بھی انہی الفاظ سے کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ہم لوگ اپنے خواب بیان کرتے ہیں۔ تب بھی اس مشاہدہ کو جو جسمانی نہیں ہوتا یونہی ادا کرتے ہیں کہ میں نے یہ خواب دیکھا اور میں وہاں گیا اور اسی طرح یہ لفظ کہ " ہم نے جو تم کو خواب دکھایا ہے وہ ایک آزمایش ہے" اس سے بھی یہ ثابت کرنا زبردستی ہے کہ وہ خاص خواب ہی کا واقعہ تھا کیونکہ کوئی عجیب اور دلچسپ نظارہ جو تھوڑی دیر کے لیئے نظر آئے اس کی نسبت یوں کہنا عام محاورہ ہے کہ " ایک خواب تھا جو دیکھ لیا "

کا خیال قائم کیا جا رہا ہے اور واقعہ کی کیفیت کہ وہ روحانی اثر سے ہوا یا معمولی جسمانی ذرائع سے یا کسی اور طرح پر۔ اس تفتیش کو اپنے عقیدہ میں دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ قدرت خداوندی کا یقین ایک ذرہ سے لیکر کسی بڑے آسمانی کرہ تک کے ہر ایک معمولی اور غیر معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے مثلاً دشمن سے بھاگنے والے قافلہ کو دریا سامنے آجانے پر اپنی گرفتاری اور موت کا یقین ہو گیا ہے اور ساتھ ہی کسی طرح دریا سے گذرنے کا راستہ پا لیا ہے اور پار جانے پر جب دشمن اسی رستہ سے عبور کرنے لگا ہے تو دریا کے چڑھاؤ نے اسے غرق کر دیا ہے۔ اس واقعہ میں دریا کا رستہ دینا خواہ روحانی طاقت کا اثر ہو جس سے اشارہ کرتے ہی پانی کی حرکت رک گئی اور جا بجا رستے پیدا ہو گئے۔ یا معمولی اتفاق ہو کہ دریا میں لکڑی ٹیکتے ہی جزر کے اثر سے کہیں جگہ پانی پایاب ہو گیا ہو اور بعض بعض گردابوں میں ابھی پہاڑ جیسی لہریں پڑ رہی ہوں اور دشمن کے عبور کرنے کے وقت پھر مد پیدا ہو کر سطح ہموار ہو گئی ہو۔ ہر طرح پر ایسے نازک وقت میں مغلوب کا رہائی پانا اور غالب کا تباہ ہونا قدرت خداوندی کا بڑا کرشمہ ہے اور انسان کے لیے یہ واقعہ ہر طرح خدا کی طرف توجہ کرنے کا محرک ہے۔ پس ان دونوں توجیہوں یا اور ایسی چند تشریحوں میں سے کیوں کسی ایک پر یقین کیا جائے جبکہ مدعا ہر طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کیوں نہ کہا جائے وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ

معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے۔

معراج کو دعوے نبوت کی شہادت میں پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسکی تفصیل بطور ایک واقعہ کے اپنے دوستوں میں بیان کی گئی ہے اور کلام ربانی میں اس کا مجمل اشارہ اظہار قدرت کے طور پر ہوا ہے اور اس لیے اس کو مشہور اصطلاحی معنوں میں معجزہ نہیں کہہ سکتے۔ مگر دیگر عجیب واقعات جو اسی قسم کے مخفی اسباب سے ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں ان کو بیشک اکثر جگہ بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے اور اس لیے عام طور پر معجزہ انہی فوق العادت افعال کو کہتے ہیں جو ثبوت نبوت کیلیے پیش ہوں پس اگر معجزات کو روحانی طاقت اور دیگر معینہ قوانین قدرت کا اثر مانا جاوے تو سوال ہوتا ہے کہ اس سے دعوی نبوت کیونکر ثابت ہوگا؟ کیونکہ اگر کوئی شخص جسمانی طاقت کی اتنی مشق بہم پہنچا لے کہ اپنے زمانہ کے تمام پہلوانوں سے بڑھ جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ

شخص صادق القول بادیانت اور اپنی تعلیم مین قابل تسلیم بھی ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانی رشتہ مین الیسا فائق ہوگیا ہے کہ اورکسی شخص سے اُس جیسے افعال سرزد نہین ہوسکتے تو کیونکر لازم آتا ہے کہ مذہب کے متعلق بھی اُسکی باتین راست اور قابل پذیرائی ہین۔

اس کشمکش پیچ مین پڑکر مخالفین کی طرف سے ایک طرف تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس شخص کی صداقت کے لیئے جو اپنے تئین فرستادہ خدا اور اپنی تعلیم کو حکم خدا بتاتا ہے ضرور ہو کہ اس کو ایسے نشان دیئے جائین جو تمام قوانین معینہ سے پرے اور محض قدرت خداوندی کا اثر ہون۔ تاکہ ثابت ہو کہ جب خدا نے اُسے بھیجا ہے تو اپنی خاص قدرت کو گواہ بنا کر اُس کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف جب قدرت خداوندی کا بے واسطہ ظاہر ہونا ثابت نہین ہوتا تو نبوت کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ڈاکٹر جان ایس مل اپنے تیسرے مضمون مین اسی بنا پر وحی کی تردید کرتے ہین مگر ان دونون مقدمات مین سے دوسرا مقدمہ بیشک صحیح ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نظام عالم سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت اللہ معین اور مقرر ہے اور اُس کے خلاف ہرگز نہین ہوسکتا لیکن پہلا دعوےٰ کہ ثبوت نبوت کے لیے فوق العادت نشان ہونا چاہیئے اور معینہ قوانین قدرت کے مظاہر یہ خدمت ادا نہین کرسکتے کسی قدر غلط ہے۔

معجزہ خاص حالات مین مفید ہوتا ہے۔

دُنیا کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام انسانی کی حالت اپنے آغاز و انجام مین افراد انسانی سے بہت کچھ مشابہ ہے جس طرح ہر ایک بچہ نہایت بے شعوری کی حالت سے ترقی کرتا ہوا کامل عقل و شعور تک پہونچتا ہے اسی طرح سے قومین بھی ابتدائی وحشیانہ حالت سے بتدریج تہذیب تک پہونچتی ہین اور جس طرح یہ بچہ ابتدا مین عجیب باتون کا مشتاق ہوتا ہے اور ہر کام مین ان لوگون کی تقلید کرتا ہے جو طاقت مین اس سے برتر ہون۔ اور پھر جس جس قدر عقل و تمیز مین بڑھتا جاتا ہے عجائب پرستی اور تقلید کو چھوڑ کر عقل کی رہنمائی کو قبول کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح سے اقوام انسانی بھی ابتدائے تہذیب مین عقل و شعور سے عاری ہوتی ہین اور گرد و پیش کے مناظر قدرت کو دیکھ کر نہ اُن سے عاقلانہ علمی نتائج پیدا کرسکتی ہین اور نہ عارفانہ روحانی تسکین پاسکتی ہین۔ اُنکا

منتہائے نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ جس چیز کو عام اشیاء سے ممتاز اور عجیب پاتے ہیں بچون کی طرح
اُسی کیطرف جھک جاتے ہیں۔ کسی درخت کو عام نباتات مین کسی صفت مین ممتاز پایا اسی کیطرف جھک گئے
کسی جانور مین کوئی عجیب خاصیت دیکھی اُسکی سیوا کرنے لگے۔ یا کسی انسان مین اپنے سے زیادہ قدرت دیکھی
اسی کا دامن پکڑ لیا۔ غرض اس طرح ابتدائی حالت سے ترقی کرتے کرتے بتدریج عقل و شعور اور وجدان و معرفت
تک پہنچتی ہین۔ اور نیز زمانے کی ترقی سے جہلا کی تعداد اگرچہ اب بھی ہے مگر کم ہوتی جاتی ہے اور گذشتہ
زمانے مین ایسی قومین اور ایسے افراد بکثرت موجود تھے چنانچہ اُس زمانے کی عجائب پرستی اور تقلید کی وجہ
سے معمولی جادوگرون اور فسون سازون کی وہ پرستش ہوتی تھی جس کی آج خدا کے واسطے بھی توقع نہین
کی جاتی۔ پس ایسے وقت اور ایسی قوم مین جو شخص وحی و الہام کی دولت لیکر آتا تھا اور لوگون کو راہ راست
دکھانا چاہتا مگر لوگ نہ اسکی عرفانی قدر و منزلت کو سمجھ سکتے تھے اور نہ عقل و شعور سے اسکی تعلیم کو پرکھ سکتے تھے
تو ان دنون حالات ایسی قوم کو راہ راست پر لانے کا صرف وہی طریق ہو سکتا تھا جو بچون کو عقل و شعور سکھانے کے
لیے برتا جاتا ہے اور خوش قسمتی سے آج ہم کو اس مثال کی وضاحت کے لیے جو سامان میسر ہے وہ پہلے حاصل
نہ تھا۔ ہمیشہ سے بچون کو بچپن کے زمانے سے عقل و شعور کی باتین فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش
ہوتی رہی ہے مگر چونکہ ان کے دماغ اس تعلیم کے لیے تیار نہین ہوتے اسلیے مار پیٹ اور جبر و تشدد بچپن
کی تعلیم کا جزو اعظم رہا ہے اور پھر بھی نتیجہ بہت دیر مین اور بہت ناقص پیدا ہوا کرتا تھا لیکن آج ہم دیکھتے ہین
کہ کنڈر گارٹن کے نام سے بچون کو انہی عجائبات سے تعلیم دینے کا طریق رائج ہوتا جاتا ہے جن کی طرف وہ
بالطبع راغب ہوتے ہین۔ چنانچہ رنگین اور خوشنما کھلونون سے انکو عقل و شعور کی باتین سکھائی جاتی ہین اور باوجود
کہ ابھی اس طریق کی ابتدا ہے مگر بہت کچھ کامیابی ہو گئی ہے۔ رنگ برنگ کی گولیون سے حساب کے ابتدائی
قاعدے۔ لکڑی کے مختلف ٹکڑون سے ہیئت کی ابتدائی شکلین۔ تصویرون اور ان کے نامون سے حروف ابجد کی
مشق چھوٹی عمر مین ایسی خوبی سے ہو جاتی ہے کہ پرانی طرز تعلیم سے بہت مدت مین ذہن نشین ہوتی تھی
پس یہ طریقہ جو دنیا دارون نے آج زمانہ کی بہت الٹ پھیر کے بعد سیکھا ہے خدا کے بھیجے ہوئے اُستاد
نہایت تاریک زمانے مین اس سے کام لیتے رہے ہین۔ اور چونکہ اُس زمانے والے اپنی گرد و پیش کی چیزون سے جن کو

روزمرہ دیکھتے تھے خدا کی قدرت کا نتیجہ نہین نکال سکتے تھے اس لیئے وہ اوستاد اپنی روحانی طاقتون کے کرشمے دکھا کر ان کو خدا کی طرف متوجہ کرتے تھے اور چونکہ توجہ الی اللہ کی برکت اور جسمانیات سے روکش ہونے کے سبب اُن کی روحانی طاقت اُن جادوگرون اور فسون سازون سے زیادہ ہوتی تھی جو مصنوعی طور پر اس طاقت کی مشق کرتے تھے اس لیئے ان لوگون کی قدرت اُن کے تمام ہمعصر قدرت والون پر غالب آجاتی تھی - اور وہ بچون جیسی ناسمجھ قوم اپنی عجائب پرستی اور بڑی قدرت والون کا دامن پکڑنے کی عادت کے سبب اُنکی ہدایت سے فایدہ اُٹھاتے تھے - پس نہ صرف قرین قیاس بلکہ امر واقع ہے کہ مخفی طاقتون کے کسی نادر نظارے سے ایسے لوگ قدرت خداوندی کے معترف ہوئے ہین اور یہ کہ جس قوم اور جس ملک مین عجائب پرستی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اُسی قوم اور ملک مین ان لوگون کی طرف سے جن کی تعلیم اپنے زمانہ کے موافق توجہ الی اللہ اور مذہبی اصول سے معمور ہے معجزات بھی کثرت سے ظاہر ہوئے ہین -

پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ روحانی طاقتون کا ظہور ہر جگہ ثبوت نبوت کے لیئے ناکافی ہے جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ نہ صرف معجزات کا آنکھون سے دیکھنا بلکہ اُن کا قایل فوق اور معتبر اشخاص کی زبان سے سُننا بھی اکثر انسانون کو تسکین دینے کا باعث ہوتا ہے چنانچہ آج تک لکھوکھا مردم اپنی اپنی مذہبی روایتون پر اس لیئے قایم ہین کہ وہ اپنے پیشواؤن سے معجزات کا ظہور سنتے آئے ہین - یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگ جہان ایسی طاقتون کا ظہور دیکھ کر ہدایت کیطرف آجاتے ہین وہان کسی گمراہ اور دھوکے باز کی طرف سے کوئی کرشمہ دیکھ کر نہایت جلدی اُس طرف بھی جُھک جاتے رہے ہین چنانچہ سامری کے شعبدے نے خود موسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین بہت لوگون کو بہکادیا -

بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ اور اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل اکثر اپنے پیشواؤن اور پیغمبرون سے برگشتہ ہوتے رہے ہین اور اکثر انبیاء اُن کے ہاتھ سے قتل بھی ہوئے - ڈاکٹر مل مذہب کی برکتون سے انکار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی اس عادت کو نظیر مین پیش کرتے ہین اور کہتے ہین +

+ ایسیز ۲ خلاصہ صفحہ ۸ ۱۸۷۴ء

"اگر مذہب مین نیک اخلاق اور عادات پیدا کرنے کا وصف ہوتا تو بنی اسرائیل جنکی نسبت سب سے زیادہ براہ راست خدائی حکومت کے زیر اثر ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے مذہبی احکام سے ایسے برگشتہ نہ ہوتے کہ اُن کی نسبت اُن کے پیغمبر اور مورخ ہمیشہ شکایت کرتے رہے ہین کہ اُنھون نے مذہبی ہدایتون کی طرف سے اپنے کان بہرے کر لیے ہین"

ڈاکٹر مل چاہتے ہین کہ مذہب کی برکت کو جب مانیں کہ مذہب کا اقرار کرتے ہی انسان فرشتہ بنجائے اور کفر کو چھوڑتے ہی ایسی کایا پلٹے کہ ایک دم مین تمام جسمانی خواہشین انسانی فطرت سے نابود ہوجائین حالانکہ نہ مذہب بے وجہ اور بے سبب کسی چیز کے وجود مین آنے کا دعوی کرتا ہے اور نہ عقل ہی کسی واقعہ کا بے سبب پیدا ہونا تسلیم کر سکتی ہے البتہ مذہبی عبارت اور نیز عام انسانی محاورہ ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر افعال سبب اول کیطرف منسوب کر دیے جاتے ہین اور درمیانی معنون کو ذکر نہین کیا جاتا مثلاً کہتے ہین کہ بادشاہ نے فلان ملک فتح کیا حالانکہ بادشاہ محض سبب اول یعنی حکم دینے والا ہے اور فتح کرنے کے لیے اس کی فوج سبب قریب ہے جس کو ذکر نہین کیا گیا مگر سننے والا سمجھ لیتا ہے۔ اسی طرح ہم بیشک دعوی کرتے ہین کہ مذہب انسان کو برائیون سے روکتا ہے مگر اسی صورت سے کہ وہ انسان کو نیک و بد افعال سے آگاہ کرتا ہے اور جن امور سے روح روشن اور مجلّی ہوتی ہے انکی مشق کرنے کا حکم دیتا ہے تاریکی بخشنے والے اعمال سے روکتا ہے اور جن لوگون کی طرف مذہب بھیجا جاتا ہے پہلے اُن کو فطری ہدایت طلبی کے سبب اور اگر وہ کسی قوم مین روحانی امراض سے بتیز مردہ ہوچکی ہو تو عقل والون کو نظام کائنات سے اور جہلا کو غیر معمولی مظاہر قدرت دکھا کر مذہب کا یقین دلوایا جاتا ہے پھر تعلیم مذہبی کے موافق مشق کرنے سے روح مین جس قدر نور پیدا ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کو برائیون سے نفرت اور نیکی کی رغبت ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ انسان خیر مجسّم ہوجاتا ہے اور برائی سے ویسی ہی نفرت کرنے لگتا ہے جیسی پہلے رغبت کرتا تھا اور اس وقت اور اس انسان کی نسبت کہہ سکتے ہین کہ مذہب کی برکت مکمّل ہوئی - اور اس سے پہلے جس قدر روح کی صفائی مین کمی ہے اسی قدر برائیون سے بچنے کی خاصیت بھی نامکمّل ہے - اور اسی طرح عملی حالت پیدا ہونے سے پیشتر جس قدر یقین حاصل کرنے کے ذرائع مین اختلاف ہے اسی قدر نور حاصل کرنے کی استعداد مختلف ہوتی ہے - چنانچہ جو لوگ

فطرت سلیم کی رہنمائی سے مذہب کو قبول کرتے ہین اُن مین نور حاصل کرنے اور بدی سے بچنے کی استعداد
نہایت قوی ہوتی ہے۔ اس سے دوسرے درجہ پر وہ لوگ ہین جو عقل سلیم کو کام مین لاکر اور نظام کائنات سے
کارپردازی قدرتون کو دیکھ کر اُسکی طرف متوجہ ہوتے ہین اور ان سے کمتر وہ لوگ ہین جو صرف گاہ گاہ پیدا ہونے
والے غیر معمولی واقعات کو فعل خدا و ندی سمجھ کر ایمان لاتے ہین۔ کیونکہ نظام کائنات کو عقل سلیم سے دیکھنے
والے گو ویسے راسخ العقیدت نہ ہون جیسے وہ لوگ جن کے دل خود بخود مذہب کی طرف راغب ہین مگر پھر بھی
چونکہ وہ قدرت کے تمام مظاہر کو دیکھتے اور سمجھتے ہین اور خدا کے کامون سے خدا کے احکام کی مطابقت
اور مقابلہ کر کے مذہبی فرامین کی صحت و سقم کو پرکھ سکتے ہین اس لیئے اُنکا اعتقاد بھی میلان قلب سے پیدا ہوتا
ہے اور وہ محبت کے اصول پر ایمان لاتے ہین۔ برخلاف عجائب پرستون کے کہ وہ ایک بڑی طاقت کو
دیکھ کر اس سے مجبور ہو جاتے ہین اور ان کا اعتقاد خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی لیے اُن کے اعمال مین
وہ محبت اور شوق نہین ہوتا جو روحانی جلا کے لیے ضروری اور اس کو جلدی پیدا کرنے والا ہے اور اسی لیے
ایسے لوگون کو مذہب کی برکت کم میسر آتی ہے اور بنی اسرائیل اسی قسم کے لوگ تھے کہ ایک عرصہ دراز کی
جہالت۔ فراعنہ مصر اور شاہان نینوا کے سامنے غلامانہ حالت مین رہنا اور ساتھ ہی خاندان نبوت مین ہونے
کا بیجا فخر اور مقرب خدا اور عذاب الٰہی سے آزاد ہونے کا غلط اعتقاد۔ غرض یہ یا ایسے ہی چند اور اسباب سے
ان مین نہ وہ فطری شوق اور میلان ہی باقی رہا تھا جو مذہبی برکات کے لیے ضروری ہے اور نہ عقل سلیم رکھتے
تھے جس سے صحیح نتیجہ تک پہنچ کر اپنے اعتقاد کو درست کرین اسلیئے اُنکی ہدایت کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ
یعنی مخفی طاقتون کا رعب و داب رہگیا تھا جو اُن کے پیشواؤن نے استعمال کیا۔ اور جیسا کہ اس ذریعہ کا
خاصہ ہے ان مین وہ پختگی نہ پیدا ہوئی جو فطرت سلیم یا عقل قویم سے پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے اُن سے اکثر
اپنے رہنماؤن کے خلاف شورش اور فساد سرزد ہوتا رہا۔

مگر اس علت و معلول کے سلسلہ مین جکڑی ہوئی دُنیا کے اندر اُس وقت اور اُس قوم کے لیے کوئی
اور ذریعہ ہدایت کا نہ تھا اور گو تمام قوم نے اور قوم کی نسلون نے راہ راست نہ پایا یا اس پر قایم نہ رہے
مگر پھر بھی ان مین سے اکثر افراد اور اکثر نسلین راہ راست پر آئین اور مذہبی برکتون سے فیضیاب ہوئین

اِس لیے کہا جا سکتا ہے کہ مخفی طاقتوں کا ظہور بھی بعض قوتوں میں اور بعض قوموں کے لیے ہدایت اور ثبوت نبوت کا ایک ذریعہ ہے گو دوسرے وقت میں اور دوسری قوم کیلیے اُس سے بہتر کوئی اور ذریعہ بھی ہو۔ اور چونکہ یہ ذریعہ کم درجہ کا ہے اور اس کا قوی اثر رہتا بھی اُسی وقت تک ہے کہ معجزہ دکھلانے والا اور دیکھنے والے زندہ رہیں اس سبب ایسے مذاہب جنکی بِنا محض معجزہ پر ہو دائمی نہیں ہو سکتے اور نیز ایسے وقت میں انبیا بھی پیہم اور بکثرت آتے رہتے ہیں تا کہ اپنی معجز نمائی سے قوم کو تنبیہ کرتے رہیں

دائمی مذہب کے لیے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیئے

لیکن جو مذہب ہمیشہ کیلیے اور تمام دُنیا کے واسطے ہدایت کا مدعی ہو اُس کو بیشک معجزہ پر انحصار نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ دُنیا میں عالم و جاہل ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں عقلا کے لیے گھاس کا ایک پتہ اور خاک کا ایک ذرّہ بھی قدرت خدا کا ویسا ہی عجیب کرشمہ ہے جیسا مسیح کا مُردہ کو زندہ کرنا اور کرشن کا ایک وقت میں تین سو ساٹھ مکانوں میں موجود ہونا۔ اور جہلا کے دل پر معجزہ کا اثر کامل طور پر اسی وقت تک رہ سکتا ہے کہ وہ اُس کو بذات خود ملاحظہ کریں اور مذہبی روایتوں میں معجزہ کا ذکر بیشک کسی قدر مفید ہے مگر انہی لوگوں کے مزید اطمینان کیلیئے جو پہلے سے اُس مذہب اور اُس کے بیان کرنے والوں پر ایمان رکھتے ہوں ورنہ اُن لوگوں کے لیے جن کو کفر سے ایمان کی طرف لانا ہو ان روایتوں کا اثر اور خصوصًا ایسی حالت میں کہ ہر مذہب ان روایتوں سے معمور ہے کوئی اثر پیدا نہیں کرتا پس دائمی مذہب کے واسطے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہیئے یا یوں کہیئے کہ ایسا معجزہ ہونا چاہیئے جو ہمیشہ ثبوت مدعا کے لیے کافی ہو۔ اور یہ ثبوت تعلیم کی خوبی اور نظام کائنات سے اُس کی تطبیق کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ شہادت خود مذہب کے اندر موجود ہونی چاہیئے اور عقل سلیم اس کو پرکھنے والی ہو۔ چنانچہ اسلام میں بار بار مظاہر قدرت پر ایمان کا مدار رکھا گیا ہے۔ مثلًا ارشاد ہے

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝

(انبیاء پ ۱۷ ع ۲)

کیا مذہب سے انکار کرنیوالے نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم ناہموار تھے ہمنے اُن کو جدا جدا کر دیا اور ہر چیز کی زندگی پانی پر منحصر رکھی پس کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور معجزہ گویا ثبوت نبوت کی عقلی دلیل جو پیش کیا گیا ہے وہ اپنی تعلیم کا بے نظیر اور سب سے فائق ہونا ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝

(بقرہ پارہ ۱ ع ۳)

اور اگر تم کو شک ہو اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہیں ان کو بھی بلا لو اگر تم اس شک میں راستی پر ہو۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ عَلَىٰ أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (اسراء پارہ ۱۵ ع ۱)

کہدو کہ اگر تمام جن اور انسان اتفاق کریں کہ اس قرآن کی نظیر پیدا کریں تو وہ اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ بعض بعض کی مدد کریں۔

اور اگرچہ بہت سی مخفی طاقتوں کے ظہور بھی پیغمبر اسلام کی ذات بابرکات سے ارادۃً یا بے ارادہ صادر ہوئے ہیں مگر وہ شہادت کے طور پر پیش نہیں ہوئے۔ بلکہ جب مخالفین نے معجزات طلب کئے ہیں تو جواب میں کہا گیا ہے کہ بیشک گذشتہ زمانے میں انبیاء نے معجزات کو دعوی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا اور جو کچھ تم کہتے ہو ظاہر ہوا مگر نتیجہ یہی ہوا کہ معجزہ لانیوالوں کو ساحر کہا گیا اور انبیا قتل ہوئے غرض یہ کہ وہ شہادت پورے طور پر مفید نہ ہوئی *

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۹)

بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم سے عہد کیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جبتک کہ وہ ایسی قربانی نہ دکھلائے جسکو آسمانی آگ آکر کھا جائے انکو کہدو کہ میرے رسول تمہارے پاس معجزات لیکر اور جو تم کہتے ہو وہ نشان لیکر آئے پس اگر تم سچے ہو تو تم نے انہیں کیوں قتل کیا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسٰى أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسٰى مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ

پس جب انکے پاس ہماری طرف سے راستی (قرآن) آئی تو انہوں نے کہا کہ انکو ایسے معجزے کیوں نہیں دیئے گئے جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے مگر کیا اس سے پہلے موسیٰ کے معجزات سے لوگوں نے کفر نہیں کیا

نَظٰهَرَا وَقَالُوْا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ (قصص پارہ ۲۰ ع ۵)	اور کہا یہ نہیں کہا کہ یہ دو نوجادو ایک دوسرے کے شامل ہیں اور ہم کسیکو بھی نہیں مانتے۔

اور اسی طرح معجزہ طلب کرنے پر ہمیشہ انکار کیا گیا ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب دیکھو جس میں تمام انبیاء سابقین کی شریعت کا خلاصہ ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (طٰہٰ۔ پارہ ۱۶ ع ۸)	اور وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں لاتا۔ لیکن کیا ان کے پاس ایسی کتاب نہیں لایا جو گذشتہ کتابوں کی تشریح کرنے والی ہو۔

اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک نبی اپنے اپنے وقت کے مناسب ذریعہ ہدایت لیکر آیا کرتا ہے چنانچہ یہ نبی بھی اپنے زمانہ کے موافق (حامی مناظر قدرت سے) لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے آیا ہے۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ (رعد پارہ ۱۳ ع ۷)	کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اُترا۔ مگر بات یہ ہے کہ تم بھی ایک پیغمبر ہو اور ہر قوم کے لیے جدا جدا ہادی ہوتے ہیں۔
فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ؕ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ... لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۱)	(وہ کہتے ہیں کہ) یہ شخص ہمارے پاس نشان لائے جس طرح پہلے انبیاء لاتے رہے ہیں مگر ہم نے جن بستیوں کو ہلاک کیا ہے ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا پس کیا یہ لے آئینگے ...... ہم نے تمہاری طرف کتاب اُتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے پس کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

عقلی نبوت پر اعتراض اور اس کا جواب

غرض اسلام نے اپنی صداقت کا مدار اپنی تعلیم کی خوبی پر رکھا ہے مگر ڈاکٹر مل اسپر اعتراض کرتے ہیں[۱]

"اندرونی شہادت بیشک بہت مہتم بالشان ہے لیکن اسکی عظمت اصولی طور پر منفی پہلو رکھتی ہے یعنی اندرونی شہادت کسی مذہب کو چھوڑنے کیلیے تو بیشک قوی وجہ ہوسکتی ہے لیکن کسی تعلیم کو خدا کی طرف سے

---

[۱] ایسیسے نمبر ۳ صفحہ ۲۱۶ سنہ ۱۸۸۷ء

ماننے کے واسطے کافی نہین۔ اگر کسی الہامی مذہب کی اخلاقی تعلیم بُری اور راستی سے دور ہے تو خواہ کسی کیطرف سے ہو ہم پر اس کو ترک کرنا فرض ہے۔ کیونکہ ایسی تعلیم کسی حکیم و خبیر ہستی کیطرف سے نہین ہو سکتی۔ لیکن اخلاق کی عمدگی ہم کو مستحق نہین گردانتی کہ خواہ مخواہ اسے کسی فوق العادت سرچشمہ کی طرف منسوب کرین۔ کیونکہ اس امر کی کوئی دلیل قوی موجود نہین کہ جس خوبی کو پرکھنے کی قابلیت انسان مین موجود ہے اس خوبی کو دریافت کرنے کی قابلیت اُس مین موجود نہو"

مسٹر مل کی یہ دلیل جس قدر قوی ہے اُسی قدر بڑا دھوکا بھی اسمین موجود ہے کہ اُنھون نے آجکل کے مذاق کے موافق مذہب کو عین اخلاق سمجھا ہوا ہے اور محض اخلاقی خوبیون سے مذہب کو پرکھنا چاہتے ہین اور چونکہ فلسفۂ اخلاق انسان کے باہمد گر برتاؤ سے پیدا ہوتا ہے اور جس جس رویّہ کے نقص معلوم ہوتے جاتے ہین ان کو چھوڑ چھوڑ کے اخلاق کی ایک مکمل شکل پیدا ہو سکتی ہے اس لیے اُن کو گمان ہوا ہے کہ عمدہ اخلاقی تعلیم خود انسان کے دماغ سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس لیے اسکو خدا کی طرف سے ماننے کی کوئی وجہ نہین۔ اور یہ دھوکا اس تعلیم سے پیدا ہوا ہے جو مذہب کی شکل مین مسٹر مل کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مذہب عیسوی پر نہ معلوم کیا اُفتاد پڑی ہے کہ اب اس مین جو کچھ خوبی موجود ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اخلاق کے کچھ عمدہ اصول مانے جاتے ہین اور اسی کو اپنے مذہب کی ترجیح مین پیش کرتے ہین ورنہ مذہب کا اصلی عنصر یعنے ذات و صفات خداوندی کا اعتقاد ان مین نہایت بھدّی شکل مین رکھا گیا ہے اور ایک عاجز انسان کو اُس مین شریک گردان کر اوسی پر نجات کا مدار رکھ کے مذہبی خوبی کو بالکل نیست و نابود کر دیا ہے۔ اِس لیے مسٹر مل کو جب غور کرنے کا موقع ملا تو اُن کو جو چیز اچھی معلوم ہو سکتی تھی وہ اخلاق ہی تھے چنانچہ انھون نے اسی کو مذہب سمجھا اور اسی اصول پر جو تنقید کر سکتے تھے کی۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اخلاق مذہب کا پروردہ اور اُس کا خادم ہے عین مذہب نہین۔ بلکہ مذہب کی حقیقت ایک نادیدہ ہستی کو ماننا ہے اور ذکر ہو چکا ہے کہ اُس چیز کی تلاش انسان کی فطرت مین داخل ہے اور سوا ے خاص موقعون کے جہان کہ یہ جذبہ خارجی اسباب سے مُردہ یا نیم مردہ ہو گیا ہو ہر جگہ تمام بنی نوع اِس

تلاش مین سرگرم ہین - اور پھر یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ اس تلاش و تجسس مین جو کچھ دریافت ہوئے حقیقت
مین اس کا مدار محض اُن تجربون پر ہے جو وقتاً فوقتاً انسان کے دل کو جلوہ ہاے معرفت کی صورت
مین ہوتے رہے ہین اور پھر تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ بالاہستی کی فاعلیت اور کمتر کے
انفعال سے ہوا کرتا ہے پس خدا کا تجربہ ہی اسکی حرکت فاعلی اور انسان کی استعداد انفعالی سے حاصل ہوتا ہے
اس لیے ہر ایک حضوری اور ہر ایک وحی خواہ وہ کیسی بدنما سے بدنما شکل مین ہو ممکن نہین کہ انسان کی محض
اپنی کوشش سے اور بغیر ذات باری کی فاعلانہ مداخلت کے ہو اور اگر انسانی استعداد انفعالی مین باہم تفاوت
نہ ہوتا اور اگر سب کے دل نفسانی کدورتون سے پاک ہوتے تو جو نور ذات باری کیطرف سے وحی کی شکل مین
جلوہ گر ہوتا ہے وہ یکسان رہتا اور مذہب کی یہ مختلف شکلین پیدا نہ ہوتین مگر چونکہ استعدادین مختلف
ہین اور ہر زمانے مین ترقی کرتی رہی ہین اس لیے وحی کی شکلین یکے بعد دیگرے مختلف اور باہدگر
ممتاز ہوتی آئی ہین - اب اگر انسان کے اپنے نفسانی جذبات احکام وحی کے ساتھ ملکر اسکی شکل بدل
نہ دیا کرتے اور انسان مین خودرائی اور اصرار کی عادت نہ ہوتی تو ہر ایک ترقی جو تجربہ معرفت مین ہوتی
بالعموم تسلیم کی جاتی اور ایک ہی مذہب ترقی کرتا ہوا چلا آتا اور ہر شخص کی طرف سے اپنے مذہب کو
دوسرے پر ترجیح دینے کا دعوی پیش نہ ہوتا - مگر اب جبکہ بدقسمتی سے اختلاف کی یہ شکل موجود ہے تو اس وقت
جو کام تعلیم کی اندرونی خوبی اور معیار عقلی سے لیا جا سکتا ہے وہ تجربہ ہاے معرفت یعنی وحی و الہام کے
گرد و پیش کے حشو و زوائد کو دور کرنا اور مذہب کی اصلی شکل پر سے پردہ اُٹھاتا ہے - غرض یہ کہ مختلف
الہامون کی تعلیم کو عقل سے پرکھ کر یہ ثابت ہی نہین کیا جاتا کہ فلان خدا کی طرف سے ہے اور فلان اسکی
طرف سے نہین بلکہ صرف یہی دیکھا جاتا ہے کہ ان مین سے حقیقی خوبی کس مین ہے اور خدا کی ذات و صفات
کے متعلق قابل تسلیم عقیدہ کون پیش کرتا ہے جب کوئی مذہب ایسا ثابت ہو جائے تو پھر ضرور نہین کہ
اُس کا خدا کیطرف سے ہونا بھی ثابت کیا جاوے کیونکہ ایسا الہام اور دوسرے تمام غلط الہام بھی خدا
کے فاعلانہ توجہ سے اور غلطی جو کچھ موجود تھی وہ کچھ قصور استعداد کے سبب تھی اور کچھ بعد مین دیگر نفسانی
خیالات کی آمیزش سے -

عقل مختلف مذاہب کی نزاع میں فیصلہ دے سکتی ہے۔

پروفیسر ولیم جیمس ایک طولانی لکچر میں ثابت کرتے ہیں[1] کہ مذہب ایک وجدانی امر ہے اور اسکی پیدائش عارفانہ الہاموں سے ہوتی ہے یا اس فطری خواہش سے جو انسان میں ودیعت ہے۔ اور یہ کہ خشک عقلی دلایل مذہب کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مذہب کے پیدا ہونے کے بعد اسکی تائید میں پیدا کیئے جاتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس طرح پر

"عقل کا یہ کام رہا ہے کہ مذہب کو ناگوار پوشیدگی سے نجات دے اور کافۂ ناس کے لیے قابل تسلیم بنا دے"

اور آگے پرنسپل جان لیئرڈ کی کتاب فلاسفی آف ریلیجین کا اقتباس لکھتے ہیں کہ

"مذہب حقیقت میں ایک دل کی چیز ہے لیکن اسکو باطنیت اور پردہ نشینی کی فضا سے نکالنے کے لئے اور نیز حق و باطل مذہب میں تمیز کرنے کیلیئے ضرور کسی ظاہری معیار کیطرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور جو چیز دل پر قابض ہے یعنی مذہب۔ تو اسے نہیں سے دیکھنا پڑتا ہے کہ کیا وہ حق ہے اور کیا اسکو ایسا استحقاق حاصل ہے؟ کہ ہماری وجدان پر قابض ہو اور کیا اسکو ایسا معیار گردانا جائے؟ جس سے وجدان کو پرکھ سکیں پس کسی شخص یا قوم یا فرقے کے مذہبی خیالات کا اندازہ لگانے میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا دلی میلان کس طرف ہے بلکہ یہ کہ اس نے کیا سوچ سمجھ کر ایسا طریق اختیار کیا ہے۔ اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے مذہبی عقاید کیسے راسخ ہیں اور ان میں کس قدر جوش اور وارفتگی ہے بلکہ یہ کہ خدا یا اپنے معبود کی نسبت اسکے کیا خیالات ہیں جن سے ایسا رسوخ اور جوش پیدا ہوا ہے۔ دلی میلان بیشک مذہب کا ضروری عنصر ہے لیکن کسی مذہب کی خوبی اور قدر و قیمت جاننے کے لیے صرف میلان قلب کی قوت و ضعف کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسکی عقلی بنیاد کو دیکھا جاتا ہے"

پھر اسی لکچر کے آخر میں ثابت کرنے کے بعد کہ اگر تجربہ یا معرفت نہ ہوتے تو محض عقل سے مذہب کو پیدا کرنا یا ثابت کرنا ناممکن تھا۔ لکھتے ہیں کہ۔

"گو فلسفہ کی نسبت صرف یہی نتیجہ نکال کر خاموش ہو جانا میرے نزدیک فلسفہ پر ظلم کرنا ہے اسلئے مجھے بیان کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ مذہب کی کیا خدمت کر سکتا ہے پس میں کہتا ہوں

---

[1] کتاب ورائیٹیز آف ریلیجس ایکسپیرینس لکچر ۱۸

کہ اگر فلسفہ اپنے قیاس و استقرا سے الٰہیات مین دخل نہ دے اور حقیقت ذات دریافت کرنے کے بجائے خدا کے عوارض و صفات مین غور کرے یعنی خود کو بجائے فلسفہ مذہب کہلانے کے علم مذہبی کا لقب دے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہی"

"انسان کا ذہن جبکہ اپنے گرد و پیش کی ترغیبون سے آزاد کیا جائے تو وہ اپنے معبود کی ویسی ہی تعریف کریگا جیسی اس کے سابقہ مسلمات عقلی کے مناسب ہو پس فلسفہ ان تعریفون سے وہمی و فضول اجزا کو تمیز کر سکتا ہے اور عقاید و عملیات دونون کے غیر ضروری حصہ کو الگ کر سکتا ہی اور مذہبی عقاید کو علوم یقینیہ کے ساتھ مقابلہ کر کے اُن اصول کو جدا کر سکتا ہے جو عالمانہ نظر مین بیہودہ اور ناقابل ہون۔ اس طرح پر دن تا ذاتی خیالات کو نکال کر تصورات کا ایک ایسا حصہ باقی چھوڑیگا جو کم از کم ممکن ہو۔ پھر ان تصورات مین سے ہر ایک کو ایک جداگانہ قیاس فرض کر کے اُن کا امتحان کریگا جس طرح مختلف قیاسون کا امتحان کیا جاتا ہے اور جس قیاس کو زیادہ قابل اعتراض پائیگا اس کو نکال کر تعداد کم کرتا جائیگا اور پھر شاید کسی ایک کا حامی بنجائیگا جس کو بالکل ثابت یا قابل اثبات پائیگا۔ پھر اس قیاس یا رای کی تعریف مین اصلاح کریگا اور اس مین جو اجزا محض تمثیل کے واسطے ہونگے یا نفس عقیدہ سے غیر متعلق سمجھے جائینگے اُن کو تحریف کے اصلی اور ضروری اجزا سے جدا کریگا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مختلف عقاید یا اہل عقاید مین تصفیہ کا کام دیگا اور مذہب مین اتفاق اور یکجہتی پیدا کرنے مین ممد ہوگا۔ اور اسکو جس قدر کامیابی اپنی اس کوشش مین ہوگی اسی قدر و مناسبت کے ساتھ مذہب کے ذاتی عناصر اور عام اور ضروری اجزا متمائز ہوتے جائیں گے"

"مین نہین جانتا کہ ایک ایسا علم جس کا موضوع مذہب کی کُنہ جیبتی اور اس باغ کی سر و پیرائی ہو وہ کیون نہ ویسی ہی نسبت عام حاصل کریگا جو علوم ظاہری کو حاصل ہے۔ مین تو کہتا ہون کہ اس صورت مین وہ لوگ بھی جو مذہبی طبیعت نہین رکھتے ایسے فلسفہ کے نتائج سے انکار نہ کر سکینگے جیسے نابینا آدمی علم مناظر کے مسائل سے انکار نہین کر سکتا لیکن جیسا کہ علم مناظر و مرایا بینا لوگون کے تجربون سے پیدا ہوا ہے اور انہی کے تجربون سے اس کے مسائل ثابت ہوتے ہین اسی طرح علم مذہبی کا ابتدائی

عنصر بھی لوگون کے ذاتی تجربے (وحی والہام) ہون گے۔ اور یہی آئندہ نکتہ چینی اور ردو قدح
مین تحقیق و تدقیق کا سنگ بنیاد ٹھیرینگے۔ غرض یہ علم عملی حالت سے باہر نہ جائیگا اور محض خیالی فضا مین نہ اڑیگا
اور ہمیشہ اُس کو وہی اعتراف کرنا پڑیگا جو دوسرے علوم کرتے ہین کہ مظاہر قدرت کی حقیقت ہماری دسترس سے
باہر ہے البتہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اقرب بصواب ہے فلسفہ صرف الفاظ مین رہتا ہے اور صداقت و حقیقت
ہمارے دل مین ایسے طور سے در آتی ہے کہ لفظی فنت عددون سے بری ہوتی ہے"
غرض یہ کہ جو لوگ مذہبی تجربون یا جلوہ ہاے معرفت کی لذت سے آشنا نہین ہین وہ اگر محض اپنی رائے
سے دوسرے لوگون کے تجربون کا لحاظ کرنے کے بغیر کوئی مذہب قائم کرین تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی
اندھا بینا لوگون سے پوچھنے کے بغیر بینائی کے قواعد مرتب کرے پس اس حالت مین ایسے لوگون کی عقل
مذہب کے بارہ مین کچھ مفید نہین ہوسکتی۔ البتہ اگر روایات معرفت کو پیش نظر رکھ کر جو عقاید و مسائل ان روایتون
کی بنا پر پیدا کئے گیے ہین یعنے جو شریعتین اہل الہام نے پیش کی ہین انکو عقلی معیار سے پرکھا جائے اور جو نقص
اہل الہام کے قصور استعداد یا معتقدین کی نفسانی خواہشون سے وحی کے ساتھ مل گئے ہین ان کو الگ
کیا جائے تو اس صورت مین عقل مذہب کی شناخت اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے مین بہت کچھ
مفید ہوسکتی ہے۔ بلکہ جن لوگون کو معرفت کا کوئی جلوہ نظر آیا ہے وہ بھی اسی طرح اپنے دیکھے ہوئے جلوہ
کی نسبت فیصلہ کرسکتے ہین کہ آیا ان کے اپنے ذاتی میلان اور نفسانی خواہش کی کسقدر آمیزش ہے
اور خالص جلوہ ربانی اور حکم الٰہی کس قدر ہے۔
مثلاً جلوہ ہاے معرفت کی جو مثالین اوپر پروفیسر ولیم جیمس کی کتاب سے نقل کی گئی ہین ان
مین ایک شخص خدا کا جلوہ ایسی صورت مین دیکھتا ہے کہ اُسکو کوئی بھرنے کا گمان کرتا ہے۔ دوسرا خیال کرتا
ہے کہ مین خدا ہی مین رہتا ہون اور ایک اور شخص اسکی حضوری ایسے طور پر محسوس کرتا ہے کہ نہ اُس کے لیے
سمت ہے اور نہ کوئی رنگ اور مزہ۔ ان مین سے پہلا شخص چونکہ زیادہ تر جسمانی خیالات مین مبتلا ہے اس لیے
اُس کو خدا کی نسبت بھی جسمانی صفات کا خیال ہوا ہے پس اگر اس کے خیالات مین ترقی نہ ہو اور نیز
اگر اس طرح کا جلوہ بھی اُس کو پیہم نظر آتا رہے اور وہ اس بنا پر ایک مذہب قائم کرنا چاہے تو ایسے مذہب مین ضرور

خدا کو مجسم اور گرفت مین لینے کے قابل مانا جائیگا اور غالباً اسی قسم کی غلطیون سے بعض قدیم مذاہب مین
خدا کو مجسم مانا گیا ہے۔ اور اسیطرح دوسرا شخص چونکہ خدا کے مطلق اور غیر محدود ہونے کو دنیا کے عام اور
وسیع خیالات سے مشابہ سمجھتا ہے اس لیے اسکو فضا کی طرح اپنے چہار اور پھیلے ہوے کا ظرف تصور کرتا ہے
اور تیسرا شخص چونکہ اعلیٰ خیالات مین ان سے ممتاز تھا اسلیے ایسی توہمات مین مبتلا نہین ہوا پس عقل اس قسم
کے مختلف خیالات مین منصف بنسکتی ہے اور علوم یقینیہ کی تطبیق سے فیصلہ کرسکتی ہے کہ ان مین سے کونسا
خیال قابل تسلیم ہے۔

مگر یہ سب کچھ اسی صورت مین ہوسکتا ہے کہ نظام کائنات اور عام مناظر قدرت مین غور و فکر کرنے سے
انسان مین ذہن سلیم اور فکر صائب پیدا ہوجائے اور سنت الٰہی قوانین قدرت کا مطالعہ کرتے کرتے
حق و باطل مین تمیز کرنے کی صلاحیت حاصل ہوچکی ہو اور یہ سب باتین ظاہر ہے کہ ابتداے آفرینش
سے موجود نہ تھین بلکہ قانون ترقی کے موافق رفتہ رفتہ اور نہایت طویل زمانے مین پیدا ہوئی
ہین پس اسی قدر زمانہ گذرنے کے بعد انسان کو کائنات کے مطالعہ سے مذہب کو تحقیق کرنے
کرنے کی استعداد میسر آئی ہے۔ ورنہ گذشتہ زمانے مین جبکہ انسان اتنی حالت مین تھا اس وقت کے
رہنماؤن کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی بڑے محسوس نظارہ قدرت یعنی معجزہ سے لوگون کو خدا
کی طرف بلائین اس لیے اس وقت کے لیے وہی عجیب باتین آیۃ اللہ اور برہان قویم تھین اور انکے
برخلاف عقل و شعور کے زمانے مین ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر چیز اس کی طرف بلانے کے لیے
زبان گویا کا حکم رکھتی ہے۔

عقلی ترقی سے مذہب کو
استحکام ہوتا ہے

بلکہ انسانی علوم جس قدر ترقی کرتے جائین گے اور قوانین قدرت کی
پیچیدگیان جس قدر کھلتی جائینگی اسی قدر خدا کی قدرت کو ماننے کا سامان
زیادہ مہیا ہوتا جائیگا۔ بیشک خدا کی بڑی قدرت ہے کہ اس نے حرکت کرنے کے لیے ہاتھ پاؤن اور
دلی خیالات ظاہر کرنے کیلیے زبان اور قلم کو مہیا کیا۔ مگر اسٹیم سے حرکت کا سامان اور بجلی سے نامہ و پیام
کی سہولت دیکھکر اس سے بھی زیادہ قدرت ثابت ہوتی ہے اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس نے ملکے سے

غبار میں لاکھوں من بوجھ لیجانے کی اور غیر محسوس برقی رو میں ہزاروں کوس طے کرنیکی طاقت رکھی ہے اور اس کیلئے خاص قاعدے اور قانون مقرر کیئے ہیں اور جس نے انسان کو یہ عقل دی ہے کہ وہ ان قانون کو دریافت کرے اور ان طاقتوں سے کام لے۔ وہ حکیم و خبیر خدا الٰہی قدرت اور عظمت کا مالک ہے اور بیشک خدا سے خوف کرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو اسکی بے انتہا قدرت کا پتہ لگاتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ بیشک بندگان خدا میں سے اسکے خوف کرنیوالے علماء ہی ہوتے ہیں

اور ان قوتوں کو پہچانتے ہیں جو پہاڑوں کو ہلا سکتی ہے زمین کو چکر میں رکھتی ہیں اور آفتاب و ماہتاب کو ایک خاص نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور پھر بھی مانتے ہیں کہ ابھی اسکی قدرتوں کی کوئی حد نہیں اور بقول نیوٹن اعتراف کرتے ہیں کہ حقیقت کے ناپیدا کنار سمندر کے صرف ساحل پر کھڑے ہیں۔

اور تو اور ڈارون کی وہ تھیوری جس کو مذہب کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے والی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے رو سے انسان و حیوان اور ان کی آنکھ ناک وغیرہ اعضا کسی خاص ہستی نے ابتدا پیدا نہیں کیئے بلکہ تمام جاندار ایک ہی نسل سے ہیں جس کے ناقص اور بیکار اعضا یکے بعد دیگرے معدوم ہوتے ہوتے انسان جیسی خوبصورت ہستی موجود ہوگئی ہے۔ اس تھیوری سے بھی مذہب کے نابود ہوجانے کا خوف ایک توہم ہے۔ پہلے ہمارے دل اسی صنعت کو دیکھکر عش عش کیا کرتے تھے کہ ایک ناچیز قطرہ کو کیسے عجیب طور پر پرورش کیا جاتا ہے کہ وہ جمادی حالت سے ترقی کرتے کرتے ایک سرو قامت گلعذار اور عقیل و فہیم انسان بنجاتا ہے۔ اب اگر ڈارون صاحب کا خیال درست ہو تو اسکی قدرت کا کرشمہ اور بھی عجیب ہوجاتا ہے کہ پانی کے ایک کیڑے کو ایسی استعداد دیکر بھیجا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی موجودہ بے حس و حرکت زندگی کو قائم رکھنے کے قابل ہے بلکہ ترقی کی ایسی قابلیت رکھتا ہے کہ بڑھتا ہے۔ اپنے ناقص اور بیکار اعضاء کو بدلتا ہے۔ کچھ سے کچھ اور کچھ سے کچھ ہوتا ہوا رینگنے والے کیڑے سے شہ زور اور طاقتور حیوان بنتا ہے اس سے آگے بڑھتا ہے پیشگوئی کی حالت ڈارون جیسے ہزاروں سال پیشتر کی باتیں جاننے والے انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پس کیڑے کو ایسی استعداد دینے والا کیا کچھ قدرت نہ رکھتا ہوگا۔

اور ابھی تک صرف حیوانات کو ایک خاندان فرض کیا گیا ہے اور نباتات کو غالبًا ایک جداگانہ سلسلہ مانا جاتا ہے لیکن اگر کبھی یہ پردہ بھی کھل جائے اور معلوم ہو کہ نبات بھی ترقی کرتے کرتے حیوان اور حیوان سے انسان بنجاتی ہے تب بھی خدا کی قدرت پر کوئی حرف نہ آئیگا۔ بلکہ مٹی کے ایک ذرہ مین نبات حیوان اور انسان بننے کی قابلیت پیدا کرنے والا اہل دل کے لیے اب سے زیادہ حمد و ثنا کے لائق ہوگا۔ غرض واقعات عالم کے ذرائع اور اسباب خواہ کتنے ہی معلوم ہوتے جائین اور انسان ان سب کے قاعدے دریافت کرکے سب چیزون سے حسب منشا کام لینے کے قابل ہو جائے تو ذات تمام عالم کا سرچشمہ ہے اسکی قدرت زیادہ سے زیادہ ثابت ہوتی جائیگی۔ علم و حکمت کے متوالے طبقات زمین کی تحقیق کرتے ہون یا اجرام سماوی کی حرکات دیکھتے ہون قانون مقناطیس سے پیش از وقت زلزلہ کی اطلاع پائین یا آفتاب کے داغون سے موسمی تغیر کو پہچانین ہر حال مین اگر دماغ کے ساتھ دل بھی رکھتے ہین تو ہر ذرہ سے خدا کا نام سنینگے اور ہر واقعہ سے اسکی شہادت پائینگے اور آخر کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اے پیدا کرنیوالے تو نے ایسا عجیب نظام محض رائیگان نہین بنایا اور ضرور ہمکو کسی کام کیلئے پیدا کیا ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ط
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى
جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ
الْأَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا
سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط

(آل عمران پارہ ع)

بیشک آسمان زمین کی پیدائش مین اور رات دن کے تغیر
مین عقلمندون کے واسطے نشان ہین۔ مگر کون عقلمند؟
جو خدا کو بیٹھے اٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہین۔ اور آسمان
و زمین کی پیدایش مین غور کرتے ہین اور کہتے ہین
کہ اے پروردگار تو نے اس نظام کو رائگان نہین بنایا
تو پاک اور برتر ہے۔ ہمکو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ختم نبوت

جلوہ ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ لہٰذا ختم نبوت ممکن نہیں۔ فیضان وحی بالواسطہ اور بیواسطہ اگر ترقی کرنے والے اپنی حد امکان تک پہونچ گئے ہیں تو آئندہ قانون ارتقا کا بند ہو جانا ممکن ہے۔ انسانی علم صرف تعلقات تک رہتا ہے۔ مذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔ مذہبی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب ہے۔ ختم نبوت اور سپنسر۔ ختم نبوت اور پامرکت اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتے ہیں؟ ۔

ذکر یہ تھا کہ جس طرح پر خاص انسانوں کو علوم حسابی میں بعض اوقات میں خاص نکتے سوجھتے ہیں اور اس طریق سے انسانی عقل ترقی کرتی ہے اسی طرح خاص بندوں کو خاص اوقات میں نکات معرفت معلوم ہوتے رہتے ہیں اور یوں مذہب ترقی کرتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اس لیے اس میں انسان کی طرف سے انفعال اور خدا کی طرف سے فاعلانہ قدرت کا ظہور ہوتا ہے اور اسی کو وحی کہتے ہیں۔ اس ضمن میں معراج اور معجزہ کا ذکر ایک جملہ معترضہ تھا جسکی اہمیت اور نیز اسکے خلاف غلط اعتراضوں کی کثرت کے سبب مضمون کو معمول سے زیادہ طول دینا پڑا۔ اب نفس مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جلوہ ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں

جلوہ ہائے معرفت جو خدا کے نیک بندوں کو نظر آتے ہیں انکی مختلف شکلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربے دو قسم کے ہیں۔ ایک کسی خاص وقت میں یا بعض خوش قسمتوں کو اکثر کوئی حضوری ہوتی ہے جو ان کے ذاتی افکار میں یا سلوک معرفت کی دقتوں میں سہولت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے لیکن اس سے کسی مشکل مسئلہ کا حل یا جدید عقیدہ کا انکشاف نہیں ہوتا اور اسکو اصطلاح میں کشف کہتے ہیں اور جس شخص کو یہ حاصل ہو اگر وہ پہلے سے بالکل درست اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے کشف میں کوئی نفسانی آمیزش نہ ہو تو ولی کہلاتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو صاحب استدراج نام پاتا ہے۔ اور دوسری قسم

سکے وہ تجربے ہین جن سے کسی سابقہ نقص اور غلط فہمی کی اصلاح ہوتی ہے اور سلسلہ عقائد اور ذرائع وصال ربانی یعنی عبادات و معاملات کے متعلق خدائی احکام دریافت ہوتے ہین اور خاص اسی قسم کے تجربے ہین جن کو اصطلاح مذہب مین وحی کہتے ہین اور یہی تجربے رہے ہین جن سے مختلف مذاہب پیدا ہوئے ہین اور جن کے لانیوالون کو پیغمبر کہتے ہین -

بظاہر ختم نبوت ممکن نہین

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے سے ہوتا آیا ہے آیا اسی طور پر آئندہ بھی کشف اور وحی کا سلسلہ جاری رہیگا یا کسی وقت اس کا بند ہوجانا بھی ضرور ہے - اور چونکہ عقلی ترقی محدود نہین ہے اور کوئی وقت ایسا خیال مین نہین آسکتا کہ انسان آئندہ قوانین قدرت کو دریافت نہ کرسکے اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے کشف و وحی کے بارہ مین آسان جواب یہی ہوسکتا ہے کہ یہ سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا مگر اس جواب کو صحیح سمجھنے سے پہلے کسی قدر اور بھی غور کرلینا چاہیئے -

فیضان وحی بالواسطہ اور بلا واسطہ

کشف مین چونکہ نئی تعلیم نہین ہوتی اور محض سالک کے سفر کو آسان کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کا فائدہ دوسرون تک نہین پہونچتا بلکہ اکثر اہل تصوف حالات کشف کو مخفی رکھنا ضروری جانتے ہین تا کسی طرح تکبر اور رعونت نہ پیدا ہوجائے اسکے برخلاف وحی سے نہ صرف صاحب وحی کو بلکہ عام خلق اللہ کو فائدہ پہونچتا ہے اور غلطیون کی اصلاح ہوتی ہے اور اسلیے انبیا پر فرض ہوتا ہے کہ اپنی تعلیم کو شائع کرین پس یہ پیغام جو خلق اللہ مین شائع کرنے کے لیے القا ہوتے ہین - ان کی انسان تک پہونچنے کی دو صورتین ہین - ایک جب کوئی صاحب استعداد موجود ہوتا ہے تو خدا کی طرف سے اسکو وحی کی جاتی ہے - اور دوسری صورت یہ کہ جب تک کوئی شخص منصب نبوت کے لائق نہ پیدا ہو وہ نکات اور احکام جو کسی نبی پر اتر چکے ہین ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہونچتے رہتے ہین - پہلی صورت کو لا آف ایوولیوشن یا قانون ارتقا کہنا چاہیئے - اور دوسری صورت کو لا آف ملٹی پلی کیشن یا قانون توارث - اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کے دیگر معاملات مین قانون ارتقا اور قانون توارث کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے یا کبھی کسی وجہ سے اس کا انقطاع بھی ہوسکتا ہے اور اسی طرح پر غور کرنے سے جو قاعدہ ان کے جاری رہنے یا بند ہونے کے واسطے وضع یا ثابت ہوگا اسی کو وحی کے سلسلہ کی نسبت بھی فیصلہ ہوسکیگا

اگر ترقی کرنے والے اپنی حد امکان تک پہنچ گئے ہین تو آئندہ قانون ارتقا کا بند ہوجانا ضروری ہے

زمین اور اسکی پیدایش یعنی موالید ثلاثہ کی نسبت اِس قدر تو یقینی اور بدیہی بات ہے کہ آبادی کے قابل ہونے پر پہلے اسمین نباتات کا ظہور ہوا ہوگا یا بعض ایسے حشرات الارض کا جن کو نباتی غذا کی ضرورت نہین۔ نباتات مین اگرچہ بعض ایسی بھی دریافت ہوئی ہین جو جانورون کو غذا بناتی ہین مگر ان کو جانورون کے بعد کی مخلوق مانکر بھی نباتات کا بڑا حصہ حیوانی غذا سے بے نیاز اور حیوانون سے پہلے موجود ماننا پڑتا ہے۔ ان کے بعد ایسے حیوانات پیدا ہوئے ہونگے جو نبات سے غذا لیتے ہین اور ان کے بعد وہ حیوان جو گوشت کھاتے ہین اور انسان کے لیے چونکہ تمام قسم کی نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کی ضرورت ہے اس لیے یہ سب کے بعد دُنیا مین آیا ہوگا۔ اس سلسلہ کو یقینی ماننے کے بعد اب احتمالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنمین سے قدیم خیال یہ ہے کہ ہر ایک نبات اور ہر ایک جاندار مجدّداً پیدا ہوا ہے۔ اور ایک خیال علمی دُنیا مین اپنی حکومت کر رہا ہے کہ سوا اُس ابتدائی آبی کیڑے کے اور کوئی جاندار ابتداءً معرض وجود مین نہین آیا بلکہ اسی کیڑے کی نسل سے بدلتے بدلتے ہر قسم کے حیوانات بن گئے ہین حتّٰے کہ وہی نسل بڑھتے بڑھتے بندر۔ بن مانس اور انسان ہوگئی ہے۔

ان دونون احتمالون کو آپس مین کُشتی لڑتے ہوئے اور رنے کو پڑلنے کا شانہ زمین پہ لگاتے ہوئے چھوڑکر جو امر مشترک دونون مین پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام نبات خوار اور گوشت خوار حیوانات ایک ہی وقت مین پیدا نہین ہوئے بلکہ پہلے بیشک کسی طرح کے کیڑے مکوڑے پیدا ہوئے ہون گے کیونکہ ایسے جاندار اب بھی دیکھے جاتے ہیں کہ کسی متعفن جگہ یا گندہ موسم مین نہایت جلدی پیدا ہوجاتے ہین۔ پھر انکی نسل بڑھنی شروع ہوئی ہوگی حتی کہ جب وہ وقت آیا ہوگا کہ ان سے بڑا کوئی اور جانور بھی زندہ رہ سکے تو وہ موجود ہوگیا ہوگا۔ خواہ کیڑے مین ہی یہ استعداد آگئی ہو کہ وہ مینڈک مچھلی کی شکل حاصل کرے یا سطح زمین مین یہ قابلیت ہوگئی ہو کہ اُس مین سے بڑے جانور کا ظہور ہوسکے۔ پھر حسب معمول کچھ مدّت اِس جانور کی نسل چلی ہوگی اور ایک وقت پر اس جانور کی یا سطح زمین کی استعداد کامل ہونے پر کوئی تیسری شکل ظاہر ہوئی ہوگی اور یونہی سلسلہ جاری رہا ہوگا کہ کچھ عرصہ ایک ہی جانور نسل در نسل چلا آتا ہوگا اور

کسی وقت میں کوئی نئی صورت پیدا ہوتی رہی ہوگی حتے کہ ایک وقت پران سب کا دربار آراستہ ہونے کے بعد حضرت انسان کا جلوس شاہی نمودار ہوا ہوگا۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک انسان کی ایک نوع میں یا سطح زمین میں دوسری شکل پیدا کرنیکی استعداد نہ موجود ہو یا ناقص ہو تو قانون توارث عمل کرتا ہے اور ہرن کا بچہ ہرن اور بکری کا بچہ بکری پیدا ہوتا ہے یعنے قدرت کا اثر باپ کی وساطت سے بیٹے تک پہونچتا ہے اور جب یہ استعداد کامل ہو جاتی ہے تو قانون ارتقا قانون توارث کی جگہ لیتا ہے اور ایک اور حیوان کی شکل دکھنے میں آتی ہے یعنی قدرت براہ راست عمل کرتی ہے اور بیٹے میں وہ بات پیدا ہوتی ہے جو باپ میں نہ تھی۔

لیکن اب انسان کو وجود پذیر ہونے پر اگر مادہ میں یہیں تک ترقی کرنے کی استعداد ودیعت تھی یا اگر خدا کا ارادہ دنیا میں اسی نوع تک پیدا کرنے کا تھا تو کہنا چاہئے کہ آئندہ اس سلسلہ میں قانون ارتقا کا خاتمہ ہو گیا اور اب قانون توارث سے انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا رہیگا۔ اگرچہ ایک اور سلسلہ میں یعنی انسان کی عقلی قابلیت میں قانون ارتقا اب بھی عمل کر رہا ہے مگر اس وقت ہم حیوانی شکل وصورت کے سلسلہ کو دیکھ رہے تھے جس کے بدلنے سے نوع حیوانی کا نام بدل کر بلّی کے بعد شیر اور بندر کے بعد بن مانس کہنے لگتے ہیں اور عقلی ترقی سے ایسا تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ افریقہ کا وحشی اور یورپ کا فلاسفر دونوں کا نام انسان ہی رہتا ہے۔

اچھا تو شکل وصورت یا انواع حیوانی کے سلسلہ میں قانون ارتقا کی نسبت سوال ہونے پر یہ عام جواب کہ "قانون ارتقا کبھی بند نہ ہوگا" بالکل غلط ہے بلکہ سچا جواب یہی مشروط جواب ہوگا کہ اگر مادہ اپنی واقعی شکل تک پہونچ گیا ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا اور یہ ہمکو معلوم ہے کہ مادہ کی انتہائی شکل انسان ہے اس لیے یوں بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے۔ تو قانون ارتقا ختم ہو گیا۔

اب وحی کے بارہ میں قانون ارتقا کے بند یا جاری رہنے کا سوال ہو تو اس کی نسبت بھی یہی عام

فیصلہ غلط ہوگا اور سچا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کے لیے جہاں تک خدا کو پہچاننا ممکن ہے اگر وحی کے تجربے اس حد تک پہونچ چکے ہیں تو اس سلسلہ مین بھی قانون ارتقا کی گنجایش نہین۔ اور اگر معرفت کا یہ مسئلہ جو ایک دفعہ قانون ارتقا کے روسے قدرت کے براہ راست عمل کرنے سے کسی انسان پر منکشف ہوا ہے آئندہ قانون توارث کے روسے ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہونچتا رہیگا جس طرح پر پیدائش کا سلسلہ کسی خاص حیوان تک پہونچنے کے بعد قانون ارتقا سے انسان پیدا ہوا ہے اور آئندہ صرف قانون توارث کے روسے انسان سے انسان پیدا ہوتا رہتا ہے اور اب کسی حیوان سے یا زمین سے انسان پیدا نہین ہوتا +

مگر آگے یہ دقت پیش آتی ہے کہ سلسلہ حیوانی مین مادہ کی انتہائی صورت یقیناً معلوم تھی کہ وہ انسان ہے ورنہ مذہبی سلسلہ مین خواہ تاریخی طور پر وحی کی انتہائی صورت معلوم ہو سکتی ہو مگر دنیا مین وحی کا جھوٹا دعوے کرنے والے بھی ہوتے آئے ہین اس لئے ثبوت دیئے سے پہلے کسی شکل کو انتہائی کہنا غلط ہوگا پس جیسا جواب حیوانی سلسلہ مین دیا جا سکتا ہے کہ "اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا" اس قسم کا جواب مذہب کے بارہ مین نہین ہو سکتا بلکہ اسکی جگہ یون کہنا پڑے گا کہ اگر مسئلہ وحدت وجود خدا کا واقعی جلوہ ہے جس تک انسان پہونچ سکتا ہے تو جس شخص نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تعلیم دی ہے وہ خاتم الانبیا ہوگا اور پیچھے آنے والے سب اسی کے خوشہ چین ہون گے اور اگر خدا کا انسان کی شکل مین حلول کرنے کا یا بیٹے کی شکل مین آنے کا مسئلہ خدا کا واقعی جلوہ ہے تو اسکی تعلیم لانے والا سب سے آخری نبی ہے۔ یا اگر خدا کی نسبت واقعی علم یہ ہے کہ وہ بغیر مادہ اور روح کے دنیا کو پیدا نہین کر سکتا تو اس مسئلہ کو ظاہر کرنے والا آخر المرسلین ہے اور اسی طرح دنیا کے ہر ایک مذہب کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کو واقعی کشف ہو گیا ہے تو پھر خدا کی طرف سے کسی اور نبی پر وحی الہٰی نازل کرنے کی ضرورت نہین اور آئندہ محض اسی انسان کی وساطت سے واقعی تعلیم رائج ہو سکتی ہے۔ اب آگے عقل کی وساطت سے یا جس طرح بھی ممکن ہو یہ تلاش کرنا انسان کا فرض ہے کہ ان صورتون مین سے کونسی صورت ہے جسکو خدا کا واقعی جلوہ کہا جائے "+

انسانی علم صرف تعلقات تک رہتا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ چونکہ خدا غیر محدود ہے اسلئے اسکی حقیقت تک پہونچنا محدود انسان کے لئے ناممکن ہے مگر یہی صورت مادی علوم میں پیش آتی ہے "انسان مادہ کی حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتا اور اس کا مبلغ علم صرف اس قدر ہے کہ اس کے بعض اوصاف اور تعلقات سے واقف ہو اور اس کے علم کی صحت یہ ہے کہ اُن تعلقات اور اوصاف تک پہونچ جائے جو واقعی مادہ کے اندر موجود ہیں اور غلطی یہ ہے کہ ایسے تعلقات اور اوصاف کا یقین کیجئے جو ہیں نہیں ہیں مثلاً ہم سنکھیا کو دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں ہم اُس کو کیسا ہی تحلیل و تجلیل کرنے کے قابل ہو جائیں اسکی حقیقت سے ناآشنا ہی رہینگے اور صرف اُس کے بعض اوصاف معلوم کر سکینگے مثلاً یہ کہ وہ بسیط ہے یا مرکب ہے اور اُس کے اندر اس قدر اجزا ہیں پس اگر ہم نے سنکھیا کے وہی اوصاف دریافت کئے ہیں جو واقع میں اُسکے اندر ہیں مثلاً یہ کہ اُسکو ایک خاص وزن تک کھانے سے انسان مرجاتا ہے تو ہمارا علم صحیح ہے اور اگر اسکے خلاف کوئی اور یقین پیدا ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اسکو اناج کی طرح کھانے سے غذا کا کام لے سکتے ہیں تو ہمارا علم غلط ہے" ڈاکٹر اسپنسر کہتے ہیں[۱]۔

"سائنس کی ترقی جہاں تک بھی ہو اس سے صرف اندرونی اور بیرونی تعلقات کی تکمیل ہوتی ہے (اسکی مثال یوں دیتے ہیں کہ) ایک تیتری کسی نبات کی خاص خوشبو سے اُسکو کھانے لگتی ہے تو اس وقت اُس کے اندر خوشبو کا تصور ایک حرکت پیدا کرتا ہے یعنی خوشبو جو بیرونی چیز ہے اس سے تیتری کے دل میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے اور جیسا خوشبو کو درخت سے تعلق ہے ویسا ہی اس تصور کو کھانے سے تعلق ہے۔ اور اسی طرح تیتری کے قد و قامت رنگ ڈھنگ اور قرب و بعد کی نسبت کو دیکھکر چڑیا کے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اُسکو کھانے کو دوڑتی ہے اور اسی طرح عقاب چڑیا کو دیکھکر چڑیا کے اندرونی حرکات سے زیادہ پیچیدہ اعصابی اور جسمانی حرکات کے ساتھ چڑیا پر جھپٹتا ہے۔ اور ان سب کے اوپر شکاری ہے جو عقاب کی شکل اور اسکے قرب و بعد وغیرہ کے علاوہ معدنیات کے اثر اور مختلف کام کرنیوالے قوانین قدرت کے اوضاع و اطوار سے متاثر ہو کر بندوق چلاتا ہے"

[۱] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب نمبر ۲ خلاصہ صفحہ ۸۲ ذخیرہ ۱۸۸۴ء۔

اور بار ہا دیکھ کر اور اسکے اثر کا قانون دریافت کرکے عقاب کو مارنا چاہتا ہے۔ پس چونکہ زندگی اپنے تمام مظاہر میں بشمول قوت عقلیہ بدرجہ غائت اندرونی اور بیرونی تعلقات کے ایک مسلسل مطابقت اور درستی کا نام ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری علم کو محض تعلقات سے تعلق ہے اسکی نہائت سادہ شکل یہ ہے کہ اندرونی حالات اور بیرونی وسائل کا کسیقدر علم ہو جیسے تیتری کو خوشبو اور کھانے کے تعلق کا علم ہے اور اس سے اعلے شناخت ذرا اور پیچیدہ اندرونی اور بیرونی تعلقات کو معین کر لینا ہے جیسے انسان نے عقاب۔ لوہا اور بارود کو دیکھ کر جانور کو مارنے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ پس عقل و ذہانت کی یہ کارروائی کیسی ہی اعلےٰ ہو صرف تعلقات دریافت کرنے تک محدود ہے اور اس سے آگے نہ اندرونی حالات کو جان سکتی ہے اور نہ بیرونی وسائل کو۔ صرف اتنا جانتی ہے کہ کونسی چیز کس کے ساتھ ہوتی ہے (مثلاً خوشبو کے ساتھ نبات) یا کس چیز کے بعد کونسی چیز آتی ہے۔ (مثلاً بندوق چلانے کے بعد جانور کا مرنا) پس صداقت صرف یہی ہے کہ ہم تعلق کو ٹھیک دریافت کر لیں اور غلطی یہ ہے کہ تعلق کو ٹھیک دریافت نہ کریں۔ غرض تفکر چونکہ تعلق دریافت کرنیکا نام ہے اسلئے کوئی قوت متفکر تعلق سے آگے نہ بڑھ سکیگی"

مذہب بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا مدعی ہے۔

غرض جب ہماری کل کائنات تعلق ہی کو دریافت کرنا ہے تو خدا کے لامحدود ہونے کو اور دریافت حقیقت ممکن نہ ہونے کو بہانہ بنا کر تلاش معرفت سے پہلو تہی کرنا انسان جیسی عقیل ہستی کی شان نہیں اور جب ہم حقیقت کسی چیز کی بھی دریافت نہیں کر سکتے تو جس طرح مادی علم میں صرف مادہ کے تعلقات پر قناعت کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی خدا و مخلوق کے تعلقات کو دریافت کرنا ہی انتہائی نظر ہوگا اور مذاہب انہی تعلقات کو دریافت کرنے کا دعوے کرتا ہے ایک کہتا ہے کہ مخلوق اور خالق کا تعلق یہ ہے کہ ایک ہی ہستی مختلف مظہروں میں جلوہ کر رہی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ ایک نے دوسری کو نیست سے ہست کیا ہے اور تیسرا دعوی کرتا ہے کہ ایک نے دوسری موجود چیز کو مختلف شکلیں عطا کی ہیں۔ اسی طرح ایک کہتا ہے کہ جب تک وہ کسی خاص محسوس شکل میں جلوہ نہ کرے انسان اس تک نہیں پہونچ سکتا اور دوسرا کہتا ہے کہ اس تک پہونچنا ہو تو تمام

خاص چیزون سے پرے دیکھو۔ اور یہ تمام تعلقات ہین حقیقت دریافت کرنیکا دعوی ان مین سے کسی مین
بھی نہین اور انہی تعلقات مین غور کرنا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ہمارا فرض ہی۔ اس تحقیق مین اگر ہم
اس نتیجہ تک پہونچ جائین کہ فلان تعلق واقعی تعلق ہے تو اسی کی تعلیم دینے والے کو خاتم المذاہب کہینگے
اور اگر بالفرض کسی تعلق کو بھی واقعی نہ کہ سکین تو اس صورت مین بیشک مذہب کی آئندہ ترقی کا احتمال
باقی رہیگا۔ مگر اس صورت مین بھی ٹھ ہے سے بالکل اعراض کرنا یا بالکل بے سوچے سمجھے کسی ایک پر کاربند
ہونا غلط ہوگا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ ان مین سے واقعی غلط کون ہی اور قریب بصداقت کون۔ اور جو قریب
بصداقت ہون ان مین سے سب سے ترقی یافتہ اور بالاتر کون ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر سب سے بالاتر
پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ کیونکہ جب تک عقل کو معلومہ قوانین قدرت سے بالاتر قوانین دریافت کرنے کی استعداد
نہین ہوتی عقل کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ معلومات مین جو سب سے برتر ہون ان پر کاربند ہو اور اُس سے
پہلے کے معلومات کو جو غلط ثابت ہو چکے ہین ترک کرے۔ مثلاً جب تک انسان پانی اور ہوا وغیرہ
کو تحلیل نہین کرسکا اربعہ عناصر پر یقین کرتا رہا اور جب ان چیزون کے اجزا دریافت ہو گئے تو اب
اگرچہ ان اجزا کے تحلیل کا احتمال بھی باقی ہے مگر جب تک وہ وقت نہ آئے انسان کا فرض ہے
کہ آگ اور پانی وغیرہ کو عنصر کہنے پر اصرار نہ کرے اور جو اجزاء دریافت ہو گئے ہین اُن کو عنصر مانکر اپنی عالمانہ
نتائج اور مختلف فنون اور صنعتون کی بنیاد اسی اصول پر رکھی۔ اسی طرح کسی مذہب کو سب سے ترقی یافتہ
تسلیم کرنیکے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ اس سے کمتر مذاہب پر اصرار نہ کرین اور اس بالاتر مذہب کو مانکر اپنی
عارفانہ رفتار مین اسکی ہدایتون پر کاربند ہون ؛

غرض ہم ختم نبوت کے نتیجہ پر پہونچیں یا بحالت موجودہ سب سے بہتر مذہب کو معلوم کرین دونون
حالتون مین عملی نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور ہاتھ پاؤن توڑ کر بیٹھ رہنے یا ہر کس و ناکس کے دروازہ سے
بھیک مانگنے کی بجائے کوشش کرنا اور ایک دروازہ تک پہونچنا ضرور ہوگا۔ مگر اس کوشش مین بھی
یہی جلوۂ معرفت ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے خدا کی شناخت ہی
اس کے نتائج کا معیار ہوسکتی ہے ؛

مذہبی ترقی کثافت سے لطافت کی جانب ہے

اب خدا کی شناخت کو ختم نبوت یا ترجیح مذہب کا معیار گردانکر واقعی جلوۂ معرفت تلاش کرنیکے لیے اُن استدلالون کے علاوہ جو بیرونی شہادت سے پیش کئے جائین خود مذاہب کے اندرونی تغیّر و تبدّل اور ترقی کی روش سے بھی استدلال ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سب سے ابتدائی مذاہب جو دُنیا مین پائے جاتے ہین اُن مین کبھی بالکل محسوس اور معیّن چیز کو اور اکثر اوقات ایسی کئی کئی چیزون کو معبود گردانا گیا ہے اور اِس طرح خدا کو محسوس۔ محدود و منقسم۔ ناقص فانی اور متغیر سمجھا گیا ہے[1]۔ اور چونکہ یہ سب سے ابتدائی شکل ہے اسلئے اس کے علاوہ اور جس قدر شکلین مذہب مین پیدا ہوئین اُن سب کو اس شکل سے ترقی یافتہ اور صداقت سے قریب تر سمجھنا چاہیئے اور پھر جب ان شکلون کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مین خدا کی محدودیت اور نقصان وغیرہ مین زیادتی نہین کی گئی بلکہ درجہ بدرجہ اسکو غیر محدود۔ مطلق۔ کامل۔ دائم اور نامتغیّر مانا گیا ہے۔ مثلاً درخت پتھر سے ترقی کی ہے تو اگرچہ خیال دنیوی چیزون کی طرف ہی گیا ہے مگر درخت پتھر سے لطیف تر یعنی پانی اور ہوا وغیرہ کو خدا مانا ہے۔ اس سے آگے اس سے لطیف تر یعنی پانی اور آگ کے موکل اور دیوتا فرض کئے ہین اور اس کے بعد بتدریج بڑھتے بڑھتے اور دنیوی چیزون کا لطیف سے لطیف درجہ فرض کرتے کرتے تمام دُنیا کا مجموعہ اور پھر اس سے آگے تمام دُنیا کا امر انتزاعی یعنے درجۂ اطلاق خدا مانا گیا ہے اور پھر دُنیا سے پرے اور تمام اشیا سے برتر اور اعلیٰ ہستی تک پہونچے ہین اور مانا ہے کہ خدا تمام اشیا سے بالا ہے تمام کثافتون سے پاک۔ تمام لطافتون سے متصف اور عقل و قیاس سے برتر ہے۔ مگر نہایت کثیف درجہ یعنی محسوسیت سے آغاز کر کے ایسے لطیف درجہ تک آنا اور اس کو پورے طور پر دل مین جگہ دینی آسان

---

[1] یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کی تشکیل خدا کی طرف سے نہین ہوسکتی بلکہ اسکی طرف سے پہلے جذبہ مذہبی پیدا کیا گیا ہے اور اس جذبہ کے اثر سے جب انسان نے تلاش شروع کی تو سب سے پہلے وہ محسوسات ہی کیطرف جھکا پس یہ ایک آمیزش ہے جو انسان کے قصور سے بری سچا الہام ربانی کے ساتھ ہوگئی اور علیٰ ہذا القیاس اس کے بعد جبتک کسی نبی نے تعلیم دی کہ خدا پتھر نہین ہے بلکہ پتھر وغیرہ کا خالق ہے تو جن طاقتون سے لوگون نے جمادات اور نباتات مین تغیّر ہوتا دیکھا انکی طرف جھک گئے۔ اور اس طرح آخر تک ایک صادق وحی سے مذہبی ترقی اور ایک غلط قیاس سے غلط آمیزش ہوتی گئی۔

آسان کام نہ تھا چنانچہ جب پہلے پہل اس درجہ تک پہونچے ہیں تو اس عقیدے سے نے واقعی تکل ہیں زبان سے دل تک آنے اور عملی حالت پر اثر کرنے میں بہت وقت صرف کیا اور خدا کو واقعی سب سے برتر کہنے کے بعد کسی نے نیتی نیتی یعنی خدا نہ یہ ہے نہ وہ ہے کہتے کہتے نقائص سے پاک ماننے کے علاوہ اسکی تمام صفات کاملہ کو بھی اڑا دیا - اور اگرچہ فلسفیانہ چھان بین کے وقت ہم کسی چیز کی ذات کا خیال اور اس کی صفات کا خیال جدا جدا ذہن میں لاسکتے ہیں اور اسطرح ذات کے مرتبہ کو تمام صفات سے معرّا تصور کرسکتے ہیں لیکن یہ محض ذہنی عمل ہوگا ورنہ خارج میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہوسکتی جو کوئی صفت نہ رکھتی ہو کیونکہ اس کو موجود ماننے کم از کم وجود کی صفت ضرور لاحق کرنی پڑتی ہے پس خدا کو نیتی نیتی کہہ کر تمام صفات سے معرّا کرنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ موجود بھی نہیں اور صرف ذہن نے دیگر موجودات کو دیکھ کر اسکا تصور قائم کرلیا ہے پس گویا اس مذہب نے موجودات عالم کو تحلیل کرتے کرتے اُس کے آخری درجہ یعنی حالت اطلاق تک پہونچ کر اس کو خدا مان لیا ہے اور مذہبی جذبہ جو خدا کو موجود اور ہر حال میں ہر چیز کا حامی و ناصر ماننے کا تقاضا کرتا ہے اور نیز جلوہ ہائے معرفت جنمین بالعموم خدا کا دیدار بطور ایک موجود فی الخارج کے ہوتا ہے ان دونوں کو اس مذہب سے تعلق نہیں ہے اور بقول ولیم جیمس گویا یہ علم مناظر کا ایسا حل ہے جو بصارت والوں کے تجربہ پر مبنی نہیں ہے - اور اسی طرح اور مذاہب نے اگرچہ زبان سے خدا کو برتر از قیاس کہا مگر عملاً اِس اعتقاد کی تردید کی اور جب اس کے برتر از قیاس ہونے کو دل میں نہ جا سکے تو کبھی کسی بُت کو اُس کا خاص جلوہ گاہ فرض کیا اس کے بعد کبھی کبھی انسان میں اُسکا ظہور مانا اور اس طرح پر خدا کو اُس کے درجہ سے نیچے لاکر عبادت ایسی چیز کی شروع کی جو محدود و مقیّد اور ہر طرح سے ناقص ہے نہ وہ برتر از خیال و قیاس ہستی - اور پھر کبھی اسکی ذات کو برتر مانا مگر اسکی صفات کو برتر ماننے کیلئے تیار نہ ہوئے اور اسکی قدرت کا انسانوں کی قدرت پر قیاس کرکے خالقیت وغیرہ میں اُس کو مادّہ کا محتاج ماننے لگے - ان سب کوششوں کے بعد معرفت کا وہ درجہ ہے جس میں خدا کو برتر از احساس (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ انعام پارہ ۷ ع ۱۳) برتر از قیاس (لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا طہ پارہ ۱۶ ع ۶) تمام مثالوں سے بالا (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲) تمام صفات کمال سے متصف

۵ یہ سوامی شنکر اچاریہ مشہور حامی ویدانت کا مذہب ہے جسکو وہ اپنشدوں سے استخراج کرتے ہیں -

(وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ اعراف پارہ ۹ ع ۲۲) سب سے بے نیاز (اَللّٰہُ الصَّمَدُ پارہ ۳۰ اخلاص) ذات و صفات میں یکتا (رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ انعام پارہ ۸ ع ۲۰) اور تنہا لائق عبادت (لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ انعام پارہ ۷ ع ۱۳) اور ہر چیز کا خالق (خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ۔ انعام پارہ ۷ ع ۱۳) مانا گیا اور اس وقت وہ ترقی جو معرفت کے بارہ میں کثافت سے لطافت کی طرف شروع ہوئی تھی ختم ہوئی کیونکہ دایرہ کے ایک نقطہ سے عین مقابل نقطہ تک اور بالکل کثیف سے کامل لطیف تک پہونچ گئی ہے اور یہی انتہائے ترقی اور کمال معرفت ہے۔ اس کے بعد کہدینا آسان ہے کہ آئندہ معرفت کی وحی ہوتی رہیگی مگر صرف گمان پیدا کر لینا اور ہے اور کوئی معقول وجہ پیدا کر کے آئندہ کی امید باندھنی اور ہے بیشک خدا غیر محدود ہے اور انسان اسکا احاطہ نہین کر سکتا مگر انسان کے واسطے کمال معرفت بھی یہی تھا کہ اس کو تلاش کرتا ہوا اس یقین تک پہونچ جائے کہ وہ سب سے بالا ہے اور اپنی صفات کمال مین کسی چیز کا محتاج نہین اور ہم اسکی ذاتی او صفاتی کنہ تک نہین پہونچ سکتے اور نہ صرف زبان سے اپنے عجز کا اعتراف کریں بلکہ عملاً بھی کسی اور ناقص چیز کو خدا کا مظہر یا اُس کا شریک نہ بنائے اور عبادت کرنے کے وقت محدود و شبیہ پر دھیان نہ جمائے بلکہ عبادت بھی اس برتر ہستی کی اُسی برتر حیثیت سے کرے اور جب اعتقاد اور عمل کے اس درجہ تک رسائی ہو جائے تو آئندہ انسان کیلئے کوئی درجہ باقی نہین اور نہ مذہب اور وحی اور نبوت ختم ہو گئی۔ البتہ دوسرے قسم کے جلوہ ہائے معرفت جو انسان کو سلوک معرفت میں اطمینان بخشنے والے اور قرب وصال کی خوشخبری دینے والے ہین ہمیشہ انسان کی اپنی حیثیت کے موافق ہوتے رہین گے کیونکہ ان کے بغیر سالک کو منازل طے کرنے مین کامیابی کا یقین نہین ہو سکتا ٭

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۲)

عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ مِصْرَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَقَالَ مَا سَاَلَنِیْ اَحَدٌ غَیْرُکَ اِلَّا رَجُلٌ

جو لوگ ایمان لائین اور متقی ہون۔ ان کے لئے بشرے ہے دنیوی زیست مین اور آخرت مین۔

قبیلہ مصر مین سے ایک شخص کہتا ہے کہ مین نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت قرآنی کے بارہ مین سوال کیا لھم البشرے الخ ابو درداء نے کہا کہ جب سے مین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَاحِدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا سَأَلَنِیْ عَنْہَا اَحَدٌ غَیْرُکَ مُنْذُ اُنْزِلَتْ هِیَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ یَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰی لَهٗ۔

(ترمذی - ابواب الرؤیا)

سے اس آیت کا مطلب پوچھا ہی مجھ سے تجھ سے پہلے ایک شخص کے سوا اور کسی نے نہیں پوچھا اور جب میں جناب رسالت مآب سے پوچھا ہی تو آپ نے یہی فرمایا تھا کہ جب سے یہ آیت اتری ہے مجھ سے تیرے سوا کسی نے اسکا مطلب نہیں پوچھا۔ بشریٰ سے مراد نیک خواب ہی جو مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے بارہ میں کسی اور مسلمان کو نظر آتا ہے۔

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (بخاری باب المبشرات)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبشرات کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ نیک خواب۔

ختم نبوت اور سپنسر ہربرٹ سپنسر اپنی فلسفیانہ نظر سے موجودہ درجۂ معرفت سے آگے ایک اور درجہ کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں[1] کہ ایک وقت پر خدا کو ایسا مطلق سے مطلق اور برتر سے برتر سمجھا جائیگا کہ اسکی طرف کوئی صفت منسوب نہ ہوسکیگی اور انسان ہر ایک حیثیت سے اوس کو ناقابل فہم تسلیم کریگا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر طرح کا کمال اور حسن جو آج انسان خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور وہ ہر طرح کی امداد اور اعانت جو اُسکی طرف سے پہنچنے کا یقین کرتا ہے یہ سب خیالات دور ہو جائینگے اور صرف خدا کا اقرار ہوگا اور کچھ نہ ہوگا اور ان کے نزدیک ترقی اس وقت ختم ہوگی۔

انصاف کی نظر مسٹر سپنسر کی اس ترقی کو دیکھ کر دیانت اُن کی فلسفیانہ باریک بینی کا اعتراف کرتی ہے کہ اُنہوں نے بہت عرصہ پہلے سے خدا کی نسبت اسی قسم کے خیالات قایم کئے ہوئے ہیں فرق اگر ہے تو اس قدر کہ عموماً وحدت وجود کو ماننے والے اور غالباً دیانت فلاسفی کے پیرو بھی فرق مراتب کو مانتے ہیں اور ان کے نزدیک مرتبۂ ذات بحت (خالص) سب سے اول ہے اور اس مرتبہ

---

[1] کتاب فرسٹ پرنسپلز آخر باب پنجم۔

مین ذات کے ساتھ کسی صفت کا انتساب نہین ہوتا اور پھر مرتبہ احدیت اور واحدیت وغیرہ کے بعد مرتبۂ صفات مانا جاتا ہے اور اس درجہ مین ہر طرح کے صفات کمال اُسکی طرف منسوب ہوسکتی ہین مگر صوفیون کا یہ تمام امتیاز اور تفریق صرف ذہن مین ہوسکتی ہے اور خارج مین جو ذات موجود ہے اس مین تمام مراتب متحد ہوتے ہین اور مسٹر سپنسر خدا کے وجود خارجی کو تمام مراتب سے معرّا اور محض ذات بحت کا درجہ مانتے ہین۔

مگر حقیقت مین جیسا کہ مین ذکر آیا ہون ویدانت کی ذہنیت اور سپنسر کا آن نوابیل دونون عقیدے فلسفہ کی پیدائش ہین۔ جذبۂ مذہبی کی ترقی کا نتیجہ نہین ہین۔ کیونکہ جذبۂ مذہبی نے جس رستہ پر ترقی کی ہے اسمین خدا کو بیشک کثیف سے لطیف مانا چلا گیا ہے مگر ساتھ ہی اُس کو حسن و کمال مین بیشتر از بیشتر مانا آیا ہے پس اس طرز کی ترقی کا اختتام اسی درجہ پر ہوتا ہے جہان اُس کو ہر طرح کی لطافت اور ہر طرح کے حسن و کمال مین ایسا اونچا مانا ہے کہ عقل اُس تک پہونچ نہین سکتی۔ اب اسکے آگے اگر اسکی طرف صفات کو منسوب کرنے سے بھی انکار کیا جائیگا اور انکار مین صفات سے بھی منفی ہوجائینگے تو یہ ترقی نہ ہوگی بلکہ دائرہ کی ایک قوس سے آگے بڑھکر نیچے کی طرف اُترنا ہوگا۔ اور بیشک اگر مادیت کی ترقی مذہب کی طرف سے بے پروائی اور جذبۂ مذہبی کو دبانے کی کوشش جو آجکل ہو رہی ہے اسی طرح جاری رہی تو مذہب اور خدا سے انکار کرنے کا پہلا زینہ یہی ہوگا کہ اگر خدا ہے تو وہ حسن و خوبی کا خدا نہین ہے بلکہ محض درجہ اطلاق او بنتی موہوم ہے اور اس کے بعد اس رستہ پر ترقی کرنے کا اختتام یون ہوگا کہ نہ صرف صفات بلکہ خود ذات بھی کوئی چیز نہین ہے اور اس وقت دائرہ مذہب کی عروجی اور نزولی دونون قوسین ختم کرکے انسان اسی نقطہ پر پہونچ جائیگا جہان سے ابتدا سے وحشت مین چلا تھا۔ اور ہم مانتے ہین کہ اس نقطہ پر پہونچنے والا شخص اگر اسکو نبی کہا جائے تو مذہب کو نابود کرنے والے انبیا مین خاتم المرسلین ہوگا مگر مذہب کو ترقی دینے والے نبیون مین خاتم الانبیا وہی ہے جس نے مذہب کو موجودہ ترقی تک پہونچایا۔

مسٹر سپنسر اپنی ایجاد کردہ معرفت مین اتنا نقص تسلیم کرتے ہین کہ بحالت موجودہ انسان

اس کو ماننے کے لئے تیار ہے اور نہ اس کو ماننا اس وقت انسان کی اخلاقی حالت کو درست کرنیکے قابل ہوگا بلکہ اس کے برخلاف نہایت ناگوار نتائج مرتب ہون گے کیونکہ آجتک کی تہذیب مین انسان اوس راست پر اسی خیال سے قائم رہ سکتا ہے کہ کوئی خدا ہے جو اسکو نیکی بدی کا پھل دیتا ہے اور اپنے تعلقات داد وستد سے اس پر ہر وقت تصرف رکھتا ہے اور اگر خدا کو تمام صفات سے معرا مانا جائے تو جزا و سزا اور تعلقات داد وستد بھی چونکہ صفات ہین اُس کیطرف منسوب نہ ہونگے اور انسان بالکل آزاد ہو جائیگا۔ مگر یہ کہتے ہین کہ جس وقت انسان تمدنی حالت کے کمال تک پہونچ جائیگا اور سمجھ لیگا کہ نیک و بد اعمال کے نتائج بے انتہا پھیلے ہوسے چلے جاتے ہین اور خود بخود ظاہر ہوتے ہین تو اس وقت خدا کی نسبت ایسا بلند عقیدہ مناسب ہوگا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان ایسا مہذب ہو جائے تو اس وقت بھی ایسے خدا کا اقرار کیا فایدہ دیگا کیونکہ جب نیک و بد اعمال کا اثر خود بخود پہونچنا تسلیم ہو جائیگا اور صفات خداوندی کی نفی سے انسان کے ساتھ اُس کا کسی طرح تعلق ہی نا نجائیگا تو اس وقت ایسے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہوگی۔

پس جیسا کہ مین کہتا ہون یہ اعتقاد خدا کو نہ ماننے کا پہلا زینہ ہوگا اور یہ درجہ مذہبی تنزل کی ابتدا ہوگی نہ اُسکی ترقی کی انتہا۔ البتہ ڈاکٹر سپنسر کی تقریر سے جس کا خلاصہ مینے نقل کیا ہے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر انسان ترقی کرتا ہوا نیک و بد نتائج کے سلسلہ کو چشم عقل سے دیکھنے کے قابل ہو جائے تو اُس وقت خدا کو ماننے کے بغیر بھی اخلاق قایم رہ سکتے ہین۔ مگر اول تو یہ صورت جب خیال مین آسکتی ہے کہ ہر فرد بشر عقل و غیرہ مین سپنسر ہو جائے جو ایک امید موہوم سے زیادہ نہین اور دوسرے یہ بحث کہ اخلاق خدا کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہین ہمارے اِس موضوع سے باہر ہے کیونکہ یہان جذبہ مذہبی اور اُسکی ترقی کا ذکر ہے نہ جذبہ اخلاقی اور اُس کے وجود و عدم کا اور جذبہ مذہبی کی نسبت ہم دیکھتے ہین کہ وہ خدا کو مانتا ہے اور اپنے خدا کو مانتا ہے اور مسٹر سپنسر کا خدا خدا تو شاید ہو مگر اپنا خدا نہین۔ اِس لیے یہ جذبہ مذہبی کا تنزل ہوگا نہ ترقی۔

ختم نبوت اور پارکر	مسٹر ٹی پارکر اگرچہ ختم نبوت کے لفظ سے گھبراتے ہین مگر ایبسولیوٹ ریلیجن

مکمل مذہب کی تلاش ان کو بھی ہے چنانچہ اُس کے لیے ایک معیار قائم کرتے ہین اور پھر اس معیار کے مطابق تعلیم دینے والے مذہب تک پہنچتے ہین اور اپنے نزدیک اس مذہب کو سب سے مکمل اور اُس کے اصول کو دائمی ثابت کرتے ہین چنانچہ معیار قایم کرتے ہوے فرماتے ہین کہ[1]۔

"مذہب اور نیز محبت کی قسم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے گویہ دونون اُن ولولون کے لحاظ سے جو اُن کے ساتھ ہین اور نیز اس حیثیت کے لحاظ سے جو ان دونون کا مقصود رہا ہے بہت مختلف شکلون مین ظاہر ہوتے رہے ہین۔ مثلاً محبت کا ولولہ کبھی کمزور ہوتا ہے کبھی زبردست۔ کبھی جاہلانہ کبھی عاقلانہ کبھی خودغرضی کے ساتھ کبھی اخلاق کے ساتھ۔ یہ تو محبت کرنیوالے کے اوصاف ہین اور پھر ایسا ہی اختلاف اُس چیز کے متعلق نظر آتا ہے جس کی محبت کی جائے یعنی محبت اولاد کی ہوتی ہے یا بیوی کی یا دوست کی یا اسکے سوا اور۔ اسی طرح مذہب کے مختلف عنصر ہین یعنے مذہب کبھی عقیدت کے ساتھ ہوتا ہے کبھی خوف کے ساتھ۔ کبھی دانائی کے ساتھ کبھی جہالت کے ساتھ۔ کبھی محبت سے اور کبھی نفرت سے۔ اور اسی طرح مذہب کا مطلوب کبھی ایک چیز ہوتی ہے کبھی بہت چیزین اور کبھی تمام چیزین۔ اور ایسا ہی کبھی اُسکو بالکل مکمل مانا جاتا ہے اور کبھی محدود کبھی ظالم کبھی متلوّن اور کبھی ناقابل اُلفت۔"

اور پھر آگے چل کر مکمل مذہب کی تعریف کرتے ہین کہ

"مکمل مذہب خدا کے قانون کی کامل اطاعت کرنا۔ جسم کے ہر ایک عضو اور روح کی ہر ایک طاقت کے مناسب استعمال یا تکمیل اور تربیت سے خدا کی خدمت بجا لانا اور خدا اور انسان کے ساتھ کامل محبت رکھنا ہے جس سے زندگی مین انسان کی تمام طاقتین جہان تک کر سکین ہم آہنگی اور تناسب سے کام کرین۔"

یہ معیار قائم کرنیکے بعد وہ مسیحیت کو سب سے مکمل مانتے ہین کیونکہ اُس کے اصول مین داخل ہے کہ

"تمام انسانون سے ایسی محبت کرو جیسی اپنے آپ سے اور خدا کے ساتھ سب سے اوپر"

مسٹر پارکر کی پہلی تقریر سے جسمین اُنہون نے مذہب کی مختلف شکلین بیان کی ہین یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ واقعی نتیجہ تک پہونچینگے کیونکہ اسمین مذہب ماننے والے کے مختلف ولولے اور مدعاے مذہب

---

[1] ای ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجین مقالہ سوم۔ باب اول صفحہ ۳ و ۵ اشاعت ۱۸۸۱ع

یعنی خدا کی معرفت کے مختلف مدارج دونون باتون کو پیش نظر رکھتے ہین جس کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ عبادت اور معبود دونون کی مکمل حالت کو مکمل مذہب کی تعریف مین مدنظر رکھا جاتا۔ مگر حیرت ہے کہ وہ تعریف کرتے کے وقت مذہب ماننے والے کی سب سے اعلیٰ خواہش کا تو خیال رکھتے ہین اور اس مذہب کو مکمل مانتے ہین جس کی بنیاد کامل محبت پر ہو۔ لیکن مدعائے مذہب یعنی معرفت خدا کی سب سے اعلیٰ شکل کا ذکر تک نہین کرتے اور اس وجہ سے جو تعریف مکمل مذہب کی اُن کی قلم سے نکلی ہے وہ اس صورت پر بھی صادق آسکتی ہے جب کوئی شخص بہت سی محسوس اشیا کو خدا مانتا ہو اور تمام انسانون سے محبت رکھتا ہو

کاش اگر مسٹر پارکر کو تعریف کرتے وقت یہ سہو نہ ہو جاتا اور وہ تکمیل معرفت کا بھی خیال رکھتے تو مسیحیت کے کمال کا نتیجہ نہ نکال سکتے۔ کیونکہ جس مذہب مین خدا کی تقدیس و تنزیہہ کی طرف بالکل توجہ نہین کی گئی جتنے کہ اُسکی ذات کا شرک۔ ولدیت جسمانیت اور حلول وغیرہ ناموزون صفات سے پاک ہونا بھی صاف لفظون مین بیان نہین کیا گیا۔ بلکہ اس کو باپ کے لفظ سے پکار کر ایسا اشتباہ ڈالا گیا جسکی بنا پر تعلیم پانے والون نے خود آپ ہی کو خدا کا بیٹا مان لیا جو خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دینے آیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک کا تین ہونا اور مجسد ہو کا جسم مین حلول کرنا۔ ایسی قباحتون کی بنیاد پڑی وہ مذہب کبھی دعویٰ نہین کر سکتا کہ اس نے کامل معرفت کی تلقین کی ہے۔

یہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کی زبان سے بصراحت یہ عقائد کبھی نہ نکلے ہون گے جو اُن کے شاگردون نے اُنکی نسبت قائم کیئے مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس وقت کی استعداد کے موافق یا کسی اور وجہ سے وحی کو ایسے گول الفاظ مین بیان کیا گیا جس سے کامل معرفت پیدا نہ ہو سکی۔ اور اگر اس کے بعد خدا کی رحمت جوش مین نہ آتی اور واقعی جلوہ معرفت سے خدا کی تنزیہ و تقدیس پر صاف الفاظ مین وہ زور نہ دیا جاتا جو زور دینے کا حق ہے اور سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (نسار پارہ ۶ ع ۲۳) کا غلغلہ فضائے عالم مین نہ پھیل جاتا تو مسیحیت مین یہ یونی ٹیرینٹ (موحد) وغیرہ فرقے اور یہ مسٹر پارکر جیسے موحد دیکھنے مین نہ آتے۔ بلکہ وہی حضرت پوپ کی خدائی حکومت اور انسانون بلکہ تصویرون کی پرستش جاری رہتی اور دنیا کامل خدا کی تقدیس سے آشنا نہ ہوتی۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے

کہ ایسے مذہبون مین بھی جو ہزارون خدا مانتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے غلغلہ سے بہت ہی موحد فرقے پیدا ہو گئے ہین گو وہ اُس سرچشمہ کا اعتراف نہ کرین جس سے نامعلوم طور پر ان کے لب تر ہوئے ہین +

اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتی ہین — غرض مسیحیت مین جو کچھ کمال ہے وہ اُن چند اخلاقی اصول کا ہے جن کو مسٹر پارکر مذہبی کمال سمجھتے ہین اور اُن کو اس ہو کی وجہ بھی یہی ہوئی ہے کہ خدا کی تقدیس کے متعلق اُن کو اس تعلیم مین کوئی زرین اصول نظر نہ آیا ورنہ ضرور مدعاے مذہب یعنی معرفت کے کمال کو وہ تعریف مین داخل کرتے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو گو تمام انسانون سے اپنی جیسی محبت کرنا نہایت اعلیٰ اخلاق ہے لیکن اسکی تشریح مین جو فروگذاشت ہوئی ہے اور اس کا مطلب جس طرح پر سمجھا گیا ہے اُس نے اسکو قعیت سے بہت دور کر دیا ہے کیونکہ جیسا مسٹر پارکر بیان کرتے ہین کہ اگر دشمن ستر بار دشمنی کرے تب بھی اسکو معاف کر دینا چاہئے اور جیسا کہ انجیل کا ترجمہ کرنیوالون کی عبارت سے سمجھا جاتا ہے (کیونکہ اصلی انجیل غالباً دُنیا کے پردہ پر موجود نہین ہے) یہ اصول خاص خاص حالات مین اور خاص خاص مردان خدا کے لیے بیشک اُنکی رفعت درجات کا باعث ہے لیکن اسکو شرعی حکم قرار دینا اور معتقدین کے لیئے فرض ٹھیرانا کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپیڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو" ایک ایسی فروگذاشت ہے کہ اگر یہ حکم صرف کاغذ پر نہ رہتا اور عیسائی قوم عملاً اس پر کاربند ہوتی تو دُنیا کے تختہ پر اُن کا نام باقی رہنا مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ جب لوگون کو یقین ہو جائے کہ انتقام ہرگز نہ لیا جائیگا تو جن لوگون کی طبیعتین بدی کی طرف راغب ہین اور جن کو ایسے نفوس قدسیہ کی جان اور مال اور آبرو لینے مین کچھ فائدہ ہوگا وہ کبھی ایذا دہی سے باز نہ رہینگے۔

غرض یہ اصول جنرل رول یعنے عام قاعدہ بننے کی ہرگز قابلیت نہین رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی اس پر عمل نہین ہوا اور غالباً مسٹر پارکر نے اس نقص کو دیکھ لیا ہے اور اسی لیئے وہ پیشین بندی کرتے ہین کہ —

" اصول کی خوبی کو دیکھنا چاہیے خواہ اصول کو پیش کرنے والا بھی اس پر کاربند نہ ہوا ہو"

مگر یہ اُن کی غلطی ہے۔ اکثر اخلاقی اصول کی شناخت ہی یون ہو سکتی ہے کہ وہ قابل عمل ہے یا نہین ۔ کون نہین جانتا کہ تعلقات زناشوئی کی خواہش یا مال کی خواہش ہی وہ جذبات ہین جن سے دُنیا مین ہزارون طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہین لیکن باوجود ان فتنون کے عورت اور مال کی خواہش کو بالکل دبانے اور مجبور او مفلس رہنے کا حکم اسی لیے نازیبا ہے کہ وہ قابل عمل نہین ۔ یہی حالت اِس اصول کی ہے کہ وہ زبان اور قلم سے نکلتا ہوا بہت خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتا ہے مگر عمل کرنے کے وقت ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر ناموزون ہے۔

اور اگر مذہب کی خوبی یہی ہے کہ بظاہر خوشنما اصول پیش کئے جائین تو عیسائیت سے زیادہ کمال اُن مذہبون مین ہے جو کسی جاندار کو بھی ستانا جایز نہین سمجھتے خواہ وہ کیسا موذی ہو بلکہ سانپون کو دودھ پلاتے ہین ۔ مُنہ پر پٹی باندھتے ہین ۔ جوتی نہین پہنتے ۔ صاف پانی نہین پیتے اور دوسرون کے برتنون کا دُھون استعمال کرتے ہین تا غیر محسوس جاندار جو ہر جگہ پھیلے ہوئے ہین ان کے ہاتھ سے ضائع نہون اور قتل و خونریزی سے اس قدر نفور ہین کہ اِن مذہب کے پابند کو بادشاہ بننا بھی جائز نہین کیونکہ حکومت کے لیے جنگ و جدل لازمی ہے ۔ مسیحیت صرف انسانون سے محبت رکھنے پر کمال کا دعوے کرتی ہے مگر جو تمام مخلوق سے ایسا برتاؤ کرتے ہین جو اپنے آپ سے بھی نہین کرسکتے ۔ وہ مسیحیت سے زیادہ مکمل کیون نہون لیکن یہ غنیمت ہے کہ اس اصول کے پورے پابند صرف چند تارک الدنیا گوشہ نشین ہوتے ہین ورنہ اور تو اور دُنیا مین سانپ ہی اس کثرت سے ہوتے کہ زمین سکونت کے قابل نہ رہتی ۔

اور اگر اخلاق کی خوبی یہ ہونی چاہیئے کہ اس سے بدی کا استیصال ہو اور امن و رحمت اشاعت پائے تو چاہیئے کہ درشتی اور نرمی دونون اپنے اپنے موقعون پر جائز ہون تا بد کو بدی کرنے اور نیکبختون کو ستانے کا موقع نہ ملے اور خلق اللہ دین و دُنیا کے کام اطمینان سے بجا لائے ۔ اور حقیقت مین تمام انسانون سے محبت کرنیکا اثر بھی یونہی ظاہر ہوسکتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم ہو اور اُسکو انتقام سے بہتر قرار دیا جائے مگر انتقام بھی جائز ہو اور اس کے ساتھ شرط ہو کہ سزا جرم کی حد سے نہ بڑھے ؛

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ	تم ضرور اپنے مال اور جان کے متعلق ستائے جاؤ گے

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ط

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۹)

اور اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت ہی ایذا کی باتیں سنوگے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کو شعار بناؤ تو یہ اولو العزمی کا کام ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ۔

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)

پس اگر تم سزا دو تو اسی قدر سزا دو جس قدر تم کو تکلیف پہونچی ہو اور اگر اس پر بھی صبر کرو تو صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے۔

جنگ و جدل میں پسندیدہ نہیں ممنوع ہے۔ مگر جب کوئی شخص اور محض اس وجہ سے مارنے کے لئے آمادہ ہو کہ ہم ایک خاص طرز مذہب کے پابند ہیں تو جواب دینا بھی فرض قرار پائے مگر اس وقت بھی حد سے بڑھنا جائز نہ ہو۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ط

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور خدا کے رستہ میں اپنے اپنے نفسانی اغراض کے بغیر ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں مگر زیادتی نہ کرنا خدا زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا

اور ہر حال میں عدل و احسان کا حکم اور صبر و مغفرت کی ترغیب ہو اور ظلم و ستم کی ممانعت۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ط یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ط

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۳)

حکم خدا دیتا ہے عدل کا احسان کا قرابت داروں سے سلوک کرنے کا اور روکتا ہے بے شرمی برائی اور بغاوت کے کاموں سے اور وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تا تم باز آؤ۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ط وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْهِمْ

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے پس جو شخص معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے بیشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص مظلوم ہونے کے بعد بدلا لے

مِنْ سَبِيْلٍ ۝ إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)	اس پر کوئی مواخذہ نہین بیشک مواخذہ اُن لوگون پر ہے جو لوگون پر ظلم کرتے ہین اور زمین پر ناحق فساد مچاتے ہین ان کے لیئے سخت عذاب ہی اور جو شخص صبر کرے اور معاف کرے تو یہ کام اعلیٰ ہمتی کا ہے۔

غرض یہی وہ اخلاق جس سے صبر اور مغفرت کی وجہ سے جبکہ ایسا کرنے کی ہمت اور نیز اقتضائے وقت ہو درجات کی بلندی میسر ہوتی ہی اور انتقام جائز ہونے سے بلکہ کسی کے بوجہ قاتلانہ حملہ کرنے کے وقت اگر تاب مقابلہ ہو تو انتقام فرض ہونے سی بدمعاشون کو بدی کرنے اور نیکبختون کو ستانے کا موقعہ نہین ملتا اور اس کے برخلاف اگر بدون کو سزا دینے سی روکا جاوے تو نہ نیک راحت پاسلینگے اور نہ بد بدی کو چھوڑ سکینگے اور یہ دونون کے حق مین یعنی تمام انسانون کے حق مین دشمنی ہوگی نہ تمام انسانون سی اپنے جیسی محبت۔ اسی لیے انتقام کی تحریک مین کہا گیا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)	اور فتنہ قتل سے زیادہ برا ہے۔
وَاِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ (انفال پارہ ۱۰ ع ۱۰)	اگر تم جہاد نہ کروگے تو زمین پر فتنہ اور بہت فساد برپا ہوگا۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کے لحاظ سے بھی سٹہ پاد کو مکمل مذہب تلاش کرنے مین کامیاب نہین ہوسکے اور اسی قسم کی تکمیل بھی انہی لوگون کا حصہ ہے جو دنیا مین تلوار پکڑنے کے لیے بدنام ہین +

مختلف مذاہب نظر

دنیا کی موجودہ صورت۔ کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟ مادہ کی ابتدائی شکل۔ وہ خیال جو مہاتما بدھ کی طرف منسوب ہے۔ ھیکل اور سپنسر کی بحث۔ مادہ کا خود بخود عمل کرنا۔ وحدت وجود مادی۔ ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا۔ وحدت وجود روحانی۔ عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ پاک ناپاک کیون پیدا ہوا مطلق علیت کے سلسلہ مین ہمین علم بغیر تغیر کے پیدا نہین ہوسکتا۔ وحدت وجود کے لئے کیا تشبیہین ہوسکتی ہین۔

اگرچہ مکمل مذہب یا خاتم المذاہب تلاش کرنے کیلئے جو اصول قرار دیا گیا ہے اس سے اس مسئلہ پہ بہت کچھ روشنی پڑسکتی ہے لیکن کسی خاص مذہب کو اس درجہ پر ماننے کے بغیر کم از کم اس قدر تو ہر شخص تسلیم کرسکتا ہے کہ جس مذہب مین خدا کا انکشاف اس حد تک پہونچ گیا ہے جہان تک انسانی دل و دماغ کی رسائی ہوسکتی ہے وہ مذہب سب سے اعلیٰ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص صاف لفظون مین اس کا اعتراف نہ کرے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ عملاً سب مذاہب اس اصول کو مانتے ہین اور اسی لیے ہر ایک مذہب کی طرف سے اپنی تعلیم کو خدا کا واقعی انکشاف ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پس اس موقع پر اس امر کی نسبت غور کرنا بھی ضرور ہے کہ کونسا مذہب ہے جسکی تعلیم اصول عقلیہ کے مطابق دیگر مذاہب سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ مگر سردست صرف اسی حیثیت سے غور کیا جائیگا کہ معرفت ربانی اور تعلق خالق و مخلوق کی نسبت کون سے عقائد برتری کے مستحق ہوسکتے ہین۔ کیونکہ جہانتک مین سمجھتا ہون مذہب کا اصول اور سب سے مہتم بالشان مسئلہ معرفت اور بندہ و خدا کا تعلق ہے اور اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم اور اصول عبادت وغیرہ دوسرے درجہ پر اور اس اصول اوّل کو تقویت دینے والے ہین۔

اور اگرچہ آجکل عقلا و زمانہ کا رجحان اس جانب ہے کہ موجودات عالم سے خدا کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اور بقول پروفیسر ولیم جیمس آجکل اس قسم کی تحریروں کی نسبت کتب قانون کو خاک سے بھر دینا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ عقل کے خزانہ میں دولت ہی اس قدر ہے اور انسان کو آنکھ کھول کر محسوسات کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے مذہبی اصول کو عقلی طور پر پرکھنے کے لیے بھی موجودات عالم ہی کو معیار گردانا ہوگا۔ اور جہاں تک بن پڑے یہیں کے قاعدے قانون سے دیکھنا ہوگا کہ اس سے پرے کے حالات ہم کہاں تک سمجھ سکتے ہیں۔ اور جب قدرت نے ہماری عقل کو سرمایہ ہی یہ دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ اسی دریا کی غوطہ زنی سے کسی وقت گوہر مقصود بھی ہاتھ لگ جائے۔ اس لیے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب   آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

اور دوسرے اور پر مفصل طور پر ذکر ہو چکا ہے کہ عقل اگرچہ مذہب کو پیدا نہیں کر سکتی۔ مگر وحی و الہام سے خدا اور مذہب کی نسبت یقین پیدا ہونے کے بعد جو اختلاف معرفت خدا اور پیدائش عالم متعلق اقوام عالم میں پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف سے نجات پانے اور کسی ایک تعلیم پر یقین کرنے کے لیے دلائل عقلیہ بہت کچھ مفید ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم بھی اس مضمون کے لیے اصول عقلیہ سے کام لینے کی جرأت کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کونسی تعلیم ان کے رو سے قابل تسلیم ثابت ہوتی ہے۔

دنیا کی موجودہ صورت

انسان جن چیزوں کو اپنے گرد و پیش دیکھتا ہے انہیں سے بعض اس کو اپنی چھوٹی سی عمر میں کئی طرح کی حالت بدلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دن بدن بڑھتا جاتا ہے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر زوال شروع ہوتا ہے اور ہوتے ہوتے ایک دن مر جاتا ہے۔ وہ کھیت میں دانہ ڈالتا ہے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بڑھ کر اپنے وقت پر پھل لاتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے۔ وہ مکان بناتا ہے پہلے سفید میدان ہوتا ہے۔ پھر اینٹ مٹی کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ عمارت اٹھنی شروع ہوتی ہے۔ سر بفلک محل بنکر تیار ہو جاتا ہے۔ کچھ مدت میں بوسیدہ ہونے لگتا ہے اور ایک وقت منہدم ہو جاتا ہے۔ مگر ان کے علاوہ اکثر چیزیں اسے ایسی نظر آتی ہیں جن کو اسکی ساری آنکھ تمام عمر یکساں دیکھتی رہتی ہے۔ وہ زمین کو دیکھتا ہے کہ ہزاروں طرح کی مخلوق اس میں سے پیدا ہوتی ہے اور اسی میں سما جاتی ہے

مگر وہ جیسی بچپن میں دیکھی تھی ویسی ہی مرنیکے وقت تک نظر آتی ہے۔ وہ پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ جس طرح سے وہ کالے دیو بچپن میں دوڑنے کے وقت اس کے سدراہ ہوتے تھے اسی طرح بڑھاپے کے وقت رفتار کو روکتے ہیں۔ وہ چاند سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے کہ جس قاعدے سے وہ روشنی دیا کرتے تھے اسی قاعدے پر چلے جا رہے ہیں بلکہ ان کے علاوہ وہ بعض بڑے درختوں کو بھی تمام عمر دیکھتا رہتا ہے کہ ایک ہی قاعدے سے کبھی پھل لاتے ہیں اور کبھی پتے گراتے ہیں ؞

کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟

اب سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ دنیا کو اسی طرز پر مانا جائے کہ اسکی بعض چیزیں بدلتی رہتی ہیں اور بعض ازل سے ایک ہی حالت پر ہیں اور یہ دستر خوان ہمیشہ سے یونہی بچھا ہوا ہے؟ عقل جواب دیتی ہے کہ نہیں یہ عقیدہ دماغ میں جگہ پانے کے قابل نہیں کیونکہ اگرچہ پانی آنکھ بڑے درختوں کو اور زمین اور دیگر کواکب کو ایک حالت پر دیکھتی ہے لیکن عقل کی آنکھ اُن کے تغیرات کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ نہ صرف درخت بلکہ پہاڑ اور زمین اور چاند سورج سب اپنے اپنے وقت پر پیدا ہوئے ہیں اور نباتات وحیوانات کی طرح اپنے طفولیت شباب اور پیری کا زمانہ گذارتے ہوئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک زمین کے پہاڑوں اور دیگر سخت طبقات کا تعلق ہے عقل کو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ہمیشہ سے اس شکل پر نہیں تھے اور وہ جانتی ہے کہ کیونکر ابتدائی حالت سے رفتہ رفتہ اس موجودہ شکل تک پہنچے ہیں۔ مگر اس سے پرے اگرچہ اسکی نظر بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی لیکن پھر بھی یقین ہے کہ سخت ہونے سے پیشتر جو حالت ہوگی وہ بھی ہمیشہ سے نہیں ہے اور اپنے موجودہ تجربوں سے عالمانہ اصول کے مطابق اسکی پہلی حالت کا خاکہ بھی کھینچا ہوا ہے اور فیصلہ کر چکی ہے کہ زمین کی جداگانہ ہستی بھی ایک محدود عرصہ سے معرضِ وجود میں آئی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ تمام سیارے اور خود آفتاب بھی اسی تدریجی رفتار سے اس درجہ تک پہنچے ہیں ورنہ پہلے ایک وقت پر جداگانہ وجود کسی کا بھی نہ تھا۔ چنانچہ طبقات الارض کے مشہور عالم ڈاکٹر سر آرچیبالڈ گیکی لکھتے ہیں [1]

---

[1] کتاب کلاس بک آف جیالوجی باب شانزدہم۔

اگر زمین کی تاریخ کا پتہ محض اس شہادت سے لگایا جاوے جو خود زمین کے اندر مہیا ہے تو ہم اُن قدیم تر اجزاء زمین سے آگے نہیں بڑھ سکتے جو ہماری دسترس کے اندر ہیں تاہم ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس کرہ کے موجودہ منجمد اجزا کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی اس پر تاریخ کا ایک لمبا زمانہ گذر چکا ہے اور یہ خیال تدریجی ارتقا اور تکمیل کے اُن نشانات سے یقین تک پہونچ جاتا ہے جو عالمان ہیئت نے اجرام سماوی میں دیکھے ہیں اور چونکہ زمین بھی اُن سیّاروں میں سے ایک ہے جو آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں اسلیئے اسکی جداگانہ ہستی کے ابتدائی مدارج بالکل وہی ہوں گے جو تمام نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے زمین کی ابتدائی تاریخ تلاش کرنے کے لیے عالم طبقات الارض کو عالمان ہیئت کی تحقیقات کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے "

" زمانہ حال میں تحقیقات کے صحیح تر طریقوں سے اور خصوصًا اجرام سماوی کی تحقیق میں دوربین کے استعمال سے وہ خیال صحیح ثابت ہوتا ہے جس کو نیبیولا کا عقیدہ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کے موافق اجرام سماوی کا یہ سلسلہ جس کو نظام شمسی کہتے ہیں ایک زمانہ میں جو کہ بہت ہی پرانا ہے نیبیولا یعنی تمام مادے کا ایک بادل کا سا مجموعہ تھا[1]۔ جیسے کہ مجموعے آجکل بھی فضا میں (کہکشان کی شکل کے) مشاہدہ کئے جاتے ہیں اور یہ بادل اسوقت میں کم از کم اتنا ہی پھیلا ہوا تھا جتنی دور تک آجکل آفتاب کے گرد سیاروں کا ہجوم ہے اور اس بادل میں یا تو بالکل چمکیلا ہوا بخار ہوگا یا تیز حرکت کرتے ہوئے پتھروں کے بادل ہونگے جس طرح کے پتھر اب بھی گاہ گاہ شہابوں کے ساتھ ہماری فضا میں آتے اور زمین پر گرتے ہیں اور یہ پتھر تیز حرکت کرتے ہوئے رگڑ کھاکر بخار بن گئے ہونگے جیسا کہ غالبًا ومدار سیاروں کی دم بخار بن کر اڑجاتی ہے۔ غرض کچھ بھی ہو پھر اس بادل کا مادہ کثیف ہونا شروع ہوا ہوگا اور اس حالت میں کچھ کچھ حلقے جدا ہوتے گئے ہونگے جس طرح کا حلقہ اب بھی زحل کے گرد موجود ہے اور اس بادل کی دوری حرکت کے سبب یہ حلقے بھی اس کے گرد حرکت کرنے لگے ہوں گے اور جس قدر وہ بادل سکڑتا گیا ہوگا یہ حلقے نکلتے آئے ہونگے۔ لیکن ان کے ٹکڑے

---

[1] ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۲) کیا عجب ہے کہ اسی کی طرف اشارہ ہو۔

اس زور سے باہم نہ ٹکراتے ہوں گے کہ حرارت پیدا ہو کر پھر بخار بن جائیں اور آخرکار یہ حلقے بھی سکڑتے سکڑتے سیارے بن گئے ہونگے اور ان میں سے بعض کے کثیف ہونے سے پھر حلقے بن گئے ہونگے جو کسی کسی میں اب تک موجود ہیں اور کسی میں وہ بھی کثیف ہو کر ان کے مددگار سیارے یا چاند بن گئے اور جس قدر بھاری مادہ بادل کے وسط میں رہ گیا وہ وہیں کثیف ہوتا گیا اور اسکی حرارت عرصہ دراز تک قائم رہنے کے قابل ہو گئی۔ پس آفتاب وہی بادل کا درمیانی حصہ ہے جس کی حرارت اس نظام کی بعیدی مقامات تک پہونچتی ہے۔"

مادہ کی ابتدائی شکل غرض عالمانہ نظر کسی قدر یقین اور کسی قدر استدلالی عمل سے زمین و آسمان کو حادث مانتی ہوئی اس بادل تک پہونچی ہے جس میں سے تمام اجرام سماوی پیدا ہوئے ہیں[1] اور اگرچہ سائنس کی تحقیق ابھی تک اس سے آگے نہیں بڑھ سکی لیکن کیا آیندہ کے لیے کوئی سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور کیا ہماری سمجھ کو اس سے تسکین ہو سکتی ہے کہ جہان کی ابتدا محض یہی بادل ہے؟ تحریک مذہبی کے بڑے مہربان مسٹر بریڈلا ایسا سوال کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں[2]

"ضرورت ہی کیا ہے کہ دنیا کی اصلیت کو خیال میں لانے کی کوشش کی جائے"

---

[1] دنیا کا بادل سے شروع ہونا ایک تھیوری ہے جو ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت ہو اور حال میں جو ریڈیم ایک جدید دھات دریافت ہوئی ہے اس نے یہ خیال پیدا بھی کر دیا ہے کہ شاید آفتاب میں اسی دھات کی بڑی مقدار موجود ہے اور اس لئے وہ بغیر سکڑنے کے حرارت اور روشنی پہونچا رہا ہو اور اس بنا پر اسکا بادل کی شکل سے سکڑ کر موجودہ شکل میں آنا غلط ہو غرض خواہ کوئی صورت ہو سکڑنے کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے تغیرات عقل کو اور نیز دوربین کو نظر آتے ہیں جو آفتاب اور دیگر سیاروں میں ہو رہے ہیں اور اس لیے یقین ہے کہ یہ سب موجودات حادث ہیں اور ضرور ہے کہ دنیا کی اس سے پہلے کوئی اور صورت ہوگی اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ جو شکل اس وقت موجود ہے ہمیشہ سے یہ شکل اسی طرح پر چلی آتی ہو اور موجودہ ضرورت کیلئے اسی قدر ثابت ہونا کافی ہے۔

[2] فری تھنکرس ٹکسٹ بک صفحہ ۱۱۸ سنہ ۱۸۸۲ء

لیکن کیا واقعہ مین انسان کا دماغ اس سوال کو پیدا نہین کرتا ؟ اور کوئی عام انسان تو خیر دیوانہ بھی ہو سکتا ہے اور اُس کے سوال کو دیوانہ پن کہہ سکتے ہین۔ مگر کیا عالمانہ دماغ ضرور اس سوال سے خالی رہتا ہے ؟ ڈاکٹر سیمون نیوکوم ایل ایل ڈی جن کی نسبت سر رابرٹ بال ایل ایل ڈی لکھتے ہین کہ [1]

"وہ نہ صرف امریکا مین تمام دنیا کے علما مین ہیئت اور دیگر علوم کے لحاظ سے مقام نشین ہین"

غرض ایسا عالم تو یہ سوال پیدا کرتا ہوا اور کہتا ہے کہ [2]

"نیبولا کے عقیدے کو مان کر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیبیولا یعنے بخار کا بادل کیونکر پیدا ہوا اور اس کا آغاز کیونکر ہوا لیکن اب ہم ایسی حد پر پہونچ گئے ہین جہان سائنس سوال تو پیدا کر سکتی ہے مگر اسکا جواب نہین دے سکتی۔"

غرض معلوم ہوا کہ تحقیق کی حد پر پہونچ کر عقل پوری تسکین نہین پاتی اور نہ عام عقل بلکہ سائنس کی عقل بھی سوال پیدا کرتی ہے۔ البتہ ڈاکٹر نیوکوم ہمکو سائنس کیطرف سے کسی جواب کی امید نہین دلاتے اور واقع مین ہونا بھی یہی تھا کیونکہ خواہ کسی زمانے مین سائنس اس بادل کو چیر کر دیکھے اور اسکی ساخت کا پتہ لگا سکے لیکن جس شکل کو اس سے پہلے فرض کیا جائیگا اسکی نسبت پھر یہی سوال ہوگا اور آخر سائنس کو پھر یہی سوال ہوگا اور آخر کار سائنس کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اب اُسے کچھ معلوم نہین پس یہی وہ حد ہے جہان سے مذہب کی حکومت شروع ہوتی ہے اور مذہب کی ضرورت کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ آخر مین سائنس ایسا سوال پیش کرتی ہے جس کا جواب نہین دے سکتی۔ گویا اس وقت تک وہ خود عقل کی رہنما تھی اور اب ایک جگہ ٹھیر کر دور سے مذہب کی طرف اُنگلی کا اشارہ کرتی ہے اور عقل کو اُسکے پیچھے دوڑا کر الگ ہو جاتی ہے ڈاکٹر سپنسر کہتے ہین [3]۔

---

[1] دیباچہ کتاب اسٹرانومی فار ایوری باڈی۔

[2] کتاب مذکور حصہ سیوم آخر باب دوئم۔

[3] فرسٹ پرنسپلز۔ باب اول۔ خلاصہ۔

حقیقی علم تمام ممکن خیالات کا حاوی نہین ہوسکتا اور انکشاف کتنی ہی دور تک جاوے سوال باقی رہتا ہے کہ اس سے پرے کیا ہے۔ سائنس مین جس قدر زیادتی ہوتی ہے وہ اسے نامعلوم حالات سے اور زیادہ قریب کرتی جاتی ہے۔ پس جب علم تمام وقطعیت کا اجارہ دار نہین بن سکتا اور جب دماغ کے لئے ہمیشہ ممکن ہیگا کہ موجودہ علم سے بالاتر معلومات کے ساتھ تعلق پیدا کرے تو کبھی ایسا نہوگا کہ مذہب جیسی چیز کے لیے کوئی موقع ہی نہ رہے اور چونکہ مذہب اپنی تمام اشکال مین اور اشیا سے علیحدہ اور ممتاز ہے اسلئے اسکا موضوع بھی تجربہ کی حدود سے بالاتر ہوگا۔

وہ خیال جو مہاتما بدھ کیطرف منسوب ہے

غرض یہ کہ اگرچہ سائنس اسوقت تک بخار کے بادل تک پہونچی ہے لیکن اس سے آگے بھی جہان تک تجربہ کی ترقی کا احتمال ہے وہ مُلک سائنس کی موجودہ قلمرو مین نہین تو اس کے زیر اقتدار ضرور ہے اور ان حدود تک مذہب کی حکومت مسلّم نہین اور واقع مین مذہبی خیالات اسی جگہ سے شروع ہوتے ہین جہان مادہ کی ابتدائی حالت مانی جائے پس وہ ابتدائی شکل خواہ بھی بخار کا بادل ہو یا کچھ اور اسکی نسبت سوال ہوتا ہے کہ آیا وہ خودبخود موجود ہے اور خودبخود عمل کرتا ہے یا اس پر کوئی اور مخفی طاقت حکومت کر رہی ہے اور یہی سوال ہے جس کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے اور بدقسمتی سے اس جواب کا مطلب سمجھنے مین بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور چونکہ سوال مادہ کی ابتدائی شکل کے متعلق ہے اس لیے پہلا اختلاف خود مادہ کے وجود کی نسبت ہے۔ چنانچہ ایک احتمال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ روح اور خدا ایک طرف خود مادہ بھی موجود نہین ہے[۵۱] اور دنیا مین یہی تغیرات اور اوصاف موجود ہین جو نظر آتے ہین اور لہرون کی طرح بدلتے رہتے ہین۔ اور ان لہرون کا بند ہو جانا ہی نجات ہے چنانچہ اس احتمال کو پیدا کرنے والے کہتے ہین[۵۲] کہ جو تغیرات ہم دیکھتے ہین اُن کے لیے اوصاف کا وجود کافی ہے پس اوصاف کے

---

[۵۱] کتاب گیان یوگ مصنفہ سوامی ویکانند، باب ہفدہم صفحہ ۳۳۰ طبع دوم۔

[۵۲] جن لوگون کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے یعنی پیروان بدھ افسوس ہے کہ مجھے کوئی انکی اپنی تصنیف دیکھنے کا اتفاق نہین ہوا۔ اور مہاتما بدھ کے متعلق جو کچھ دیکھنے مین آیا ہے وہ اغیار کی تحریرین ہین جو اس مذہب کو نہین مانتے اور خواہ وہ لوگ کیسی ہی صفائی سے ان خیالات کو لکھتے ہون مگر میرے دل کو اُن پر ایسا یقین نہین جیسا خود صاحب مذہب کی

ساتھ ذات کو بھی موجود ماننا ایک سبب کے لیے دو سببوں کا یقین کرنا ہے جو غیر منطقیانہ طریق اور فضول اعتقاد ہے۔ اس خیال کو خواہ کیسے ہی شاندار الفاظ میں ظاہر کیا جائے مگر بالعموم عقل پر قبضہ کرنے کے لیے کافی نہیں اور اگرچہ ہماری نظر صرف تغیرات یا ان سے آگے اوصاف تک محدود ہے مگر یہ جسمانی نظر ہے جو ایسی ضعیف واقع ہوئی ہے ورنہ عقل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ تغیرات اور اوصاف عارضی چیزیں ہیں اور قائم نہیں رہ سکتیں جب تک کوئی ذات ان کے پیچھے سہارا دینے والی نہ ہو۔ اور چیزوں کے لیے تو یہ فیصلہ صرف عقل ہی کرتی ہے مگر انسان کے اپنے وجود میں اس کا تمام تر تجربہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے جسمانی اور روحانی ہزاروں قسم کے تغیرات ہیں جو اس کے رنگ روپ۔ قد و قامت اور دیگر اوصاف کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک بدل دیتے ہیں مگر یہ خود ایک چیز ہے جو تمام مختلف حالات میں قائم رہتا ہے اور ایک بچہ بوڑھا ہو کر اور ایک تندرست بیمار و نزار ہو کر یقین رکھتا ہے کہ میں وہی ہوں جو پہلی حالت میں موجود تھا۔ پس اگر محض تغیرات اور اوصاف ہی موجود ہوتے تو ان کے بدل جانے پر ایک انسان فنا ہو جاتا اور دوسرا پیدا ہوتا اور اس طرح پر بچپن سے بڑھاپے تک کا زمانہ ہزاروں انسانوں کا ایک سلسلہ ہوتا نہ وہی ایک انسان۔

ہیر بین اور سپنسر کی بحث

سوامی ویکانند نے اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک بحث مسٹر ہیر بین اور مسٹر سپنسر کی لکھی ہے[۱] مسٹر سپنسر مانتے ہیں کہ تغیرات کے اندر ایسی چیز موجود ہے جو غیر متغیر ہے مسٹر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹ — تحریر سے پیدا ہو سکتا ہے اور بالخصوص جبکہ میں ذاتی تجربہ بھی رکھتا ہوں کہ اسلام کے متعلق جو تحریریں اغیار کی طرف سے شائع ہوئی ہیں ...... ان میں خواہ کیسی ہی صداقت اور نیک نیتی سے لکھنے کا دعویٰ کیا جائے۔ اسلام کے چہرہ کو بدنما کرنے میں شاذ و نادر ہی کوتاہی ہوئی ہے اور اصلیت پر بالعموم پردہ ڈالا گیا ہے۔ پس جس پیالہ سے اسلام کو پلایا جاتا ہے کیوں ممکن نہیں کہ اسی پیالہ سے اوروں کی تواضع ہو۔ اور دوسرے بدھ مذہب کی نسبت ان تحریروں کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے چنانچہ بعض جگہ سے خدا کو ماننے کا خیال بھی سمجھ میں آتا ہے۔ مگر چونکہ اس وقت ان اختلافات سے بحث ہے جو مذہب کے متعلق پیدا ہو سکتی ہیں اس لئے یہ خیال خود مہاتما بدھ کا ہو یا کسی اور کا ہمیں اس کی نوعیت اور حقیقت کو دیکھنا چاہئے۔

[۱] کتاب گیان یوگ باب پانزدہم صفحہ ۲۶۲ طبع دوئم

ہیریسین کہتے ہین کہ ہم صرف تغیرات کو دیکھتے ہین اور انہی کو معلوم کرسکتے ہین۔ غیر متغیر کا ہم کو علم نہین اور نہ ہوسکتا ہے۔ مسٹر سپنسر کیطرف سے بہی انسان کی نظیر پیش کی گئی ہے کہ مین کھاتا ہون۔ چلتا ہون سوتا ہون۔ یہ سب کام بدلتے رہتے ہین لیکن مین موجود رہتا ہون۔ پس وہ "مین" تغیرات کو برداشت کرنے والا مادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ تغیرات پیش آتے ہین اور مین اُن کو یاد رکھتا ہون۔ پس وہ یاد رکھنے والی رُوح ہے *

سوامی جی اعتراض کرتے ہین کہ "مین" اور کھانے والا کہنے مین جدا ہوسکتے ہین مگر جس وقت کھانے والا موجود ہے اس وقت "مین" اور کھانے والا ایک چیز ہے اور اسی طرح جب چلنے والا موجود ہو اُسوقت "مین" اور چلنے والا ایک چیز ہے" گویا کھانے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے اور چلنے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور محاورہ زبانی مین ان دونون چیزون کو ان کے موجود ہونے کے وقت "مین" کہا جاتا ہے جس سے لازم نہین آتا کہ دونون وقتون مین چیز بھی ایک ہی موجود ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ دو چیزون کے لیئے ایک مشترک لفظ یعنی "مین" استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرے کبھی انسان کو بعض باتین یاد نہین رہتین یا بعض امراض مین کچھ بھی یاد نہین رہتا بلکہ انسان اپنے تئین پتھر یا حیوان سمجھ لیتا ہے۔ پس کیا اس وقت وہ غیر متغیر "مین" فنا ہوگیا ہے؟"

مگر سوامی جی کے دونون اعتراض میرے خیال مین مسٹر سپنسر کی دلیل کو کمزور نہین کرسکتے کیونکہ اگرچہ کھانے والا ظاہر مین وہی "مین" ہے مگر جو شخص صرف تغیر کو جانتا ہے آیا وہ کھانے والے کے چلنے یا سونے کے وقت یقین کرتا ہے کہ کھانے والا نہین رہا اور اب اور چیز چلنے والی پیدا ہوگئی ہے۔ اور نیز جو شخص کہتا ہے کہ مین کھانا کھاتا تھا اور اب مین سیر کر رہا ہون اور مین مکان پر جاکر سو رہونگا۔ وہ لفظ "مین" کو اس طرح استعمال نہین کرتا جیسے کوئی مشترک نام دو شخصون پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی وہ اس وقت نہین سمجھتا کہ ایک "مین" کھاتا تھا اور کوئی اور "مین" سیر کر رہا ہے اور کھانے والا مین فنا ہوگیا۔ بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ایک ہی "مین" ہے جسکی تینون حالتون کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ صرف متغیر کو مانتے ہین وہ بھی اپنے تمام معاملات مین اس طرح "مین" کا استعمال کرنے والے کو سچا جانتے ہین اور جس شخص نے

خون کیا ہے اس کو اس واقعہ کے بعد کھانا کھانے کی حالت مین پکڑ کر سزا دینا جایز سمجھتے ہین پس جس حاسہ سے اس وقت یہ لوگ کھانیوالیکو چلنے والا اور قاتل کو گھر مین چھپنے والا کہہ رہے ہین وہی حاسہ قائم رہنے والے مادہ کو محسوس کرتا ہے۔

اور اسی طرح سوامی جی کے دوسرے اعتراض سے بھی کوئی نقص ثابت نہین ہوتا کیونکہ خواہ بعض باتین بھول جاتی ہون یا انسانون کو سب کچھ بھول جاتا ہو لیکن پھر بھی بہت سی باتین یاد رہتی ہین اور بہت سے انسانون کو یاد رہتی ہین پس جیسے بعض دفعہ انسان بالکل مدہوش ہو جاتا ہے یا بعض انسان بالکل عقل سے بے بہرہ ہوتے ہین لیکن عام طور پر عقل کے موجود ہونے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان مین عقل کا جوہر ودیعت ہے۔ اسی طرح اکثر باتون کے یاد رہنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ تغیرات سے پرے کوئی یاد رکھنے والی ہستی موجود ہے۔ اور جس طرح ہم کہہ سکتے ہین کہ اگر جوہر عقل انسان مین ودیعت نہ ہوتا تو کوئی انسان بھی عقل کا حصہ نہ پاتا اسی طرح کہہ سکتے ہین کہ اگر صرف تغیرات موجود ہوتے اور ان کے پیچھے غیر متغیر ہستی موجود نہ ہوتی تو ضرور تھا کہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت مین کچھ بھی اور کسیکو بھی یاد نہ رہتا۔ بلکہ یہان تو بہت سی باتین یاد رہتی ہین حالانکہ صرف کسی ایک بات کا یاد رہنا بھی غیر متغیر مادہ کو ثابت کرنے کے لیئے کافی تھا۔ اس لیئے اب بعض اشخاص کو یاد نہ رہنے کی وجہ یہ ماننی چاہیئے کہ اس وقت ذات کی صفت حافظہ دور ہو جاتی ہے نہ یہ کہ خود ذات معدوم ہو جاتی ہے

مادہ کا خود بخود عمل کرنا

غرض صرف تغیرات کے موجود ہونیکا احتمال جو مذہبی ارتقا سمجھا جاتا ہے ایک معلول کو مانتا ہے اور اسکی فاعلی اور مادی کسی علت کو نہین مانتا اور معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا ایسا دعوی ہے جس کو سمجھنے کے لیئے عقل انسان کسی طرح تیار نہین ہوتی۔ اس سبب اس کو چھوڑ کر اور تغیرات کے اندر کسی مادہ کو موجود مانکر دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مادہ کے اجزا ایک وقت پر خود بخود حرکت کرنے لگے ہین اور حرکت سے انکا ثقف شروع ہو گیا ہے۔ یا اگر انکی حرکت دائمی ہوگی تو کسی وقت خود بخود جمع ہونے لگے ہین اور اس اجتماع سے آفتاب اور سیارے پیدا ہونے لگے اور ہوتے ہوتے دنیا کی یہ صورت بن گئی ٭

اس احتمال کو اگرچہ ایک فرقے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کا نام اسے تھی است یا دہریہ رکھا جاتا ہے مگر یقین نہین آتا کہ کوئی عقلمند اس عقیدے کا قائل ہوا ہو کیونکہ دنیا کو مادہ کی ابتدائی شکل سے موجودہ صورت مین آنے تک خواہ کیسا ہی بڑا اور طویل زمانہ صرف ہوا ہو مگر تاہم وہ زمانہ محدود ہوگا۔ اور خواہ ہم اس زمانے کے سال اور صدیان بتانے کے لیئے تمامتر رقوم ہندسیہ کو جہان تک ضرب دے سکتے ہون دے لین مگر پھر بھی اس زمانے سے پہلے مادہ کا اپنی سادہ حالت مین موجود رہنے کا زمانہ غیر متناہی باقی رہیگا۔ پس اس قدر عرصہ تک مادہ کا بے حس و حرکت اور بغیر اجتماع کے موجود رہنا اور آخر مین ایک وقت پر تکوین عالم کا سلسلہ شروع کر دینا ایسا فعل ہے جس کی کوئی علت مانی نہین جاتی اور مسبب کا بغیر سبب کے موجود ہونا سمجھ مین نہین آتا کہ کسی عقلمند کے دماغ نے کیونکر تسلیم کیا ہوگا ۔

وحدت وجود مادی | مادہ کو موجود مانکر اور کسی وقت اتفاق سے خود بخود پیدائش کا عمل شروع ہو جانے کو نامعقول سمجھ کر وہ احتمال پیدا ہوتا ہے جس کو وحدت وجود مادی یا کاسموتھی ازم یعنی الوہیت عالم کہتے ہین [1] اور اس کے رو سے محض مادہ کو قدیم مانا جاتا ہے اور سلسلہ تکوین کو نہ اتفاق بلکہ مادہ کے مقررہ قوانین کا اثر تسلیم کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مادہ دائما حرکت کرتا رہتا ہے اور اپنے غیر متبدل قاعدون سے اپنی حالت کو بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح گویا موجودات عالم سے پہلے اسکی ہزارون شکلین بن کر بگڑ چکی ہین اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہیگا ۔

اس احتمال مین تسلیم کیا گیا ہے کہ مادہ ایک شکل اختیار کرتا ہے مثلاً آفتاب ماہتاب سیارے بنجاتے ہین اور پھر خود بخود اس شکل کو توڑنے لگتا ہے اور واپس لوٹتا ہوا اپنی اصلی حالت پر جا کر پھر دوسری شکل مین نمودار ہونے لگتا ہے اور یونہی کبھی بنتا اور کبھی بگڑتا چلا جاتا ہے۔ مگر ہم جو صرف اسی عالم کو دیکھ سکتے ہین مادہ کی انہی طاقتون کا یقین کر سکتے ہین جو اس عالم مین مشاہدہ ہون

[1] یہ خیال سٹریطو اور دیمقراطیس وغیرہ چند حکماے یونان کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجین باب پنجم۔

اور اس عالم میں کسی چیز کے اندر اس دوگانہ بننے اور بگڑنے کی طاقت کا تجربہ نہیں بلکہ اس کے خلاف مادہ
میں انرشیا کے نام سے یہ طاقت ثابت ہوئی ہے کہ وہ اگر متحرک ہو تو اس کی حرکت ہمیشہ تک جاری
رہ سکتی ہے اور اگر ساکن ہو تو سکون ہمیشہ تک قائم رہ سکتا ہے اور دنیا کی چیزیں جو متحرک سے ساکن اور
ساکن سے متحرک ہوتی ہیں تو اس لیے کہ اور بیرونی قوتیں اُن پر عمل کرتی ہیں اور حالت کو بدل دیتی ہیں -
مثلاً اگر کوئی درخت اجزا کے مجتمع ہونے اور تکمیل کو پہونچنے کے بعد سوکھنے لگتا ہے اور اجزا پراگندہ ہونے
شروع ہوتے ہیں اور اگر ایک جاندار جوان ہو کر بڑھاپے اور موت کی طرف لوٹتا ہے تو اس انقلاب میں زمین
و آسمان کی ہزار ہا بیرونی طاقتیں عمل کر رہی ہیں اور انہی کے اثر سے بننے والی چیز بنی ہے اور انہی کے
اثر سے اسکا زوال ہوتا ہے -

اور اس کے علاوہ جب عام طور پر تمام مادے کے میلان کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں بھی بننے اور بگڑنے
کی دُہری طاقت کا ثبوت نہیں ملتا - بلکہ ایک خاص سمت ہے جسکی طرف چلا جا رہا ہے چنانچہ علمی تجربہ یہاں
تک پہونچ چکا ہے اس کا فیصلہ ہے کہ اس سلسلہ کی ابتدا بخار کے بادل سے ہوئی ہے اور آئندہ کے لیئے
وہ اجزائے منتشرہ جمع ہوتے جاتے ہیں اور اب وقت آ رہا ہے جبکہ یہ تمام کائنات ایک منجمد تودہ بنجائیگی
جان سٹوارٹ مل لکھتے ہیں[1] کہ :-

”جن لوگوں نے تکوین عالم کا موجودہ روشنی سے مطالعہ کیا ہے وہ یقین رکھتے ہیں کہ نظام شمسی ایک
بخار کے بادل سے شروع ہوا ہے اور ایسا عمل کر رہا ہے جس سے ایک وقت پر سب کچھ ایک ٹھوس مادے
کا ڈھیر ہو جائیگا اور جو برودت اس کو چھائیگی وہ قطب شمالی کی سردی سے بھی زیادہ ہو گی“

اور چونکہ احتمالات مذہبی کی تحقیق کے لیئے نظام عالم سے پرے کی شہادت مسلّم نہیں اس لیئے دنیا
کی اس رفتار کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ جب اس تمام سفر میں مادہ کا میلان صرف انجماد کی جانب ہے تو جب وہ
برف کی مانند جم جائیگا اس وقت کے لیئے کس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ اپنے میلان کو چھوڑ کر خود
بخود پیچھے کو لوٹنا شروع کریگا اور اجزا کو منتشر کرتا ہوا بخار کی شکل اختیار کریگا - بلکہ اگر محض مادہ کو موجود مانا
جائے اور اس کے اوپر کوئی اور طاقت حکمران نہ ہو تو اس کی رفتار سے عقلی نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ انجماد

[1] ایسیز حصہ دوم -

پر مادہ کی کارروائی ختم ہو جائیگی اور اجزا میں سکون پیدا ہونے سے آئندہ خلق و تکوین کا سلسلہ جاری نہ رہے گا۔

مگر ایسا افسوسناک انجام مانکر جب آغاز کو دیکھا جاتا ہے تو محض مادہ کا وجود اور وقت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بخار کی حالت جو ابتدا میں تسلیم کی گئی ہے اس سے موجودہ صورت پیدا ہونے کی کیفیت یوں ثابت ہوتی کہ:۔[1]

"ہر چیز موجودہ عالم کے ایک محدود عرصہ کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اسکی جو شکل اب ہے وہ ایک وقت میں نہ تھی اور اسکی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لیئے اسکا آغاز کہیں نہ کہیں سے فرض کرنا پڑتا ہے اور اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اصول موضوعہ کے طور پر اس دنیا کے آغاز میں بخار جیسی غیر منور حالت کو فرض کریں جس کے ذرات مع اپنی قوائے جاذبہ و نادیہ کے ایک دوسرے سے الگ ہوں گے اور یکساں طور پر منقسم نہ ہوں گے۔ کیونکہ اگر ذرات یکساں پھیلے ہوئے ہوتے تو قوت جاذبہ ان اجزا کو ایک انبار کی صورت میں جو ہمیشہ کروی شکل میں ہے کسی عام مرکز ثقل کیجانب کھینچ لاتی اور قوت ناریہ اجزا کے باہمی رگڑ سے متحرک ہو کر او حرارت بنکر بغیر کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے ایتھر میں سے گذر جاتی پس اسوقت میں ضرور ہے کہ ان اجزا کی وضع اور اطوار بہم دگر مختلف ہونگے اور وہ اجزا خاص خاص مرکزوں کی طرف کھچے جا رہے ہونگے اور ان انباروں کی مقدار اور انکی حرکتوں کی مقدار میں بے انتہا تبدیلیاں ہوتی ہونگی۔ اور اس طرح جمع کرنے والی قوتوں اور پھیلانے والی طاقتوں کی وساطت سے بار بار ذرات کی ترتیب بدلنے سے دنیا کے یہ انقلاب واقع ہوتے رہے ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز بظاہر یکساں تھی (یعنی بخار کا بادل سا) اس سے ترقی ہو کر وہ اجسام پیدا ہونے لگے جو حقیقت میں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں اور جو چیز بے شکل تھی وہ شکلدار ہو گئی اور سادہ چیز مرکب در مرکب بنتی گئی حتے کہ یہ ترکیب جاندار مخلوق میں اعلے سے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئی۔"

---

[1] کتاب دی ہسٹری آف کریئیشن حصہ دوم باب ششم مصنفہ مسٹر اڈورڈ کلاڈ۔

اس طرح جو ترکیب بخار سے اجسام بننے کی بیان کی گئی ہے اُس میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ ایک محدود زمانے
سے موجودہ حالت تک پہونچ گئی ہے اور وہ زمانہ خواہ کیسا ہی بڑا ہو لیکن قدامت ایسی چیز ہے کہ اُس کا
عرصہ اس زمانے سے پہلے بھی غیر محدود باقی رہتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس غیر محدود و قدیم زمانے
میں مادہ کے ذرات ہمیشہ سے اسی طرح مختلف مقدار کے ابخاروں میں حرکت کر رہے تھے یا اُس کے خلاف
کوئی اور صورت تھی۔ اگر مانا جائے کہ ہمیشہ سے مادہ انھی مختلف ابخاروں کی شکل میں تھا تو چونکہ اس شکل
میں ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ قوائے جاذبہ اور دافعہ عمل شروع کریں اور ان کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ میں
انقلاب ہوتے ہوتے موجودہ شکل تک پہونچ جائے اس لیئے ضرور ہے کہ جو عمل اب چند ارب سال سے شروع
ہو کر موجودہ شکل تک پہونچا ہے وہ عمل قدیم سے ہوتا اور اب اس کو ختم ہوئے اور مادہ کو موجودہ حالت سے
گذر کر برف کا تودہ بنے غیر محدود زمانہ گذر جاتا۔ اور اسی طرح اگر کہا جائے کہ اگرچہ مادہ قدیم سے مختلف
ابخاروں میں جمع نہ تھا مگر قدیم سے اُسکی وہ صورت تھی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مادہ کے ابخار متفاوت ہو جائیں
تو بیشک اس طرح پر دنیا کی بناوٹ کا زمانہ اور زیادہ دراز ماننا پڑیگا لیکن جس طرح بخار سے اجسام بننے کا زمانہ
محدود ہے اسی طرح بخار کے متفاوت بادلوں سے پہلے خواہ لاکھ شکلیں اور مانی جائیں انکا زمانہ بھی ضرور
محدود ہوگا اور ان تمام طویل سے طویل زمانوں کو نکال کر بھی قدامت کا زمانہ غیر محدود باقی رہتا ہے یعنی
اگر قدیم سے مادہ کی وہ شکل تھی جسکا نتیجہ ابخاروں کا متفاوت ہونا ہے تب بھی آج تک اس عمل کو ختم ہوئے
غیر محدود زمانہ گذر جاتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تغیرات چاہے کیسے ہی طویل در طویل مانے جائیں اور
خواہ انکی حرکت بھی بخار سے انجماد کی جانب ہو یا کسی اور طرز پر۔ وہ سب ایک محدود زمانہ چاہتے ہیں اور
قدیم نہیں ہوسکتے اس سبب سے اگر مادہ قدیم ہے تب بھی ضرور ہے کہ وہ پہلے بالکل سادہ شکل میں ہو۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا (انبیا پ ۱۷ ع ۳)

کیا مذہب سے انکار کرنے والے نہیں دیکھتے کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے ہمنے انکو جدا جدا کر دیا۔

پس اگر مادہ کے سوا کوئی اور طاقت موجود نہیں تو لازم آتا ہے کہ مادہ اپنی سادگی سے لامحدود زمانے
کو ختم کر کے ایک وقت پر بغیر کسی علت کے وہ شکلیں اختیار کرنے لگا ہے جن کا نتیجہ دنیا کی موجودہ حالت ہے

غرض علمی مشاہدہ سے جس قدر ثبوت مہیا ہو سکتا ہے اس کا یہ نتیجہ یقینی ہے کہ محض مادہ واقعات عالم کو پیدا کرنے کے لیئے بالکل ناکافی ہے اور ایسا خیال کرنا معلول کو بغیر علت کے ماننا ہے جو قابل تسلیم نہیں ۔

ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا

یہاں تک جن احتمالات کا ذکر ہوا ہے وہ اُن لوگوں کے دماغ کا نتیجہ ہے جنہوں نے موجودات عالم کو دیکھا مگر اُن کی دلچسپیوں میں اس قدر محو ہوئے کہ اپنے خیال کو دنیا سے پرے تک نہ لیجا سکے اور اس لیئے ابھی تک مذہبی عنصر یعنے نادیدہ ہستی کا اعتراف نہیں پایا گیا لیکن آگے بڑھکر جو احتمالات پیدا کیئے گئے ہیں وہ باختلاف مدارج اس غیر محسوس کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ احتمال ہے جسمیں کائنات کو ایک بالاتر ہستی سے وابستہ کیا ہے لیکن موجودات عالم کی عظمت بھی دل میں جاگزین رہی ہے اور خدا اور مخلوق دونوں کو قدیم مانکر خدا کو اس مملکت پر قابض تسلیم کیا گیا ہے اور اسی طرح پر کبھی خدا اور مادہ کبھی خدا اور شیطان اور کبھی خدا مادہ اور روح تینوں کو غیر مخلوق اور قدیم ہونے کی عزت دیگئی ہے[1] ۔

اس احتمال کی نسبت فیصلہ کرنے سے پہلے چند قوانین قدرت کو دیکھنا ضرور ہے جو واقعات عالم سے ثابت ہوتے ہیں ۔

اوّل یہ کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کی ذات میں داخل ہوتی ہے تو دوسرے کا وجود بعینہ پہلی چیز کا وجود ہوتا ہے یعنی ممکن نہیں ہوتا کہ دوسری چیز موجود ہو اور جو اسکی ذات میں داخل ہے وہ موجود نہو لیکن جو چیز کسی اور چیز کی ذات میں داخل نہیں اسکو اس چیز کے ساتھ موجود کرنے کے لیئے فاعل کو جدید فعل کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ممکن ہے کہ دونو باہم موجود نہ ہوں مثلاً ہیڈروجن اور آکسیجن پانی

---

[1] خدا اور مادہ کی قدامت افلاطون کی طرف منسوب ہے اور خدا اور شیطان کی قدامت ایرانی فلاسفر مانی کیجانب (الیسیس آف مل صفحہ ۱۱) اور اکثر یہی خیال زردشت کیطرف بھی منسوب کیا جاتا ہے مگر حال میں یہ خیال پارسی اسکو غلط کہتے ہیں اور اپنے تئین توحید کا قائل بتاتے ہیں (دیکھو مسٹر دادابھائی نوروزجی) اور تین قدما کا خیال ہندی فلاسفر سوامی دیانند جی اپنی مذہبی کتاب وید کی طرف سے پیش کرتے ہیں اور آجکل اہل ہند کی ایک جماعت اس خیال کی سخت حامی ہے ۔

کی ذات مین داخل ہین یعنے دونون اُس کے عناصر ہین اسلئے پانی کا موجود ہونا بعینہ ہیڈروجن اور آکسیجن کا موجود ہونا ہے۔ اور ممکن نہین کہ پانی موجود ہو اور ہیڈروجن اور آکسیجن موجود نہ ہو لیکن پانی کی روانی اور پانی کا رنگ پانی کی ذات مین داخل نہین بلکہ ایک عارضی صفت ہے اور اس لیے ممکن ہے کہ پانی موجود ہو اور اس مین روانی یا رنگ نہ ہو۔

دوئم۔ دو چیزون کا کسی ایک ذاتی خاصہ مین مشترک ہونیکا یہ مطلب ہی کہ اُن دونو کی ذات مین وہ مشترک عنصر موجود ہے مثلاً زنگ آہن اور پانی جو آکسیجن کی صفت مین مشترک ہین تو اس کا یہ مطلب ہی کہ دونو مین آکسیجن کا عنصر موجود ہے۔

سوئم۔ جو دو چیزین ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز ہین ضرور ہے کہ ان مین سے ہر ایک اپنی ذات مین ایک ایسا عنصر رکھتی ہے جو دوسری چیز مین موجود نہین۔ ورنہ دونون جداگانہ چیزین نہ ہوتین مثلاً پانی اور زنگ آہن جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہے تو اسی لیے کہ پانی مین آکسیجن کے ساتھ ہیڈروجن اور زنگ آہن مین بجائے ہیڈروجن کے لوہے کا عنصر موجود ہے اور اگر ہیڈروجن اور لوہے کا اختلاف نہ ہوتا اور دونون مین ایک ہی قسم کے عناصر ہوتے تو دو جداگانہ چیزین ہرگز موجود نہ ہوتین یا پانی ہوتا یا زنگ آہن بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ جن دو چیزون مین مادی عناصر بالکل ایک ہین اُنکی ذات مین بھی کوئی غیر مادی عنصر ایسا موجود ہے جس سے وہ دونون چیزین ممتاز اور علیحدہ شمار ہوتی ہین مثلاً الماس اور کوئلا مادی عناصر مین بالکل متحد ہین لیکن انرجی یعنے طاقت کا دوسرا عنصر دونو مین مختلف ہے اور اسی سے وہ دونون باہمدگر ممتاز ہین اور جب کبھی دونون کی طاقت کو یکسان کرنے مین کامیابی ہوئی ہے تو امتیاز معدوم ہو گیا ہے اور اس عمل سے کوئلا بعینہ الماس بنگیا ہے۔

چہارم۔ جو چیز دو چیزون سے مرکب ہوتی ہے وہ ضرور حادث ہوتی ہے اور اُس کے وجود سے پہلے اسکی اجزا کا موجود ہونا ضرور ہوتا ہے اور نیز ایسے مرکب کو ترکیب دینے کے لیئے کسی فاعل کا وجود بھی لازم ہے مثلاً پانی جو آکسیجن اور ہیڈروجن سے مرکب ہے اُس کے وجود سے پہلے آکسیجن اور ہیڈروجن کا وجود ضروری ہے اور کوئی ایسی طاقت بھی ضرور موجود ہوگی جس نے دونون عنصرون سے پانی کو تیار کیا۔

ان مقدمات کو پیش نظر رکھنے کے بعد کہہ سکتے ہین کہ اگر خدا اور مادہ اور روح یا کوئی سی دو چیزین قدیم ہون تو ضرور ہے کہ قدامت انکی ذات مین داخل ہوگی کیونکہ اگر قدامت اُن کے لیے ایک عارضی صفت ہو تو پہلے قاعدے کے موافق ممکن ہوگا کہ وہ چیزین موجود ہون اور قدامت اُن کے ساتھ نہ ہو اور نیز ضرور ہوگا کہ اس صفت کو لاحق کرنے کے لیے کوئی فاعل موجود ہو پس جس چیز کو قدیم مانا گیا تھا وہ اصلیت مین قدیم نہ ہوگی بلکہ حادث ہوگی پس جبکہ قدامت دو یا تین چیزون کی ذات مین داخل ہے اور وہ سب اِس ذاتی وصف مین شریک ہین تو دوسرے قانون کے رو سے ضرور ہے کہ قدامت کا عنصر اُن سب کی ذات مین موجود ہو۔ اور چونکہ وہ سب ایک دوسری سے علیحدہ اور ممتاز ہین اور اسی سبب سے اُن کو دو یا تین کہا جاتا ہے تو تیسرے اصول کے مطابق ضرور ہے کہ ہر ایک مین کوئی ایسا عنصر موجود ہے جو دوسری چیز مین نہین اور اس تحقیق کے رو سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا اور مادہ اور روح تینون مین ایک عنصر قدامت کا مشترک ہے اور ہر ایک مین ایک ایک عنصر ایسا موجود ہے جس سے خدا کی خدائی اور مادہ کی مادیت اور روح کی روحانیت ایک دوسرے سے ممتاز ہے پس وہ تینون دو دو عنصرون سے مرکب ہونگے اور چوتھے قاعدے کے رو سے ماننا پڑے گا کہ تینون حادث ہین اور ان سے پیشتر ان کے عناصر کا وجود ماننا پڑیگا اور نیز ان عناصر سے ترکیب دینے کے لیے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جن تین چیزون کو قدیم مانا گیا تھا۔ قدامت ہی کے اشتراک سے وہ سب اس صفت سے محروم ہوجائینگے اور ترکیب دینے کے لیے فاعل کی ضرورت پیش آنے پر چونکہ اس مذہب والے ان تینون کے سوا کسی اور چیز کو موجود نہین مانتے لازم آئیگا کہ مرکب جو معلول ہے بغیر علت کے پیدا ہوا ہے اس لیے اس احتمال مین بھی بالآخر وہی دقت پیش آئی جو پہلے احتمالون مین موجود تھی یعنے قانون علت و معلول کا باطل ہونا جس سے یہ احتمال ناقابل تسلیم ہوجاتا ہے۔ ہربرٹ سپنسر لکھتے ہین [1]:-

"اگر بہت سے قدیم ہون تو اُن مین ضرور کوئی چیز مشترک ہوگی جو ایک سے زیادہ قدما کو ضرورۃً ثابت کرے پس وہی مشترک عنصر قدیم ہوا نہ کہ وہ بہت سے مانے ہوئے قدما۔ اور نیز چونکہ بہت سے ہین

[1] فرسٹ پرنسپلز باب چہارم صفحہ ۴۹ مشتہ ۱۶

اس لیئے وہ ایک دوسرے سے محدود ہونگے پس غیر محدود نہ رہینگے اور نہ وہ سب مطلق نہ ہونگے کیونکہ ایک دوسرے سے انکو تعلق ہے۔"

وحدت وجود روحانی

اس خیال کے بعد اس احتمال کا درجہ ہے جس کو وحدت وجود روحانی کہتے ہین اور جسمین مادّہ کے وجود سے بالکل انکار کیا گیا ہے اور محض ایک غیر محدود مطلق ہستی کو موجود مانا گیا ہے اس خیال کو ماننے والے مختلف اقوام عالم مین کثرت سے ہین چنانچہ ملا حسن اس کی تقریر[۵۱] یون کرتے ہین

"اس عالم کون مین صرف ایک بسیط ذات موجود ہے جو نہ کلی ہے اور نہ جزئی یعنے نہین کہہ سکتے کہ وہ درحقیقت کثرت کو قبول کر سکتی ہے اور نہ یہ کہ کثرت کو ہرگز قبول نہین کرتی۔ بلکہ اُس ذات سے بیشمار مختلف اور واقعی شانین ظاہر ہوتی ہین اور اسکی ہر شان پر مختلف آثار اور احکام مرتب ہوتے ہین۔ پس وہ معین شان جو نظر آتی ہے ممکن کہلاتی ہے اور اس تعین سے قطع نظر جو ذات موجود ہے وہ واجب الوجود اور خدا سے قادر ہے۔"

مسٹر پارکر اس مسئلہ کا ذکر یون کرتے ہین[۵۲]:۔

"وحدت وجود روحانی روح کی ہستی کو مانتی ہے اور علانیہ یا کنایتہً مادّہ کے وجود سے انکار کرتی ہے اس کے نزدیک وہ روح خدا ہے جو ہمیشہ یکسان رہتی ہے مگر ہمیشہ نئی شکلین بدلتی رہتی ہے۔ اس کے رو سے خدا ایک مکمل ہستی ہے اور دو صفتین رکھتی ہے علم اور وسعت۔ انسان مین آکر اُس کو اپنی ذات کا علم ہے اور اس سے پہلے حیوانات وغیرہ مین شعور سے خالی ہے۔ جو کچھ خدا کے سوا ہے وہ شے ہونے سے محروم ہے اور موجود نہین۔ محض ظاہر مین نظر آتا ہے اور اس کی ہستی محض اسکا نظر آنا ہے۔"

سوامی ویکانند لکھتے ہین[۵۳]:۔

---

[۵۱] شرح سلم العلوم مصنفہ ملا حسن مرحوم بحث علم باری تعالیٰ۔

[۵۲] ای ڈسکورس آف میٹرز پرٹیننگ ٹو ریلیجین باب پنجم۔

[۵۳] کتاب گیان یوگ باب شانزدہم۔

"سوامی شنکر آچاریہ کے نزدیک خدا مادہ بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ مگر بظاہر ورنہ درحقیقت خدا یہ دنیا نہیں بنگیا۔ بلکہ دنیا نظر آتی ہے کیونکہ خدا اسکی بنیاد ہے"

غرض الفاظ اور طرز ادا اگرچہ مختلف ہے مگر مدعا سب کا یہ ہے کہ ایک مطلق ہستی اسی طرح مختلف شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی میں مختلف لہروں کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے پس جس طرح پر لہروں کو اُن کے ظاہر ہونے پر جداگانہ نام اور تشخص حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقت میں لہر کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے بلکہ وہی دریا اس شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح سے اُس ہستی مطلق کے مختلف مظہروں کو آسمان زمین انسان حیوان وغیرہ جداگانہ ناموں اور تشخصوں سے نامزد کرتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ چیزیں جداگانہ ہستی نہیں ہیں اور اسی ایک ذات کے مختلف ظہور ہیں۔ پس جس وقت یہ مظہر موجود ہیں چونکہ اُنکی ذات جداگانہ نہیں ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ وہی ایک ذات موجود ہے اور چونکہ ان کی شکلیں جداگانہ ہیں اور وہ ذات شکلوں سے پاک ہے اس لیے بعض ان شکلوں کو اُس کا غیر کہہ سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ شکلیں محض اعراض ہیں اس لیئے ان کا وجود ایک اعتباری وجود ہوگا اور حقیقی اور ذاتی وجود پھر بھی ایک ہی رہیگا۔

عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے

اس عقیدے میں بیشک یہ خوبی ہے کہ موجود اور قدیم محض ایک چیز کو مانا گیا ہے اور چیز بھی ایسی جو خود ہی اپنے مظاہر کی علت ہو لیکن اس خیال کو دل میں جگہ دینے سے پہلے اس ظاہر ہونے والی ذات کا ایک اور خاصّہ بھی پیش نظر آجاتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے جس قدر مظاہر دیکھے جاتے ہیں وہ چھوٹے ہوں یا بڑے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کسی بڑے مدعا اور فایدے کو مدنظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے۔ آفتاب ہے تو اُس کو بنایا ہی اس طرز پر گیا ہے کہ سیاروں کے ایک بڑے انبوہ کو اپنے ساتھ وابستہ رکھ سکے اور ان سب میں روشنی اور حرارت اور حرکت دینے والی شعاعوں کو پہونچائے۔ زمین ہے تو اسکی ترکیب اسی قسم کی ہے کہ لاکھوں طرح کے جاندار اور بے جان مخلوق کو پیدا کر سکے اوران کی بقا اور تناسل کا سامان بہم پہونچائے۔ اسی طرح حیوانات اور دیگر موجودات میں سے ہر ایک کو اسی طرز پر پیدا کیا ہے کہ اس غرض اور مدعا کو باحسن وجوہ پورا کر سکے

جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اور پھر ہر ایک مخلوق کے اجزا اور اعضا کو وہی ساخت دی ہے جس سے وہ اپنے فرض پورے طور پر ادا کر سکے۔ اگر درخت کی رگین ہین تو انکی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ خود بخود خوراک اور سامان زیست کو جذب کر سکین اور بقاء شخص و بقاء نوع کا سامان مہیا ہو۔ اگر جاندار کی آنکھ کان وغیرہ اعضا ہین تو ان کے اجزا کو ترتیب ہی اس طرز پر دیا ہے کہ خود بخود اُن کے افعال سرزد ہوتے رہین۔ غرض ایک ذرے سے لیکر بڑے سے بڑے کرہ تک کسی چیز کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ایسا نہین معلوم ہوتا جو کسی مقاد اور مدعا سے خالی ہو اور اس ذات کے تمام مظاہر سے یہ ایک عام اور کلیہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل عبث نہین بلکہ ہر چیز کو کامل علم و شعور کسی مصلحت پر مبنی کیا گیا ہے اور کسی کہنے والے کا یہ خیال بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات انسان بننے سے پہلے بے شعور تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان مین ظہور کرنے سے پیشتر جس قدر مظہر مادہ کی مختلف شکلون مین ہوئے ہین ان حالتون مین یہ مادہ بیشک بے شعور ہے اور وہ صرف بے شعور ہے بلکہ تمام حالتون مین کثیف ہے۔ محدود ہے۔ محسوس ہے گو کثافت محدودیت اور محسوسیت کے مدارج مختلف ہون اور نیز بعض حالتون مین بے حس ہے بعض مین بے حرکت ہے اور بعض حالتین غلاظت اور دیگر عیوب بھی ظاہر کرتی ہین۔ اس لیئے اُس ایک ذات کو ہر ایک شان مین ظاہر ہوتے ہوئے مانکر طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محسوس۔ مطلق۔ پاک اور بے عیب ذات نے یہ مظاہر کیون اختیار

پاک ناپاک کیون ہوا

کئے جو محسوس۔ مقید۔ ناپاک اور عیب دار ہین اور جب اس ذات کا عام خاصہ ہے کہ وہ ایک ذرہ کو بھی عبث اور بے وجہ پیدا نہین کرتی تو خود اپنی ذات کو جو ہر طرح کا کمال رکھتی تھی کس مصلحت سے ان نجاستون مین جلوہ گر کیا۔ اور جب ہم دیکھتے ہین کہ زمین اور زمین کی پیداوار یکے بعد دیگرے کثیف سے لطیف ہوتی جاتی ہے۔ معدنیات بالکل بے حس و حرکت تھے نباتات مین حرکت نے ظہور کیا حیوانات مین مختلف حواس کی تکمیل ہوئی انسان سب سے بڑھکر عقل و شعور اور دیگر کمالات مین ترقی کرتا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہر کی رفتار لطافت کی جانب ہے اور اس لیے یہ گمان بھی نہین ہوسکتا کہ وہ ذات کثافت کی طرف آنے کو کمال سمجھتی ہوگی کیونکہ

اگر غیر محسوس سے محسوس ہو جانا کمال ہوتا اور اس کمال کو حاصل کرنا اُس ذات کی غرض و غایت قرار دیا جاتا تو ضرور تھا کہ موجودات عالم کی رفتار لطافت سے کثافت کی جانب ہوتی اور اسی طرح ایک پیداوار سے دوسری پیداوار کثیف تر ہوتی جاتی مگر جب اس کے خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کی چیزوں کا کمال اسی لطافت کی جانب ترقی کرنا سمجھا جاتا ہے جس لطافت سے اُس ذات نے تنزل کر کے کثافت کا جامہ پہنا ہے تو اس فعل کا عبث اور بے سبب ہونا اور بھی دلنشین ہو جاتا ہے۔

مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں

سوامی ویکانند اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں[1] :-

"غیر محدود و محدود اور مقید کیوں ہوا؟ یہ بہت مشکل سوال ہے مگر اس کا حل یہ ہے کہ کیوں کا سوال دنیا کی چیزوں پر ہوتا ہے جو علیت کے سلسلہ میں مقید ہیں اور مطلق علیت اور زمانہ و فضا سے بالاتر ہے اسلئے اسکی ذات کی نسبت کیوں سے سوال نہیں ہو سکتا۔"

علم بغیر نظیر کے پیدا نہیں ہو سکتا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطلق بیشک بالاتر ہے مگر سوال کی تہ میں یہ ہے کہ ہم اس عالم اسباب میں مقید ہیں اور ہمارے استدلال عقلی کی انتہا وہ واقع ہوئی ہے کہ جب کسی نامعلوم چیز یا واقع کی نسبت غور کرتے ہیں تو اس کے لئے ایسا ہی نتیجہ یا عقیدہ قرار دیتے ہیں جسکی نظیر واقعات معلومہ میں پائی جاتی ہو اور اس کے برخلاف کبھی ایسا دعوی نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں جس کی نظیر ہمکو معلوم نہ ہو۔ مثلاً جب ہم کوئی نامعلوم آواز سنتے ہیں اور خیال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیونکر پیدا ہوئی تو جو طریق آواز پیدا ہونے کے ہمکو معلوم ہیں اُن میں غور کرتے ہیں کہ ایک آواز انسان کی ہو سکتی ہے جو کچھ بات کرتا ہو اور ایک آواز حیوان کی ہوتی ہے جو اپنی عادت کے موافق بولتا ہے اور ایک آواز بادل کے گرجنے کی یا بجلی کڑکنے کی ہوتی ہے اور اسی قسم کی آوازیں جہاں تک ہمارے علم میں ہوں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نامعلوم آواز ان میں سے کس سے مشابہ ہے اور اس طرح پر جو تشبیہ ہمکو اغلب معلوم ہوتی ہے اسی کے مطابق اُس آواز کی نسبت رائے قائم کرتے ہیں اور کبھی ایسا احتمال قائم نہیں کرتے جسکی نظیر ہمنے نہ دیکھی ہو۔ یا مثلاً جب[2] چاند کے داغوں کو دوربین سے دیکھا گیا تو داغوں

---

[1] کتاب گیان یوگ باب پنجم۔

[2] ملاحظہ ہو کتاب آسٹرانومی مصنفہ پروفیسر بنو یکمو حصہ سیوم باب چہارم۔

کا مقام روشن جگہ کی نسبت کسی قدر ہموار معلوم ہوا چنانچہ اس وقت کے ذخیرہ معلومات کی بنا پر داغوں کی نامعلوم کیفیت معلوم کرنیکے لیے نظیر کی تلاش ہوئی اور دیکھا گیا کہ زمین پر پانی کی سطح خشکی کی نسبت ہموار ہوتی ہے اس لیے خیال ہوا کہ چاند کا یہ مقام بھی سمندر ہے۔ اس کے بعد دوربینوں مین ترقی ہونے پر جب داغ زیادہ صاف نظر آئے تو خود اس کے اندر بھی نشیب و فراز معلوم ہوئے اب چونکہ پانی مین نشیب و فراز ہونے کی کوئی نظیر موجود نہین اور اس کے برخلاف ان داغوں کو موجودہ علم کی بنا پر پہاڑ کے غاروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اس لیئے دوسرا احتمال قائم ہوا کہ چاند مین سمندر نہین ہین بلکہ بڑے بڑے غار ہین جو داغ کی شکل مین نظر آتے ہین بلکہ اب جبکہ قریب قریب کے سیاروں کا ایک دوسرے پر عکس ڈالنا معلوم ہوا اور نیز چاند کا وہ عکس بھی دیکھا گیا جو ایک اس کے قریبی ستارہ پر ہمیشہ پڑتا ہے اور اسمین دیکھا گیا کہ پانی کا کہین نشان نہین پایا جاتا تو نتیجہ نکالا گیا کہ کم از کم چاند کے بالائی سطح پر کوئی دریا یا خلیج موجود نہین ہے اور یہ اسی لیئے کہ پانی موجود ہوا اور اسکا قریب نہ سیارے پر عکس نہ پڑے اسکی کوئی نظیر موجود نہین۔

ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہین[1]:—

"مین سل اور سر ولیم ہملٹن نے جو شرطین علم کی لکھی ہین میرے نزدیک انکے علاوہ ایک اور بھی شرط ہے یعنی مناسبت۔ ہم جس چیز کو معلوم کرتے ہین اس کا اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا اور چیزوں کا علم پہلے سے ہوتا ہے مثلاً ہم کسی جانور کو دیکھتے ہین تو اگر اسی قسم کا جانور پہلے دیکھا ہو اس حالت مین اسے پورے طور پر معلوم کرلین گے اور اگر نہین دیکھا تو جو باتین اس مین پائی جاتی ہین جن جانوروں مین اسی قسم کی باتین پائی جائین ہم جانینگے کہ یہ جانور اُن جانوروں کی قسم کا ہے اگر چار پیر رکھتا ہو تو چوپایوں کی قسم سے کہین گے۔ بڑے دانت رکھتا ہوگا تو درندہ سمجھین گے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو مطلق جاندار کہین گے۔ یا زندگی کا نشان بھی نہ ہو تو نباتات یا اس سے اتر کر جمادات وغیرہ کی قسم سے کہین گے۔ غرض اسی حد تک علم حاصل ہوگا جس حد تک پہلے معلومات سے پیدا ہو چکا ہے"

غرض ہمارا علم محض نظایر اور مناسبات کی وساطت سے ترقی کرتا ہے اور اس بنا پر صحیح علم وہ ہوگا جسمین مناسبت کا

[1] فرسٹ پرنسپلز باب چہارم۔

کامل لحاظ رکھا گیا ہے اور جہان تک مشابہت اور نظیر کی تعین مین غلطی کی گئی ہے اُسی تک علم بھی غلط ہوگا اور اس قاعدے کے موافق جب ہمنے تغیرات عالم کو دیکھا اور اُن کے آغاز کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو چونکہ محض تغیرات کو۔ محض مادّہ کو یا مادّہ اور خدا دونون کو قدیم مانکر دیکھا کہ معلول کا بغیر علّت کے پیدا ہونا لازم آتا ہے اور اپنے ذخیرۂ معلومات مین اسکی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ معلول خود بخود اور بغیر علّت کے پیدا ہوجائے اس لیئے ان خیالات کو غلط مانکر ہم اس عالم سے پرے کسی ہستی کی تلاش کرنے لگے اور یہان تک ہماری رفتار بالکل درست تھی لیکن اب ایک غیر مادّی ہستی کو مانکر جب یہ خیال قائم کیا گیا کہ وہی ایک ذات اپنی پاک اور کامل حالت کو ان ناپاک اور ناقص حالتون مین بدل رہی ہے تو لامحالہ سوال پیدا ہوا کہ اُس کا یہ فعل کس مصلحت پر مبنی ہے اور چونکہ کوئی فائدہ قرار دیا نہین جاسکتا اس لیئے اگر اُس کے دیگر افعال مین جو روزمرّہ ہم دیکھتے ہین کوئی ایسی نظیر ملجاتی جو بالکل عبث اور بے وجہ ہوتی تو بیشک اس عقیدے کو ماننے کی گنجایش ہوسکتی لیکن حال یہ ہے کہ اس دنیا مین اُس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی عبث نہین ہے اس لیئے یہ خیال ہرگز قرین قیاس نہین کہ اُس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یعنی ان تمام تغیرات کو موجود کرنا عبث اور سلسلہ علّیت سے خارج ہوگا۔ غرض پہلے احتمالون مین کسی ذات کا بغیر علّت کے پیدا ہونا لازم آتا تھا اور اس احتمال مین ذات اگرچہ قدیم ثابت ہوئی مگر اُس کا سب سے بڑا انقلاب جس مین غیر محسوس محسوس اور غیر محدود محدود ہوگیا بے علت رہا۔ قصہ مختصر اس عالم کا وجود ہر احتمال مین معلول بے علّت ثابت ہُوا اس سبب سے یہ احتمال بھی اگرچہ پہلے احتمالون سے بالاتر ہے مگر اس نقص کے سبب قابل تسلیم نہین *

سوامی ویکانند ایک اور موقع پر بھی یہی سوال پیدا کرتے ہین[۵۱] کہ جب ایک ہی ہستی سب ظہور کرتی ہے تو وہ تکلیف کیون اُٹھاتی ہے اور ذلیل و ناپاک کیون ہوتی ہے؟ اور جواب دیتے ہین کہ آفتاب یکسان چمکتا ہے لیکن کسی کے نقصان بصارت سے جو تاریکی یا مختلف رنگ نظر آتے ہین وہ آفتاب پر عیب نہین لگا سکتے اسی طرح وہ مکمل ہستی جسمانی نقصون سے عیب دار نہین ہوسکتی اور اسی طرح ایک اور

۵۱ کتاب گیان یوگ باب ہشتم ۱۲

جگہ لکھتے ہیں[1] کہ وحدت کثرت کیوں ہو گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اب بھی وحدت ہی موجود ہے اور کثرت صرف بیرونی طور پر ہے۔

لیکن آفتاب کی نظیر سے اور کثرت کو محض نمائشی ماننے سے یہ عقدہ اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ اس لطیف ہستی کے سوا کوئی کثیف ذات موجود ہو جس پر اُس کا نور وحدت چمکے اور دوسری ذات کی کثافت اور کثرت کے سبب سے وہ ظاہر میں کثیف اور کثیر معلوم ہو۔ حالانکہ اس عقیدے کے رو سے عالم کی یہ صورت نہیں ہے بلکہ ذات ہر حال میں ایک ہی موجود مانی گئی ہے اور جسم یا اُن کے خیال کے مطابق مایا کوئی ذاتی وجود نہیں رکھتی اور اس لیے کثرت یا عیب جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب اعراض یا صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ عرض او صفت بغیر کسی ذات کے موجود نہیں ہو سکتی اسلئے وہی ایک ذات ہو گی جو پہلے غیر محدود و غیر محسوس وغیرہ صفات سے متصف تھی اور اب محدود محسوس اور ہر طرح کی ناقص صفات سے موصوف ہے۔ غرض ذات ایک مانکر صفات بیرونی ہوں یا اندرونی اُن کا محل ہر حال میں وہی ذات ہو گی اور آفتاب کی نظیر اس پر صادق نہ آئیگی کیونکہ یہاں جن چیزوں پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے وہ آفتاب سے علیحدہ ہیں اور اسی لیے انکا نقص آفتاب کے نور کو عیب دار نہیں کرتا۔ البتہ اگر محض آفتاب موجود ہوتا اور اس حالت میں اُس کی شعاع کبھی نورانی اور کبھی تاریک ہو جاتی تو بیشک ایک نظیر موجود ہوتی لیکن اس صورت میں شعاع کا تاریک ہونا بھی آفتاب ہی کا نقص ماننا پڑتا۔

وحدت وجود کے لیے کیا تشبیہیں ہو سکتی ہیں۔	مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنے کی یوں بھی کوشش ہو سکتی ہے کہ اگر اُس ذات کو دریا سے تشبیہ دی جائے اور تعیّنات عالم کو دریا کی لہریں فرض کیا جائے

یعنی دُنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک حصہ مانا جائے تو وہ ذات ایک جسم کی طرح طول عرض وغیرہ جسمانی صفات سے متصف ہو گی اور صاحب اجزا ہونے کے سبب سے بیم نہ ہوگی اور اس صورت میں یہ احتمال بھی دوسرے لفظوں میں محض مادہ کا اپنی لطیف تر حالت میں قدیم ہونے کا احتمال ہو گا۔ اور اگر اس تشبیہ کو ناقص سمجھا جائے اور واقع میں وحدت وجود کے نقطہ خیال سے یہ تشبیہ ہے بھی ناقص۔ کیونکہ وہ

[1] کتاب گیان یوگ باب یازدہم۔

لوگ دُنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک جزو یا حصہ نہیں مانتے بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز بلکہ ہر ذرہ میں اُس کا کامل ظہور ہے تو اِس صورت میں اُس ذات مطلق کی نظیر انسان یا دیگر امور کلیہ کو ماننا چاہیئے کیونکہ انسان بھی ایک ہستی مطلق ہے اور اپنے ہر فرد یعنی زید عمر خالد وغیرہ میں وہ کامل طور پر موجود ہے یعنی افراد کو انسان کا ایک حصہ نہیں کہتے بلکہ ہر شخص کو پورا انسان کہتے ہیں۔ لیکن ایسا مطلق ماننے میں یہ قباحت ہے کہ ایسی ہستی مطلق مثلاً انسان محض اپنے افراد میں موجود ہو سکتی ہے اور افراد سے باہر اُس کا کوئی وجود نہیں یا یوں کہا جائے کہ محض زید و عمر کا وجود ہے جس سے انسان کی ہستی مطلق کو خیال کرنیوالے کا ذہن استنباط کرتا ہے ورنہ خارج میں زید عمر وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں اور اسلیئے جب زید و عمر وغیرہ تمام افراد معدوم ہوں اُس وقت انسان بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح پر وہ ذات جس کو مطلق مانکر دُنیا کے تعینات کو اُسکے افراد مانا جاتا ہے اُسکا وجود بھی خارج میں محض دنیا کی ساطت سے ہوگا اور یہ تعینات چونکہ یقیناً حادث ہیں اس لیئے جس زمانے میں انکو معدوم فرض کیا جای اسوقت خدا بھی موجود نہ ہوگا اور لازم آئیگا کہ وہ ذات اس عالم کی علت اور فاعل نہیں ہے بلکہ خود ایک طرح سے معلول اور اپنے وجود کیلیئے وجود عالم کا محتاج ہے اور اس صورت میں پھر عالم کو موجود کرنے کیلیئے جس سے وہ ہستی مطلق بھی وجود کی عزت حاصل کرے کسی اور فاعل کی تلاش ہوگی اور چونکہ اسکے سوا کوئی اور فاعل مانا نہیں جاتا اسلیئے اس صورت میں بھی معلول کا بغیر علت کے موجود ہونا لازم آئیگا۔

اور اگر یہ تمثیل بھی غلط قرار دی جائے اور خدا کو نہ دریا کی طرح تمام مظاہر کا مجموعہ مانیں اور نہ انسان کی طرح تمام افراد کا امر مشترک سمجھیں اور پھر بھی یہ خیال کریں کہ وہی ایک موجود ہے اور تمام مظاہر میں جلوہ کرتا ہے تو یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اگر صحیح ہو تو اجتماع نقیضین اور دیگر تمام ناممکن دعوے بھی صحیح ہونگے کیونکہ نظیر نہ اُسکی موجود ہے اور نہ اُنکی۔ اور بے دلیل ماننا ہو تو اُلٹا سیدھا سب کچھ مانا جاسکتا ہے۔

غرض محض ایک ذات کو موجود ماننا اور باقی کو اُسی کی صورتوں میں جلوہ گر فرض کرنا ہر طرح سے ویسا ہی ناقابل عقل ہے جیسے محض مادہ کو قدیم سمجھنا یا بغیر فاعل کے تغیرات عالم کا ظہور پذیر ہونا اور یہ خیال قائم کرنے کے لیئے دُنیا میں کوئی نظیر موجود نہیں۔

پیدائش

نیست سے ہست ہونا۔ کیا نیست سے ہست ہونے کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ نظیر کی تلاش مین کوتاہی ہوئی ہے۔ خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے۔ خیالی مخلوق قابل لمس اور روزمرہ ہوتی ہے۔ خیالی مخلوق دوسرون کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ نیست سے ہست کرنیوالے مین شعور کی صفت ہونی چاہیئے۔ خیال کی پیدائش مادہ اوصاف رکھتی ہے جو مادی مخلوق مین ہین معلول حادث اور علت قدیم۔ وحدت شہود۔ علم کے لیئے کوئی معلوم ہونا چاہیئے علم کس کس چیز کا ہوسکتا ہے۔ خدا کا علم کیونکر خیال مین آسکتا ہے۔ خدا کی ہمیشگی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔ خاص سے عام کیطرف جانا قانون قدرت ہے۔ خدا کو ماننے سے انسان ذلیل ہوجاتا ہے۔ مسٹر بریڈلا کا اعتراض کہ دنیا جیسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہین دیکھی۔ ثبوت باریتعالیٰ کو ضعیف کرنیکے اسباب۔ لامحدودیت۔

نیست سے ہست ہونا

ترتیب احتمالات کے رو سے یا کم از کم میرے علم مین اب صرف ایک احتمال باقی ہے اور وہ یہ کہ کسی ہستی بے کیف نے اس عالم کو نیست سے ہست کیا ہے۔

کیا نیست سے ہست ہونیکی کوئی نظیر موجود نہین؟

اس خیال کو دل مین جگہ دینے کے وقت سب سے پہلے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ محض نیست ہست کیونکر ہوسکتا ہے اور تلاش ہوتی ہے کہ آیا دنیا مین اسکی کوئی نظیر موجود ہے؟ اس تلاش مین دنیا کے اکثر واقعات پیش نظر آجاتے ہین مگر کسی مین کوئی چیز محض عدم سے وجود مین آتی معلوم نہین ہوتی بلکہ ایک ہمیشہ رہنے والا مادہ مختلف شکلین بدلتا نظر آتا ہے درخت اگتا ہے تو وہ کوئی نئی چیز نہین ہوتی بلکہ تخم اور اجزاے زمین نئی شکل مین جلوہ گر ہوجاتے ہین جاندار پرورش پاتا ہے تو وہ نیست سے ہست نہین ہوتا بلکہ نطفہ اور خوراک کی شکل مین انقلاب ہوجاتا ہے نجار کرسی بناتا ہے یا درزی کورٹ سیتا ہے تو صرف مو اشیا کو نئی شکل دیتا ہے۔ غرض ایسے ہی واقعات

ہیں جن سے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی چیز ہے جو ہمیشہ موجود رہتی ہے اور صرف اُس کے اعراض میں انقلاب ہو سکتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز محض عدم سے وجود میں آئے۔

نظیر کی تلاش میں کوتاہی ہوئی ہے

مگر کیا ہمنے تمام تغیرات کو دیکھ لیا اور کیا کسی تغیر میں نیست سے ہست نظر نہیں آتا؟ شاید ایسا ہی ہو مگر ابھی تک ہماری تلاش ضرور ناقص ہے ہمنے اگرچہ تمام شہر میں ڈھنڈورا اپیٹ لیا ہے مگر اپنی گود کو دیکھنا باقی ہے یعنی بے شعور چیزوں کو شعور والا انسانوں کو دیکھا لیکن خود شعور کو نہیں دیکھا اور اگرچہ اِس اعتراض کا خیال بڑے بڑے کے دل میں پیدا ہوا ہے لیکن افسوس ہے کہ کسی نے خود خیال کی طاقت کو نہیں آزمایا کہ وہ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے اور علمی کارناموں میں شاید اِس سے زیادہ تعجب انگیز کوئی امر نہ ہوگا کہ جس چیز سے روزمرہ کام لیتے ہیں اسی کی ایسی خاصیت کو نہیں دیکھتے جو کم و بیش ہر شخص میں موجود ہے۔

خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے

خیالی طاقت کا سب سے کمتر ظہور رعب کا اور قریباً ہر شخص کو نظر آتا ہے جب کوئی شخص تنہا اور بالخصوص تاریکی میں ہو اور کسی چیز کا خوف نہایت شدت سے پیدا ہووے تو ایسے وقت میں جس چیز کا خوف ہے وہ اکثر پیدا ہو جاتی ہے شیر کا خوف ہے تو شیر کی شکل دانت نکالے ہوئے حملہ کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے دیو کا خیال ہے تو ایک بلند اور مہیب بت آنکھیں چمکاتا ہوا اور ہاتھ بڑھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ خوف زدہ انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ رہائی ناممکن ہے کسی وقت بے اختیار آنکھیں بند کر لیتا ہے کبھی بھاگتا ہے اور کبھی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی دل گردہ رکھتا ہو اور اس نے اس خیال کو دور کر کے پھر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

خیالی مخلوق قابل لمس اور وزندار ہوتی ہے۔

پس کیا اس وقت نظر آنے والا نیست سے ہست نہیں ہوا؟ البتہ اِس وقت تک ایسی چیز کا محض نظر پر اثر کرنا معلوم ہوا ہے مگر اس سے بڑھ کر بعض انسانوں کو سوتے میں اور بالخصوص کسی مرض کی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھاری انسان نے اس کو دبوچ لیا ہے۔ ایسی حالت میں مریض اکثر بیدار ہو جاتا ہے اور بیداری اور ہوش میں بھی کچھ دیر تک خیالی اثر قایم رہتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ پشت پر فلاں جگہ اس کا سر ہے اور

فلان مقام پرچھپا تی اور فلان فلان جگہ اُسکی موٹی موٹی انگلیون سے دبی ہوئی ہے اور وہ ہلنا چاہتا ہے ہلا نہین جاتا۔ بولنا چاہتا ہے بولا نہین جاتا۔ تھوڑی دیر مین خواب کی خیالی قوت ختم ہوتی ہو اور دیکھتا ہے تو چارپائی پر اس کے سوا کوئی نہین۔ یہان ایسی چیز ثابت ہوئی ہو جس مین وزن بھی ہے اور جس کو پیدا کیا گیا ہے اُسے قوت باصرہ نے دیکھا اور قوت لامسہ نے چھوا اور کم وبیش اکثر اشخاص کو اُس کا تجربہ ہے۔

خیالی مخلوق دوسرون کو بھی محسوس ہوتی ہے

مگر ان مثالون مین اپنے خیال نے خود اپنے تئین ایسا نظارہ دکھایا ہے لیکن اس سے بڑھکر ایسے واقعات بھی نہایت کثرت سے پیش آتے ہین جن مین قوت خیال نابود کو بود کرتی ہے اور دوسرون کو دکھاتی ہے اور نہ صرف قریب والون کو بلکہ بڑے بڑے فاصلہ پر یہ غیر مادی شکلین نظر آتی ہین اور نہ صرف کسی ایک آدھ کو بلکہ بعض اوقات بہت سے لوگون کو اس کا تجربہ ہوتا ہے اور اس طاقت کا ظہور نہ صرف اتفاقًا ہوتا ہے بلکہ ایسی نظیرین موجود ہین جن مین کسی شخص نے اپنے ارادہ سے خیالی وجود کسی فاصلہ پر اور وہ بھی ایسے شخص کو دکھایا ہے جسکو پہلے سے اس قسم کا خیال نہ تھا۔

سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ نے روحانی مظاہر کی تحقیقات مین جو واقعات خیالی قوت ظاہر ہونے کے جمع کئے ہین اُن مین سے بہت سے مسٹر پڈمور نے اپنی کتاب کے ایک باب مین لکھے ہین[1]۔ چنانچہ بعض مین کسی مرنے والے کو جس عزیز کے دیکھنے کی حسرت ہو اس عزیز کو کسی فاصلہ پر اسوقت مرنے والے کی شکل نظر آئی ہے۔ بعض مین مرنے والے کے پاس تیمارداروں نے اس کے کسی عزیز کو دیکھا ہے جس کو مرنے والے کا خیال دامنگیر ہے مگر اُس کے پاس نہین آسکتا اور تیمار دارون نے جس شکل کو اور جس قسم کے لباس کو دیکھا ہے وہ پہلے اس سے آشنا تھے مگر بعد مین ملاقات کے وقت یہ باتین صحیح ثابت ہوئی ہین بعض مین کسی دوست کی شکل دیکھی ہے مگر اُس کا لباس ایسا نظر آیا ہے جس کا پہلے سے علم نہ تھا اور بعد مین صحت ہوئی ہے کہ اُس وقت نظر آنے والے کا واقعی وہی لباس تھا۔ اور بعض

[1] کتاب سٹڈیز ان سائیکیکل ریسرچ باب ششم

ہین کسی شخص نے کسی فاصلہ پہ خود کسی دوست کو اپنی شکل دکھانے کا ارادہ کیا ہے اور اسکو نظر آیا ہے اور یہ سب بیداری میں اور روشنی مین نظر آئے ہین بلکہ بعض اوقات برقی روشنی مین یا دن کے وقت دکھائی دئے ہین۔ اور ان کے بعد وہ ایسے واقعات جمع کرتے ہین جن مین بہت سے لوگون کو کسی کی خیالی طاقت کا جلوہ نظر آیا ہے۔ چنانچہ ان واقعات کی تمہید مین لکھتی ہین کہ :۔

"یہان تک وہی روحانی نقش ذکر ہوئے ہین جو ایک شخص کو معلوم ہوئے اور اکثر ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ محض ایک شخص کو تنہائی مین نظر آتے ہین کیونکہ دوسرون کی موجودگی مین جو دماغی مصروفیت ہوتی ہے وہ اکثر حالات مین ان واقعات کے لیے مناسب نہین مسز ھرلی کا واقعہ جو اوپر درج ہوا ہے (جسمین ایک شخص کو دوسرون کی موجودگی مین مرنے والے کی شکل نظر آئی تھی) ایک مستثنیٰ واقعہ ہے[۵]۔ لیکن تاہم ایسا بھی واقعہ ہوا ہے کہ ایک ہی خیال دو یا زیادہ شخصون کو نظر آیا ہے اور بعض دفعہ وہ معلوم کرنے والے خود ہی ایک دوسرے سے فاصلہ پہ ہوئے ہین اور دونون کو یہ خیال مختلف وضع سے نظر آیا ہے مثلاً سر گلا رنس جونس مقام بروسنڈ ایڈ منڈز مین تھے اور ان کے بھائی ویسٹ منسٹر مین جبکہ انھون نے اپنے والد کے وفات کی شب کو غیر معمولی تجربہ دیکھا۔ سر گلا رنس اس آواز سے چونکے کہ "ایک خوفناک واقعہ پیش آیا ہے" اور مسٹر ھربرٹ جونس جو بیمار تھے انھون نے اپنا نام دو دفعہ سنا اور ایک بھاری چیز سیڑھیون سے گرتی ہوئی سنائی دی۔ اور دیگر واقعات مین (اور اکثر اسی قسم کے ہوتے ہین) معلوم کرنے والے ایک جا جمع ہوتے ہین اور عموماً خیال بھی ایک ہی شکل مین نظر آتا ہے۔ اگر کوئی ایک شکل کو دیکھتا ہے تو سب وہی شکل دیکھتے ہین اور اگر ایک آواز سنتا ہے تو دوسرے بھی آواز ہی سنتے ہین چنانچہ سائیکس کی رپورٹ مین مجمع اشخاص کے ۹۵ نظارے لکھے گئے ہین جن مین سے ۶۷ انسانی شکلون کے تجربے ہین اور ان مین ۲۷ ایسے واقعے ہین جن کے نظر آنیوالے زندہ اشخاص تھے"

[۵] ایسے واقعات دیگر ابواب مین مسٹر ہڈسن و مسٹر ایڈ ورڈ نے لکھے ہین۔

اور اس کے علاوہ اور واقعات جن میں کسی خاص مقام پر کوئی شکل عموماً نظر آتی ہے اور جس کو دیکھنے والے جن کہتے ہیں یا مُردوں کی رُوح فرض کی جاتی ہے ایسے واقعات کو وو یا تین میں جمع کرکے مسٹر پڈ مور اپنے استدلال سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ عموماً خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے اور بعض جگہ جہاں کے لوگوں کو جنات پر یقین ہو سب کی خیالی طاقت اس شکل کو پیدا کرتی ہے اور بعض جگہ کسی ایک شخص کا خیال پیدا کرتا ہے اور دوسرے اس کے خیال کو محسوس کرتے ہیں۔

مسٹر جے ہڈسن اپنی کتاب میں ایک عنوان "اشکال مردگان" کا قائم کرتے ہیں اور اس میں لکھتے ہیں[۲]:۔

"یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے کہ انسان کی رُوح میں خیالی جسم پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے جو دوسروں کے ظاہری حواس کو نظر آسکے اور بہت سے واقعات ہیں جن میں ایک ہی وقت پر بہت سے شخصوں نے خیالی اجسام دیکھے ہیں اور اکثر اس طرح نظر آئے ہیں کہ دیکھنے والے پوری صحت اور معمولی حالت میں تھے۔ اور ایسی چیزوں کو نہ صرف انسانی نظر محسوس کرتی ہے بلکہ وہ ایسی مجسم اور نمایاں ہوتی ہیں کہ انکا عکس اُتارا جاسکتا ہے۔ گریہ پیدا اسی وقت ہوتی ہیں جب خیال پوری قوت سے عمل کرے اور چونکہ ایسی قوت بڑی آرزو کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی آرزو انسان کو مرنے کے وقت اپنے عزیزوں کو دیکھنے کی ہوتی ہے اور خصوصاً ایسے لوگوں کو جو تنہائی میں ناگہانی یا ظلم کی موت سے مریں اس وقت سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش ان کے دوستوں کو اس واقعہ کا علم ہوتا اور وہ اسکا تدارک کرتے اس لیے یہ واقعات بیشتر مرنے والوں ہی کے دیکھے گئے ہیں اور انکی اس وقت کی حسرت ان کے خیال کو مجسم کرکے انکے عزیزوں کو دکھا دیتی ہے یا کسی عرصہ تک اس نواح میں نظر آتی رہتی ہے جہاں موت واقع ہوئی ہو۔ اور اسی وجہ سے اکثر رنجیدہ غمگین اور افسردہ نظر آتی ہیں کیونکہ اس

لہ باب نہم و دہم کتاب سٹڈیز۔

[۲] کتاب لا آف سائیکک فینامنا باب بستم خلاصہ۔

وقت کا خیال بالطبع افسوسناک ہوتا ہی اور اگرچہ بعض اوقات زندہ لوگوں کی شکلیں بھی نظر آتی ہیں مگر اُن کی طاقت کسی قدر کم ہوتی ہے اور سبب یہی کہ اُنکی حسرت اس درجہ کی نہیں ہوتی جیسی مرنے کے وقت ہو سکتی ہے"

مُردے کی شکل نظر آنے پر ایک گمان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہ خیالی قوت نہ ہو بلکہ خود مُردے کی رُوح نظر آتی ہو لیکن جن حالات میں زندہ شخص کی تصویر دوسرے مقام پر نظر آتی ہے یا جس وقت کسی شخص نے اپنے ارادہ سے کوئی شکل دوسرے کو دکھائی ہے اُس وقت خود روح کے جانے کا گمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مسٹر ہڈسن مُردے کی شکل کو بھی خیالی قوت کا اثر ثابت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

"عموماً مُردوں کے ساتھ اُنکا لباس اور کبھی گاڑی گھوڑا بھی نظر آیا ہے اور اس حال میں جب گاڑی گھوڑے اور لباس کی رُوح نہیں فرض کر سکتے اور یہ عقدہ صرف خیالی قوت کے اثر سے حل ہوتا ہے تو انسان کی روح ماننے کی کوئی وجہ نہیں"

مگر اس بحث کو طول دینے کے بغیر بھی زندہ اشخاص کا تجربہ خیالی قوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ جو لوگ ارواح کا باقی رہنا اور ایک طرح کے جسم میں جس کو وہ اسٹرل باڈی کہتے ہیں داخل ہونا مانتے ہیں وہ بھی انسان کی خیالی قوت سے انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ تھیوسافیکل سوسائٹی کے مشہور ممبر مسٹر لیڈ بیٹر جو قیام ارواح کے بڑے حامی ہیں اپنی کتاب کا ایک باب خیالی اجسام کے ذکر میں تصنیف کرتے ہیں اور ایسے واقعات کو کثرت کے ساتھ جمع کر کے جن میں صرف خیال کا اثر مانا جا سکتا ہے خیالی جسم اور اسٹرل جسم میں یہ فرق بتاتے ہیں کہ[1]

آسٹرل جسم اُسوقت دوسروں کو نظر آسکتا ہے جبکہ خاکی جسم موت کے سبب ناپید ہو گیا ہو یا سخت مرض یا غلبہ خواب کے سبب بیکار ہو اور جس وقت خاکی بیداری اور قوت کی حالت میں ہو اس وقت اگر وہ دوسروں کو کسی اور مقام پر نظر آئیگا تو خیالی جسم ہوگا"

نیست سے ہست کرنیوالی میں شعور کی صفت ہونی چاہئے

غرض دنیا کی اور چیزوں میں اگرچہ دیکھا جاتا ہے کہ تغیرات میں ایک شئی باوجود [illegible] موجود رہتا ہے مگر اُن جسموں میں جو کچھ تغیرات کے وقت [illegible]

[1] کتاب [illegible]

پھرتے ہیں یا سوتے میں خوفناک وزن کے ساتھ ہم کو دبا لیتے ہیں اور بیداری میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتے یا جو فاصلہ پر لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ پھرتے ہیں۔ کبھی اشارہ کرتے ہیں۔ کبھی منہ سے بولتے ہیں اور ان کی حرکات اور آواز کو ہم اپنے جسمانی حواس سے دیکھتے اور سنتے ہیں اور ان کا اثر نہ صرف انسان کو محسوس ہوتا ہے بلکہ خیال قوی ہونے کی صورت میں عکسی آئینہ بھی ان سے متاثر ہو جاتا ہے یہ ایسے اجسام ہیں جو کسی فاعل نے نیست سے ہست کر دیئے ہیں[1]۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوا کہ ایسا فعل صرف شعور کی طاقت ہی کر سکتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ تغیرات عالم کو دیکھ کر اور ان کے متعلق تمام احتمالوں میں معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آنے پر ہم جس علت اولیٰ تک پہنچے ہیں آیا اس میں علم و شعور کی صفت ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ سو جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے تمام مظاہر میں ایک خاص مدعا اور انجام کو مدنظر رکھا گیا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک واقعہ پیش بینی اور مآل اندیشی کے طور پر آغاز ہوا ہے اور خواہ نتائج اور فائدے کیسے ہی لمبی ترتیب اور کتنے ہی بڑے عرصہ میں ظاہر ہوتے ہوں مگر ہر چیز کی فطرت میں وہ قابلیت پہلے ہی رکھ دی گئی ہے جس کا ظہور لاکھا سال کے بعد ہوتا ہے اور اس امر واقعہ سے منکرین خدا کو بھی انکار نہیں ہو سکتا[2] تو معلوم ہوتا ہے کہ جس ہستی سے یہ مظاہر پیدا ہوئے ہیں وہ صفت علم سے متصف ہے اور نیز یہ کہ اگر وہ موجود ہے اور علم کی صفت بھی رکھتی ہے تو چونکہ اس کے کام انسان کے کاموں سے بے انتہا عظمت اور قوت رکھتے ہیں اس لیے اس کا علم و شعور بھی انسانی شعور سے بے انتہا زیادہ ہوگا۔ اور جب انسان اپنے خیال سے نظر میں آنے کے لائق جسم بغیر مادہ کے پیدا کر سکتا ہے تو وہ ہستی بھی اپنے

---

[1] مسٹر ریڈی کا کے سامنے نیست سے ہست کرنے کی مثال میں شدہ خیالات نئی حرکات اور جسمانی چیزوں کے نئے نمونے پیش کئے گئے تھے جن کے جواب میں وہ لکھتے ہیں (روزی فکس ٹکسٹ بک صفحہ ۲۹ مطبوعہ ۱۸۹۶ء) کہ یہ چیز کا پیدا کرنا نہیں بلکہ صفت کا پیدا کرنا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ خیالی اجسام کو کسی نے پیش نہ کیا ورنہ وہ دیکھتے کہ یہاں کسی موجود چیز کی صفت پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود چیز کو نیست سے ہست کر دیا گیا ہے۔

[2] ڈاکٹر ہیل استدلال محققین کے نام سے اس صفت کو امور دنیا میں مسلم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک واقعہ ایسا ہے جس سے خدائی سبب گمان غالب پیدا ہوتا ہے (ملاحظہ ہو لیکچر ۳ مبحث مذکور)

علم سے بغیر مادہ کے نظر مین آنے کے لائق اشیا سے بڑھکر پیدا کرسکتی ہوگی اور جب انسان ایسے بے مادہ جسم کو مس کرنے کے لائق اور حرکت کرنے اور بو سے لینے کے لائق بنا سکتا ہے تو وہ ہستی بھی ان اشیاء کو انسان سے بہت زیادہ محسوسیّت حرکت آواز اور اثر کے لائق بنا سکتی ہوگی۔

خیال کی پیدائش وہی اوصاف رکھتی ہے جو مادی مخلوق مین ہین

پس علم خدا سے بغیر مادہ کے پیدا ہونے کی نظیر خود انسان کے اندر ایسی موجود ہے کہ اس مین اور انقلابات عالم مین تفاوت محض درجہ کا ہے نہ قسم کا۔ کیونکہ اگر خیالی جسم محسوس نہین ہوتا بلکہ محض اسکی شکل وزن یا آواز محسوس ہوتی ہے تو اسی طرح کائنات کا مادہ بھی کبھی براہ راست محسوس نہین ہوتا اور صرف اُس کا رنگ وزن اور دیگر صفات محسوس ہوتی ہین اور جس طرح یہان صفات سے مادہ پر استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح شکل وزن وغیرہ سے خیالی جسم پر استدلال ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خیالی جسم معدوم ہو جاتا ہے مگر دنیوی مادہ معدوم نہین ہو سکتا تو یہ بھی ایک دعویٰ ہوگا کیونکہ خیالی جسم بھی جبھی معدوم ہوتا ہے کہ خیالی طاقت ختم ہو جاے یا خود خیال کرنیوالا اپنے خیال کو بدل دے یا بعض حالات مین کوئی ہی قوت کا دوسرا خیال مخالف اثر پیدا کرے۔ ورنہ ان حالات کے بغیر اگر کوئی دوسرا شخص کسیکی خیالی تصویر کو نابود کرنا چاہے تو نہین ہو سکتی اور اسی لئے تجربہ ہوا ہے کہ بعض اوقات کوئی خیالی جسم سالہا سال تک قایم رہا ہے اور لوگون کے بنائے کچھ نہین بنی اور یہی حال مادہ کا ہے کہ وہ بھی ہماری ضعیف قوّت سے معدوم نہین ہو سکتا کیونکہ ہم سے بے انتہا زیادہ قوی ہستی نے اُسکو موجود کیا ہے۔ اور جس علم نے اسے موجود کیا ہے وہ اگر چاہے تب بھی معدوم نہ ہو سکیگا اسکی کوئی دلیل نہین۔

غرض انسان آنکھ کھول کر دوسری چیزون کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خود اپنے تئین نہین دیکھتا اور اُسکی قدرت کے نشان اس عالم اصغر یعنے انسان مین بہ نسبت عالم اکبر سے زیادہ نظر آسکتے ہین

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ	زمین پر یقین کرنے والون کے لئے نشان ہین اور
أَفَلَا تُبْصِرُونَ (ذاریات پارہ ۲۶ ع ۱)	خود تمہارے اندر ہین۔ کیا تم نہین دیکھتے۔
سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ	ہم ان کو اپنے نشانات دنیا مین دکھاتے ہین اور خود ان کے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط — نفسوں میں تا اُن کو معلوم ہو کہ وہ ذات حق ہے۔

(حٰم سجدہ پارہ ۲۵ ع ۱۹)

معلولِ حادث اور علّتِ قدیم

ان نظائر کو دیکھتے ہوئے اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح پر انسان چھوٹے پیمانہ پر اپنی خیالی طاقت سے انسان کا اور اُسکے لباس اور دیگر اشیا کا جسم اور جسم کے خواص یعنی محسوسیّت وغیرہ کو نیست سے ہست کر دیتا ہے اسی طرح پر خدا نے بڑے پیمانہ پر اپنی علمی طاقت سے مادہ اور اس کے خواص کو پیدا کر دیا ہے مگر ابھی اس خیال کو صحیح سمجھنے سے پہلے چند اور امور کا لحاظ کرنا بھی ضرور ہے از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ خدا قدیم ہے اسلئے اگر وہ اور اس کا علم اس عالم کی علّت ہو تو لازم تھا کہ عالم بھی قدیم سے ہوتا حالانکہ عالم جو ہم دیکھتے ہیں اسکے حادث ہونے کی علامات خود اس کے اندر بیشمار موجود ہیں اور اگر اس عالم کے بننے اور بگڑنے کے سلسلہ کو دراز کیا جائے اور کہا جائے کہ موجودہ عالم سے پہلے بھی بیشمار عالم بن بن کر تباہ ہو چکے تو اول تو اس عالم میں اسکی شہادت موجود نہیں اور دوسرے اس سے پیشتر کے مفروضہ عالم چونکہ بن بن کر فنا ہو گئے ہیں اسلئے وہ بھی ضرور حادث ہونگے کیونکہ قدیم کے فنا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اسلئے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی وقت میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے پس اس شروع کے وقت کا خیال جا کر معترض ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے نابود تھی اسکو موجود کرنے کی علّت کیا ہوئی اور اگر کہا جائے کہ خدا ذی ارادہ ہے اس لیے ایک وقت پر اس نے اپنے ارادہ سے عالم کو پیدا کر دیا تب بھی سوال ہوتا ہے کہ اس وقت پر ارادہ کے پیدا ہونے کا کیا سبب ہوا۔ اور اس بنا پر اگرچہ خدا قدیم ہے اور اگرچہ اسکی علمی قوت نیست سے ہست کرنے کے لئے کافی ہے مگر پھر بھی نیست سے ہست ہونے کی صورت پر سے اعتراض دور نہیں ہوتا۔

اس اعتراض کو ہمارے زمانہ کے ایک بڑے فاضل[1] نے لاینحل مانا ہے اور بظاہر ان الفاظ میں شوکت بھی ایسی ہے کہ عقل ایک دفعہ ضرور چکر کھا جاتی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ وہی بزرگ اس اعتراض کو وحدت وجود کے مسلک پر حل شدہ گردانتے ہیں حالانکہ غور کیا جائے تو وحدت وجود کو ماننے پر یہ اعتراض اور بھی قوی

[1] یعنی علامہ شبلی نعمانی۔ ملاحظہ ہو تذکرہ مولانا روم۔ بحث وحدت وجود۔

ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تعینات جن مین وحدت وجود والے خود ذات باری کو ظہور کرتے ہوے مانتے ہین وحدت وجود کو مان کر بھی حادث ہین اس لئے نیست سے ہست کرنے مین تو اتنا ہی اعتراض تھا کہ جب پہلے نہ کیا تھا تو اس وقت ایسا کیون کیا مگر وحدت وجود کی صورت مین ایک تو یہی سوال باقی رہتا ہو کہ جب پہلے تعینات کو اختیار نہین کیا تھا تو اس وقت کیون کیا؟ اور دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی کامل اور مطلق ذات کو نقص اور قید کی آلائشون سے کیون آلودہ کیا اور ناقص چیز کو پیدا کرنا تو پھر بھی کمتر ہے وہ ذات خود کیون پاک سے ناپاک ہو گئی۔ اسلئے اگر یہ اعتراض پیدا کرنے کی صورت مین لاینحل ہے تو ذات کے ظہور کرنے مین لاینحل سے بھی بہت بڑھکر ہے۔ مگر اب ہم دیکھتے ہین کہ اس اعتراض مین کس قدر قوت ہو۔

اس اعتراض کی بنا اس مسئلہ پر ہے کہ جس وقت کوئی کامل علت موجود ہے اس کے معلول کو بھی اسی وقت موجود ہونا چاہیئے اور اگر معلول اسی وقت موجود نہ ہو بلکہ کچھ عرصہ بعد ہو تو ایسے معلول کے لئے اس علت کو کامل نہین کہنا چاہیئے بلکہ کوئی اور علت بھی تلاش کرنی چاہیئے مثلاً اگر حرکت حرارت پیدا کرنے کے لئے کامل علت ہے تو جس وقت حرکت موجود ہو اسی وقت حرارت بھی موجود ہونی چاہیئے اور اگر ہاتھ ہلاتے ہی حرارت محسوس نہین ہوتی بلکہ پہلے سردی معلوم ہوتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض حرکت کا وجود حرارت پیدا کرنے کیلئے کافی نہین بلکہ حرکت کا موجود ہو کر کچھ عرصہ تک قائم رہنا یا سخت حرکت کے بعد دفعتہً سکون پیدا ہونا یہ شرطین ہین جن کے ساتھ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس لیئے کامل علت اس صورت مین حرکت اور حرکت کا استمرار یا حرکت کے بعد سکون کا طاری ہونا ہو یہ کلیہ اگرچہ بالکل درست ہے مگر اسکو سمجھنے مین کسی قدر فروگذاشت بھی ہوئی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک اور مثال کی ضرورت ہو۔

ایک کاریگر کلاک بناتا ہے اور بنانے کے بعد اسکو چلاتا ہے اب اگر فرض کیا جائے کہ اس نے بارہ بجے کے پانچ منٹ پر کلاک کو کوک دی ہے تو وہ ٹک ٹک اسی وقت سے کرنے لگیگا لیکن ایک بجنے کی آواز کا فعل پچپن منٹ بعد پیدا ہوگا اور دو کی آواز پانچ منٹ کم دو گھنٹہ بعد اور علی ہذا بارہ

کی آواز پانچ منٹ کم بارہ گھنٹہ مین ظہور پذیر ہوگی - اب ظاہر ہے کہ کلاک کی ٹِک ٹِک کی علت
اور گھنٹون کی آواز کی علت وہی کاریگر اور اسکی کوک تھی مگر معلول ایک اسی وقت پیدا ہوگیا ہے
تو دوسرا کچھ عرصہ بعد - پس کیا مذکورہ بالا کلیہ اس وقت غلط ہوگیا ؟ اور کیا ثابت ہوگیا کہ معلول
علت سے کچھ عرصہ بعد بھی پیدا ہوا کرتا ہے ؟ نہین - وہ کلیہ غلط نہین بلکہ اسکی صورتین دو ہین
کبھی تو ایک علت کے بعد کسی دوسری مستقل علت کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی کامل علت ایک
ہی ہوتی ہے مگر فعل کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اسکا ظہور کچھ عرصہ کے بعد ہو چنانچہ کلاک کی فطرت
ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بجنے کی آواز ضرور ہی کسیقدر دیر مین پیدا ہو اور اگر فعل کی فطرت کو دوسری
علت کہا جائے تو اس مین کوئی مضایقہ نہین اور مضمون بحث کو سمجھنے مین دقت نہ ہوگی چنانچہ اس
عالم کو حادث مانکر اور اسکی کامل علت علم خدا کو گردان کر ہم کہ سکتے ہین کہ بیشک خدا قدیم ہے اور اسکی صفات
بھی قدیم ہین لہذا اسکا علم بھی قدیم ہے اور اسکا علم غلط نہین ہو سکتا ہم ہرگز کسی آنیوالے واقعہ کو غلطی سے سمجھ سکتے
ہین کہ وہ آج ہوگیا لیکن اگر خدا کا علم قدیم ہے تو اس کے یہی معنی ہین کہ وہ قدیم سے ہر زمانہ کو جانتا
ہے اور ہر زمانہ کی ہر چیز کو عین اسی زمانہ کے ساتھ جانتا ہے - اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہ دو سال بعد آنے والی
چیز کو جانتا ہو کہ دو سال پہلے گذر چکی یا اگر اس کو علم ہی جب ہوتا ہو جب کوئی چیز موجود ہو جائے تو وہ معاذ اللہ
عالم نہ ہوگا جاہل ہوگا حالانکہ دنیا کی ساخت شہادت دیتی ہے کہ اس کو ہر ایک نتیجہ کا پہلے سے علم ہے
اسلئے جب قدیم سے اسکا علم ہی اس طرح پر ہوگا کہ یہ کائنات ایک خاص وقت مین موجود ہونگی تو جس
طرح کلاک کے نیچر مین داخل ہے کہ گھنٹہ کی آواز چلنے کے بعد ایک خاص وقت پر ہو اسی طرح پر اس علم
کے نیچر مین داخل ہے کہ دنیا کا وجود علم کے بعد ایک خاص وقت پر ہو - اور جب آواز کے لیے کلاک
کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہین تو حادث دنیا کے لیے بھی علم کی فطرت کے سوا کسی
اور علت کی ضرورت نہ ہوگی پس خدا کہو - خدا کا علم کہو - علم کی فطرت کہو لفظون کا تفاوت ہوگا اور
مطلب ایک ہی رہیگا کہ ایک کامل ہستی نے دنیا کو نیست سے ہست کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ یون
کہو کہ کائنات اسکے علم مین قدیم سے تھی اور ظہور بعد مین ہوا جس طرح پر گھنٹہ کی آواز کلاک مین پہلے سے

تھی مگر اُس کا ظہور بعد میں ہوا[1] لیکن جس طرح پر انسان کی خیالی مخلوق جو کسی کو نظر آتی ہے خیال کرنے والے کی ذات کا عین نہیں ہوتی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہی انسان بعینہٖ اپنی تصویر اور اپنے لباس اور گاڑی گھوڑے کی تصویر بن گیا ہے بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ اُس نے ان چیزوں کو اپنے خیال سے پیدا کر دیا اور خود اُن کے ظہور کے لیے سرچشمہ بنا۔ اسی طرح خدا کے علم کی مخلوق اسکی ذات کا عین نہ ہوگی

---

[1] اس اعتراض کو ایک اور شکل میں مسٹر سپنسر نے پیش کیا ہے (کتاب فرسٹ پرنسپلز باب دوئم اقتباس مسٹر مین سل) کہ کامل علت ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ علت ہو تو علت بننے سے پہلے اس میں صفت کی کمی ہوگی جس کو علت بن کر پورا کیا۔ پس علت بننے سے پہلے مکمل نہ ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب بھی اس تقریر سے ہو سکتا ہے کہ جب کلاک کی طرح علم کی نیچر ہی یہ تھی کہ اسکی قوت مخلوقات کو ایک خاص وقت پر پیدا کرے تو اگرچہ اس وقت ایک کامل ہستی حادث مخلوقات کی علت ہوئی مگر اس عجیب طرز سے کہ مخلوقات کے موجود ہونے پر اسکی ذات میں کوئی اضافہ لازم نہیں آیا۔ کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اس کے علم کی یہی شکل تھی کہ مخلوقات ایک وقت پر موجود ہیں اور اس سے پہلے معدوم ہیں اور مخلوقات کو موجود ہونے سے پہلے بھی اسکا علم یہی ہے کہ مخلوقات ایک وقت پر موجود ہوتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے معدوم ہیں۔ غرض علم پہلے بھی مکمل تھا اور اب بھی اسی طرح کا مکمل ہے جس طرح کلاک گھنٹے کی آواز پیدا ہونے سے پہلے بھی مکمل تھا اور بعد بھی اسی طرح کا مکمل ہے اسلئے اس طرح کی علت ہونے اور نیز قدیم ہو کامل ہونے میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب امام غزالی علیہ الرحمۃ نے قریباً اسی طرح پر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (کتاب تہافۃ الفلاسفہ بحث قدم عالم) کہ جو شخص کہتا ہے کہ عالم حادث ہے اور وہ پیدا ہوا ہے خدا کے قدیم ارادہ سے اور ارادہ قدیم سے یہی تھا کہ ایک خاص وقت پر عالم پیدا ہوگا چنانچہ جبتک اُس کے ارادہ میں عالم کا عدم تھا وہ معدوم رہا اور جب وقت ارادہ میں عالم کا وجود تھا اسی ارادہ سے وہ موجود ہو گیا تو اس عقیدہ پر کیا اعتراض ہے؟۔ اور پھر خود ہی امام موصوف منکرین کی طرف سے اس عقیدہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حادث کے لئے کوئی موجب اور سبب ہوا کرتا ہے اور جس طرح پر حادث کا بغیر موجب اور سبب کے پیدا ہونا محال ہے اسی طرح ایسے موجب کا وجود بھی محال ہے جس کے تمام شرائط اور لوازم موجود ہوں حتے کہ کسی امر کا انتظار باقی نہ ہو اور پھر اُسکا معلول اس سے متاخر رہے۔ اور اسی وقت موجود نہ ہو

اور نہ کہہ سکیں گے کہ وہی ذات بعینہٖ ان تعینات میں جلوہ گر ہے بلکہ یہی کہا جائیگا کہ اُس نے ان چیزوں
کو اپنے علم سے پیدا کر دیا اور خود اُن کے ظہور کا سرچشمہ بنا اور یہاں وہ دِقّت پیش نہ آئیگی جو وحدت وجود میں
لازم آتی ہے کہ ایک کامل اور بے عیب ذات خود تعیّنات کے نقص اور عیوب سے آلودہ ہو۔ اور اگر کوئی وحدت
وجود کا حامی خدا کو اسی طرح کا سرچشمہ گردانتا ہو اور تعینات میں اُس کا ایسا ظہور فرض نہ کرتا ہو جس طرح پر انسان

پس عالم کیونکہ وجود سے پہلے ارادہ کرنے والا اور ارادہ موجود تھا اور اس ارادہ کا تعلق حادث سے موجود تھا اور ان میں سے
کوئی چیز ایسی پیدا نہیں ہوئی جو قدیم سے موجود نہ تھی۔ کیونکہ انہیں سے کسی کو پیدا ماننا خدا کی ذات میں
تغیرات کو ثابت کرنا ہے۔ تو اب ارادہ کا مُدعا یعنے عالم کیوں قدیم سے موجود نہ ہوا۔ حالانکہ عالم کے پیدا ہونے
کا وقت اور اس سے پیشتر کا وقت یکساں ہیں اور کسی وجہ سے تفاوت نہیں۔ اس اعتراض کے بعد امام صاحب
ایسے ارادہ کو جو قدیم سے ایک خاص وقت پر پیدا کرنے کے لیے ہو محال نہیں مانتے۔ مگر قاضی ابن رشد (کتاب
تہافتہ التہافتہ بحث قدم عالم) اگرچہ اصل اعتراض کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اپنے مسلک کے مطابق اس کا جواب
دیتے ہیں لیکن امام صاحب کے جواب کو سفسطہ اور دھوکا قرار دیتے ہیں اور متکلمین کی طرف سے جو اعتراض امام
صاحب نے پیش کیا ہے اس کو بیّن غایتہ البیان یعنے نہایت ہی صریح اور صاف بتاتے ہیں اور بیشک
اگر عالم کی پیدایش اسی طرح فرض کیجائے جیسی مادہ اور خدا دو کو قدیم ماننے سے لازم آتی ہے اور جیسے ہم کوئی مکان
موجودہ مصالح سے بنایا کرتے ہیں تو پہلے ہمارے دل میں اس کو ایک خاص وقت پر بنانے کا ارادہ ہوتا ہے
اور پھر اُس وقت کے آجانے پر عزم پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد فعل ظہور کرتا ہے جس سے مکان بن جاتا ہے
اور اس صورت میں پہلے ارادہ کے سوا مکان بنانے کے وقت ایک عزم نیا پیدا ہوتا ہے اور پھر ایک فعل
پیدا ہوتا ہے اگر خدا نے اسی طرح عالم کو بنایا ہو تو بیشک اسکی ذات میں عزم اور فعل کی نئی صفت پیدا ہوئی جو
پہلے سے نہ تھی۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے پیدایش عالم کی یہ صورت نہیں بلکہ اسکی پیدایش قوت علم سے ہے
اور تجربہ سے قوت علم کا یہ خاصہ ثابت ہوا ہے کہ اسمیں ایک خاص وقت کے لئے جس واقعہ کا خیال قائم ہو وقت آنے
پر وہ واقعہ موجود ہو جاتا ہے اور اسکے لئے کسی نئے عزم اور نئے فعل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس جب خدا کے
علم میں موجود تھا کہ ایک وقت پر عالم موجود ہوگا تو عالم اسی علم کی قوت سے اپنے وقت پر پیدا ہو گیا ہے اور پیدا ہونیکے

مطلق زید و عمر مین ظہور کرتا ہے تو بیشک ایسی وحدت وجود پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہ ہوگا - لیکن اس وقت بحث صرف لفظی رہ جائیگی اور پیدائش کے عقیدہ مین اور ایسی وحدت وجود مین کچھ اختلاف نہ ہوگا -

وحدت شہود | بعض مسلمان فاضلون نے وحدت وجود کے خلاف ایک اور خیال قائم کیا ہے

وقت اسکی ذات مین کسی جدید صفت اور کسی تغیر کا وجود لازم نہین آیا اور علم کی یہ صورت فرض کرنے پر منکرین کا یہ اعتراض کہ جب کوئی نسبت اور کوئی سبب نیا پیدا نہین ہوا اور سب کچھ قدیم سے تھا تو عالم قدیم سے کیون نہ ہوا کسی طرح بیّن غایۃ البیان کہلانے کا مستحق نہین کیونکہ علم اور مخلوقات کے مابین نسبت ہی ایسی ہے کہ گو علم قدیم سے ہو مگر اُس علم سے مخلوقات خاص وقت سے پہلے پیدا نہین ہو سکتی -

البتہ امام علیہ الرحمہ منکرین کی طرف سے ایک خاص وقت کی نسبت ایک اعتراض پیدا کرتے ہین اور وہ یہ کہ خدا کے لیئے یہ وقت جس مین عالم کو پیدا کیا اور اس سے ماقبل اور مابعد کا زمانہ برابر تھا پس تخصیص کیا وجہ تھی جس سے اس وقت خاص کو دوسرے وقتون پر ترجیح ہوئی اور اگر کہو کہ خود ارادہ نے ایک وقت کو چن لیا تو ہم کہتے ہین کہ ارادہ نے دو مساوی وقتون مین سے ایک وقت کو کیون ترجیح دی - حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ آدمی کے سامنے کھانے کیلیئے دو سیب رکھے ہوتے ہین اور وہ دونو کو دفعۃً منہ مین نہین رکھ سکتا اور اس لیے کسی ایک کو پہلے کھانے کے لئے اُٹھاتا ہے تو اس وقت یا تو ایک دوسرے کی نسبت زیادہ پختہ ہوتا ہے یا خوش رنگ ہوتا ہے یا ہاتھ کے قریب ہوتا ہے اس لئے اُسے پہلے اُٹھاتا ہے غرض کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے جس سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیجاتی ہے - تو جب تمام زمانے خدا کے نزدیک مساوی ہین اور اُسکے قدرت ہر زمانہ مین پیدا کر سکتی ہے تو ایک وقت کے لئے ارادہ کرنا اور دوسرے وقت کو چھوڑنا بے وجہ ہے - امام صاحب جواب دیتے ہین کہ اسی مثال مین یہ بھی فرض کیا جا سکتا ہے کہ دونو سیب پختگی اور رنگت اور تمام صفات مین مساوی معلوم ہوتے ہین اور اُس کے داہنے ہاتھ کو جو کام کے لئے جلدی حرکت کرتا ہے مرکز مانکر اُسکے گرد ایک دائرہ فرض کیا جا سکتا ہے جس کے خط پر دونو سیب رکھے ہون اور ہاتھ کا اور ہر ایک سیب کا فاصلہ مساوی ہو - اس وقت انسان کو بھوکا بھی فرض کرو تو ایسی صورت

جس کو وحدت شہود کہتے ہیں[۵] - اور جو عام اسلامی مسئلہ یعنی نسبت سی ہست ہونے کے خلاف نہیں بلکہ فلسفیانہ طرز سے اسکو قابل فہم بناتا ہے - چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کے مقابل میں اسکی ضد ہوا کرتی ہے مثلاً علم کے مقابل میں جہالت اور نور کے مقابل میں ظلمت لیکن ایسی ضدیں عدم محض ہوتی ہیں یعنے جہالت علم کا عدم ہے اور ظلمت نور کا نہ ہونا - پس اسی طرح خدا کی صفات کاملہ کے مقابل

میں کوئی ترجیح نہ ہونے کے سبب کیا وہ شخص حیران رہ جائیگا اور سیب جو اسکی گرفت میں آسکتے ہیں انکو نہ کھائیگا ؟ نتیجہ یقیناً غلط ہے بلکہ وہ ضرور ان میں سے ایک کو پہلے اٹھائیگا تو جو قوت اس وقت دونو میں سے ایک کو ترجیح دیتی ہے وہی ارادہ ہے اور خدا چونکہ صاحب ارادہ مانا جاتا ہے اس لئے دو مساوی وقتوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہے - اور اس وقت یہ کہنا کہ ارادہ نے کیوں ایک کو انتخاب کیا بعینہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ علم نے کسی چیز کی واقعی حالت کو کیوں پہچانا یعنی فضول ہے کیونکہ علم کہتے ہی اس طاقت کو ہیں جس سے چیزوں کی واقعی شناخت ہو اسی طرح ارادہ کہتے ہی اس قوت کو ہیں جس سے دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو انتخاب کیا جائے - قاضی ابن رشد چونکہ امام صاحب کی کلام میں نکتہ چینی کو فرض سمجھتے ہیں اسلئے اس جواب پر بھی فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ جب دو چیزیں بالکل ہم مثل فرض کیجائیں تو اس وقت ارادہ کرنے والیکا ایک کو اختیار کرنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہیں کیونکہ دونو ہم مثل ہوں اور پھر ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو - یہ بے معنی ہے بلکہ اس وقت وہ دونو کو ہم مثل مانتا ہے اور پھر ایک کو دوسرے کا بدل فرض کرتا ہے اور جانتا ہے کہ کوئی سی چیز اٹھائی جائے مدعا پورا ہو جائیگا - مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو قاضی صاحب نے اس ایچ پیچ سے کیا اعتراض پیدا کیا - دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے پر اس فعل کو ترجیح کہو یا دونو کا برابر ہونا یہ ثابت ہوا کہ ارادہ کی قوت سے دو ہم مثل چیزوں میں سے ایک کو لیا جا سکتا ہے اور اعتراض یہی تھا کہ خدا نے ہم مثل وقتوں میں سے ایک کو کس طرح پر لیا پس ایک وقت کو ترجیح نہ سہی اس کو دوسرے وقت کے برابر سمجھ کر ایک کو اختیار کر لیا تو یہ وہی عمل ہوا جو دو سبب یکساں ہونے کی صورت میں انسان کرتا ہے اس لئے اسمیں کوئی استحالہ نہیں -

تہافۃ التہافت ص ۲۴۲

---

[۵] اس بارہ میں ملاحظہ ہوں مکتوبات مرزا جانجاناں اور مکتوبات قاضی ثناء اللہ علیہما الرحمہ -

مین ان کی ضدّین یا اعدام ہونگے اور ان اعدام نے ہر ایک صفت کے مقابل ہونے کے سبب کسی قدر امتیاز حاصل کر لیا ہوگا مثلاً نہ ہونا ایک مطلق مفہوم ہے اور علم کا نہ ہونا یا قدرت کا نہ ہونا اس مطلق مفہوم کی ممتاز فردین ہین۔ پس اسوقت ان اعدام ممتازہ پر صفات خداوندی کا عکس پڑا ہوگا جسطرح سے انسان کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے چنانچہ یہ کائنات وہی صفات خداوندی کا عکس ہین جن مین اعدام ممتازہ بمنزلہ مادّہ کے ہین اور عکوس صفات بمنزلہ صورت کے ہین اور یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات وجود اور عدم دونو کی قابلیت رکھتی ہے اور یہی سبب ہے کہ اس سے خیر اور شر دونو طرح کی صفات ظاہر ہوتی ہین۔

اس عقیدہ پر یہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہونی چاہئے جس پر دوسری چیز کا عکس پڑے جس طرح سے انسان کے مقابل مین آئینہ موجود ہوتا ہے اور صفات کی ضدّون مین سے اگرچہ ایک صفت کا عدم دوسری صفت کے عدم سے ہمارے ذہن مین ممتاز ہے لیکن خارج مین وہ سب معدوم محض ہین اسلیئے عکس پڑنے کی قابلیت نہین رکھتین۔

اس اعتراض کا حل یونہی ہو سکتا ہے کہ پہلے علم کی قوت سے اشیا عالم وجود مین آئین اور پھر ان پر صفات الٓہیہ کا عکس پڑکر ان مین خیر اور بھلائی کی قابلیت پیدا ہوئی پس وحدت شہود مین اصلی احتمال وہی علم خداوندی کی قوت سے اشیا کا نیست سے ہست ہونا ٹھیریگا۔ اور یہ بعد مین دوسری بحث ہوگی کہ ان اشیا مین بھلائی اور بُرائی کیون ہے جس کو حل کرنے کے لئے اس خیال کو پیش کیا جائیگا کہ چونکہ چیزین عدم سے وجود مین آئی ہین اور عدم عیب ہے اس لیئے ان مین بدی کی قابلیت ہے اور چونکہ علم وغیرہ صفات خداوندی کا ان پر عکس پڑتا ہے اس لئے ان سے بھلائی صادر ہو سکتی ہے اور غالباً وحدت شہود والے بھی اس اصول کو تسلیم کرتے ہین کہ علم خداوندی نے

صفحہ ۲۲۲

غرض خاص وقت کا اعتراض امام صاحب کی تقریر سے پورے طور پر حل ہو جاتا ہے اور خدا کے قدیم ارادہ اور قدیم علم مین جس وقت پر عالم کا پیدا ہونا مرکوز تھا اسوقت پیدا کرنے سے پیدائش کا مدعا پورا ہو جاتا ہے جسطرح دو سیبون مین سے ایک کو اٹھا لینے سے کھانے کا مدعا پورا ہو گیا تھا۔ اور جب ایسے فعل کے لیئے نظیر موجود ہے تو جواب کو تغالیط کہنا تغلیط سے بھی بڑھکر ہے۔

اضداد و صفات کو نیست سے ہست کر دیا ہے اور اس کے بعد اُن پر صفات کا عکس پڑا ہے کیونکہ وہ اپنی تقریر میں صفات ربانی کا اس کے علم میں مفصل اور ممتاز ہونا مانتے ہیں اور علم کی اس شکل کو مرتبۂ واحدیت سے موسوم کرکے اضداد باہمدگر ممتاز ہونے کے لیئے اس مرتبہ کو سبب قرار دیتے ہیں -

علم کے لیے کوئی معلوم ہونا چاہیئے

عدم سے وجود میں آنا چونکہ علمی قوت پر منحصر ہے اسلیئے علم کے متعلق ایک اور اعتراض بھی قابل غور ہے کہ علم اور معلوم باہم ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا "عالم کسی معلوم کا عالم ہوگا اور معلوم کسی عالم کا معلوم ہوگا" اور موجودات اپنے وقت سے پہلے معدوم تھیں اس لیے اس حال اُنکا علم بھی نہ ہوگا -

ھربرٹ سپنسر اس پر اور اضافہ کرتے ہیں کہ خدا کا علم مخلوقات کے متعلق ایک طرف - خدا کو جو اپنی ذات کا علم ہے وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا - [51] کیونکہ وہ خدا کی ذات پر منحصر ہوگا پس اس وقت مطلق صرف ذات کو کہہ سکینگے اور علم مطلق نہ ہوگا -

اِس اعتراض کا جو حصہ مسٹر سپنسر نے پیش کیا ہے اس میں اسیقدر الزام ہے کہ خدا کا علم خدا کی ذات پر منحصر ہے اور بیشک عام طور پر صفات کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ ذات پر منحصر ہوں لیکن ذات مطلق ہو اور اسکی صفات مطلق نہ ہوں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا - مگر اس بارہ میں تحقیق و تفتیش کو طول نہیں دے سکتے اس لیے کہ خدا اور اسکی ذات و صفات احاطہ عقل سے بالاتر ہیں اور خدا کی ذات اور اسکے علم کا سمجھ میں آنا ایک طرف خود مسٹر سپنسر تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کو جو اپنی ہستی کا علم ہے اسکی کیفیت بھی ناقابل فہمید ہے چنانچہ وہ اِس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں [52] کہ "تمام علوم کی پہلی اور بنیادی شرط عالم و معلوم کا تقابل (غیریّت) ہے پس اپنا علم ہونے کی صورت میں آپ اگر معلوم ہے تو عالم کون ہوگا یا عالم اگر خود ہے تو علم کس چیز کا ہے - پس اُس چیز کا تعیّن جو عالم ہے اور جسکی ہستی کا سب سے زیادہ یقین ہے ایک ایسا معمّا ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتا" لیکن باوجود نہ سمجھ سکنے کے جب ہمکو یقین ہے کہ ہم اپنی ذات اور صفات کا علم رکھتے ہیں تو اسی طرح خدا کو بھی اپنی ذات

---

[51] کتاب فرسٹ پرنسپلز باب دوئم اقتباس مسٹر مین سل -
[52] ایضاً باب سوئم

اور صفات کا علم ہوگا مگر مخلوقات چونکہ قدیم سے موجود نہین ہین اس لیئے علم خداوندی کا ان سے متعلق ہونا البتہ غور طلب ہے۔ اور ہمارے اپنے علم کی کیفیت دیکھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عموماً ایسی چیز کا علم حاصل کرتے ہین جو موجود ہو اور جس چیز کا کسی قسم کا بھی وجود نہ ہو وہ ہمارے علم مین نہین آسکتی مگر اس قاعدے کو ذرا تفصیل دینے کی ضرورت ہے۔

علم کس کس چیز کا ہوسکتا ہے؟

ہم ایک تو ان چیزون کا علم حاصل کرتے ہین جو خارج مین موجود ہون مثلاً یہ درو دیوار اور گھوڑا گاڑی جو خارج مین موجود ہین ان کا تصور بھی ہمارے ذہن مین موجود ہے اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کرسکتے ہین جو خارج مین موجود تو نہین مگر اُسکی اجزا کی مختلف مثالین موجود ہین۔ مثلاً ہم ایک دیو کا تصور کرسکتے ہین جسکی انگارہ سی آنکھین ہون آسمان سے لگا ہوا سر ہو بھاڑ سا کھلا ہوا منہ ہو اور پھاوڑے سے نکلے ہوئے دانت ہون اور درخت جیسے ہاتھون سے ہم کو پکڑنے کے لیئے لپکے۔ ایسا وجود خارج مین دیکھا نہین گیا مگر ایسی چیزین موجود ہین جن سے اُس کے اعضاء کو تشبیہ دیکر ہمنے خیالی وجود قایم کرلیا ہے۔ اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کرسکتے ہین جو نہ خود خارج مین موجود ہو اور نہ کسی قسم کی اُسکی ناقص تشبیہ موجود ہو بلکہ اسکی ضد ہمارے تصور مین ہو مثلاً ایک مادرزاد نابینا روشنی کا تصور کرسکتا ہے حالانکہ اُس نے خارج مین کبھی روشنی کو نہین دیکھا اور وہ تصور اس لئے کرسکتا ہے کہ اسکی ضد یعنی تاریکی اس کے علم مین موجود ہے جس سے وہ خیال جما سکتا ہے کہ اس کا نہ ہونا روشنی ہے اور یہ ضد سے دوسری ضد کا علم صرف نابینا پر منحصر نہین۔ بلکہ علمی دنیا مین اکثر تحقیقات کی بنیاد اسی قسم کے تصور پر ہے۔ ہمنے جب سے دیکھنا شروع کیا ہے بلکہ جب سے ہماری تاریخ اور تجربہ نے دیکھنا شروع کیا ہے ہم نے زمین کی یہی شکل دیکھی ہے پس ایسی ضد کو تصور کرسکنے کی طاقت کا کرشمہ ہے جس سے ہم خیال کرسکے کہ زمین جو اس وقت ٹھوس ہے کبھی سیال یا گیس کی شکل مین تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کبھی یہ سرے سے موجود ہی نہ ہوگی پس ہمنے جو زمین کے سیال یا معدوم ہونے کا تصور کیا ہے ایسا تصور ہے جس کا موضوع ہم کو خارج مین کبھی نظر نہین آیا اور جو کچھ دیکھا ہے وہ سیال یا معدوم ہونے کی ضد ہے پس ہمنے دیکھا کہ اسی ضد سے

ہمکو دوسری ضد کا تصور پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح چاند سورج جو خارج مین ہم کو اسی شکل مین نظر آتے ہین ہم ان کے وجود کی ضد بھی تصور کر سکتے ہین اور نہ صرف کر سکتے ہین بلکہ عنوانوں کو دیکھنے کے بعد ایسا یقین بھی رکھتے ہین کہ ایک وقت مین فضا کی بساط پر یہ روشن مُہرے چُنے ہوئے نہ تھے۔ اور تو اور خود اس اعتراض مین جو مخلوقات کے معدوم ہونے کے وقت خدا کے علم کی وجہ دریافت کی جاتی ہے اس وقت مخلوقات کے معدوم ہونے کا تصوّر خود ہماری اس تصوّر کی طاقت کو ثابت کرتا ہے جس سے ہمنے موجودات کے موجود ہونے سے اسکی ضد یعنی عدم کا خیال قائم کیا۔

خدا کا علم کیونکر خیال مین آسکتا ہے؟

پس علم کا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز خارج مین خود موجود ہو یا اُسکی تشبیہ موجود ہو یا اسکی ضد موجود ہو ان سب صورتون مین ہم اُسکا تصوّر کر سکتے ہین۔ اب اگر خدا کے علم مین اتنی ہی طاقت مانی جاوے جتنی انسان مین ہے تب بھی چونکہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے اپنی صفات کا علم ہے اور وہ سب عدم ذات اور عدم صفات کے اضداد ہین اسلئے عدم کا بھی علم ہوگا اور علاوہ برین صفات کے علم کا سوا اس کے کوئی مطلب نہین کہ وہ سب اپنی عدم سے ممتاز ہین مثلاً قدرت کا علم بھی ہوگا کہ وہ عجز نہین ہے اور وجود کا علم بھی ہوگا کہ وہ عدم نہین علم کا علم بھی ہوگا کہ وہ جہل نہین۔ کیونکہ اگر اُسکو قدرت اور عجز یا وجود اور عدم مین امتیاز ہی نہین تو قدرت اور وجود کا علم بھی نہین بلکہ جہل ہے پس صرف یہی ثابت ہوا کہ خدا کو اضداد صفات کا علم ہونا ممکن ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اسکو ان اضداد کا ضرور علم ہوگا اور یہ اعدام جنکے مقابل مین صفات ربّانی ہین یہی وہ مادّہ ہے جس سے علمی قوّت نے دنیا کو پیدا کیا اس لیئے لازم نہین آتا کہ ازل مین مخلوقات کی تصوّر کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

پس جس طرح نابینا تاریکی کو دیکھ کر روشنی کا تصوّر کر سکتا ہے اور پھر اپنے علم کے موافق اُسکی کوئی شکل فرض کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اسکی صفات قائم کر سکتا ہے یا جس طرح ہمنے زمین اور آفتاب وغیرہ کے وجود سے ان کے عدم کا تصوّر کیا ہے اور پھر اس عدم کی صورت کو پھیلا کر اپنے ذہن مین اس تمام مادّے کو نیست یعنی بنجر کے اول سے [illegible] اور [illegible] طرح

کی شکلین قائم کرلی ہین اِسی طرح ممکن ہے کہ علم خدا مین ان اعدام کی پھیلی ہوئی شکلین موجود ہون مثلاً عجز کے پھیلاؤ سے ایک عاجز مخلوق کی صورت اور اس پر قدرت کے عکس سے کسی قدر طاقت کا ظہور یا موت کے پھیلاؤ سے ایک بیجان مخلوق کی صورت اور صفت حیات کے عکس سے کسی قدر جانداری کا نشان یہ تصوّرات ہون گے جن کو علمی قوت نے انسان کی خیالی تصویر کیطرح موجود کر لیا۔

غرض اہل وحدت شہود کی فلسفیانہ وقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھون نے الہام ربانی کے ٹھیک منشا کو سمجھ کر اسکی بعض نکات کو اس خوبی سے حل کیا ہے کہ اِس سے بہتر نہین ہوسکتا۔ ورنہ جن لوگون نے اسی قسم کی دقتون سے تنگ آکر خود خدا کو ان تعیّنات مین ظہور کرتے ہوئے مانا تھا وہ پاک ہستی کو ناپاک بنانے کے مرتکب ہوئے اور جنھون نے اُس کے ساتھ مادہ کو قدامت کا حصہ دار ٹھیرایا تھا وہ دونون ایک وصف مشترک مانکر دونون کے مرکب ہونے اور اجزا کے محتاج ہونے سے خدا اور مادہ کو واقع مین قدامت سے محروم کرنیوالے ٹھیرے اور باوجود اس کے علم کی کوئی وجہ پیدا نہ کر سکے۔ کیونکہ خواہ وہ ذات خداوندی خود ہی تعیّنات مین ظہور کرتی ہو مگر ذات کے مرتبہ مین یہ تعیّنات نہ تھے اِس لیے اس وقت ذات کو ان تعیّنات کا علم ہو تو یہی اعتراض وارد ہوتا ہے اور اسی طرح خواہ مادہ قدیم ہو مگر اسکی یہ شکلین خدا نے پیدا کی ہین اسلیے تشکل مادہ موجود ہونے کے وقت خدا کو ان شکلون کا علم ہو تو یہی دقت پیش آتی ہے حالانکہ خدا کا پہلے ہی عالم ہونا اس تمام نظام کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے پس اسکا حل سوائے اس کے اور کوئی نہین ہوسکتا جو وحدت شہود نے پیش کیا ہے کہ یہ سب کھیل ہی علمی قوت کا ہے اور علمی قوت ایک ضد کے وجود سے دوسری ضد کیطرف جا سکتی ہے۔

خدا کی ہمیشگی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اُسکی تحقیق۔

ڈاکٹر ہربرٹ سپنسر نے جس قدر شکوک مذہبی اختلافون کی نسبت قائم کئے ہین عموماً ان کا میلان اُن کے لاادریہ اصول کے موافق اس جانب ہی کہ وہ خدا اور مخلوقات کے تعلق کو سمجھ نہین سکتے ورنہ وہ تسلیم کرتے ہین کہ باوجود نہ سمجھ

سکنے کے اقرار خدا اور مذہب کو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں لیکن چونکہ نہ سمجھنے سے گمان ہو سکتا ہے کہ ان تعلقات کا یا خدا کا عقیدہ غلط ہوگا اس لئے جا بجا اُن کے شکوک کو بطور اعتراض کے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ان میں ایک اعتراض اور قابل غور ہے۔ وہ موجودات عالم کی نسبت تین احتمال پیدا کرتے ہیں۔[۱]

(۱) قدیم سے اسی طرح موجود ہونگے

(۲) خود بخود پیدا ہو گئے ہونگے

(۳) یا کسی خدا نے اُن کو پیدا کیا ہوگا

اور ان میں سے دوسرے احتمال کی نسبت وہی اعتراض کرتے ہیں جو پہلے اس اعتراض کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے کہ پیدا ہونے کے لئے کسی علّت کا ہونا ضروری ہے ورنہ قانون علیت کا باطل ہونا لازم آئیگا۔ اور پہلے احتمال کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے موجود ہونے کے لئے غیر محدود زمانہ فرض کرنا پڑیگا حالانکہ غیر محدود زمانہ ماضی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اور تیسرے احتمال یعنی خدا کی قدرت سے پیدا ہونے کی نسبت تین اعتراض کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بغیر مادہ کے پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہیں اور اگر مادہ سے پیدا کیا ہو تو پھر اس مادہ کی نسبت بھی تین احتمال ہو سکتے ہیں اور ہر احتمال پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس فضا میں یہ دنیا ہے وہ کہاں سے آئی۔ اگر فضا کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے تو مخلوقات سے پہلے فضا بھی نہ ہوگی حالانکہ ہم فضا کے نہ ہونے کو سمجھ نہیں سکتے اور تیسرے یہ کہ بنانیوالا خود کہاں سے آیا۔ آیا وہ قدیم سے تھا یا خود بخود پیدا ہوا یا اُس کو کسی اور خدا نے پیدا کیا۔

ان اعتراضوں کے بعد وہ تینوں احتمالوں کو ناقابل فہمید قرار دیتے ہیں اور یہی وجہ حیرت ہے کیونکہ پہلے اور تیسرے احتمال کی نسبت ان کا اعتراض صرف یہی ہے کہ وہ سمجھ سے باہر ہیں مگر دوسرے احتمال کی نسبت نہ سمجھ سکنے کے علاوہ یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ قانون علّیت کو توڑتا ہے پس اگر پہلا اور تیسرا احتمال ایک درجہ پر رکھا جائے تو دوسرا احتمال پھر بھی ان سے زیادہ مشکل اور ایک بڑی قانون قدرت کو توڑنے کے سبب قابل ترک قرار دینا چاہئے تھا۔

[۱] فرسٹ پرنسپلز باب دوم۔

اور پھر دیکھا جائے تو موجودات کے ہمیشہ سے ہونے پر جو پہلا احتمال ہے اور خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر جو تیسرے احتمال سے لازم آتا ہے جو اعتراض وہ کرتے ہیں اُسکا وزن بھی مساوی نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ اگر موجودات عالم کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر کوئی اور اعتراض وارد نہ ہوتا تو خدا کے اور موجودات کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر صرف یہی اعتراض رہتا کہ ہم اُسکو سمجھ نہیں سکتے اور اس صورت میں دونوں جگہ اعتراض کا وزن مساوی ہوتا مگر اب صورت یہ ہے کہ موجودات عالم کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ انکی حالت یوماً فیوماً اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہتی ہے حتیٰ کہ ہماری عقل کی صحیح رفتار نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام زمین و آسمان ایک وقت پر اس صورت میں نہ تھے بلکہ جب سے یہ موجود ہیں اپنی شکلوں کو بدلتے رہے ہیں پس اگر یہ مخلوقات ہمیشہ مانی جائے تو سمجھ نہ سکنے کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ اُن کے تغیرات بھی بغیر کسی علت کے خود بخود پیدا ہوتے ہیں اس لیئے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس احتمال پر بھی قانون علیت کا باطل ہونا لازم آتا ہے اور اس وجہ سے اس احتمال پر جو اعتراض ہے وہ وزن میں دوسرے احتمال کے اعتراض سے مشابہت رکھتا ہے اور قانون دائمی کو توڑنے کے سبب اس احتمال کو بھی قابل ترک قرار دینا چاہئے۔

رہا خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض سو اسکی یہ صورت ہے کہ جس عقلی رفتار سے ہم اس مسئلہ پر پہونچے ہیں وہیں سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ سے غیر متغیر اور "کان کما کان" ہے پس اُسکو ہمیشہ سے ماننے پر قانون علیت کا ٹوٹنا لازم نہیں آتا اس لیئے اسکی نسبت صرف نہ سمجھ میں آنیکا الزام باقی ہے۔ اور واقع میں ہماری محدود عقل خواہ آگے کی نسبت غور کرے خواہ پیچھے کی نسبت ایک حد تک جاکر وہ تھک جاتی ہے اور آگے تاریکی کا ناقابل عبور پردہ حائل ہو جاتا ہے اور ہم ہمیشگی کو خواہ وہ ماضی کی ہو یا مستقبل کی معین و مشخص طور پر اپنے ذہن میں حاضر نہیں کر سکتے مگر یہ بھی تو ہماری عقل کا ہی ناطق فیصلہ ہے کہ دو ضدوں میں سے اگر ایک نہ ہو تو دوسری ضد ضرور موجود ہو گی مثلاً اگر روشنی موجود نہ ہو تو ضرور تاریکی موجود ہو گی اور اگر علم موجود نہ ہو تو ضرور جہل موجود ہو گا اور اس لیئے جب ہم کسی موجود کے حادث ہونے کو ناممکن یقین کرتے ہیں تو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ قدیم ہو گا۔ اور پھر دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جن کو ہم

سمجھ نہیں سکتے چنانچہ حرکت کا وجود، شعاع کی رفتار اور اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کو خود مسٹر سپنسر ناقابل فہمید ثابت کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ہم حرکت اور رفتار شعاع وغیرہ کو یقیناً موجود مانتے ہیں کیونکہ ان کو ماننے کے سوا چارہ نہیں اس لئے خدا کی ہمیشگی پر بھی باوجود نہ سمجھنے کے جب اسکے اقرار کے بغیر چارہ نہیں یقین کرنا پڑیگا۔ پس یہ اعتراض تیسرے احتمال کے متعلق کوئی وزن نہیں رکھتا حالانکہ پہلے احتمال کی نسبت بوجہ تغیرات کے ایسا بھاری ہے کہ اٹھ نہیں سکتا۔

رہا دوسرا اعتراض کہ پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہیں اسکی نسبت پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انسان کی خیالی مخلوق بعینہ اسی شکل کی ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ اس قابل تعظیم فلاسفر کی قوت واہمہ نے دنیا کے ہمیشہ سے ہونے کی نظیر پیدا کر لی اور مان لیا کہ اسکا نمونہ درخت ہے جو خود بخود مکمل ہو جاتا ہے حالانکہ درخت ہرگز خود بخود موجود نہیں ہے بلکہ ہزارہا قسم کی ارضی وسماوی اثر ہیں جو درخت کو مکمل کرتے ہیں اور وہ خود نمونہ ناقص پھر تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر شروع کے ہو پس جب اس قدر نقص موجود ہیں تو اس احتمال کو صاحب نظیر ہونے کی عزت نہیں معلوم کس خیال سے دی گئی ہے اور یہی حال دوسرے احتمال کی نظیر کا ہے کہ بخارات سے بادل کا پیدا ہونا خود بخود پیدا ہونے کا نمونہ قرار دیتے ہیں حالانکہ پھر خود ہی کہتے ہیں کہ "بادل پہلے بالکل معدوم تو نہ تھا" اور دوسرے اسکو پیدا کرنے میں صرف بخار ہی فاعل نہیں بلکہ آفتاب کی حرارت یا زگشت کا کم ہونے جانا بالائی کرہ کا سرد ہونا اور زمین کا کشش کرنا بہت سے فاعل ہیں جنہوں نے بخار کے ساتھ عمل کرکے بادل کو پیدا کیا ہے پس اسکو خود بخود پیدا ہونیکا نمونہ کہنا اور عدم سے وجود میں آنے کی نظیر سے کانوں پر ہاتھ دھرنا حیرت پر حیرت ہے حالانکہ جن چیزوں کو دنیا میں موجود کہا جاتا ہے وہ بھی محض عرض طول رنگ وزن اور حرکت وغیرہ سے پہچانی جاتی ہیں ورنہ اصل چیز یعنی مادہ کو کسی نے نہیں دیکھا اور جو جسم انسان کا خیال پیدا کرتا ہے اسمیں بھی طول عرض رنگ وزن اور حرکت وغیرہ تمام جسمانی صفات مہیا ہوتی ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ خدا کا علم بڑا ہے اس لئے اسکی مخلوق بھی بڑی ہے اور انسان کا علم حقیر ہے اس لیئے اس کی مخلوق بھی حقیر ہے پس اگر نظیر رکھنے کی

ف۵ اس قسم کے اقتباسات گذشتہ ابواب میں اکثر ذکر ہو چکے ہیں۔

عزت حاصل ہے تو صرف اسی احتمال کو نہ کسی اَور کو۔ اور اس سبب ایسے فاضلوں کا ایسی واضح نظیر کو نہ دیکھنا تعجب ہے۔ مگر سچ ہے

گاہ باشد کہ پیر دانشمند ۔ برنیاید درست تدبیرے

غرض خدا کی ہمیشگی کو ذہن کا معین نہ کر سکنا ذہن کے وسیع نہ ہونے کے سبب سے ہے اور اور اس سبب حقیقت میں یہ کوئی اعتراض نہیں جس سے خدا کا انکار لازم آئے۔ پیدایش کی نظیر کا نہ ہونا البتہ اعتراض تھا مگر نظیر موجود ہے اس لیئے اس وقت جو امر غور طلب باقی ہے وہ فضا کے متعلق اعتراض ہے اور اس اعتراض پر خود مسٹر سپنسر کی تحریر سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ فضا کے موجود ہونیکا یقین رکھتے ہیں مگر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں[1] کہ

"اگر وہ خارج میں موجود ہوگی تو شے ہوگی اور ہمکو تجربہ بتاتا ہے کہ اس کا شے ہونا ناممکن ہے کیونکہ شے ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ صاحب صفات ہو کیونکہ شے کو لاشے سے ہم ہمیشہ اسی طاقت سے کرتے ہیں جو کوئی شے ہمارے علم پر اثر کرنے کے لیے رکھتی ہو اور جو اثر وہ ہمارے علم پر کرتی ہو اُس کو اس شے کی صفت کہتے ہیں۔ اور ان صفات کا معدوم ہونا اس اصطلاح کا معدوم ہونا ہے جس سے ہم اس شے کو تصور کرتے تھے اور اس طرح اس شے کا تصور ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اب شے کے لیئے صفات کا ہونا لازمی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فضا کوئی صفت نہیں رکھتی۔ فضا کی صفت پھیلاؤ ہو سکتا ہے مگر فضا کی صفت فضا کہنے کے برابر ہے پس جب وہ کوئی صفت نہیں رکھتی تو اسکو شے کہنا بھی غلط ہوگا۔ اب اگر وہ شے نہیں تو لاشے بھی نہیں ہو سکتی اور کسی اور شے کی صفت بھی نہیں ہو سکتی ورنہ اس شے کے نہ ہونے سے اس کا عدم لازم آئے حالانکہ یہ معدوم خیال میں نہیں آسکتی اور اگر یہ موجود ذہنی ہو تو ذہن کے عدم سے معدوم ہونی چاہیئے"

غرض یہ ہے خلاصہ اس الجھن کا جو ڈاکٹر سپنسر کو فضا کے متعلق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فضا نہ خود صفات رکھتی ہے اور نہ کسی اور چیز کی صفت ہو سکتی ہے اور نہ موجود ذہنی ہے اور موجود ہونے کی یہی تین صورتیں تھیں مگر باوجود اس کے وہ موجود بھی ایسی ہے کہ اور سب چیزوں کو معدوم فرض کر سکتے ہیں مگر

[1] فرسٹ پرنسپلز باب سوئم۔

اس کا معدوم ہونا کسی طرح خیال مین نہین آتا البتہ اسکی نسبت ایک اور شکل سے بھی غور ہو سکتا ہے۔

شطرنج کا ایک گول مہرہ جس پر گھوڑے یا فیل کی شکل نہ بنی ہوئی ہو جب کسی جگہ رکھا ہو اور فرض کیا جائے کہ اس کے پاس کوئی انسان بھی موجود نہین تو اس مہرہ کا بسبب گول اور بے تصویر ہونے کے نہ کوئی آگا ہوگا نہ پیچھا اور صرف غیر محسوس فضا اُس کو چارون طرف سے محیط ہوگی۔ لیکن جب اسکو کوئی انسان بساط کے اوپر اور مہرون کے ساتھ چننے اور کھیلنا شروع کرے تو اس وقت انسان کے وجود اور نیز دوسرے مہرون کے وجود سے اُس کے گرد کی فضا مین آگا پیچھا پیدا ہو جائیگا یعنی جس مہرہ کو انسان نے اپنے آگے اُس مہرہ سے پہلے رکھا ہے وہ اُس کے پیچھے ہوگا اور جس کو اُس مہرہ کے بعد رکھا ہے وہ آگے ہوگا اور اسی طرح بعض مہرے اس کے دہنے ہونگے اور بعض بائین۔ غرض جو غیر محسوس فضا پہلے بغیر کسی تمیز کے اسکو چارون طرف سے گھیرے ہوئے تھی اب اُس فضا کے چار حصے ہوگئے جن کو آگا پیچھا دایان یا بایان کہہ سکتے ہین۔ اب فرض کیجیے کہ کھیل ختم ہوگیا۔ بساط اُلٹ گئی مہرے بکھر گئے اور وہ مہرہ کسی تنہا مقام مین جا پڑا تو پھر وہی آگا پیچھا رکھنے والی فضا بغیر کسی تمیز کے مطلق فضا رہ گئی۔ اب اُس مہرے کے آگے پیچھے کی نسبت سوال ہو کہ وہ خارج مین موجود ہے یا نہین تو یہی جواب ہوگا کہ خارج مین صرف اردگرد کی غیر محسوس فضا موجود ہے مگر انسان کے بیٹھنے اور مہرون کو چننے سے ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہم اُس فضا کے چار حصے کر سکتے ہین اور اُن کا نام آگا پیچھا دایان یا بایان رکھ لیتے ہین پس قبلیت اور بعدیت حقیقت مین کوئی موجود خارجی نہین ہین بلکہ ایک غیر محسوس چیز یعنی فضا اور چند محسوس چیزین یعنے انسان اور مہرے اُن سب کا مجموعہ ایسی ترکیب ہے جس سے قبلیت اور بعدیت کا تصور ہوتا ہے اور اس مجموعہ کے بعض افراد یعنی انسان اور مہرون کے پراگندہ ہونے پر جس چیز کو ہم معدوم فرض نہین کر سکتے وہ غیر محسوس فضا ہے۔

اِس مثال کو دیکھنے کے بعد جب ہم فضا کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا خیال بھی ہمارے ذہن مین اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ چیزون کو دیکھتے ہین جو خود بھی عرض و طول رکھتی ہین اور نیز دوسری

چیزون کے ساتھ کبھی پیوستہ اور کبھی تھوڑے فاصلہ پر اور کبھی بڑے فاصلہ پر واقع ہوتی ہین اور جہان تک کسی چیز کا طول ہوتا ہے ہم وہان تک اُس چیز کو دیکھتے جاتے ہین اور پھر اس کے بعد جگہ خالی پاتے ہین یا یون کہو کہ وہان کوئی محسوس چیز نہین ہوتی اور وہ خلا کچھ دور تک ہماری نظر کو لیجاتی ہے پھر کوئی اور چیز حائل ہوجاتی ہے اور اس کے بعد خلا یا کوئی تیسری چیز حتیٰ کہ اسی طرح جسمانی یا قیاسی آنکھ سے جہان تک رسائی ہوسکے تمام چیزون اور اُن کے درمیانی خلا کو دیکھتے ہوے آخری حد تک پہونچتے ہین اور اسکے بعد خلا کو دیکھتے ہین جو دور تک چلی جاتی ہے اور پھر نظر اور قیاس کی حد تک پہونچکر تاریکی ہماری رفتار کو روکتی ہے۔

غرض موجودات کی اس شکل اور ترتیب نے ہمارے ذہن مین فضا کا تصور پیدا کردیا ہے جس طرح مُہرون کی ترتیب اور انسان کے وجود نے قبلیت اور بعدیت پیدا کردی تھی اب اگر کوئی وقت ہو جبکہ یہ تمام موجودات معدوم فرض کی جائین تو اس وقت کسی فضا کا تصور بھی نہ ہوسکیگا جس طرح ایک مُہرہ کے تنہا ہونے کے وقت قبلیت اور بعدیت نہین ہوتی لیکن جیسے مہرہ کے گرد غیر محسوس فضا موجود ہے اسی طرح اُس وقت ایک غیر متمیز عدم یعنی خلا موجود ہوگی۔ مطلب یہ کہ فضا کی حقیقت عدم ہے جیسے قبلیت اور بعدیت کی حقیقت فضا تھی مگر یہ عدم ہمارے ذہن پر اثر اسلئے کرتا ہے کہ اِس عدم کے ساتھ اشیا کا طول و عرض اور باہمی بعد اور فاصلہ مل گیا ہے اور ان سب کے مجموعے نے ہمارے حواس پر اثر کیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب نے قبلیت و بعدیت کا اثر پیدا کیا تھا پس جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ حقیقت مین موجودات خارجی ہین جس طرح قبلیت و بعدیت پیدا کرنے کا سبب مہرون کی ترتیب تھی اور جس چیز کو ہم بقول مسٹر سپنسر کے ہم معدوم فرض نہین کرسکتے وہ خلا محض ہے جس طرح مہرہ کے لئے غیر محسوس فضا تھی جس کو معدوم فرض نہین کرسکتے تھے

غرض جو چیز معدوم نہین ہوسکتی وہ اور ہے یعنی عدم اور جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ اور چیز ہے یعنی موجود چیزین جن سے اس عدم کا فرض تصور پیدا ہوتا ہے۔ آگے یہ اصطلاح کا فرق ہے کہ اس کا نام موجود خارجی رکھو اس لئے کہ ہمنے اُسے خارجی چیزون سے تصور کیا ہے یا موجود ذہنی

کہو اس لئے کہ ذہن ہی اس سے متاثر ہوا ہے یا معدوم کہو اس لیے کہ اسکی حقیقت عدم ہی مگر منا سب یہ معلوم ہوتا ہی کہ جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے اُسے موجود ذہنی کہین کیونکہ موجودات خارجیہ ہی مستنبط ہوتی ہے اور موجود ذہنی اسی چیز کا نام ہے جس کا تصوّر دیگر اشیا سے پیدا ہو جیسے انسان کہ زید عمرو غیرہ موجودات خارجیہ سے مطلق انسان کا تصوّر پیدا ہوتا ہے اور جس چیز کو ہم معدوم فرض نہین کر سکتے اسکو اُس کے اصلی نام یعنے عدم سے نامزد کرین کیونکہ اُس کا خالص تصوّر اس وقت پیدا ہوتا ہی جب تمام حقائق کو معدوم فرض کیا جاتا ہے اور اس وقت عدم کے سوا اور کچھ نہین -

اس نتیجہ کے بعد جب مسٹر سپنسر کے اعتراض کا خیال کیا جاتا ہے کہ فضا کو کس نے پیدا کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کسی حقیقت پر مبنی نہین کیونکہ موجودات کو پیدا کرنے سے پہلے جو کچھ تھا اور ہمارے نزدیک معدوم نہین ہو سکتا وہ عدم ہی ہے پس اُسکی نسبت پیدا کرنیکا سوال فضول ہے اور ہم کہہ سکتے ہین کہ بیشک اُسکو کسی نے پیدا نہین کیا۔ خدا نے موجودات کو پیدا کیا۔ اُن کے عرض و طول کو پیدا کیا۔ اُنکو قریب قریب اور فاصلے سے ترتیب دیا جس سے ہم اس قابل ہوے کہ اس عدم کا تصوّر اپنے ذہن مین لائین اور اس لئے کہہ سکتے ہین کہ موجودات کو پیدا کرنے سے اُس نے اس عدم کے تصوّر کو بھی پیدا کیا اور اگر خدا موجودات کو پیدا نکرتا تو عدم کا تصوّر بھی پیدا نہ ہوتا اور صرف عدم ہوتا جو پہلے سے تھا -

مسٹر سپنسر پہلے احتمال یعنے دنیا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض کرتے ہین کہ اس کے لئے غیر محدود زمانہ چاہیئے جو سمجھ مین نہین آتا اور یہ درست ہے لیکن ہے زمانہ کی بھی وہی صورت جو فضا کی ہے کہ کسی چیز کے شروع ہونے سے اس کے قایم رہنے سے پھر ختم ہو جانے پر دوسری چیز کے شروع ہونے سے غرض اس قسم کی موجودات خارجیہ سے ہمارا ذہن ایک عرصہ کو تصوّر کرتا ہے اور اس کا نام زمانہ رکھتے ہین اور موجودات کا آغاز تسلیم کر لے پر ان سے پہلے کا عرصہ تصوّر مین آتا ہے اور موجودات کو ختم کرنے پر ان کے بعد کا زمانہ خیال مین آتا ہے پھر جب ان مخلوقات کے پہلے اور پیچھے کسی اور موجود چیز کا خیال نہ قایم کیا جاوے تو یہ پہلے اور پیچھے کا زمانہ ہمارے تصوّر مین ایک غیر محدود طول اختیار کرتا ہے جس کو سپنسر صاحب درست کہتے ہین کہ ہم سمجھ نہین سکتے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ اسکی کوئی حد بھی فرض نہین کر سکتے

مگر یہ تمام ذہنی عمل اسلئے ہوا ہے کہ ہمنے موجودات کو یکے بعد دیگرے سامنے آتے اور کچھ کچھ عرصہ قیام کرتے دیکھا ہے اور اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو عدم محض کے وقت زمانہ بھی ایک عدم ہی ہوتا اور تصور نہ کیا جا سکتا پس دُنیا کو قدیم مانکر زمانہ کا اُسکے ساتھ ساتھ چلنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ سمجھ مین نہین آتا بلکہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ دُنیا تغیرات کو قبول کرتی ہے اور ان تغیرات کے سبب سے وہ عدم طویل یعنی زمانہ بھی اجزا مین تقسیم ہوتا جاتا ہے اور قابل تصور ہوتا ہے اور اس طرح پر دُنیا کے تغیرات کا اور زمانہ کے قابل تصور ہونے کا وجود بغیر کسی علت کے لازم آتا ہے۔ مگر اگر بجاے دُنیا کے خدا کو قدیم مانا جاوے تو چونکہ خدا کی ذات مین کوئی تغیر نہین ہے اس لئے وہ عدم جو تغیرات سے قابل تصور ہوتا ہے اس صورت مین اُس وقت قابل تصور نہ ہوگا اور محض عدم رہیگا اور عدم کے لئے کسی علت کی ضرورت نہین اس لئے خدا کو قدیم ماننے پر وہ دقت لازم نہین آتی جو دُنیا کو قدیم مانکر لازم آتی تھی۔

خاص سے عام کیطرف جانا قانون قدرت ہے۔

مسئلہ تخلیق پر عقلی اعتراضون کے سلسلہ مین سب سے آخر وہ آچکتا ہوا اعتراض ہے جو سوامی ویکانند[1] کرتے ہین کہ دُنیا کو خدا کی مخلوق ماننے مین عقل کا کلیہ قاعدہ خاص سے عام کیطرف جانیکا پایا نہین جاتا اور نیچر کو نیچر سے واضح کرنیکا یہ دستور نہین۔ اُن کا مطلب ویدانت تصیوری یعنی وحدت وجود کے موافق غالبًا یہ ہے کہ اگر مثلاً مرکبات عناصر سے اور عناصر ایتھر سے اور ایتھر رُوح سے اور رُوح خدا سے نکلی ہوئی مانی جاتی تو یہ خاص سے عام کیطرف جانے کی صورت ہوتی اور اسی طرح پتھر جو گرتا ہے اگر کہا جائے کہ اس کا سبب قانون فطرت ہے تو نیچر کی نیچر سے توضیح ہوگی لیکن اگر پتھر کے گرنے کو کسی انسان کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی جن کی طرف تو خلاف نیچر ہوگا پس اگر دُنیا کو مانا جائے کہ اپنی فطرت کے موافق ایک مطلق ذات سے پیدا ہوئی ہے تو نیچر کے موافق ہے اور اگر اسکو خدا کی مخلوق مانا جائے تو نیچر کے خلاف ہے۔ مگر آپ تو گذشتہ تحریر مین ہمنے محض عقل کی رہنمائی سے تغیرات کو قدیم ماننے سے لیکر ذات مطلق کے درجہ تک تمام احتمالون کو دیکھا ہے اور آن مین سے ہر ایک پر کسی نہ کسی صورت مین قانون علیت کو توڑنے کا الزام آتا نظر آیا ہے اور ان کے بعد تخلیق

---

[1] کتاب گیان یوگ باب سیزدہم۔

کے احتمال کو دیکھا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اسکے اعتراضون پر ہم غالب آسکتے ہین اور ہم دیکھتے ہین
کہ دُنیا مین عام طور پر کسی نامعلوم سبب کو تلاش کرنے کے لئے یہی صورت ہوسکتی ہے کہ اسکے متعلق
تمام احتمالون مین سے جو اعتراضون سے پاک ہو اس پر یقین کیا جاسے۔ ہم جب چھت پر رکھے ہوئے
برتن کو زمین پر گرتا دیکھین اور دیکھین کہ نہ چھت گری ہے اور نہ ہوا ایسی چلی ہے جو برتن کو اُڑا سکے
اور نہ زمین کی کشش ایسی حالت مین اثر کرسکتی ہے تو ضرور اس احتمال پر یقین کرتے ہین کہ اس کو کسی
نے اٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہی صورت یہان پیدا ہوئی ہے اور تمام احتمالون کے غلط ہونے سے
ہمنے یقین کیا ہے کہ اس دُنیا کو کسی خالق نے پیدا کیا ہے اور پھر مفصل طور پر یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ پیدا
کرنے کے لئے جو عنوان ہماری عقل تسلیم کرتی ہے وہ موجود ہین اور جو اعتراض خیال مین آسکتے ہین
وہ غلط ہین تو پھر ایسے عمل کو نیچر کے خلاف قرار دینا کسی طرح صحیح نہین۔

اور دوسرے وہ ذات مطلق جس کو ویدانت کے حامی ان تعینات مین ظہور کرنے ہوئے
مانتے ہین اگر اس کو بے شعور اور بے ارادہ سمجھا جائے تو جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اسکو اپنے اطلاق کے درجے
ان تعینات مین ظہور کرنے کے لیئے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور اگر اسے ذی شعور اور ذی ارادہ
مانا جاوے اور کہا جائے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے یہ ظہور کرتی ہے تو یہ عمل خود ویسا نیچر کے مطابق ہوگا
جیسا سوامی جی کو مطلوب ہے کیونکہ موجودات کے جس قدر درجے فرض کئے جاسکتے ہین ان مین سب سے
آخری درجہ یعنے صرف انسان صاحب شعور نظر آتا ہے ورنہ اس کے نیچے جس قدر درجات ہین ان
مین یکے بعد دیگرے شعور و ارادہ معدوم ہوتا جاتا ہے حتے کہ مادہ کی ابتدائی شکلون مین اس کا
نام ونشان نہین رہتا پس ان تمام بے شعور درجون سے پہلا اور سب سے عام درجہ جس کو وہ
ذات مطلق کہتے ہین وہ سب سے زیادہ بے شعور ہونی چاہئے اور اگر صاحب شعور ہو تو رفتار عالم
سے عام تر نہ ہوگی اسلئے اس احتمال کو بھی خلاف نیچر کہنا چاہئے۔

اور پھر اگر خاص سے عام کی طرف جانے کو دیکھا جائے تو یہ بھی اپنی مکمل صورت مین محض
اسی احتمال مین موجود ہے کیونکہ ویدانت مین وجود کو خاص سے عام کرتے ہوئے اس عمل کو ایک

موجودی پر جاکر ٹھیرا دیا گیا ہے جس کو ذات مطلق کہتے ہیں اور اس کے خلاف اس اختمال میں مرکبات سے عناصر اور عناصر سے ایتھر وغیرہ عام تر اور لطیف تر موجودات کو فرض کرتے ہوئے آخر میں ایسے عام پر بس ہوئی ہے جس سے زیادہ عام خیال میں نہیں آسکتا یعنی عدم۔ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ خاص سے عام کیطرف وہ سلسلہ جاتا ہے جسمیں وجود کو وجود ٹھیرایا گیا ہے یا وہ جسمیں وجود کو تحلیل کرتے ہوئے عدم سے ملا دیا ہے اور پھر اس کے علاوہ ایک ایسے وجود کو مانا گیا ہے جو ہمیشہ سے یکساں رہا ہے اور رہیگا اور تغیرات کی آلایش کو اسکے ذات سے نہ مس ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

خدا کو ماننے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے؟

عقلی اعتراضوں کے بعد اُس اخلاقی اعتراض کا درجہ ہے جو سوامی ویکانند نے مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا ہے[1] کہ خدا کو ماننا انسان کو ذلیل بناتا ہے۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے تئیں عاجز جانتا ہے اور ہر کام میں ایک بیرونی طاقت کا محتاج بنتا ہے حالانکہ طاقت سب اس کے اندر ہے۔ پس جس قدر بدی دنیا میں ہے وہ بیشتر خدا کو ماننے کی وجہ سے ہو۔ اس سے اُس کو وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے جس سے مذہبی پیشواؤں کا ظلم و تشدد شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کو ایک بڑے آدمی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لیے قابل التفات ہو تو اور بات ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی واقعی حالت کو یقین کرنے سے انسان ذلیل کیوں ہو جاتا ہے اور جو ذلت واقع میں موجود ہو اُسے خدا کا انکار کرنے سے کیونکر دور کر سکتا ہے اور جو طاقت اسمیں نہیں ہے صرف اسکا خیال جما لینے سے کیا عزت پا سکتا ہے بیشک انسان کی فطرت میں بہت سی طاقتیں ودیعت ہیں اور جو لوگ اُن کو پیدا کر سکتے ہیں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھاتے ہیں لیکن جس شخص نے اُن طاقتوں کی مشق نہیں کی وہ واقع میں ذلیل ہے اور اس وقت اگر وہ خدا کو نہیں مانتا بلکہ خود خدا ہے جب بھی ذلیل خدا ہے۔ پس اس وقت محض غلط یقین کر لینے سے کہ میں سب کچھ کر سکتا ہوں وہ ذلت سے بری نہیں ہو سکتا اور کسی واقعی فخر کا مستحق نہیں بن سکتا اور نیز جو لوگ خدا کو مانتے ہیں وہ بھی ایسے شخص کو جو خدا کی دی ہوئی طاقتوں کی مشق نہیں کرتا ذلیل خیال کرتے ہیں اور فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اس کو خدا نے ہمت دی ہے

[1] کتاب گیان یوگ باب ہفدہم۔

دوسرے کا دست نگر ہو پس اس صورت میں خدا کو ماننے سے کیا ایسی قباحت لازم آتی ہے جو خدا کا انکار کرنے سے دور ہو سکتی ہو۔ اور ادھر ایسی بہت سی طاقتیں ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت نہیں ہیں۔ انسان انسانی جسم میں رہے اور ابد الاباد تک زندہ رہے ناممکن ہے۔ انسان انسانی جسم میں رہے اور قوانین قدرت اور بالائی طاقتوں کے اثر سے محفوظ رہ سکے ناممکن ہے یہ اور بات ہے کہ انسان کو خدا یا روح کا مظہر مانکر کہا جائے کہ مرنے کے بعد وہ روح یا خدا باقی ہے اس لئے انسان بھی غیر فانی ہے کیونکہ اُس وقت اگر غیر فانی مانا جائیگا تو اُس ہستی مطلق کو مانا جائیگا نہ کہ اس پیکر خاکی کو۔ پس وہ ہستی مطلق اس پیکر خاکی میں جلوہ گر رہی اور پھر دائم و باقی رہے یہ بدھ اور ویدانت کے نزدیک بھی ناممکن ہے پس اس واقعی حالت پر یقین رکھنا کیونکر ذلت کھلانیکا مستحق ہے اور اسکے خلاف مہمل طور پر اپنے اندر سب طاقتوں کا دعویٰ کرنا کہانتک قابل تحسین ہے اس وقت ویدانت یا بدھ مذہب کی بحث سے (جو گذر چکی) یک سو ہو کر جو امر واقع معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو طاقتیں واقع میں انسان کو حاصل ہیں انہی کا دعویٰ اسے زیب دیتا ہے اور انہی سے کام لینا اسکا فخر ہے اور انہی کو بیکار چھوڑنا ذلت ہے اور جہانتک کم از کم اس پیکر انسانی میں رہکر اس کی رسائی نہیں ہے اُن کا دعوے فخر بیجا ہے اور ان سے عاری ہونے کا اعتراف قابل ملامت نہیں اور اس بارہ میں خدا کو ماننے والے اور انکار کرنیوالے سب برابر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے کا دعویٰ عملی طور پر زبان سے اُتر کر دل تک کبھی نہیں پہونچ سکتا۔ جو لوگ خدا کو نہیں مانتے وہ بھی اس ہستی انسانی کے ضعف سے انکار نہیں کر سکتے اور ہر ایک کام جو وہ کر سکتے ہیں اس سے ثابت کرتے ہیں کہ کوئی اور طاقت یا قانون ہے جو ان کی موجودہ حالت سے برتر اور انکی موجودہ حالت پر حکمران ہے۔ کیا ہوا اگر وہ لفظا ہر دل خوش کن مثالوں سے اپنے تئیں تسلی دیتے ہیں کہ "صرف نام اور شکل ہے جس سے لہر سمندر سے جدا ہو گئی ہے"۔ یا "ہمنے اپنی آنکھوں پر خود ہاتھ رکھ کر اندھیرا اندھیرا لپکارنا شروع کر دیا ہے" ورنہ حقیقت چاہے کچھ ہو اس وقت جو کچھ موجود ہے لہر ہی کی شکل اور اسیکا نام ہے اس لیے وہ سمندر کی عظیم الشان طاقت کے ماتحت ہے اور جو پیکر انسانی

موجود ہے اسکی آنکھون پر ضرور ہاتھ رکھے ہوئے ہین اور اس لیے اِس وقت اسکو کسی نور یعنی رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت ہو اور جب یہ حالت موجود ہے تو اس وقت پانی کی پتلی سی لکیر ہونے کے وقت سمندر ہونے کا دعویٰ اور آنکھین بند ہونے کے وقت سب کچھ دیکھنے کا فخر ہرگز درست اور سچا نہین اور یہی وہ دعویٰ ہے جو خدا کو ماننے والے پیش کرتے ہین فرق صرف یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اُس بالاتر طاقت کی نسبت یقین رکھتے ہین کہ وہ ہم ہی ہین مگر ہمارا تعین اس وقت موجود نہین ہوا اور خدا کو ماننے والے اسکو "ہم" اور "مگر" وغیرہ قیود سے بھی پاک اور اصلی معنون مین برتر خیال کرتے ہین - پس خواہ کوئی ایسا خدا موجود نہ ہو مگر خدا ماننے والون کا محکوم ہونے کا دعوی ایسا صحیح ہے کہ منکرون کو بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہین پس ایسے دعوی کو دوسرون کے سر لگا کر کس طرح ذلت کا باعث قرار دیا جاتا ہے - یہ دعوی باعث ذلت اُس وقت ہوتا کہ فی الواقع انسان بقید انسانیت ہر قسم کا کمال رکھتا اور خدا کو نہ ماننے والے ان کمالون کو ظاہر کرتے ہوے دکھائی دیتے اور اس کے برخلاف خدا کو ماننے والے اپنے تئین محکوم سمجھ کر تمام طاقتون سے محروم رہتے تو اس وقت منکرین یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ خدا کو ماننے سے یہ ذلت نصیب ہوئی - مگر جب حالت اس کے برخلاف ہے اور موجودہ کمزوری مین دونون فریق یکسان ہین تو اس سچی حالت کو تسلیم کرنا کیونکر ذلت کا باعث قرار دیا جا سکتا ہے -

رہا یہ اعتراض کہ دنیا مین بدی محض خدا کو ماننے سے پیدا ہوتی ہے اسکا ثبوت نہین معلوم کیا ہوگا ورنہ جو لوگ خدا کو مانتے ہین وہ اُس کو محض نیک اور تمام نیکیون کا سرچشمہ سمجھتے ہین اور بدی کو اُس سے دور ہونیکا باعث خیال کرتے ہین پس اس خیال کا جب پختگی سے ذہن مین قائم ہو لازمی اثر ہے کہ انسان تمام برائیون کو ترک کرے اور ہمہ تن نیکی کا طالب ہو - اور ہم جو اِس کے خلاف بدی کرتے ہین تو اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو اعتقاد دراقع مین خدا پر ہونا چاہیئے اور جو یقین نیکی کرنے سے قرب ربانی کا انسان کو رکھنا چاہیئے وہ پایا نہین جاتا - مثلاً انسان کو یقین ہے کہ آگ مین ہاتھ ڈالنے سے جل جائیگا اس لیے کبھی کوئی دانستہ اس فعل کا مرتکب نہین ہوتا پس اگر اسی طرح کا یقین اس عقیدہ پر ہو کہ بدی کرنے

سے خدا سے بُعد ہوگا جو سب عذابون سے بڑھکر ہے تو انسان دانستہ ہرگز بدی کا ارادہ نہ کرے پس اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت مین خدا کا یقین کامل نہ ہونیکا یا دوسرے لفظون مین خدا کا انکار کرنیکا عنصر ہے
جو دنیا مین بدی کو رواج دیتا ہے نہ خدا کا یقین جیسا کہ ان اعتراض کرنیوالون کا خیال ہے وہ کہتے ہین کہ
خدا کو مانکر وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے اور بیشک خدا کو ماننے والے یقین رکھتے ہین کہ ان طاقتون
کا قیام جو خدا نے انسان کو دی ہین اور ان قوانین قدرت کا انتظام جو دنیا مین عمل کر رہے ہین سب کچھ خدا
کے ہاتھ مین ہے اور اس لیئے وہ کوئی کام کرنے کے وقت اپنی تمام طاقتون کو اور تمام بیرونی اسباب کو مہیا
رکھنے کے لیے خدا سے ملتجی ہوتے ہین مگر اس بارہ مین ان کے اس فعل سے کوئی اور بہتر فعل خدا کا انکار کرنے
والے بھی نہین کر سکتے کیونکہ اس دنیا مین رہکر وہ بھی تمام قوانین قدرت کے ماتحت ہین اور کسی کام کے
وقت ان کی بھی دلی آرزو یہی ہوتی ہے کہ جو اسباب اندرونی اور بیرونی اس کام کے لئے ضروری ہین
وہ مہیا رہین۔ اور پھر خدا کو ماننے والے جس وسیلہ کی تلاش کرتے ہین اگر وہ سچے خدا کو ماننے والے ہین تو
وہ وسیلہ محض خدا ہے۔ مذہبی پیشوا یا کوئی اور مددگار ان کے نزدیک بھی کارساز نہین ہو اس لیے مذہبی
پیشواؤن کا ظلم و تشدد جو ایمان والون کے سر تھوپا جاتا ہے وہ بھی حقیقت مین خدا کے اعتراف مین نقص
رہنے کے سبب پیدا ہوتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ خدا کو کامل کارساز نہ ماننا اور اس کے سوا دوسرے
بانیازون کو خدائی اختیار دیکر سیاہ و سفید کا مالک ٹھیرانا ہی خدا کے انکار کا بقیہ ہے جو اس قباحت کا
باعث ہوا ہے۔ ہان دنیا مین رہکر اپنے تمام کاروبار کے لیے اسباب کو تلاش کرنا انسان کا فرض ہے
وہ چلنے کے لئے لکڑی پر سہارا لیتا ہے سیکھنے کے لئے استاد سے مدد مانگتا ہے روحانی مشق کے
لئے روحانی پیشواؤن سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسی ضمن مین مذہبی پیشواؤن سے ان کے متعلقہ
فرائض مین ہدایت پاتا ہے مگر خدا کو ماننے والا ان سب چیزون کو ذریعہ گردانتا ہے اور فاعل حقیقی
ہر امر مین خدا کو جانتا ہے پس اگر یہ فعل بدی پیدا کرنے کا باعث ہو تو خدا کو نہ ماننے والے بھی اس سے
زیادہ کچھ نہین کر سکتے اور عالم اسباب کے قانون سے باہر ہوکر اور وسائل معینہ کو چھوڑ کر کوئی کام انجام
نہین دے سکتے۔

مسٹر بریڈلا کا اعتراض کہ دنیا جیسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہیں دیکھی

مذکورہ بالا استدلال میں چونکہ جابجا قانون علیت کا تذکرہ ہوا ہے اور ہر جگہ اس قانون کو جاری پاکر مانا گیا ہے کہ اس تمام نظام عالم کی بھی کوئی علت ہوگی اسلئے اس قانون کے متعلق مسٹر بریڈلا کا ایک اعتراض دلچسپ اور قابل غور ہے۔ انکا خیال [1] ہے کہ

"ہم کسی چیز کو دیکھ کر اسکی علت اور فاعل کی تلاش اسی لیئے کیا کرتے ہین کہ اور موقع پر ہمنے اپنی آنکھ سے وہ چیز کسی فاعل کے ہاتھ سے بنتی دیکھی ہوتی ہے مثلاً جنگل مین کسی کاغذ پر تحریر لکھی ہوئی دیکھ کر کسی لکھنے والے کا یقین اس لیئے کرتے ہین کہ اور موقعون پر ہمنے لوگون کو لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر جیسی یہ دنیا ہے ایسی دنیا کو ہمنے بنتے ہوئے کبھی نہین دیکھا اس لیئے اس دنیا کے فاعل کی تلاش عبث ہے"

اس استدلال کی قوت بیشک حیرت مین ڈالتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بریڈلا نے ہمکو ایسے موقع پر ٹوکا ہے کہ استدلال علیت کا تمام سلسلہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ مگر نہین معلوم یہ ہدایت جو طالبان خدا کو دی گئی ہے دیگر علوم دنیوی کی تلاش کرنیوالون کو بھی مسٹر موصوف اسی قسم کی تنبیہ کرتے ہین یا نہین اور اگر نہین کرتے تو اس وقت اپنے فرض سے کوتاہی کرنا کیون جائز سمجھتے ہین حالانکہ وہ لوگ بھی اکثر اپنے نتائج یقینیہ اسطرح بغیر کسی مقیس علیہ کے پیدا کیا کرتے ہین۔ مثلاً انہون نے زمین جیسے کرہ کو کبھی گیس کی حالت سے منجمد ہوتے ہوئے آنکھ سے نہین دیکھا اور چاند جیسے ٹکڑے کو کبھی زمین سے ٹوٹتے ہوئے مشاہدہ نہین کیا۔ اور نہ نظام شمسی کو ایک دور تک پھیلے ہوئے بخار کے بادل سے بنتے دیکھا ہے اور نہ آفتاب جیسے کرہ کا زمین کو اپنی طرف کھینچنا یا زمین جیسے کرہ کا چاند کو کشش کرنا یا کسی کرہ کا پہلے جاندارون سے اور نباتات سے خالی ہوتا اور پھر بتدریج آباد ہوتے جانا یا آفتاب کا حرکت کرنا اور زمین کا اسکے گرد گھومنا نظر سے گذرا ہے۔ غرض کوئی واقعہ جو تحقیق عالم کے متعلق ہو اپنی آنکھ سے نہین دیکھا اور جہانتک افرادی یا مجموعی نظر کا تعلق ہے اس عالم کو اسی شکل پر آباد دیکھا ہے مگر باوجود اس کے

[1] فری تھنکرس ٹکسٹ بک صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۳ سنہ ۱۸۸۲ء

وہ ان تمام واقعات پر یقین رکھتے ہین اور یقین پیدا ہونے کی وجہ یہی ہوئی ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے واقعات مین اس قسم کے انقلاب نظر آتے ہین پس جس طرح پر کہا جاتا ہے کہ جنگل مین پڑے ہوئے کاغذ کا لکھنے والا مانو مگر دنیا کے بنانے والا نہ مانو اس لیئے کہ ایسے بنانے والے کو دیکھا نہین اسی طرح یہان اعتراض ہونا چاہیئے کہ بخار سے پانی اور پانی سے برف بن جانے کو مانو مگر گیس سے زمین بن جانے کو نہ مانو اس لیئے کہ ایسا مشاہدہ نہین ہوا اور درخت سے پھل گرنے کو زمین کی کشش کہو مگر زمین کی حرکت کو آفتاب کی کشش نہ کہو بلکہ زمین کو حرکت کرتے ہوئے بھی نہ مانو اس لیے کہ ایسا کبھی دیکھا نہین اور کسی انسان کا کبھی منہ نظر آنے پر اور کبھی پشت دکھائی دینے پر بیشک کہو کہ وہ شخص گھوم رہا ہے مگر آفتاب کے داغون کو سامنے آتے جاتے دیکھ کر نہ کہو کہ وہ حرکت کرتا ہے اس لیے کہ اتنے بڑے جسم کی دوری حرکت کا کبھی تجربہ نہین ہوا بلکہ جس طرح پر وہان مسٹر بریڈلا کہتے ہین کہ دنیا یونہی پیدا ہو گئی ہو گی اسی طرح یہان کہنا چاہیئے کہ زمین ہمیشہ سے یونہی آباد ہو گئی ہوگی اور حرکت بے وجہ پیدا ہو گئی ہو گی اور آفتاب کے داغ بے سبب سامنے آتے جاتے ہونگے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بریڈلا کا اعتراض غلط ہے اور کسی بڑے واقعہ کے لیئے اسی جیسا آنکھون سے دیکھنا ضرور نہین بلکہ انسانی عقل کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ کسی چھوٹے واقع کو دیکھتی ہی اسکی وجہ تلاش کرتی ہے اور چند واقعات مین وہی علت موجود پانے پر کلیہ بناتی ہے اور پھر اس کلیہ کو بڑے واقعات سے متعلق جاری کرنے کی تکمیل ہوتی ہے کہ بڑے واقعہ کی جو حالت موجود ہے اسکا اور اسکی ضد کا اور دیگر کسی قدر مخالف حالات کا تصور کر کے اپنے کلیہ قاعدہ کو جس حالت پر منطبق پاتی ہے اس کے وجود کا حکم دیتی ہے اور اسی طرح یہان تمام دنیا مین معلول کو بغیر علت کے موجود ہوتے نہین دیکھا گیا اس لیے اس کلیہ کو تسلیم کرنا پڑا اس کے بعد مختلف علتون کے مختلف اوصاف دیکھے اور ان اوصاف کے مطابق معلول مین مختلف حالات نظر آئے یون اور کلیات بنتے گئے اور ان سب کی مجموعی حالت کو مد نظر رکھ کر جب ایجاد عالم کی نسبت غور کیا تو دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے خلاف صرف مادہ کے موجود ہونے کی حالت یا بالکل معدوم ہونے کی حالت یا ایک خدا کے قدیم ہونے کی حالت غرض اس قسم کی تمام

صورتون کو تصور کیا گیا اور قانون علیت کو ہر حالت پر منطبق کرنا چاہا شدہ شدہ اس نتیجہ پر پہونچے
کہ یہ قانون جبھی مطابقت کھاتا ہے کہ کوئی فاعل ہو جس نے عالم کو نیست سے ہست کر دیا ہے

ثبوت باری تعالی کو ضعیف کرنے کے اسباب۔

غرض جس طریق استدلال سے یہان کام لیا گیا ہے اگر اس مین غلطی نہین
تو کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی علمی قوت سے عالم کے پیدا ہونیکا احتمال دیگر تمام
مذہبی اور غیر مذہبی احتمالون کی نسبت زیادہ قرین عقل اور اعتراضون سے پاک ہے اور نیز کہا جا سکتا
ہے کہ موجودات عالم کا سلسلہ علت و معلول اور موجودات عالم کی ترتیب اور نظام اور خود انسان
کی اندرونی طاقتین یہ سب بلکہ خیالات کا ایسا سلسلہ بتلاتے ہین جو اس بالا ہستی کا پتہ دیتا ہے
اور اس کے خلاف جس قدر اعتراض پیدا کئے جاتے ہین ان مین جن مقدمات کو کلیہ فرض کیا جاتا
ہے وہ واقع مین کلیہ کہلانے کے مستحق نہین ہوتے مثلاً نیست کا ہست نہ ہوسکتا یا موجودات
خارجی کے سوا کسی اور چیز کا تصور مین نہ آنا اور اس کے سوا اور قاعدے جو گذشتہ اعتراضون
مین تسلیم کئے گئے ہین ثابت ہوا ہے کہ وہ واقع مین قاعدہ کلیہ نہین ہین۔ اور اس کے علاوہ
ایک بڑی بات یہی ہے کہ جو لوگ مذہب کے خلاف قلم اٹھاتے ہین وہ اپنے اعتراضون مین اس
طرح بھی کامیاب ہوئے ہین کہ انھون نے دلیل ثبوت کے چند ٹکڑے کر لیے ہین اور ان مین سے
ہر ایک ٹکڑے کو جو واقع مین پوری دلیل کا ایک ایک مقدمہ ہے مکمل دلیل گردان کر ثابت کرنا چاہا کہ
ان دلیلون سے خدا کا ثبوت بہم نہین پہونچتا مثلاً سلسلہ علیت کو ایک دلیل اور نظام عالم کو
دوسری دلیل اور عقائد فطری کو تیسری دلیل ٹھیرایا گیا ہے اور پھر اعتراض کیا گیا ہے کہ اتنی اتنی
بات سے مدعا ثابت نہین ہوتا گویا کسی انسان کی طاقت کو آزمانے کے لئے اس کے دست و پا اور
دیگر اعضا کو کاٹ کر پھر ایک ایک کی جداگانہ حالت کو انسانی قوت کا معیار فرض کیا گیا ہے حالانکہ انسانی
طاقت مکمل انسان مین دیکھنی چاہئے۔

مثلاً مسٹر جان سٹوارٹ مل نے علت اولی کو دلیل مانکر اعتراض کیا ہے کہ دنیا مین مادہ
قائم رہتا ہے اور صرف حالات بدلتے ہین اس لیے مادہ کے لیے کسی علت کی ضرورت نہین اور علت

اولی کی تلاش بالکل فضول ہے مگر اتنی سی بات سے خود اُن کو بھی اطمینان نہین ہوا۔ اور واقع مین یہان سوال پیدا ہوتا ہے کہ انقلاب حالت کی علت کیا ہوگی؟ چنانچہ اسی سوال پر اُنھون نے غور کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمام علوم جسمانیہ کی متفقہ شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ تغیرات کی علت فورس یعنی طاقت کی کچھ مقدار اور ترتیب ہے اور اس لیئے علت اُولیٰ مادّہ کو یا فورس کو کہنا چاہیئے ورنہ کوئی خدا موجود نہین ہے جسے علت اولیٰ مانا جائے۔ غرض اس نتیجہ تک پہونچ کر انھون نے اپنی طرف سے دلیل علت کو غلط ثابت کر دیا ہے حالانکہ ابھی اس دلیل سے خدا کو ثابت کرنیکا موقع ہی نہین آیا تھا بلکہ یہ ایک ابتدائی تمہید تھی جس کے بعد خیال کرنا چاہیئے تھا کہ جس قوّت کو علت اولے قرار دیا جاسکتا ہے وہ قدیم ہونی چاہیئے ورنہ اُس کے لیئے کسی اور علت کو تلاش کرنا پڑیگا اور پھر قوت اور مادّہ دو چیزین جدا گانہ قدیم نہین ہوسکتین ورنہ دونون کا مرکب ہونا لازم آئیگا اور بقول مسٹر سپنسر ان کے اس جزء کو جو دونون مین مشترک ہے قدیم ماننا پڑیگا اور پھر قدیم قوت کو[1] دیکھنا چاہیئے تھا کہ نظام عالم کی شہادت سے اُس مین پیش بینی اور علم بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح دلیل علیت سے اس قدیم اور علیم ہستی تک پہنچ سکتے تھے جس کے علمی فورس کو وہ دنیا مین کام کرتے دیکھتے ہین اور واقع مین اُس وقت اس دلیل کی وہ قوت معلوم ہوتی جس کو اُنھون نے قلم کی ایک کشش سے اُڑانا چاہا ہے۔

اسی طرح مسٹر مل نے نظام عالم کو ایک مستقل دلیل فرض کیا ہے اور اسکو ناچیز ثابت کرنا چاہا ہے آخر مین تسلیم کیا ہے کہ "ہمارے علم کی موجودہ حالت مین یہ دلیل وجود خدا کا ایک گمان غالب پیدا کرتی ہے"۔ اور پھر فرمایا ہے کہ اور دلائل ثبوت سے اس دلیل کو کوئی قوت نہین ملتی۔ حالانکہ یہ دلیل بھی مکمل دلیل کا ایک درمیانی مقدمہ ہے اور اس کے ساتھ علت اولے کی دلیل کو ضرور خیال کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ بقول ان کے فزیکل سائنس کی تمام شاخون سے ثابت ہوتا ہے کہ مادّہ کے علاوہ ایک قوّت موجود ہے جو تمام تغیرات کو پیدا کرتی نظر آتی ہے اور پھر دیکھنا چاہیئے

[1] اس موقع پر باب گذشتہ مین وحدت وجود یا دی کی بحث ملاحظہ ہو۔

کہ وہ قوت جسکو اِس دلیل نظام سے علیم بھی کہنا چاہیئے بدین وجہ قدیم اور یگانہ بھی ہے کہ اگر حادث ہو تو اس کے لیے اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور یگانہ نہ ہو تو مرکب اور حادث ٹھیرےگی اور اس طرح تمام دلائل کو یکجا کرنے سے خدا اور اسکی علمی قوت کا پتہ اس سے زیادہ ملتا جس قدر صرف نظام سے آنکو ملا ہے ۔۔

لامحدودیت

اِسی طرح دلائل عقلیہ کو جو موجودات حسی سے بنائی جاتی ہین غور کرتے ہوئے لوگ اعتراض کرتے ہین کہ ان سے اگر خدا ثابت ہوتا ہے تو اسکی لامحدود قوت ثابت نہین ہوتی یا یہ کہ اُس کی لامحدودیت کو ہم سمجھ نہین سکتے۔ اور بیشک ہم خود محدود ہین ہماری نظر، ہمارا تجربہ ہماری عقل اور اس کا استدلال سب کچھ محدود ہے۔ ہم جہان تک غور کرین اور جہان تک موجودات عالم کی مخفی سے مخفی حالات کا پتہ لگائین وہ سب محدود ہوگا اور اس لیے اُن کے فاعل کا فعل بھی جو اس وقت تک ہمارے سامنے آئیگا وہ محدود ہوگا اور غیر محدود کو ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے کہ اُس غیر محدود ذات مشخص اور معین طور پر ہمارے پیش نظر ہو پس ہمکو اِس اعتراف کے سوا چارہ نہین کہ غیر محدود کو محض استدلال عقلی سے ثابت کرنا اور منوانا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ مگر یہان بھی استدلال کو ناقص چھوڑنے کا جُرم کسی قدر موجود ہے کیونکہ اِس وقت صرف موجودات حسی کو دیکھا گیا ہے اور جو قوت ان کے ساتھ جذبہ فطری کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے اسکو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ مذہب اور خدا کے اعتقاد کی جو حقیقت تھی وہ اسی جذبۂ فطری مین پائی جاتی ہے اور موجودات خارجیہ کو دیکھنے کا صرف اسی قدر فائدہ تھا کہ جس خدا کے خدا ہونے کی آواز ہمارے ہی نوع کے ہر عالم و جاہل کے دل سے ہر ملک اور ہر زمانے مین کسی نہ کسی شکل سے پیدا ہوتی رہی ہے اور جس کو کوئی اندر بیٹھا ہوا لامحدود اور بے انت پکار رہا ہے اُس کا اعتقاد محض دل ہی مین جاگزین نہین ہے بلکہ دُنیا کے ہر ذرہ سے بھی اُسکی اپنی اپنی قابلیت کے موافق اس ہستی کا کچھ نہ کچھ نشان ملتا ہے اور اسی نشان ڈھونڈھنے کا نام استدلال عقلی ہے۔ اس لیے موجودات حسی سے یہ امید ہی رکھنی فضول تھی کہ وہ خدا کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ ہمارے

سامنے جلوہ افروز کر سکین گی۔ پس جو دعوی غیر محدود ہستی کا مذہب کی طرف سے پیش ہوتا ہے وہ عقل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ہمارے وجدان اور جذبہ مذہبی نے ہی سمجھا ہے اور ہمارے اندر اسکی جڑ ایسی مضبوط ہے کہ خواہ سمجھ مین نہ آئے اور کوئی واضح ثبوت بہم نہ پہونچے لیکن پھر بھی ان محدود اشیا اور محدود خیالات کو دیکھ کر ذہن ان سے پرے ایک غیر محدود ہستی کیطرف جاتا ہے اور اسی غیر محدود کی تلاش ہے جس کے لیے ابتدائے آفرینش سے ابتک ہزارون طرح کے مذہبی جد و جہد ہو چکے ہین اور یہ اس کے سمجھ مین نہ آنے کا سبب تھا جس سے ہر ایک ناقص مذہب نے غیر محدود مانکر پھر اسکو کسی نہ کسی ایسی شکل مین سمجھا کہ غیر محدود محدود ہو گیا۔ اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس فطری تلاش کا آخری مقام ہوناہی یہ چاہئے تھا کہ غیر محدود مانکر اس کو غیر محدود ہی رہنے دیا جائے اور اسکی ذات اور کُنہ کو سمجھنے کی ہر ایک کوشش کو ترک کیا جائے اور صرف وہی تعلق دریافت کرنے پر اکتفا کی جائے جو ہمکو اس ذات کے ساتھ ہے کیونکہ اُس ذات کے متعلق سمجھ جہان تک جائیگی وہان تک غیر محدودیت نہ رہیگی۔ پس استدلال عقلی سے غیر محدودیت کا ثابت نہ ہونا درحقیقت اعتراض نہیں بلکہ اگر عقل ایسا ثابت کرسکتی تو ایک طرح سے اعتراض ہوتا کہ وہ ذات عقل کے احاطہ مین آگئی اسلئے غیر محدود نہین ہے۔

مگر اسکی ذات یا ذات کی غیر محدودیت کو سمجھ نہ سکنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اُس ذات کا خیال جو ہمارے ذہن مین فطرت نے ودیعت کیا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ بحیثیت عطیّہ فطرت ہونے کے اُسکو ترقی دین اور دیگر نفسانی غلطیون سے پاک کرکے اس کے حقیقی ثمرہ کو حاصل کرین اور پھر ہم جو اس کا اعتراف کرتے ہین اور دنیا مین اسکی نظیر تلاش کرتی ہین تو اگرچہ کوئی کامل نظیر دستیاب نہین ہوتی مگر نامکمل سی نظیر پھر بھی مل ہی جاتی ہے کیونکہ ہم دنیا کی چیزون کو دیکھتے ہین اور اپنی اور تمام گذشتہ تجربہ کرنے والون کی متفقہ کوشش سے یقین کرنے لگتے ہین کہ کم از کم اس وسیع دنیا کے کسی گوشہ کے تمام نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کو جان گئے ہین مگر پھر بعد مین اپنے زمانے کی نظر یا آئندہ آنے والون کی نظر کو اور نباتات اور حیوانات ایسے دکھائی

دی جاتے ہین جن کو پہلے تجربہ کرنیوالون نے نہ دیکھا تھا۔ اسی طرح زمین و آسمان اور اجرام علویہ کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہین اور سمجھنے لگتے ہین کہ ہم اس فضا کے کونے کونے سے واقف ہو گئے مگر بعد مین ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی چیزین پہلے نظر نہ آئی تھین جواب دکھائی دینے لگی ہین پھر ان چیزون کی اندرونی ساخت کو دیکھنے لگتے ہین کھول کھول کے اور تحلیل کر کر کے گمان کرتے ہین کہ بس اب سب کچھ معلوم ہو گیا مگر تجربہ اور آگے بڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ ابھی تمنے دیکھا ہی کچھ نہین پھر چیزون کے خواص اور تاثیرون کو دیکھتے ہین اور ایک حد پر پہونچ کر ہمہ دانی کا دعوی کرنے لگتے ہین مگر زمانہ ثابت کرتا ہے کہ اس امتحان مین بھی فیل ہوئے اور بہت سی خواص اور تاثیرین باقی ہین جو ہمہ دانی کے وقت معلوم نہ ہوئی تھین۔ غرض کہنے کو کہدینا آسان ہے کہ دُنیا جس کو ہم دیکھتے ہین محدود ہے مگر دُنیا کے کسی ایک چھوٹے سے حصہ کو بھی یقینًا محدود ثابت کر دینا بہت مشکل ہے اور ہمارے گذشتہ ناکام تجربے ثابت کرتے ہین کہ اشیاء موجودہ کی تعداد ان کے اقسام ان کے افراد اور ان کے خواص کوئی بھی کسی حد تک ختم نہین ہوتے اس لئے اگر اس نظام کے بنانے والے کی طاقت کو خشک منطقی استدلال سے نامحدود ثابت نہین کیا جاسکتا تو کم از کم ایسا نامحدود ضرور ماننا پڑتا ہے جس کو انسانی عقل احاطہ نہ کر سکے اور انسان کی عقل ہی وہ بڑی کائنات تھی جو جذبہ فطری کے مقابل مین کچھ چون و چرا کر سکتی ہے پس جب وہی اس کو احاطہ نہین کر سکتی تو وہ کوئی طاقت ہے جس نے اسکی قدرت کو گھیر کر محدود کیا ہوا ہے اور جس سے جذبۂ فطری ہار مان سکتا ہے۔

مسٹر سپنسر ایک مقام پر اشیاء عالم مین سے صرف علم کو دیکھتے ہین کہ وہ محدود ہے یا غیر محدود چنانچہ لکھتے ہین کہ[1]

" اب اندرونی حالات کی طرف توجہ کرین اور اپنے علم کے درجات کو دیکھین کہ کیا ہماری قوتِ ادراک محدود ہے یا غیر محدود۔ غیر محدود تو کہہ نہین سکتے ایک تو اس لیے کہ ہم بالواسطہ جانتے ہین کہ اسکی کوئی ابتدا ضرور تھی اور دوسرے غیر محدود کوئی ہو سمجھ سے بالاتر ہے اب اگر محدود کہین تو یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی کنارہ ہمارے علم مین نہین۔ اپنے حافظہ کو دیکھو اور خیال کا

[1] فرسٹ پرنسپلز باب سوئم صفحہ ۶۱ ۱۸۸۴ء۔

دوربین سے جہان تک تیچھے کو جا سکتے ہو جاؤ تو تاریکی چھا جائیگی اور کچھ نظر نہ آئے گا اور نہ معلوم ہوگا کہ ہم نے کہاں سے شروع کیا تھا۔ اور یہی حال انجام کا ہے کہ آیندہ کے لیے کہیں ختم ہوگا یا ہم کو علم نہیں۔ حال میں جو سب سے آخری درجہ علم موجود ہے وہ بھی ہم دریافت نہیں کر سکتے کیونکہ جس درجہ کو ہم آخری سمجھیں وہ حقیقت میں آخری نہیں کیونکہ اس وقت ہم اسکو آخری سمجھ رہے ہیں اور یہ بھی ایک علم ہے جو آخری کے بعد آیا پس آخری آخری نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس کی حد معین طور پر جان نہیں سکتے مگر بالواسطہ یہ خیال تو کر سکتے ہیں کہ اسکی کوئی حد ضرور موجود ہوگی مگر ایسا نہیں۔ ہم خیال بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہم سلسلہ واقفیت کا انجام نہیں دیکھ سکتے سوا اسکے کہ ایک اور تصور انجام کے متعلق قایم کرتے ہیں۔ اور نیز جب کوئی کیفیت ذہنی پیدا ہوتی ہے تو اسکی نسبت ہم جانتے ہیں کہ وہ پہلی حالت ذہنی کی مانند ہے یا نہیں کیونکہ اگر یہ معلوم نہ ہو تو وہ کیفیت ذہنی ممتاز نہ ہوگی اور پہچانی نہ جائیگی پس اسکو علم بھی نہ کہ سکیں گے۔ اس لیئے اسکی نسبت مانند ہونے یا نہ مانند ہونے کا خیال ایک اور علم ہے جو اس کیفیت ذہنی کے بعد پیدا ہوا''

غرض یہ ہیں وہ نظیریں جو اگرچہ مکمل نہیں ہیں مگر تاہم درجات علم اور دیگر اشیاء کو پیدا کرنے والے کی نامحدود قوت کا کچھ نہ کچھ پتہ دیتی ہیں اس لیئے مذہب کا خدا کو نامحدود سمجھنا اگرچہ وجدان پر موقوف ہے مگر عقل کے رو سے بھی ایسا نہیں کہ اسکی کوئی بنیاد نہ ہو یا اس کی تردید ہو سکے *

پیدائش کے متعلق مذہبی شہادتین

ویدبھگوان کی شہادت - بائبل کی شہادت - قرآن کی شہادت - اول - دوئم - سوئم - چہارم - پنجم - ششم
وحدت وجود کا نقلی استدلال - انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا - خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا -

ہمیشہ سے ایک نامحدود قدرت رکھنے والے وحدہ لاشریک خدا کا موجود ہونا اور ازل سے اسکے علم مین مقدر ہونا کہ ایک وقت پر وہ سلسلۂ کائنات کو عدم سے وجود مین لائیگا اور پھر اُس وقت پر اُسکی علمی طاقت سے خیالی تصویر کی طرح عالم کا وجود مین آنا بھی وہ صورت ہی جو تمام دیگر احتمالات کی نسبت وقتون سے خالی اور قرین عقل ہے اور یہی وہ صورت ہی جس پر الہامی روایات اور پیشوایان مذہب کے اقوال منطبق ہوتے ہین -

وید کی شہادت | مثلاً وید مین مذکور ہے کہ [۱]

"اُس پرماتما کی نابھی یعنے ناف سے درمیانی عالم پیدا ہوا - سر سے بالائی عالم اور پاؤن سے زمین ہوئی اور کانون سے سمت - اسی طرح وہ سب لوگون کو بھی پیدا کرتا ہے"

---

[۱] یہ مضمون یجروید ادھیاء نمبر ۳۱ منتر ۱۲ کا ہے اور اگرچہ یقیناً کہا نہین جاسکتا کہ وید مقدس کا دعوی الہامیت کہان تک درست ہے مگر بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اس قدر ہمکو یقین ہے کہ اس سرزمین اور اس قوم مین بھی حسب ارشاد قرآنی ضرور انبیا مبعوث ہوے ہونگے - اور فرامین الٰہی کسی نہ کسی طرز مین اُن پر اُتارے گئے ہونگے اس لئے ممکن ہے کہ وید بھی اسی قسم کی کتاب ہو - خواہ بعد مین اُسکی شکل جیسا کہ بعض دیگر الہامی کتابون کی نسبت دیکھا جاتا ہی بعض جگہ یا ہر جگہ بدل گئی ہو یا شروع سے کچھ تو حسب استعداد زمانہ اور زیادہ تر مضمون کی پیچیدگی کے سبب وہ مضامین مجمل الفاظ اور پیچیدہ استعارون اور تشبیہون کی شکل مین بیان کئے گئے ہون ؀

اس منتر کے الفاظ میں چونکہ خدا کو انسان کی طرح دست وپا اور دیگر اعضا سے متصف مانا گیا ہے
جو یقیناً شان ایزدی کے خلاف ہی اس لیے اگر یہ الفاظ الہامی ہیں تو ضرور ان کا مطلب کچھ
اور ہوگا اور جو اور مطلب قرار دیا جا سکتا ہے وہ یہی ہے کہ علم خداوندی میں جو صورت اس سلسلہ
کائنات کی ہوگی اسمیں ضرور بلندی پستی اور اطراف وغیرہ ہون گے کیونکہ علم یا خیال میں کوئی
چیز موجود ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے تمام اجزا کی ترتیب اور تصویر موجود ہے اور چونکہ
وجود اسی کی علمی طاقت سے ہوا ہے اس لیے جو صورت اس کے علم میں ہوگی اسی کے مطابق ظہور
ہوا ہوگا پس جس طرح کی مخلوق اس کے علم میں جس جس جگہ کے لیئے مقرر ہوگی وہ سب اسی جگہ پیدا
ہوئی ہوگی پس اس مضمون کو بیان کرنیکے وقت اس علمی صورت کو اطراف وجوانب رکھنے کی
سبب انسان سے تشبیہ دیکر بیان فرمایا گیا ہے کہ جو شکل اس صورت کی ناف یعنی وسط میں تھی
وہی درمیانی عالم کی ہے اور جو صورت بالائی جانب میں تھی وہی دنیا کی بالائی جانب کی ہوئی
اور اسی طرح تمام اشیا میں اسی علمی تصویر کے مطابق ظہور پذیر ہوئیں اور پھر چونکہ علم خدا کا تھا اس لیے
یہ ایک استعارہ استعمال کیا گیا کہ صفت کی بجائے خود موصوف کا ذکر کر دیا گیا اور یوں بیان
ہوا کہ خدا کی ناف اور سر وغیرہ سے دنیا موجود ہوئی۔

اسی طرح ایک خاص منتر میں جو اشمید یگ کے آخری اشنان میں پڑھا جاتا ہے اور جس کو
ویدک دھرم والے اب سندھیا کا پہلا منتر شمار کرتے ہیں لکھا ہے کہ

"پہلے یعنی عدم محض کی حالت میں برہم ہی برہم (خدا) تھا اور پھر جب دنیا کا آغاز ہوا تو پہلے
تاریکی پیدا ہوئی اس کے بعد پانی کا سمندر پیدا ہوا۔۔۔۔۔"

اس موقع پر پہلے تاریکی کو پیدا کرنے کا ذکر ہے حالانکہ تاریکی نور کا عدم ہے اور جس وقت میں نور نہ ہو وہ
خود بخود موجود ہوتی ہے اس لیے اسکو پیدا کرنیکا کوئی مطلب نہیں سوا اس کے کہ اگر نور موجود نہ ہوتا
تو تاریکی بھی ممتاز اور ممیز نہ ہوتی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس لیے تاریکی کی شناخت
نور کو پیدا کرنے سے ہوئی ہے اور اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ تاریکی مخلوق نہیں مگر اس کا امتیاز

مخلوق ہے اور وہ اسی وقت ہوا ہے جبکہ نور کو پیدا کیا گیا اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ جب کسی چیز کو موجود کرنیکا خیال اور ارادہ ہوتا ہے تو اس خیال اور ارادہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے نابود ہونے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ یہ حالت عدم دور ہو۔ غرض موجود کرنیکا پہلا قدم نابود ہونے کی طرف توجہ کرنا ہے اور چونکہ اسی توجہ سے اس کا امتیاز پیدا ہوگا اس لیے اس مضمون کو مختصراً یون کہدیا گیا کہ سب سے اول تاریکی یعنے عدم کو پیدا کیا۔

اسی مضمون کو قرآن شریف مین صاف الفاظ مین بیان کیا گیا ہے اور ارشاد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۵ انعام پارہ ۷ ع ۱	حمد کے لایق وہ خدا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ظلمت و نور کو بنایا

یہان پیدا کرنیکا لفظ موجودات پر استعمال کیا گیا ہے اور نور جس کا ظہور بعض موجودات کے پیدایش سے ہوا اور تاریکی جو نور کے سبب سے ممتاز ہوئی ان کو جَعَل یعنی بنانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور چونکہ ظلمت مقدم ہے اور اسی کی طرف توجہ کرنے سے وجود اور نور پیدا ہوا ہے اس لیے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر کیا گیا۔

بائبل کی شہادت ایسے کھنگی کی چادر مین چھپے ہوئے جواہر کے بعد جو دید مقدس سے تلاش کرنے پر مل سکتے ہین جس الہامی کتاب تک مجھے دسترس ہے وہ عہد عتیق وجدید ہے چنانچہ اس مین اس مضمون کو کسیقدر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب امثال مین علمی قوت کو دانائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی زبان سے کہا گیا ہے۔

"خداوند اپنے انتظام کے شروع مین مجھے رکھتا تھا۔ اپنی صنعتون سے پیشتر قدیم سے مین ازل سے مقرر ہوئی۔ زمین کی پیدایش کی ابتدا سے پہلے . . . . (باب ۸ آیت نمبر ۲۳-۲۴ وغیرہ)

اور کتاب یوحنا کے آغاز مین یہی مضمون ہے جس مین علمی قوت کو کلام کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ زندگی اسی میں تھی اور وہ زندگی انسان کا نور تھی..."

قرآن کی شہادت قرآن شریف میں اس مضمون کو متعدد جگہ مختلف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ

اول ۱- مذکور ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور چونکہ تمام اشیا میں مادہ بھی شامل ہے اس لیے مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ سب کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ارشاد ہے

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ (انعام پارہ ۸ ع ۱۳)

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ اس کی ہمخوابہ کوئی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے (اور کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہی خدا تمہارا پروردگار عبادت کے لائق اس کے سوا کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے تم اسی کی عبادت کرو۔

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

وہ خلق کو آغاز کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (فرقان پارہ ۱۸ ع ۱)

وہ ذات ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت ہے اور جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں اور جس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر فرمایا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

یہ خدا تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پس تم کیونکر اس پر افترا باندھتے ہو

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـــًٔا مَّذْكُوْرًا (دہر پارہ ۲۹ ع ۱)

کیا انسان پر زمانہ کا ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔

دوئم ۲- پیدائش کے ساتھ اپنی صفت علم اور صفت ارادہ اور قدرت کو ذکر کیا ہے اور بیشک نیست سے ہست ہونے کی یہی صورت ہے کہ کس چیز کا خیال یا علم ہو اور اس کو موجود کرنے کی خواہش ع

اور ایسی قدرت حاصل ہو،

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۳)

اس نے کہا کہ اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (مائدہ پارہ ۶ ع ۱۳)

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (اور کیوں نہ ہو) خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ (انعام پارہ ۷ ع ۱۳)

اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور (کیوں نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (روم پارہ ۲۱ ع ۱۱)

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور (کیوں نہ ہو) وہ دانا اور قادر ہے۔

ذٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ الَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)

یہ چھپی کھلی کو جاننے والا غالب اور مہربان خدا ہے جس نے ہر چیز کو خوبی سے پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کا آغاز مٹی سے کیا۔

يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)

زیادہ کرتا ہے پیدائش میں جو چاہتا ہے بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)

کہدو کہ زندہ کریگا اُن کو وہ جس نے پیدا کیا تھا اُن کو پہلی دفعہ اور وہ ہر مخلوق کو جانتا ہے

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (ایضاً)

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا قادر نہیں ہے کہ اُنھی جیسا پیدا کرے۔ ہاں کیوں نہیں وہ پیدا کرنیوالا اور جاننے والا ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (حمعسق پارہ ۲۵ ع ۲)

زمین و آسمان کو پیدا کرنیوالا جس نے تمکو جوڑا جوڑا بنایا اور چارپایوں کو جوڑا جوڑا بنایا۔ تمکو زمین پر پھیلاتا ہے اس جیسا کوئی نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ

(زخرف پارہ ۲۵ ع ۱)

اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے کہ ان کو ایک غالب اور دانا نے پیدا کیا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

اور خدا کے لیے ہے آسمان و زمین کا لشکر اور اللہ علم و حکمت کا مالک ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ

(ذاریات پارہ ۲۷ ع ۳)

آسمان کو ہمنے اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کو بڑی قدرت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ط

خدا وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی قدر زمینیں اسکا حکم ان میں نافذ ہے تا کہ تم جانو کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اپنے علم سے ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (سپارہ ۲۸ ع ۱۸)

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

(ملک پارہ ۲۹ ع ۱)

کیا تم کو پیدائش کے متعلق غور کرنے سے ہی اسکو علم و قدرت کا پتہ لگے کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا؟ حالانکہ وہ لطیف اور دانا ہے

سوئم ۳- مذکور ہے کہ وہ چیز کو موجود ہونے کے لیے حکم دیتا ہے اور وہ فوراً ہو جاتی ہے اور فی الحقیقت جو چیز خیال کی قوت کے ساتھ نسبت سی ہست کیجائے انہیں صرف خیال کرنا کافی ہوگا اور اس سے زیادہ کسی سامان کو مہیا کرنے کی ضرورت نہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۴)

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے اور جب حکم دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران پارہ ۳ ع ۵)

اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ جب حکم دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وہ وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور

وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ (انعام پارہ ۷ ع ۹)

جس دن کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (نحل پارہ ۱۴ ع ۵)

ہماری بات کسی چیز کے لیے جب ہم اس کا ارادہ کریں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس پارہ ۲۳ ع ۵)

اسکا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (مومن پارہ ۲۴ ع ۸)

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس حکم دیتا کسی بات کا تو صرف کہتا ہے "ہو" وہ ہو جاتی ہے۔

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (قمر پارہ ۲۷ ع ۹)

ہمارا حکم صرف ایک ہے جیسے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ لینا۔

چہارم ۴- مذکور ہے کہ خدا سب چیزوں پر محیط ہے اور سب کو بلکہ ہر ذرہ کو جانتا ہے اور اس کی حفاظت اسکے لیئے دشوار نہیں ہے اور واقع میں کسی چیز کے علم اور قبضہ اور حفاظت میں دشواری جبھی ہوتی ہے کہ وہ پہلے سے موجود ہو اور دوسرے شخص کو بعد میں اس پر تصرف کرنا پڑے مگر جب تمام اشیاء کو علمی قوت سے موجود کیا جائے تو اس علم کا وجود بعینہٖ تمام اشیاء کا وجود ہے اور علم ہی کے موجود رہنے سے وہ سب چیزیں قبضۂ قدرت اور احاطہ میں رہ سکتی ہیں اور جبتک خیال یا علم میں وہ اشیاء موجود ہیں ظاہر میں بھی موجود رہ سکتی ہیں اس لیے دنیا کا علم اور قبضہ اور حفاظت اسکی ذات کو ہرگز دشوار نہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

اس کا قبضہ آسمان و زمین پر وسیع ہے اور اسکو انکی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند و باعظمت ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۶)

اور اللہ تمہارے اعمال پر محیط ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۸)

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ

اور تیرے خدا سے زمین میں اور آسمان میں ایک ذرہ

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۷)

بھی مخفی نہیں۔

وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۶)

اور خدا سے زمین میں اور نہ آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

یہ اُس کے نشان ہیں کہ آسمان و زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)

وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز کا انتظام کرتا ہے۔

پنجم

۵ - مذکور ہے کہ زمین آسمان میں وُہی ایک خدا ہے اور وہی حق ہے اور اس کے سوا تمام اشیا فانی اور زوال پذیر ہیں اور وہی اول آخر ظاہر اور باطن ہے۔ ان آیات کا مضمون بھی علمی قوت سے موجود ہونے پر بالکل منطبق ہے کیونکہ جو چیز خیال کی طاقت سے موجود ہو وہ سراسر اُس طاقت پر منحصر ہوتی ہے اور اپنے اندر کسی طرح کی طاقت اور کسی نوع کا استقلال نہیں رکھتی اس لیئے ایسی ہستی ذات خداوندی کے مقابل میں بالکل بے بود اور معدوم ہے پس بیان واقع ہے کہ زمین آسمان میں وہی ایک ذات حق اور دائم ہے اور جو کچھ اُس کے سوا ہے چونکہ اُس کا پیدا کردہ ہے اس لیے عارضی وجود سے متصف ہے مگر حقیقت میں فانی اور معدوم ہے اور یہی دو طرح کی حیثیت رکھنے سے اُس کے متعلق دو طرح کے خیالات ظاہر کیئے جا سکتے ہیں۔ چونکہ عارضی سا وجود رکھتا ہے اسلیئے ذات خداوندی کو اس کے مقابل میں خیال کرکے کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ یہ موجود ہے مگر خدا کی ذات اپنی ازلیت میں ان سب سے اوّل ہے اور ابدیت میں سب سے آخر ہے اور ظہور صفات میں سب سے روشن تر اور نمایاں ہے اور خفاء ذات میں سب سے پوشیدہ اور چونکہ ان سب کی حقیقت عدم ہے اس لیے ان کو فانی اور ہالک اور صرف خدا کو حق اور موجود کہہ سکتے ہیں۔

وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَہْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ (انعام پارہ ۷ ع ۱)

اور وہی خدا ہے آسمان اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہاری مخفی اور ظاہر حالات اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶)

خدا بلند ہے جو مالک اور حق ہے

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۚ (قصص پارہ ۲۰ ع ۹)

خدا کی ذات کے سوا سب چیزیں فانی ہیں۔ حکم اسی کا ہے اور تم اسی کی طرف واپس جاؤ گے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۚ (رحمٰن پارہ ۲۷ ع ۱۲)

دنیا کے پردہ پر جو کچھ ہے فانی ہے اور خدائے بزرگ وبا عظمت کی ذات باقی رہیگی۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۚ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۚ (حدید پارہ ۲۷ ع ۱۷)

اس کے لئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اول ہے۔ آخر ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اور وہ ہر چیز کا عالم ہے۔

ششم ۶ - ایک موقع پر صفت علم سے پیدا کرنے کو ایک لطیف تشبیہ میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۚ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۚ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۚ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۚ (نور پارہ ۱۸ ع ۵)

خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہو اور فانوس گویا ایک روشن ستارہ ہے جو چمکتا ہے ایک ایسے زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جو نہ شرقی ہے اور نہ مغربی ہے اور اس کا تیل گویا جل اٹھنے کو ہے خواہ اسے آگ نہ لگے۔ خدا نور پر نور ہے اور وہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے اور خدا مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کی رہنمائی کے لئے اور خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

یہاں خدا نے اپنے تئیں ارض وسما کا نور فرمایا ہے اور پھر اپنے ظہور کو ایک مثال میں بیان کیا ہے۔

اس مثال میں ایک چراغ ہے جس سے روشنی نکلا کرتی ہے اس کے بعد فانوس ہے جس کے بیچ میں سے گذر کر نور پھیلا کرتا ہے۔ پھر طاق کا ذکر ہے جس میں فانوس رکھ دینے سے اُسکی تاریکی نور سے مبدل ہو جاتی ہے۔ پھر فانوس کی نسبت کہا گیا کہ وہ ستارہ سا چمکتا ہے اور چمکنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے اندر ایسا تیل جلتا ہے جو اپنی نورانیت کے سبب کسی بیرونی آگ سے روشن ہونے کے بغیر جل اُٹھنے کے قابل ہے اور وہ ایسے درخت کا تیل ہے جو مشرق یا مغرب کسی سے تعلق نہیں رکھتا اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب پیدائش کائنات کی اس صورت کو دیکھا جاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے اور الہامی نوشتوں سے مفہوم ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثال اُس صورت پر بالکل منطبق ہے کیونکہ دُنیا خدا کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے اور صفت علم وہ واسطہ ہے جس میں ہو کر قدرت کا ظہور ہوا ہے اور عدم وہ حقیقت ہے جس کو قدرت نے نور وجود سے منوّر کیا ہے اس لئے قدرت خداوندی منبع وجود ہونے کے سبب چراغ ہے اور علم پھیلنے نور کا راستہ اور ذریعہ ہونے کے سبب فانوس کی مانند ہے اور عدم اصل میں تاریک اور قدرت سے منوّر ہونے کے سبب طاق سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور پھر صنعت علم جو ایسی روشن چیز ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ ایک قادر و قوی خدا کا علم ہے اس لیئے اگر یہ فانوس ہے تو اس کے اندر جلنے والا تیل وہی قوت و قدرت کا اثر ہے اور اگر اس کو تیل کہیں تو جس زیتون کا یہ تیل ہے وہ ذات خداوندی ہے جو مشرق مغرب وغیرہ تمام طرفوں سے اور تمام جسمانی لوازم سے پاک اور برتر ہے اور پھر علم اگر نور ہے تو ذات خداوندی جو اس نور کا منبع ہے اس سے برتر ہے اس لئے وہ "نُورٌ عَلٰی نُوْرٍ" ہے۔ غرض وہی مضمون جس کے مختلف مدارج مختلف اسلوبوں سے گذشتہ آیتوں میں بیان کیے گئے تھے اس آیت میں اُن تمام مدارج کو ایک تشبیہ میں ادا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت عدم ہے اور حقیقی اور دائمی وجود وہی خداوندی ہے جس نے اپنی قدرت اور علم سے اُن کو نیست سے ہست کیا۔

علامہ محی الدین ابن العربیؒ جو وحدت وجود کے امام ہیں اپنی تفسیر میں یہاں طاق سے جسم انسان اور فانوس سے روح انسان مراد لیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ وحدت وجود کے مطابق

شجر و حجر سب کچھ اسی ایک ذات کی مختلف شانیں اور شکلیں ہیں پس اگر وہ ذات چراغ ہے تو پھر فانوس
یعنی روح بھی خود ہی ہے اور طاق یعنی جسم بھی خود ہی ہے اور اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہی چراغ
فانوس اور طاق بن گیا ہے بلکہ اس کے نور کو فانوس میں سے گذر کر طاق کو روشن کرتے ہوئے مانا گیا
ہے اس لیئے اگر یہاں روح اور جسم ہی مراد ہو تب بھی اس تشبیہ سے نتیجہ وحدت وجود کے مطابق
نہیں نکل سکتا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جس طرح چراغ بعینہ فانوس اور طاق نہیں بن جاتا بلکہ ایک کے
اندر سے دوسرے کو روشن کرتا ہے اسی طرح خدا روح اور جسم نہیں بنا بلکہ روح کی وساطت سے جسم کو
قوت اور حیات بخشتا ہے اس لیئے اس تشبیہ سے انکی تفسیر کے مطابق بھی وحدت وجود کی تردید ہوتی ہے
نہ تائید۔ بلکہ آخر میں وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ فرمانے اور اللہ اور شئے اور علم کا ذکر کرنے سے ایما ہوتا
ہے کہ اس آیت کی تفسیر ذات خدا وندی اور صفت علم اور اشیاء موجودہ کے تعلق سے ہونی چاہیئے اور
ہمنے دیکھا کہ اسی صورت میں آیت کا مضمون منطبق ہوتا ہے۔

وحدت وجود کا نقلی استدلال

علمائے وحدت وجود مذکورہ بالا آیت نور کے علاوہ منجملہ آیات گذشتہ کے بعض اور
آیتوں سے بھی وحدت وجود کا خیال اخذ کرتے ہیں۔ مگر ہمنے دیکھا کہ تمام آیات مذکورہ
کا مضمون پیدائش کے خیال پر بالکل منطبق ہوتا ہے اور اکثر آیات میں علم وقدرت کے ذکر سے
علمی قوت اور اسکی ایجاد کی طرف ایما ہوتا ہے اور بعض آیات میں پیدائش کا مضمون بصراحت مذکور
ہے اس لیئے بعض آیات کو تاویل سے وحدت وجود پر منطبق کرنا زبردستی ہے۔ مگر تاہم بعض ایسی
آیتیں جو اوپر ذکر نہیں ہوئیں اور جن سے مسئلہ وحدت وجود ثابت ہونیکا دعوی کیا جاتا ہے انکی
نسبت غور کرنا باقی ہے چنانچہ وہ ان آیتوں سے اپنے مدعا کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط (نسا پارہ ۵ ع ۱۱)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بیشک خدا کی اطاعت کی۔
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال پارہ ۹ ع ۲)	تمنے انکو قتل نہیں کیا بلکہ انکو خدا نے قتل کیا ہے اور جب (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمنے ان پر تیر چلائے ہیں تو تمنے نہیں چلائے بلکہ خدا نے چلائے ہیں

إن الذين يبايعونك إنما يبايعون الله يد الله فوق أيديهم (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہین وہ خدا سے بیعت کرتے ہین۔ ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے۔

ولله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله إن الله واسع عليم (بقرہ پارہ ۱ ع ۱۴)

مشرق اور مغرب خدا ہی کے واسطے ہے۔ تم جس طرف منہ کرو خدا تمھارے سامنے ہوگا۔

ولقد خلقنا الإنسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن أقرب إليه من حبل الوريد (ق پارہ ۲۶ ع ۲)

بیشک ہمنے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہین جو خیال اسکے دل مین گذرتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے زیادہ قریب ہین۔

وهو معكم أينما كنتم والله بما تعملون بصير (حدید پارہ ۲۷ ع ۱)

اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم کہین بھی ہو۔ اور اللہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

ألم تر أن الله يعلم ما في السماوات وما في الأرض ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم ولا خمسة إلا هو سادسهم ولا أدنى من ذلك ولا أكثر إلا هو معهم أينما كانوا ثم ينبئهم بما عملوا يوم القيامة إن الله بكل شيء عليم (مجادلہ پارہ ۲۸ ع ۲)

کیا تو نہین دیکھتا کہ خدا آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کو جانتا ہے کوئی مشورہ نہین ہوتا جسمین تین شخص ہون اور خدا انکے ساتھ چوتھا نہ ہو۔ یا پانچ شخص ہون اور خدا انکے ساتھ چھٹا نہ ہو یا اس سے کم زیادہ ہون اور وہ انکے ساتھ نہ ہو۔ وہ کہین بھی ہون۔ پھر خدا قیامت کے دن انکو ان کے اعمال سے آگاہ کریگا۔ کیونکہ خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

انسانی افعال کا خدائی افعال ہونا

یہان پہلی تین آیتون مین ایک انسان کی اطاعت کو خدا کی اطاعت۔ انسانی فعل کو خدا کا فعل اور انسانی ہاتھ کو خدا کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ اور چوتھی آیت مین خدا کا ہر جگہ ہونا اور باقی تین آیتون مین خدا کا سب کے ساتھ ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے گمان ہوا ہے کہ خدا اور مخلوقات کی حقیقت ایک ہونے کے سبب ایسی یگانگت اور معیت ظاہر کی گئی ہے۔ مگر اصل مین یہان جن انسانون کے اوصاف و افعال کو خدا کے اوصاف و افعال کہا گیا ہے

وہ وہی لوگ ہین جن کو مقربان الٰہی مانا گیا ہے چنانچہ صرف رسول علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اس سے بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے اور اسکی اطاعت خدا کی اطاعت۔ یا رسول علیہ السلام اور ان کے رفیقون کی نسبت کہا گیا ہے کہ قتل وغیرہ جو ان کے ہاتھ سے سرزد ہوا ہے اس کا فاعل حقیقت مین خدا ہے۔ پس اگر اس یگانگت کا باعث یہی ہے کہ ان سب مین ذات خداوندی کا ظہور ہے تو وحدت وجود کے مطابق صرف نیک بندے نہین بلکہ ہر چیز خدا کی ایک شان ہے اس لیئے ہر مومن وکافر بلکہ ہر چرند و پرند کا فعل خدا کا فعل ہونا چاہیئے اور اس سے لیئے مقربان الٰہی کی کچھ خصوصیت نہ رہتی اور رسول[ؐ] کی اطاعت کرنے والون کے لیئے یہ تعریف کا موقع نہ ہوتا کہ وہ خدا کی اطاعت کرتے ہین کیونکہ رسول[ؐ] کو خدا کا نام لینے پر مارنے کے لیے جو لوگ اپنے حکام کی اطاعت کرتے تھے اُن کی اطاعت بھی معاذ اللہ خدا کی اطاعت ہوتی ہے اس لیے کہ رسول[ؐ] کو مارنے کا حکم دینے والے اور مارنے والے بھی ذات خداوندی ہی کے مظہر ہین پس ضرور ہے کہ یہان جو مقربان خدا کے افعال کو خدا کے افعال کہا گیا ہے تو اسکی وجہ وحدت وجود کا مسلک ظاہر کرنے کے سوا کچھ اور ہے اور وہ وجہ یہی ہے کہ جو شخص حاکم وقت کیطرف سے کوئی حکم سناتا ہے اسکی آواز گو اُسکے منہ سے نکلتی ہے لیکن حقیقت مین وہ حاکم وقت کی آواز ہوتی ہے اور جو لوگ ایسے حکم کی اطاعت کرتے ہین اور اس حکم کو بجا لاتے ہین وہ حقیقت مین اس کہنے والے کی اطاعت نہین کرتے بلکہ حاکم کی اطاعت کرتے ہین۔ اسی طرح یہان جو شخص خدا کے احکام سناتا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہین کہتا اُس کے الفاظ بھی حقیقت مین خدا کے الفاظ ہین اور جو لوگ اُسکی اطاعت کا حلف اُٹھاتے ہین اور اس سے بیعت کرتے ہین وہ حقیقت مین خدا کی اطاعت کا حلف اُٹھاتے ہین اور خدا ہی سے بیعت کرتے ہین اور اس وقت گو پیغمبر کا ہاتھ بیعت لے رہا ہے مگر اصل مین خدا کا ہاتھ ہے جس مین وہ لوگ اپنا ہاتھ دیتے ہین کیونکہ رسول محض ایک واسطہ ہے اور اصلی تعلق مخلوق اور خالق کا ہے۔

او علیٰ ہذا جب رسول اور اُس کے رُفقا خدا کا نام لینے پر ستائے جاتے ہین اور وہ خدا کے حکم سے ستانے والون کے خلاف ہاتھ اُٹھاتے ہین تو چونکہ یہ فعل محض حکم خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے اور ان کی

ذاتی غرض اس کشت و خون سے وابستہ نہیں ہے اس لیے یہ کہنا بالکل دُرست ہی کہ یہ عمل انکی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض جو افعال و خواص اسوقت خدا کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اُن کا ظہور واقع مین خدا کی جانب سے تھا اور انسان ان کے ظہور کے لیے ایک آلہ اور واسطہ سے زیادہ نہ تھا اس لئے بحیثیت آلہ ہونے کے اُس فعل کو انسان کی طرف اور بحیثیت فاعل ہونے کے خدا کی طرف منسوب کرنا بالکل صحیح ہے مگر جس طرح ایسا فعل سرزد ہونے سے گماشتہ حاکم نہیں بن جاتا اور تلوار سپاہی نہیں بن سکتی اسی طرح انسان ایسے فعل سے خدا نہیں ہو سکتا۔

خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا | البتہ وحدت وجود کا خیال جب ظاہر ہوتا کہ بالعموم ہر چیز کی ماہیت خدا بتائی جاتی اور ہر چیز کے فعل کو خدا کا فعل کہا جاتا مگر قرآن مین ایسا نہیں اور ہمنے دیکھا کہ باقی چار آیتوں مین جہان بالعموم تمام انسانون کا ذکر ہے وہان خدا کو ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ کہا گیا ہے نہ سب سے متحد۔ اور ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ ہونے کی صورت ظاہر ہے۔ اول تو وہی جو مذکورہ بالا سورہ کی آیت مین پہلے ہی بیان کی گئی ہے کہ دُنیا خدا کی مخلوق ہے اور اس لیے وہ خدا کے علم سے موجود ہوئی ہے اور اُسی کے علم کے ساتھ قایم ہے پس جس طرح پر کسی چیز کا کامل علم ہونے پر عام محاورہ مین کہتے ہین کہ فلان شخص فلان واقعہ کو ایسا جانتا ہے گویا وہان خود موجود ہے یا گویا اُسکی آنکھ کے سامنے ہو رہا ہے اسی طرح ہر ذرہ کا کامل علم ہونے کے سبب کہ سکتے ہین کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ جب انسان کو اپنی ذات اور اُس کے تمام تعلقات کا ایسا علم نہیں جیسا کہ خدا کو ہے تو کہہ سکتے ہین کہ انسان خود اپنی ذات سے ایسا قریب نہیں جس قدر خدا اس سے قریب ہے۔ اور دوسرے اگرچہ ذات خداوندی انسان کے فہم سے بالاتر ہے اور اس لیے اُسکے موجود ہونے کی کیفیت بھی ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اس قدر یقیناً کہ سکتے ہین کہ کسی ایک جگہ موجود ہونا اور دوسری جگہ موجود نہ ہونا اُسی چیز کا خاصہ ہے جو معین عرض و طول رکھتی ہو اور ایک مقام تک جا کر ختم ہو جاتی ہو اور ایسی چیز وہی ہوتی ہے جو جسم رکھتی ہو اور ذات خداوندی جسم اور عوارض جسم سے پاک ہی اس لیے وہ اگر موجود ہے تو کسی مقام تک محدود نہیں ہو سکتی اور نہ اپنے وجود کے لیے مقام اور جگہ کی محتاج ہو سکتی ہے پس ذات خداوندی کی نسبت یہی کہہ سکتے ہین کہ وہ ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے گو ہم نہیں جانتے کہ وہ کس طرح موجود ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ جس جگہ پر مخلوقات کا سلسلہ قائم ہے اسی جگہ خدا کی ذات بھی موجود ہو تو ضرور ہے کہ دونو ایک ہونگی کیونکہ ایک فضا میں دو موجود نہیں سما سکتے تو جواب یہ ہے کہ ایک فضا میں دو جسمانی وجود بیشک نہیں آسکتے لیکن ایسے دو وجودوں کا ایک فضا میں موجود ہونا جن میں سے ایک جسمانی اور دوسرا غیر جسمانی ہو محال نہیں۔ مثلاً مادہ کے اندر جو عرض و طول رکھتا ہے قوت کو موجود مانا جاتا ہے جو جسم نہیں رکھتی اور ان کے اس طرح موجود ہونے سے دونو کا ایک ہونا لازم نہیں آتا اور قوت تو پھر بھی نہایت لطیف ہے ایتھر جو اس سے کم لطیف ہے خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی فضا میں موجود رہ سکتا ہے جہاں کوئی مادی جسم موجود ہو۔ پس خدا جو ہر طرح کے لوازم جسمانی سے پاک و برتر ہے کائنات کے ساتھ موجود ہو تو بطریق اولےٰ دونو کا متحد ہونا لازم نہ آئیگا ۔

باب (۱۰) دہم

خیر و شر اور تقدیر

خیر و شر کے متعلق مختلف رائیں۔ شر مادہ یا روح کی طرف سے ہے۔ شر خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے۔ بدی کی اصلیت عالم نیچر کی بعض برائیاں اور انکی اصلیت۔ نیچر کی اور برائیاں۔ بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔ ضد سے ضد کی طرف آنے میں ترقی بتدریج ہوتی ہے۔ عدم سے وجود میں آنے کی رفتار بھی اسی طرح تدریجی ہے اور ہر حال میں عدم کا اثر یعنی بدی نمایاں رہتی ہے۔ بدی پہلی حتوں کا چھلکا ہے یا بدی حقیر ہے۔ ان خیالات میں سے بعض کے بعض پہ ترجیح ہے۔ تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی۔ ابھی سوال حل نہیں ہوا۔ کیوں کا جواب ایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر کیوں کا جواب دیا نہیں جا سکتا۔ ایک اور موقع پر خاص حد تک کیوں کا جواب ہو سکتا ہے۔ خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین زائل نہیں ہوتا۔ سب کچھ مشیت ربانی سے ہوتا ہے۔ خدا نے نیک اور بد دونو رستے بنائے ہیں۔ اسی میں حکمت ہے۔ خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت

رکھی ہے جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اُس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ خدا نے سوسائٹی کو توجہ پیدا کرنے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ خدا نے سوسائٹی کو نیک اور بد دونو ترقیوں کا باعث گردانا ہے۔ ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کے علم میں سب کچھ ہے۔ خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار کامل انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دونو خیال غلط ہیں مگر پہلے خیال میں غلطی بہت ہی اور دوسرے خیال میں نقصان زیادہ ہے۔ جبر و اختیار کی نسبت مزید غور۔ رحم اور غضب۔ خدا کا غصہ۔ رحم کی تعریف۔

الہامی نوشتوں سے مضمون پیدائش کو ثابت کرنا ایک جملہ معترضہ تھا اس سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ازل سے موجود ہونا اور کائنات کا اسکی قدرت کاملہ سے وجود میں آنا بھی ایک مسئلہ ہے جس تک پہونچنے سے عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہی اس لیئے جس مذہب میں یہ تعلیم ہو وہی قابل ترجیح ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں پہونچکر سوال ہوتا ہے کہ خدا کی ماہیت کیا ہے اور اُسکی مخلوق میں ایسے آثار کیوں ہیں جن کو ہم بُرا خیال کرتے ہیں۔ ان دونو سوالوں کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خدا کو قابل فہمید بنانے کے لئے اپنے اپنے وقت کی استعداد کے موافق کنکر پتھر سے لیکر برگزیدہ انسانوں تک کسی نہ کسی کو کسی نہ کسی حد تک خدا ٹھیرایا گیا ہے۔ اور دوسری جانب نیکی اور بدی کی علت دریافت کرنے کے مختلف دعوی کیئے گیئے ہیں مگر مقام مسرت ہے کہ مذاہب کی پہلی کوشش یعنے خدا کو قابل فہمید بنانے کی تجویز جو یقیناً انسانی آمیزشوں کا نتیجہ تھی نابود ہوتی جاتی ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ توحید کے ایک دل آویز ترانہ کے بعد جو چند صدی پہلے ایک خاص سمت سے سُنائی دیا تھا زمانہ نے ایک ایسا رُخ بدلا ہے کہ نہ صرف دو تین خدا ماننے والوں میں بلکہ کروڑوں معبودوں کی بھینٹ چڑھانے والوں میں غرض دُنیا کے قریباً تمام بڑے مذہبوں میں توحید کی جانب عام میلان ہو گیا ہے۔ اور اگرچہ ابھی جا بجا پہلی غلط کاریوں کے مختلف آثار باقی ہیں مگر ایسے فرقے بالعموم موجود ہیں جو توحید کا کسی نہ کسی حد تک اعتراف کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق سب متفق نظر آتے ہیں کہ اگرچہ عقل کو خدا کی ماہیت دریافت کرنیکا اشتیاق ہے مگر اُس کی کنہ یقیناً عقل کی گرفت سے باہر ہے اور انسان اُس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ اور اگرچہ

ایسے لوگ اپنی اپنی الہامی کتابون سے توحید کا مسئلہ نکالنے کا دعویٰ کرتے ہین اور ضرور ہے کہ ہر ایک الہامی کتاب مین اپنے زمانہ کے موافق کسی نہ کسی پیرایہ مین توحید کی تعلیم ہوگی مگر مجھے یقین ہے کہ اُن الفاظ سے توحید کا مطلب سمجھنے کی توفیق جبھی ہوئی ہے کہ کسی نے (فداہ ابی و امی) انکی تفسیر کا غلغلہ صاف اور واضح الفاظ مین بلند کیا۔ اور گذشتہ ابواب مین دیکھا جا چکا ہے کہ تمام مذہبی اعتقادون کا حقیقت توحید سے کس قدر تفاوت ہے اور ابھی ان مین کیا نقص باقی ہین جن کو دور کرنا چاہیئے۔

خیر و شر کے متعلق مختلف رائین

اب ہم دیکھتے ہین کہ مذاہب عالم اس دوسری کوشش مین کہان تک کامیاب ہوئے ہین اور دنیا مین نیکی و بدی موجود ہونے کا سبب کہان تک دریافت ہوسکا ہے۔

شر مادہ یا روح کی طرف سے ہے۔

اس بارہ مین ایک وہ احتمال ہے جس مین خدا کے ساتھ مادّہ کو یا مادّہ اور روح دونو کو قدیم مانا گیا ہے اور ایسا احتمال پیدا کرنے والے دنیا کی تمام برائیون کو مادّہ یا روح کی طرف منسوب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ جس طرح روح اور مادّہ غیر مخلوق اور قدیم ہین اسی طرح اُن کے خواص اور خواہشین بھی قدیم ہین اور اسی سبب سے ان سے نیک اور بد افعال سرزد ہوتے ہین اور ان پر نیک اور بد نتائج مرتب ہوتے ہین۔

شر خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے

اور ایک احتمال مہاتما بدھ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ[1]

"بدھ مذہب کی تمام شاخون کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ غم کی پیدایش اور تشخص کی پیدایش بالکل ایک ہے۔ غم حقیقت مین نتیجہ اُس کوشش کا ہے جو کوئی فرد اپنے تئین باقی موجودات سے جداگانہ قایم رکھنے کے لیئے کرتا ہے۔ حالانکہ ترکیب و تحلیل کے عام قانون سے انسان اور فرشتے کوئی مستثنے نہین۔ قوتون کا وہ مجمع جو کسی موجود کو ترکیب دیتا ہے جلدی یا دیر مین منتشر ہوجائیگا اور اس انتشار مین توقف ڈالنے کی کوشش ہی وہ چیز ہے جس سے تمام قسم کے غم اور ہر طرح کی تکالیف پیدا ہوتی ہین جونہی کوئی فرد باقی موجودات مین سے جدا ہوتا ہے (یعنی پیدا ہوتا ہے) مرض زوال اور موت اُس پر

[1] کتاب ریلیجس سسٹمز آف دی ورلڈ۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو ریس ڈیوڈز کا مضمون دربارۂ مذہب بدھ۔

عمل کرنے لگتی ہین۔ غرض جہان تشخص ہے وہان ضرور حد ہوگی اور جہان حد ہے وہان جہالت ہوگی اور جہان جہالت ہے وہان غلطی ہوگی اور جہان غلطی ہے وہان غم ہوگا۔ جونہی کوئی فرد موجود ہونے لگتی ہے بیرونی دُنیا اس پر اُسکے چھ حواس کے رستہ سے اثر کرنے لگتی ہے اور اس سے حواس کو تحریک ہوتی ہے اور اس تحریک سے محبت یا نفرت کے خیالات موجزن ہوتے ہین اور ان آرزوؤن کو بر لانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس فرد کے لیے آرزوؤن کا پورا کرنا ناممکن ہوتا ہے یعنی جس کو چاہتی ہے اس سے مل نہین سکتی اور جس سے نفرت ہو اس سے بچ نہین سکتی اور تغیر قطع وبرید اور بالآخر موت سے گریز نہین کر سکتی اور یہ سب کچھ لازمی نتیجہ اس کوشش کا ہے جو اپنی جداگانہ ہستی اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کی جاتی ہے۔"

اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سب تکلیفین اور تمام برائیان وجود خارجی کے سبب سے ہین اور ان سے نجات جبھی ہو سکتی ہے کہ وجود کی خواہش کو دور کیا جائے اور اس توجیہ کی نسبت پروفیسر ڈیوڈز لکھتے ہین کہ اُن تمام کوششون مین جو اس موضوع کے لیے کی گئی ہین اگر یہ سب سے زیادہ مکمل نہین تو سب سے زیادہ چسپان ضرور ہے۔

بدی کی اصلیت عدم ہے — اس کے بعد وحدت شہود والون کا خیال ہے جو بدی کی وجہ ایک لطیف طرز ادا سے بیان کرتے ہین چنانچہ وہ کہتے ہین کہ

نیچر کی بعض برائیان اور ان کی اصلیت — "بدی موجود ہونے کا سبب تلاش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بدی کو جس کا ہونا معیوب خیال کیا جاتا ہے اور اسکی نیچر کو دیکھا جائے چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک بدی کی نیچر مین داخل ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم کی طرف لیجانے کی کوشش کرتی ہے اگر زہر انسان کو مارتا ہے یا ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس کو عدم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی عزت پر حملہ کرتا ہے یا اس کے مال کو غبن کرتا ہے تو اگرچہ ظاہر مین وہ کسی چیز کو عدم کیطرف نہین لے جاتا مگر ان چیزون کو ان کی مناسب جگہ سے ضرور معدوم کرتا ہے۔ اور نیز اکثر حالات مین عزت کو دور کرنا یا مال چرانا انسان کو عدم کی

طرف لیجانے کا بھی باعث ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر روحانی یا جسمانی برائیاں انسان میں موجود ہیں اُن سب میں کم و بیش کسی چیز یا کسی حالت کو معدوم کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر اپنے جرم کو چھپانے کے لیے مکر و فریب کیا جاتا ہے تب بھی اُس نتیجہ کو معدوم کرنا مقصود ہوتا ہے جس کا عاید ہونا مناسب ہے اور اگر کسی کی طرف سے جھوٹی شہادت دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی اُس شخص کے لئے دوسرے کے حق کو زائل کرنا مقصود ہوتا ہے اور علیٰ ہذا اگر جسم میں کوئی برائی یا عیب یا مرض موجود ہے تو وہ بھی کسی ایسے عضو یا ایسے وصف کا معدوم ہونا ہے جو جسم کے لیے ضروری یا کم از کم شان پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اور یہی حال ان تمام برائیوں کا ہے جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں کہ سب ان کو عدم کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور انسان میں تو پھر بھی بعض برائیاں ظاہر میں کسی چیز کو عدم کی طرف لیجاتی ہوئی نظر نہیں آتیں مگر حیوانوں میں اتنا پردہ بھی نہیں اور وہ سب براہ راست دوسرے کو معدوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مسٹر مل کے یہ الفاظ[۱] بالکل درست ہیں کہ "حیوانات کا بہت بڑا حصہ دوسرے حیوانات کو پھاڑنے اور نگلنے پر زندگی بسر کرسکتا ہے" اور یہ بڑا حصہ بھی بڑے جیوانات میں پایا جاتا ہے جو دوسرے حیوانات سے ترقی یافتہ ہیں اور جنہیں سے اکثر انسان سے مانوس ہوسکتے ہیں ورنہ چھوٹے درجہ کے حیوانات بقول مسٹر موصوف کے "یا نگلنے والے ہیں یا نگل جانے والے" اور نیز وہ ان ہزار ہا برائیوں کا شکار ہیں جن کے سبب وہ اپنی حفاظت کے اسباب سے محروم ہو جاتے ہیں"

نیچر کی برائیاں | "غرض یہ ہیں وہ برائیاں جن کے سبب کی تلاش ہے اور یہ ہے انکی نیچر کہ وہ سب عدم کی طرف لیجانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر ابھی نیچر کی برائیاں شمار کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے کیونکہ حیوانات سے نیچے کے درجوں میں بھی بہت سے عیوب موجود ہیں مثلاً حیوانات کے نیچے نباتات ہیں اب اگر صرف نباتات ہی مدار زندگی ہوتیں تو پیدا کرنے والا صرف چند ابتدائی کیڑوں پتنگوں کو ہی پیدا کرسکتا جو نباتات پر بسر کرسکتے ہیں اور یہ جانوروں کا لاتعداد سلسلہ جن میں ایک کی زندگی بہت کچھ دوسرے جانداروں پر منحصر ہے ہرگز وجود میں نہ آتا اور اگرچہ ظاہر میں بہت سے بڑے حیوانات بھی صرف نباتات پر گذر کرتے ہیں مگر علمی تحقیقات ثابت کرتی ہے کہ تنفس اور بدنی مسامات کے ذریعہ سے بلکہ پانی کے

ہر گھونٹ مین یہ جانور بیشمار جاندار مخلوق کو ہضم کرتے ہین ۔اس لیے صرف نباتات مین جو دولت ہے اسی کو موجود مان کر سوا چند پتنگون کے اور سب جاندار محروم رہتے ۔ یہ تو نباتات کا وہ بڑا نقص ہے کہ وہ اپنی نیچر سے تمام جاندارون کو معدوم رکھنا چاہتی ہین اور اس کے علاوہ بہت سے زہریلے مادے بھی ان مین ایسے ہین کہ جاندارون کو بہت کچھ نقصان پہونچاتے ہین اور بعض اوقات انکی بدولت سے بڑی بڑی تباہیان وجود مین آتی ہین "

" اور ان سے اتر کر معدنیات اور گیس وغیرہ عناصر کا درجہ ہے اور اگر صرف انہین پر مدار ہوتا تو کیڑون پتنگون سمیت تمام جاندار مخلوق کا خاتمہ تھا اور صرف معدنیات کی وساطت سے دنیا محض نباتات کا جنگل ہوتا اور جو زندگی کی برکت اب ہے وہ تختۂ زمین پر نظر نہ آتی اور جس قدر گیس وغیرہ کے پھٹنے اور معدنیات کے ہیبت سے جوش مارنے سے جاندارون کا اور نباتات کا نقصان ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے "

" اس سے اتر کر زمین اور اس سے اتر کر آفتاب کا درجہ ہے اور ظاہر ہے کہ اگر زیست کا انحصار صرف انہی پر ہوتا تو مادّہ نہایت ہی ابتدائی اور سادہ شکل مین رہتا اور یہ انواع اقسام کی شکلین اور طرح طرح کی زیب و زینت عالم مین نظر نہ آتی اور اس نقص کے علاوہ اُن کے دیگر نقصانون کا یہ عالم ہے کہ آفتاب کا ادنے طوفان اور زمین کا ایک آتش فشان پہاڑ تھوڑی دیر مین وہ بدی ظاہر کرتا ہے جو کوئی انسان یا حیوان ہزار برس مین بھی نہین کر سکتا "

" آفتاب سے پرے ہمارا تجربہ چل نہین سکتا لیکن اتنا قیاس ضرور ہو سکتا ہے کہ جو درجات اس سے پہلے ہون گے اگر صرف انہی پر مدار ہوتا تو مادّہ اور بھی سادہ اور ابتدائی شکل مین رہتا اور دنیا مین جو کچھ ہوتا وہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ۔ اور علیٰ ہذا اُن درجات کے طوفان بھی جو ہونگے وہ آفتاب اور زمین کے طوفانون سے زیادہ تباہی بخش ہونگے "

" یہ ہے مجموعہ اُن بُرائیون کا جو نیچر مین موجود ہین اور شمار کرنے والون نے محض انہی بُرائیون کو گنا ہے جن مین ایک جاندار دوسرے جاندار کو مار دیتا ہے حالانکہ جیسا جاندار کو مارنا اسکی زندگی معدوم

کرنا ہے اسی طرح نباتات کو کھانا یا جلانا بھی انکی اپنی ہستی کو معدوم کرنا ہے اور اس لئے دونو بُرے ہیں۔ اور اسی طرح کسے معدوم رکھنا اور ہستی کی نعمت سے بہرہ یاب نہ ہونے دینا بھی اس سے زیادہ بُرا ہے اور اس سے کسیکو انکار نہیں ہو سکتا البتہ پہلے میں اصطلاح کا فرق ہے۔ زندگی معدوم کرنے کے وقت کہا جاتا ہے کہ اس نے بُرا کیا اور زندگی سے محروم رکھنے کا خیال کرنے پر کہا جاتا ہے کہ اس کا نقص ہے اور دونوں حالتوں کیلئے مشترک طور پر کہہ سکتے ہیں کہ جاندار کو مار کر زندگی بسر کرنا بھی عیب ہے اور جانداروں کو پیدا کرنے کی قابلیت نہ رکھنا بھی عیب ہے۔ غرض نتیجہ دونو کی ایک ہے اور اس لیے اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ دُنیا اول سے آخر تک بُرائیوں اور عیبوں کا مجموعہ ہے"

بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

"مگر اس کے ساتھ اتنا اور بھی کہنا چاہئے کہ مادہ کی تمام شکلوں کو دیکھتے ہوئے جس قدر ابتدا کی طرف چلے جاؤ بُرائی اور عیوب زیادہ ہوتے جائیں گے اور جس قدر انجام کی طرف آؤ بدی کے درجہ میں کمی آتی جائیگی اور نیکی یا فائدہ بڑھتا جائیگا۔ آفتاب اگر اکیلا ہوتا تو مادہ نہایت سادہ شکل میں رہتا اور جاندار اور دیگر مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ مادّہ کو کسی نہ کسی شکل میں موجود رکھنا اسکا فائدہ ہے اور دیگر اعلیٰ اشکال کو پیدا نہ ہونے دینا نقص۔ مگر زمین پیدا ہونے پر نقص کم ہو گیا اور فایدہ بڑھ گیا کیونکہ اب مادّہ کو اور بھی چند پہلے سے مکمل تر شکلوں میں آنیکا موقع ملا۔ علیٰہذا جمادات۔ نباتات اور ابتدائی حیوانات کے پیدا ہونے پر نقص کی کمی اور فایدہ کی زیادتی درجہ بدرجہ اور نمایاں ہوتی گئی کہ دنیا آبادی کے قریب تر ہو گئی اور پہلا سالن دودھ میدان ہوا ان کے بعد بڑے حیوانات کے پیدا ہونے سے نقص میں اور بھی کمی ہو گئی کہ ان میں سے بعض مانوس ہو کر دوسری مخلوق کو خوراک کے علاوہ اور فایدہ بھی پہونچا سکے اور انہی کی وساطت سے مادہ نے آگے ترقی کی اور زیادہ لطیف شکلیں وجود میں آئیں۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو وہ اگر کسی قدر جانداروں کو مارتا ہے تو کچھ جانداروں کی پرورش بھی کرتا ہے۔ اور نیز مانوس حیوان اگر مجبور رہ کر کام دیتے تھے تو یہ اپنی خوشی سے بھی اپنے ہمجنسوں اور دیگر مخلوقات

کے کام کرنے لگا۔ اور نیز حیوان براہ راست معدوم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور انسان کچھ کوشش براہ راست معدوم کرنے کی کرتا ہے تو بعض کوششوں میں صرف عزت یا مال چھیننے پر ہی قناعت کرتا ہے اور اس طرح پر بالکل معدوم کرنے سے اپنی تئیں کسی قدر دور رکھتا ہے۔ اور پھر اس نے تہذیب میں ترقی کی تو جو برائیاں وحشی انسان کرتے تھے ان میں سے اکثر کو چھوڑتا گیا اور ہمدردی اور فائدہ رسانی میں بڑھتا گیا اور مہذب انسانوں سے بڑھکر وہ انسان ہیں جو تہذیب کے ساتھ ایمان بھی رکھتے ہیں کیونکہ مہذب انسان جبتک ایماندار نہ ہو صرف انہیں برائیوں سے گریز کرتا ہے جو اس زندگی میں نقصان پہونچائیں اور وہی ہمدردی کرتا ہے جو اس دنیا میں مفید ہو لیکن ایماندار انسان لوگوں کو ان برائیوں سے بھی بچاتا ہے جو آئندہ زیست میں اثر کریں اور اس ہمدردی کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جو اگلے جہان میں فائدہ دے چنانچہ وہ مالی اور جسمانی نقصان سے بچانے کے علاوہ دوسروں کو گناہ اور کفر کی ترغیب دینے سے بھی گریز کرتا ہے اور حتی الوسع انتہائی ترقی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چونکہ سب انسان ہیں اس لیے اختیار یا بے اختیاری سے جانداروں پر بسر کرنے یا نباتات کو کھانے کے نقص سے بالکل پاک کوئی بھی نہیں ''

ضد سے ضد کیطرف آنے میں ترقی بتدریج ہوتی ہے۔

'' غرض یہ ہے نقشہ اس نقص اور کمال یا بدی اور نیکی کا جو موجودات عالم میں پائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئیے کہ نیست سے ہست کرنے کی تصویر ہی یہ عقل کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کی بھی شکل ہونی چاہئیے یا کچھ اور۔ اور چونکہ عدم اور وجود باہم ضدین ہیں اس لئے معدوم کے موجود ہونے کے واسطے وہی شکل قرین قیاس ہوگی جو دنیا کی اور ضدوں کے انقلاب میں ہوتی ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کو جس کا اصلی رنگ سیاہ ہے صیقل کرنے سے ایسا روشن کر سکتے ہیں کہ آئینہ کی طرح اس میں سے چہرہ نظر آئے اور بالکل سفید ہو جائے مگر اسکی شکل یہی ہوتی ہے کہ ایک زنگ آلود لوہے کو جب صیقل کرنے لگیں تو پہلے اس کا زنگ دور ہوتا ہے اور سطح کسی قدر صاف ہو جاتی ہے اس حالت میں اگرچہ نور اس میں پیدا ہو گیا ہے مگر ایسا ناقص کہ سیاہی کچھ بھی دور نہیں ہوئی اور اگر کالا رنگ نور کے مقابل میں برابر ہو تو لوہے کی اس حالت میں برائی بہت بڑی حد تک مٹ جو دہی اسکے بعد

اور رگڑا جائے تو سیاہی دور ہونی شروع ہوتی ہے مگر اس عمل کے ہر ایک درجہ میں نور بڑھتا جاتا ہے
لیکن سیاہی بھی کم سے کم تر ہوتی ہوئی ہر وقت موجود رہتی ہے حتیٰ کہ وہ آئینہ جیسا چمک اٹھتا ہے
اس وقت اگرچہ نور جہانتک لوہے میں آسکتا تھا آگیا اور اگر اُسے آفتاب کے سامنے رکھا جائے تو آفتاب
کی جھلک اس میں نظر آجائیگی مگر پھر بھی لوہا لوہا ہی ہے اور وہ آفتاب کے برابر نورانی نہیں ہوگیا
اور نیز جس قدر نور موجود ہے وہ ایسا کمزور ہے کہ آئندہ ذراسی بے احتیاطی سے دور ہوسکتا ہے
اور لوہا سیاہ ہوتا ہوا پھر زنگ آلود حالت کو پہونچ سکتا ہے۔ اس وقت ایک بات اور بھی یاد رکھنی
چاہئے کہ لوہے میں نور کا ایسی آہستگی سے درآنا اور کامل شکل میں پھر بھی موجود نہ ہونا اور بے احتیاطی
سے فوراً دور ہونے لگنا نور آفتاب کے قصور سے نہیں بلکہ لوہا چونکہ اصل میں نور آفتاب کی بالکل
ضد ہے اس لئے اسکی نیچر ہی ایسی ہے کہ نور کو محض اسی شکل سے حاصل کرسکتا ہے اور نور کی رفتار اسکی
طرف صرف "دیر آمدن و شتاب رفتن" کے اصول پر ہوسکتی ہے"

" اس نظیر کو دیکھنے کے بعد مضمون کی عظمت کے لحاظ سے ایک اور نظیر کا پیش کرنا بھی ناموزوں
نہ ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی جاہل علم حاصل کرنے لگتا ہے تو پہلے علم کے بے انتہا ذخیرہ
میں سے بہت تھوڑا سا مہیا کرسکتا ہے اور اسمیں سے بھی کچھ یاد رکھتا ہے اور کچھ بھول جاتا ہے
اس حالت میں اگر جہالت اگر برائی ہے تو وہ علم کے آغاز پر نہایت کثرت سے موجود ہوتی ہے۔ پھر رفتہ
رفتہ علم کا سرمایہ بڑھنا شروع ہوتا ہے اور جہالت کا عیب کم ہوتا جاتا ہے۔ مگر ترقی کے ہر درجہ
میں جہالت کا بقیہ کچھ نہ کچھ موجود رہتا ہے حتیٰ کہ انسان کسی علم یا اسکی کسی شاخ میں ماہر اور صائب الرائے
ہونیکا فخر حاصل کرتا ہے۔ مگر اس وقت بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر اس علم کے متعلق اسکی دس رائیں صحیح
ہوتی ہیں تو ایک رائے ضرور غلط ہوتی ہے اور ایسا کمال کسیکو حاصل نہیں ہوسکتا کہ اس کا کوئی خیال
بھی غلط نہ نکلے۔ بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی اُس نے کسی مسئلہ میں صحیح رائے قائم کی ہے تو دوسرے
وقت پیرو دماغ ایسا چکرایا ہے کہ اسی مسئلہ میں غلط خیال کا حامی بن گیا ہے اور علمی مزاج میں صدر
کمال حاصل کرتا ہے اگر اس کی بحث و تکرار نہ رکھے تو وہ کمال رفتہ رفتہ زوال پانے لگتا ہے حتیٰ کہ

عالم ایک وقت مین بالکل کندہ ناتراش ہو سکتا ہے۔ اور یہان بھی ہم دیکھتے ہین کہ یہ نور علم کا نقص نہین ہے کیونکہ جس مسئلہ مین ہم کسی وجہ سے غلطی دیکھتے ہین اسی مسئلہ مین وہی نور علم جو کسی اور عالم مین جلوہ گر ہے اس مسئلہ کو نہایت صحت کے ساتھ دریافت کر لیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور علم مین بیشک مسائل کی اصلی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت ہے اور یہ جو کچھ نقص نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ جہالت کی فطرت ہی علم سے اس قدر تناقض رکھتی ہے کہ وہ جس قدر دور ہو سکتی ہے بتدریج ہوتی ہے اور پھر بھی کسی نہ کسی شکل مین اس کا بقیہ موجود رہتا ہے اور وہی جہالت ہے جو ابتدائی درجات مین پورے طور پر نمایان ہے اور وہی جہالت ہے جو مہارت کے وقت بھی مختلف شکلون مین اپنی بقا کو ظاہر کرتی ہے اور علم کی برکت پر پردہ ڈال دیتی ہے"

عدم سے وجود مین آنیکی رفتار بھی اسیطرح تدریجی ہے اور ہر حال مین عدم کا اثر یعنی بدی نمایان رہتی ہے

اس کے علاوہ اور دیگر واقعات عالم مین جس قدر غور کیا جاوے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک ضد کا دوسری ضد کی طرف جانا اسی ترتیب اور اسی نقص کے ساتھ ہوتا ہے پس یہی کیفیت آفتاب وجود کی ظلمت عدم پر عکس ڈالنے کی ہونی چاہئے تھی اور یہی ہوئی کہ اس کی پہلی شعاع سے رنگ عدم دور ہوا اور مادہ کی ابتدائی شکل وجود مین آئی اور اس کے بعد جس جس حد تک عکس پڑتا گیا اسی حد تک عدم کی ظلمتین یعنے نقص اور عیب دور ہوتے گئے اور وجود کی کامل سے کامل شکلین بنتی گئین حتی کہ انسان اور کامل انسان مین آکر اس نابود نے وہ بود حاصل کی کہ آفتاب وجود کی شعاعین اس کے اندر چمکنے لگین اور عقل اور معرفت کے نور سے جسمانی اور روحانی جلوے ایسے ظاہر ہوئے کہ بعض حالات مین اس پر خود آفتاب وجود ہونے کا دھوکا ہوا جس طرح مجلاً تلوار کو سورج کے سامنے رکھنے سے اس کے اندر آفتاب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کوتاہ بینون نے اسی کو خود ذات خدا کا ظہور سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ حقیقت مین خود ذات خدا کا ظہور نہین البتہ ایک طرح سے نور خدا کا مظہر ضرور ہے جس طرح لوہا خود آفتاب کا ظہور نہین بلکہ اُس کا مظہر ہے۔ اور یہ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ادھر لوہا پہلے ایسا نورانی نہ تھا اور بعد مین بھی بے احتیاطی سے پھر تاریک ہو جاتا ہے اور ادھر انسان پہلے ایسا

عارف نہ تھا اور بعد میں ذرا سی لغزش سے پھر کور باطن ہو سکتا ہے۔"

"پس یہاں بھی ہم کہہ سکتے ہین کہ اس معدوم کی ایسی دھیمی رفتار اور اس کے اندر نقصون کا اس قدر ہجوم اُس آفتاب وحدت کا نقص نہین بلکہ یہ عدم ہے اس لیے اس کی نیچر ہی مقتضی ہے کہ اسی صورت سے ترقی کرے اور اسی لیے ذات خداوندی کو بدی کا منبع قرار دینے کی بجائے ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض خیر کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ اُس نے سب موجودات کو اُس عیب سے بری کیا جو سب سے بڑھکر تھا یعنی عدم۔ اور بری بھی اس خوبی سے کیا کہ اب چاہے بدی کرنے والے کیسی ہی بدی کرین وہ موجودات کو موجود سے معدوم نہین کر سکتے اور زیادہ سے زیادہ جو ان کا زور چل سکتا ہے وہ ایک چیز کی محض شکل کو بدل دیتا ہے۔"

"اور محض وجود یا مادہ کی محض سادہ شکل عطا کرنے پر اکتفا نہین کی گئی بلکہ ترقی کا ایسا سلسلہ مقدم کر دیا گیا ہے کہ جس چیز مین جس حد تک اُس بڑی بدی یعنی عدم سے بُعد ہوتا گیا اسی حد تک اس مین سے عدم کا میلان کم ہوتا گیا اور اسی حد تک وجود کی مکمل تر اشکال پیدا کرنے کی طاقت بڑھتی گئی حتٰی کہ میلان عدم کم ہونے اور وجود کی طاقت بڑھنے کا سلسلہ کامل انسان مین اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ اپنی طاقت کے موافق کسی شخص اور کسی فرد کو نقصان پہونچانیکا روادار نہین اور تمام عالم کو اپنے وجود سے فائدہ پہونچانے کے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو اس کے مناسب حال سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اصلیت عدم ہے اس لیے عیب سے بالکل پاک ہونیکا دعوے نہین کر سکتا چنانچہ وہ بھی عدم کا بقیہ تھا جس کے سبب نباتات وغیرہ ابتدائی مخلوقات وجود کے بہت سے کمالات سے محروم تھی اور یہ بھی عدم کا بقیہ ہے جس کے سبب انسان جیسی اعلی مخلوق کبھی امراض وغیرہ کی شکل مین اپنے اندر عدم کو ظاہر کرتی ہے اور کبھی شرارت وغیرہ کی شکل مین دوسرون کو معدوم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس طرح وہ بھی جہالت کا بقیہ تھا جو علم کے ابتدائی درجہ مین بہت سی مسائل کو مخفی رکھتا تھا اور وہ بھی جہالت کا بقیہ ہے جو ایک عالم مین کبھی کبھی غلط رائے قایم کرنیکا سبب ہوتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عدم کا ظہور نباتات وغیرہ مین اور جہالت کا ظہور

علم کے آغاز میں بے ارادہ ہے اس لئے کہ ابھی ارادہ کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جہالت کا ظہور عالم کی غلط رائے میں اور عدم کا ظہور انسانی افعال میں ارادہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس لیے کہ اس وقت ارادہ کی قابلیت بھی موجود ہے۔ مگر جب ماہر کی غلطی کو یقیناً جہالت کا نقص کہہ سکتے ہیں نہ نور علم کا قصور۔ تو انسان کی بدی کو بھی عدم کا نقص سمجھنا چاہئیے نہ آفتاب وجود کا قصور"۔ [1]

بدی پہلی جون کا پھل ہے یا بدی حقیقی ہے

غرض جہاں تک میری واقفیت ہے یہ وہ بڑی وجہیں ہیں جو بدی کے موجود ہونے کی نسبت پیش کی جاتی ہیں اور ان کے علاوہ بعض کی طرف سے تناسخ کو بھی بدی کی وجہ قرار دیا گیا ہے اور بعض اس نقص کو یوں ہلکا کرتے ہیں کہ ازل سے ابد تک موجودات عالم کی لاانتہا شکلیں تجویز کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے[2] کہ موجودہ عالم ان شکلوں میں سے ایک مختصر سی شکل ہے اور اس غیر محدود سلسلہ کے لحاظ سے اس کا زمانہ ایک لمحہ سے زیادہ نہیں اس لیئے اس حالت میں تکالیف اور عیوب کا ہونا چنداں قابل اعتراض نہیں۔

---

[1] یہ مضمون میں نے مختلف علمائے وحدت شہود کے اشارات سے ترتیب دیا ہے اس لیے اسکو اقتباس کی شکل میں لکھا گیا مگر حیرت ہے کہ مسٹر اے جی براؤن نے (کتاب ایلیمینٹس سسٹم آف دی ورلڈ۔ لیکچر دربارہ تصوف) مولانا روم وغیرہ کی شہادت سے بدی کو عدم قرار دیا ہے اور اسکو وحدت وجود کی طرف سے پیش کیا ہے حالانکہ بدی کو عدم کی طرف منسوب کرنا اور پھر اسکو وحدت وجود کی طرف سے پیش کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ وحدت وجود کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک موجود مطلق ان تعینات میں ظاہر ہوتا ہے جیسے پانی موج اور حباب کی شکل میں ظہور کرتا ہے اس لئے جس طرح موج اور حباب کی حقیقت پانی ہے اسی طرح تعینات کی حقیقت وجود مطلق ہے پس اس خیال کے رو سے نیک اور بد دونو طرح کے افعال کی ترکیب ہی ایک ذات مطلق سے ہے جو ان تعینات میں ظہور کرتی ہے اور اس لیئے نیکی اور بدی دونوں اسی ذات کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ کہ انکی نسبت اس ذات کی طرف اسی حالت میں ہے کہ وہ تعینات کو اختیار کئے ہوئے ہے پس بدی کو عدم کی طرف منسوب کرنا وحدت شہود کے مسلک پر ہی چسپاں ہو سکتا ہے جو اشیاء کا نیست سے ہست ہونا مانتے ہیں اور عدم کو کائنات کی ماہیت قرار دیتے ہیں۔

[2] یہ خیال مسٹر سیمیولونی فیگیے کی کتاب دی ڈے آفٹر ڈیتھ سے اخذ کیا ہے۔

لیکن خواہ تناسخ یا غیر محدود سلسلہ صحیح ہو مگر حقیقت میں ان دونو کو بدی کی وجہ گرداننا صحیح نہیں کیونکہ تناسخ جیسا کہ مانا جاتا ہے ایک صورت سزا اور انتقام کی ہے اس لیے اگر دنیا والوں کی بدی و عیب انکی پہلی جون کا پھل ہے تو ضرور ہے کہ پہلی جون میں کوئی بدی ان سے سرزد ہوئی ہوگی جس کا ایسا بد نتیجہ پیدا ہوا اور اگر اس کو بھی اور پہلی جون کا پھل سمجھا جائے تو بدی کو اس سے بھی آگے ماننا پڑیگا اور اس طرح خواہ تناسخ کا سلسلہ ماضی کی طرف کتنا ہی دور تک چلا جائے بدی کا وجود پہلے رہیگا اور انتقام پیچھے۔ اس لیے تناسخ بدی پیدا ہونیکا سبب نہیں بن سکتا اور اسی طرح خواہ موجودہ زمانہ کیسا ہی چھوٹا اور حقیر سمجھا جائے تاہم اس کے موجود ہونے سے اور اس کے اندر بدی او عیب کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس لیے خواہ بدی تھوڑے ہی عرصہ کے لیے موجود ہوئی مگر اس کا سبب کوئی ضرور ہوگا اور یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ دنیا میں بدی کیوں ہے ؟

ان خیالات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے

پس تناسخ او غیر محدود سلسلہ کو اس بارہ میں ناکافی سمجھ کر وہی پہلی تین صورتیں غور کے قابل باقی رہتی ہیں۔ ان میں سے مادہ یا مادہ اور روح کی قدامت کا مسئلہ اگر صحیح ہو اور اگر مادہ اور روح کے نیک اور بد خواص بھی قدیم ہوں تو بیشک اس وقت بدی کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی بلکہ خود خدا کو ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ جب مادہ اور روح کی صفات قدیم ہوئیں اور انہیں صفات کے سبب سے نیک و بد افعال صادر ہوتے ہیں تو مادہ اور افعال مادہ کے سوا اور کوئی کام باقی نہیں رہتا جس کے لیئے خدا کو موجودات کے سٹیج پر آنے کی تکلیف دی جائے مگر دیکھا جا چکا ہے کہ نہ صرف مادہ کو قدیم ماننا پیدائش کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور نہ مادہ اور خدا یعنی ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا ممکن اور قرین عقل ہے۔

مہاتما بدھ کی طرف سے جو وجہ پیش کی گئی ہے اس میں اگرچہ پہلے یہ دعوی کیا گیا ہے کہ کسی فرد کا دنیا میں پیدا ہونا اور غموں میں مبتلا ہونا حقیقت میں ایک ہی۔ گویا وجود ہی بدی اور غم کا باعث ہے۔ مگر بعد میں جو اسکی تفصیل کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غم وجود کے سبب سے نہیں بلکہ اس عدم کے سبب سے ہے جو موجود ہونے کے بعد مرض۔ ضعف۔ پیری وغیرہ مصائب کی شکل میں ظاہر

ہوتا ہے اور جس کا انجام موت پر ہوتا ہے اور واقع مین اگر غم اور فکر ہوتا ہے تو یہی کہ مبادا طاقت معدوم
نہ ہوجاوے۔ مبادا جسم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہوجائے۔ مبادا اسباب زیست یعنی مال و منال معدوم نہ ہوجائے
اور مبادا موت نہ آجائے۔ یا یہ کہ افسوس یہ مصیبتین آگئین اور وجود کی نعمت جیسی ہونی چاہئیے تھی موجود
نہین رہی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ پیدائش اور غم ایک نہین بلکہ پیدائش کی نفی یا نفی کا گمان اور غم ایک
ہے اور جس چیز کا غم ہو اُسی کو بدی کہنا چاہیئے۔ اس لیے وجود بدی نہین بلکہ وجود کی نفی یعنی عدم بدی
ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دنیا چونکہ عدم سے نکلی ہے اس لیے وجود کی ہر ایک شکل مین عدم کا ظہور رہتا ہے
اور اسی لیے وجود کے ہر درجہ مین اس عدم کے سبب سے غم لاحق رہتا ہے۔ پس شاعرانہ استعارہ کے
طور پر وجود کے ساتھ عدم کا ظہور اور عدم کے ساتھ غم کا وجود ہونے کے سبب سے وجود کو غم کا باعث کہا
جائے تو اور بات ہے ورنہ حقیقت مین غم کو اصلی تعلق عدم سے ہے اور اس لیے مہاتما بدھ کی طرف سے جو
وجہ بدی کی قرار دی گئی ہے اس کو کھول کر دیکھنے پر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو اہل حدت نے پیش کی ہے کہ عیب اور بدی کی نیچر عدم ہے اور دنیا کی حقیقت بھی عدم ہے اس لیے دنیا مین بدی
پائی جاتی ہے۔ اور واقعات عالم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان تک عقل انسانی کام کرسکتی ہے یہی
ایک وجہ ہے جو بدی کے مسئلہ کو پورے نیچرل طرز سے حل کرتی ہے۔ چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض
اور تکالیف مین مبتلا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ عدم ہونے کے سبب اس کو کامل وجود حاصل نہین ہوا۔ اور
اگر کسی قوم مین مریض اور اپاہج زیادہ ہوتے ہین تو اسی لیے کہ وہ قوم دیگر اقوام کی نسبت کمال وجود
مین اور بھی کم ہے۔ اور اگر بچے جوانون کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہین تو اس لیے کہ وہ جوانون کی نسبت
نور وجود سے کم منور ہین۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرتا یا نقصان پہونچاتا ہے تو اسی لیے
کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوع انسانی مین ہوسکتی ہے وہ ابھی اس حد تک نہین پہونچا اور اسی طرح انسان
سے کمتر طبقات مین جو نقص اور عیب موجود ہین تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود مین وہ اور بھی پیچھے ہین
غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہمکو پیدا کیا تو اس لیے کہ خیر
پیدا ہوکر ترقی کرے ۔

مسٹر مل تو نیچر کو مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ اس سلسلہ کائنات کو نمونہ بنا کر انسان ترقی نہین کر سکتا[1] مگر وحدت شہود نے جن آنکھون سے نیچر کو دیکھا ہے اُن کو اس باغ کے ہر پتہ پر لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ ہر درجہ ترقی مین اس کے مناسب حال عیب مین کمی اور کمال مین زیادتی ہوتی جاتی ہو اس لیئے انسان جو سب سے اعلےٰ درجہ رکھتا ہے اور جو دنیا کی تمام خوبیون کے ساتھ ارادہ۔ عقل اور نور وجدان سے بھی بہرہ ور ہے اسے سب سے زیادہ عیب کو چھوڑنے اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ؀

تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہین کر سکتی

غرض ایک ضد سے دوسری ضد کیطرف آنے کی جو صورتین وحدت شہود نے پیش کی ہین اور عدم سے وجود کیطرف آنے مین جو تہنی تدریج تمام نظام کائنات سے ظاہر ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم سے وجود یا بدی سے نیکی اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اس کے سوا کوئی صورت ہمارے ذہن مین نہین آسکتی۔ مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ یہ آفتاب اور زمین جیسی سادہ اور ناقص شکلین نہ بنائی جاتین کیونکہ اپنے طوفانون سے بہت نقصان پہونچاتی ہین تو پھر ہمارے خیال مین کوئی صورت نہین جس سے نباتات اور حیوانات بغیر حرارت اور نور کے اور بغیر کسی جائے قیام کے زندگی بسر کر سکین۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ نباتات اور حیوانات بھی نہ بنائے جاتے جو آفتاب اور زمین کے بغیر بسر نہین کر سکتے اور نیز ایک دوسرے کو بہت کچھ نقصان پہونچاتے ہین بلکہ ایک اعلیٰ روحانی مخلوق پیدا کی جاتی جو تمام جسمانی ضرورتون سے پاک ہوتی تو پھر ہم سمجھ نہین سکتے کہ ایسی مخلوق روحانی ترقی کیونکر کر سکتی۔ کیونکہ ترقی کے لیئے ہماری عقل یہی تدبیر کر سکتی ہے کہ اپنی ضرورتون کو ناجایز طور پر پورا کرنے سے پرہیز کرین اور دیگر مخلوقات کو اُن کی ضرورتون مین مدد دین اور جب تمام مخلوق ہی ضرورتون سے پاک ہو تو نہ اپنے تئین جائز و ناجائز کے امتحان کا موقع آئیگا اور نہ دوسرون کو مدد دینے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ بھی نہ ہوتا بلکہ محض ایسی مخلوق پیدا کی جاتی جس کو ترقی کی ضرورت نہ ہوتی یعنی وہ ہر طرح کے کمال سے آراستہ اور سب نقصون سے پاک اور منزہ ہوتی تو بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ خدا

[1] السیے نمبر ۱

اپنی جیسی مخلوق پیدا کرتا مگر ہماری عقل اسکو بھی ناممکن سمجھتی ہے کہ خدا بالکل اپنی جیسی مخلوق پیدا کرے کیونکہ جب وہ مخلوق ہے تو قدیم نہین اور اس لیے اُن کمالات سے جو ایک قدیم ذات کا خاصہ ہین ضرور محروم ہے۔ غرض جہان تک عقل کام کر سکتی ہے اُسکا فیصلہ ہے کہ عدم سے وجود کی کامل شکلین اسی طرح بتدریج اور دھیمی رفتار سے پیدا ہو سکتی ہین اور کمال کے انہی مختلف درجون کے سبب مخلوق ترقی کی شاہراہ پر چل سکتی ہے۔ اور یہی ترقی وہ نعمت ہے جس کو تمام دُنیا اور بالخصوص نوع انسانی کی سب سے بڑی آرزو اور انتہائی مقصد کہہ سکتے ہین ۔

ابھی سوال حل نہین ہوا | لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تمام باتون کو ماننے کے باوجود اور اہل وحدت شہود اور دیگر مذہبی رہنماؤن کی کوششون کو جو وہ بدی کی وجہ تلاش کرنے مین بجا لاتے ہین قابل شکر گذاری تسلیم کرنے کے بعد اصلی سوال کو دیکھا جاتا ہے تو وہ یہ تھا کہ دُنیا مین بدی کیون ہے؟ اور اس سے پہلے مان لیا گیا ہے کہ دُنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے اس لیے سوال کی حقیقت یہ ہوئی کہ خدا نے بدی کو کیون ظاہر کیا اور اس کے جواب مین جب بدی کو مادّہ کی صفت قرار دیکر یا اسکی اصلیت عدم ٹھیرا کر اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف ہونا ممکن نہ تھا تو گویا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا بھی اس کے خلاف کر نہین سکتا حالانکہ اسکو ثابت کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ بیشک ہم کسی چیز کی فطرت کو بدل نہین سکتے اور اس لیے ہم اگر مادہ سے کوئی چیز بنائین تو اوس مین ضرور مادہ کی فطری صفات جلوہ گر ہونگی مگر یہ اسی سبب سے ہے کہ ہماری قدرت محدود ہے اور ہم اپنی ضرورتون کے لیے مجبور ہین کہ جو شکل ممکن ہو اسی پر قناعت کرین اور مادہ کی فطری صفات سے اگر کچھ نقصان بھی پہونچے تو اس پر صبر کرین اور اسکے برخلاف خدا کو غیر محدود اور سب ضرورتون سے پاک مانا جاتا ہے اس لیے اس کے فعل کو اپنے فعل پر قیاس کرنا غلط ہے اور اس لیے خواہ مادہ قدیم سے موجود ہو مگر سوال باقی رہتا ہے کہ اگر خدا بدی کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا تو اس نے کیون ایسی صورت پیدا کی جس سے بدی جو مادہ کی سادہ شکل مین نمایان نہ تھی ظہور مین آئی۔ اور اسی طرح بیشک ہم ایک ضد کو دوسری ضد کی طرف بتدریج آتے دیکھتے ہین اور بیشک ہماری عقل اس کے سوا کوئی صورت خیال مین نہین لا سکتی مگر یہ اسی سبب سے کہ نیچر مین یہ عام دستور

سے ہے اور ہماری عقل اُس دستور کے سوا جو نیچر مین نظر آئے اور کوئی تدبیر ایجاد نہین کر سکتی لیکن جب خدا غیر محدود قدرت اور علم رکھتا ہے تو ہم کہ سکتے ہین کہ خواہ دنیا عدم سے وجود مین آئی ہو اگر وہ بدی کو نابود کرنا چاہتا تھا تو ایسا سلسلہ کیون جاری کیا جسمین کسی نہ کسی شکل سے اسکا ظہور رہتا ہی اور ان دونون احتمالون مین یہ کہنا کہ خدا اسکے سوا کچھ نہین کر سکتا تھا اُسکی قوت کو محدود قرار دینا ہے اور بیشک مسٹر مِل کا قول صحیح ہے کہ ۱؎

"خدا کی طرف محض نیکی کو منسوب کرنے والے مجھے یقین ہے کہ اوسکو قادر مطلق نہین جانتے اور ہمیشہ اُس کی نیکی کو بچانے کے لئے اسکی طاقت کو نادان بناتے ہین اور شاید وہ یقین کرتے ہین کہ خدا اگر چاہتا تو اُنکے رستہ سے ہر ایک کانٹا دور کر دیتا مگر کسی اور کو کوئی بڑا نقصان پہونچانے کے بغیر یا عام بھلائی کے کسی مہتم بالشان مدعا کو فسخ کرنے کے بغیر نہین ہو سکتا تھا غرض وہ یقین رکھتے ہین کہ وہ ہر ایک کام کر سکتا ہی مگر سب کام نہین کر سکتا ......"

غرض دُنیا کی پیدایش خواہ قدیم مادہ سے ہو یا عدم سے اگر لامحدود خدا کا تعلق اس کے ساتھ ہو تو کسی نہ کسی طور پر نیکی اور بدی دونون کا خدا کی طرف سے ہونا ایسا مسئلہ ہے جسکی تردید نہین ہو سکتی کیونکہ اگر خدا یہانکی بدی کو نمایان کرنے پر رضامند نہ ہوتا تو وہ کر سکتا تھا کہ یا دُنیا کو کسی اور شکل سے پیدا کرے یا کم از کم اُسکو وجود کی نعمت ہی نہ دے تا بُرائی کا ظہور نہ ہوا در جب اس لامحدود خدا نے اِسے پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ جو نیکی اور بدی اس پیدائش مین ظاہر ہونے کو ہے وہ اس پر رضامند ہی اور اس لیئے نیکی اور بدی کی نسبت کہ سکتے ہین کہ وہ اسی کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوئی اور اسی کی جانب سے ہے اور دوسری طرف جیسا کہ اہل وحدت شہود نے ثابت کیا ہے بدی عدم ہے اور جس چیز مین جس قدر عدم کا ظہور ہے اسی قدر بدی کی کثرت ہی اس لیئے یہ بھی صحیح ہی کہ نیکی یعنی وجود خدا کی طرف سے ہے اور بدی یعنی عدم ہماری اپنی حقیقت مین داخل ہے چنانچہ انہی دونون حیثیتون کے موافق قرآن مین ارشاد ہے

وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا

اگر منکرین کو بھلائی پہونچتی ہے تو کہتے ہین کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور کوئی برائی پہونچتی ہے تو کہتے ہین یہ لائی پیغمبر

۱؎ ایسیز صفحہ نمبر ۴۲ سنہ ۱۸۷۴ء

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (نساء پارہ ۵ ع ۱۱)

یہ تمہاری نحوست ہے۔ انہیں کہدو کہ بھلائی برائی سب خدا کی طرف سے ہے مگر ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں بھٹکتے (اور حقیقت کو دیکھو تو) جو تمکو بھلائی پہنچتی ہے یہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے یہ تمہاری اپنی اصلیت کی وجہ سے ہے اور تمکو تو ہمنے (محض) رسول بنا کر بھیجا ہے (پھر تمہاری نحوست کیسی) اور یہ کافی ہے کہ خدا سب باتوں پر حاضر ناظر ہے

"کیوں" کا جواب

اب یہ سوال کہ اس لامحدود خدا نے ایسا کیوں کیا اور بدی کے ظہور پر رضامند کیوں ہوا اس بارہ میں جہاں تک امر واقع کو ظاہر کرنے کا تعلق تھا وہ وحدت شہود نے پورا کر دیا ہے مگر سوال کا جواب جیسے کہنا چاہیئے وہ نہ انکی طرف سے پیش ہوا ہے اور نہ کوئی اور مذہب دیتا ہے اور مذہب کی جانب سے کیوں کا جواب نہ ملنے اور بدی کے ظہور کی غائت معلوم نہ ہونے پر آیا مذہب کو ناقص اور قابل ترک سمجھنا چاہیئے یا یہ کہنا چاہیئے کہ یہ حقیقت انسان کی سمجھ سے باہر ہے اس لئے مذہب نے کوئی ہدایت نہیں دی؟ اس غرض کے لیئے دیکھنا چاہیئے کہ بالعموم کیوں کا جواب نہ ملنے اور کسی واقعہ کی علت معلوم نہ ہونے پر ہماری عقل کیا مسلک اختیار کیا کرتی ہے۔

واقعات عالم جنکی تحقیق و تلاش کی جاتی ہے تین قسم پر منقسم ہو سکتے ہیں۔

(۱) کسی ایسی چیز کے صفات و افعال کی تحقیق کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت بھی ہمارے مشاہدہ اور تجربہ سے باہر ہے اور اسکے وہ صفات اور افعال بھی تجربہ میں نہیں آسکتے۔

(۲) ایسی چیز کے صفات و افعال کی تلاش کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت تجربہ سے باہر ہے مگر وہ صفات و افعال تجربہ میں آسکتے ہیں۔

(۳) ایسی چیز کی نسبت غور کیا جاتا ہے جس کی ماہیت بھی معلوم ہے اور اس کے افعال و صفات کا بھی تجربہ ہے۔

ایسے موقع پر کیوں کا جواب دینا ضروری نہیں

ان میں سے پہلی قسم کی نسبت قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ایک احتمال قایم کیا جاتا

ہے اور پھر اُس کے متعلق ’کیون‘ کے لفظ سے جہان تک ممکن ہو سوال پیش کئے جاتے ہین۔ اب اگر
تمام سوالون کا جواب اس احتمال کے مناسب مل جاتا ہے تو احتمال کو حسب حیثیت ظن غالب یا یقین
کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن جب کبھی کسی ایک موقع پر بھی ’کیون‘ کے جواب مین کوتاہی ہوتی ہے تو اس احتمال
کو غلط مان کر دوسرا احتمال قائم کیا جاتا ہے۔ اور پھر اُس کے متعلق ’کیون‘ کو معیار گردان کر تحقیق و تفتیش
شروع کی جاتی ہے۔ غرض ایسے واقعات مین ’کیون‘ کا جواب نہ ملنے سے ضرور احتمال کو ترک کر دیا جاتا
ہے مثلاً آفتاب کی ماہیت تجربہ مین نہین آسکتی اور اُس کے ٹھوس یا سیال یا بخار ہونیکا بھی تجربہ نہین
ہوسکتا۔ اس لیئے پہلا احتمال کیا گیا کہ وہ ٹھوس ہے۔ اور پھر اُسکی اُس حرکت کو دیکھا گیا جو اپنے محور پر کرتا ہے
تو معلوم ہوا کہ اُس کے عین درمیانی حصہ پر جسکو زمین کے قیاس پر خط معدل النہار کہنا چاہیئے اُس کی
حرکت بہ نسبت دوسرے حصّون کے تیز معلوم ہوئی اور سوال پیدا ہوا کہ اس خط کی حرکت تیز کیون ہے
اور چونکہ ٹھوس ہونیکی صورت مین تمام کرہ کو یکسان حرکت کرنی چاہیئے تھی اس لیئے اُس ’کیون‘ کا جواب
نہ ملنے پر اس احتمال کو غلط قرار دیا گیا اور آفتاب کو سیال فرض کیا گیا۔ اب سوال ہوا کہ اُس مین سے حرارت
ایسی عظیم الشان مقدار پر کیونکر نکلتی ہے اور موجودہ سائنس نے جواب دیا[۱] کہ حرارت قوت کی کسی شکل
کو خرچ کرنے کے بغیر پیدا نہین ہوسکتی۔ پھر سوال ہوا کہ اگر آفتاب سیال ہے تو اتنی حرارت خرچ ہونے پر اسکی
قوت ختم کیون نہین ہوگئی اور چونکہ اس احتمال کے مطابق اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیے سیال ہونے
کے احتمال کو بھی غلط قرار دیا گیا اور بخار کی قسم کا جسم فرض کیا گیا کیونکہ اس صورت مین مذکورۂ بالا ’کیون‘
کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حرارت نکلتے رہنے کی وجہ سے وہ نہایت لطیف پھیلے ہوئے بخار کی حالت سے
سکڑتا جاتا ہے اور آیندہ کے لئے اور زیادہ کثیف ہوتا جائیگا اور اس طرح پر حرارت اُس مین سے آیندہ بہت
بڑے عرصہ تک صرف ہوسکتی ہے چنانچہ اب تک یہ احتمال علمی دُنیا مین ظن غالب کا حکم رکھتا ہے۔ مگر
حال کے انکشافات مین ریڈیم ایک ایسی چیز دریافت ہوئی ہے جسکی حرارت بغیر طاقت کو خرچ کرنے کے
نکلتی ہے اور اسکی وجہ سے کچھ سوال پیدا ہونے لگے ہین اور عجب نہین کہ کسی سوال پر اس احتمال کو
بھی غلط ماننا پڑے اور آفتاب کی کوئی اور صورت تسلیم کیجائے۔

[۱] استڑانومی مصنفہ پروفیسر نیوکومب حصہ سوم باب دوم۔

اسی طرح زمین اور آفتاب کا باہمی تعلق جو تجربہ سے بالاتر تھا جب اسکی نسبت تلاش شروع ہوئی تو پہلے زمین کو ساکن اور آفتاب کو اوس کے گرد متحرک مانا گیا اور پھر سوال کیا گیا کہ رات دن کیون پیدا ہوتے ہین اور موسمین کیون بدلتی ہین اور آفتاب کبھی سمت الراس کے قریب اور کبھی دور کیون دکھائی دیتا ہے۔ ان سوالون کا جواب اس احتمال کے مطابق ملگیا اور آفتاب کی یا آسمانون کی دو طرح کی حرکت ماننے سے یہ عقدے حل ہوگئے اس لیئے اس احتمال پر یقین کر لیا گیا اور جب تک کوئی اور "کیون" کا سوال پیدا نہ ہوا اس خیال کو امر واقعی مانتے رہے مگر جب اور واقعات معلوم ہوئے تو پھر کیون کی آواز پیدا ہوئی۔ مثلاً سترھوین صدی مین جب مقام پیزا کے ٹیڑھے مینار سے جو سائنٹیفک تجربون کے لیئے بنایا گیا تھا ایک بھاری پتھر نیچے کو پھینکا گیا تو جس مقام سے وہ زمین کیطرف آیا تھا ٹھیک اوس کے عمودی خط پر زمین کے اوپر نہ گرا بلکہ کسی قدر مشرق کیجانب سے ہٹ کر گرا جس پر سوال ہوا کہ پتھر عمودی خط پر نہ آیا۔ اور چونکہ زمین کے ساکن ہونے پر اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیئے اس سوال کے پیدا ہونے پر کم از کم زمین کی محوری حرکت کو ماننا پڑا اور اس پتھر جیسے سوال کو حل کیا گیا کہ کرہ کے اجزا جس قدر اسکے مرکز سے دور ہون اسی قدر ان اجزا کی محوری حرکت تیز ہوتی ہے چنانچہ مینار بھی سطح زمین کی نسبت مرکز سے دور تھا اس لیئے اس کے اوپر رکھا ہوا پتھر سطح زمین کی اجزا سے تیز حرکت کر رہا تھا اور اسی لیئے جب وہان سے گرا تو اپنے اصلی عمود پر آیا جو سطح زمین کی اجزا سے کسی قدر آگے یعنی مشرق کی جانب تھا۔ اور پھر جب معلوم ہوا کہ آفتاب زمین سے بڑا ہے اور نیز جب کشش ثقل کے قانون سے ثابت ہوا کہ چھوٹی چیز بڑی کے گرد حرکت کرتی ہے تو آفتاب کی حرکت کے متعلق کیون کا سوال پیدا ہوا اور اس طرح کے سوالون سے پہلا احتمال بالکل غلط ثابت ہو کر زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا یقین کے قریب آ گیا۔

ایک اور موقع پر کیون کا جواب دیا نہین جا سکتا۔

غرض اس سے اور اسی قسم کی ہزارون مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز اور اسکی کوئی صفت تجربہ کی گرفت سے باہر ہو تو اس کے متعلق کیون کا ہر ایک سوال حل کرنا پڑتا ہے اور نہین تو مفروضہ احتمال غلط ثابت ہوتا ہے مگر دوسری قسم یعنی ایسی چیز جسکی ماہیت تجربہ سے باہر ہے لیکن اسکی صفت مشاہدہ مین آ سکتی ہے ایسی صورت مین پہلی صورت کے برعکس کبھی کبھی کیون

کا جواب نہیں دیا جاسکتا اور صرف اس صفت کے تجربہ پر قناعت کی جاتی ہو مثلاً کشش ثقل ایک ایسی طاقت ہے جسکی ماہیت سمجھ سے باہر ہے ڈاکٹر ایچ آر ہل[1] لکھتے ہین کہ۔

"نیوٹن کا یہ عام قانون قدرت ایسا ثابت ہوکہ شک کی ذرا گنجائش نہین لیکن کوئی نہین سمجھتا کہ وہ ہے کیا چیز"

اس لیئے تجربہ کی رو سے ہم یہ تو یقین کر لیتے ہین کہ دو جسمون کا درمیانی فاصلہ ایک چوتھائی کم ہو جانے پر کشش سولہ گنا زیادہ ہو جاتی ہے مگر اس سوال کا جواب نہین دے سکتے کہ فاصلہ کی کمی سے کشش کیون چوگنی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مادہ ایسی چیز ہے کہ اسکی ماہیت سے ہم واقف نہین ہین اور مادہ ایک طرف اس کے اقسام یعنی عناصر کی ماہیت بھی دریافت نہین ہوئی اس لیئے تجربہ سے اتنا تو یقین ہو کہ بیسک آکسائڈ اور ایسڈ آکسائڈ کی آمیزش سے مختلف نمک پیدا ہوتے ہین یا ہیڈروجن اور آکسیجن کے اختلاط سے پانی بنتا ہو لیکن یہ سوال ناقابل حل ہو کہ ایسا ہونا کیون ہے۔ اسی طرح شعاع آفتاب کا زمین تک پہونچنا مجہول الکیفیت ہے اسلئے تجربہ سے اتنا یقین تو ہے کہ شعاع آفتاب ایک سیکنڈ مین ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل قطع کرتی ہے مگر یہ کہ اسکی رفتار اس قدر کیون ہے؟ اس کا کوئی جواب نہین۔

ایک اور موقع پر خاص حد تک کیون کا جواب ہو سکتا ہے

ایسی بے شمار مثالون سے معلوم ہوتا ہے کہ مجہول الماہیت اشیا کے اُن صفات پر جن کا تجربہ ہو یقین کرنا پڑتا ہے مگر ایسا کیون ہے اور اس کے خلاف کوئی اور صورت کیون نہ ہوئی اس عقدہ کو حل نہین کر سکتے ہو تیسری قسم اسمین جہان تک کسی ماہیت کا علم ہے اسی حد تک کیون کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے مثلاً ہیرے اور کوئلہ کی ماہیت کسی قدر معلوم ہو اس لیے جب سوال ہو کہ کوئلا ہیرا کیون بن جاتا ہے تو جواب دے سکتے ہین کہ ان دونون کی ماہیت کاربن ہو مع کسیقدر قوت کے۔ اس لیے قوت کو گھٹا بڑھا کر ایک کو دوسرے مین بدل سکتے ہین۔ غرض یہان تک ماہیت معلوم تھی اور یہین تک کیون کا جواب چل سکا۔ آگے نہ کاربن کو جانتے ہین اور نہ کاربن سے ہیرا بننے کی وجہ بتا سکتے ہین۔ اسی طرح روشنی کی

[1] کتاب ریلم آف نیچر باب دوئم۔

ماہیت ایک حد تک معلوم تھی کہ چند رنگون سے مرکب ہے اس لیے جب سوال ہوا کہ چیزون کے
رنگ کیون نظر آتے ہین تو کہا گیا کہ جب روشنی کی لہر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اُس کے رنگون مین سے
کچھ اُس چیز مین جذب ہو جاتے ہین اور کچھ ٹکر کھا کر واپس آتے ہین پس جو رنگ اس طرح واپس
آکر نظر تک پہونچتا ہے وہی اُس چیز کا رنگ سمجھا جاتا ہے یہان بھی کیون کا جواب اسی حد تک
آکر ٹھیر گیا جس حد تک روشنی کی ماہیت معلوم تھی اور رنگون سے آگے چونکہ ہمارا علم نہ گیا تھا اس لیے
جواب مین بھی کچھ اور جولانی نہ دکھا سکے اور بعض رنگون کے جذب ہونے اور بعض کے نہ ہونے
کی یا سیاہ چیز مین تمام رنگون کے جاذب ہو جانے کی وجہ نہ بتا سکے کیونکہ رنگون کی ماہیت
معلوم نہین ۔

خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین زائل نہین ہوتا

اس تمام مضمون کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہیئے کہ خدا کی ذات اور خدا
کی صفات یعنی علم قدرت ارادہ وغیرہ کی ماہیت نامعلوم تھی اور اس قدر
تجربہ تھا کہ پیدا کرنے والی طاقت کوئی بھی ہو مخلوق مین نیکی اور بدی دونو موجود ہین اس لیئے
جب نامعلوم ذات اور نامعلوم صفات کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو احتمال قائم کیے گئے اور
ہر احتمال پر کیون کا سوال پیش کیا گیا اور جواب نہ ملنے پر یکے بعد دیگرے احتمالون کو غلط مانتے
ہوئے اس خیال تک پہونچے کہ ایک خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس نے اس کائنات کو نیست سے
ہست کیا ہے اور ہمنے دیکھا کہ اس احتمال پر جس قدر سوال اُن صفات کی نسبت پیدا ہوئے جو تجربہ سے
باہر تھین اُنکا جواب اس احتمال کے مطابق ملگیا پس جس طرح آفتاب کی جسمانی حالت اور زمین اور آفتاب
کے تعلق وغیرہ کی نسبت مختلف سوالات کا جواب ملجانے پر ایک ایک احتمال کو ترجیح دی گئی ہے
اسی طرح خدا کی نسبت اس آخری احتمال پر عقل کو تسکین ملی ۔ مگر جس طرح زمین اور روشنی وغیرہ کے پیمانہ
رفتار اور کشش ثقل کی مقدار ترقی وغیرہ ایسی صفات کے متعلق جن کا تجربہ ہو سکتا ہے کیون کا جواب
نہین دیا جا سکتا اور وجہ بتائی نہین جا سکتی اسی طرح خدا کے طریق پیدائش کے متعلق جس مین نیکی
اور بدی دونو شامل ہین اور روزمرہ انسان مشاہدہ کرتا ہے کیون کا جواب دیا نہین جا سکتا ۔ اور جیسے

وہان بہی جواب تھا کہ رفتار اور کشش کا یہی قانون دیکھا گیا ہے اِسی طرح یہان جواب ہوگا کہ پیدایش کا طریق یہی نظر آتا ہے اور جیسے وہان جواب نہ ملنے سے زمین وغیرہ کی حرکت اور کشش ثقل کے وجود سے انکار کرنا جہالت ہی اسی طرح یہان بدی کی وجہ نہ معلوم ہونے پر خدا کے وجود سے انکار کرنا نادانی ہے - اور علیٰ ہذا القیاس جیسے علوم دنیوی مین ہمارا یہی فرض ہے کہ قوانین قدرت کو دریافت کرین اور ان سے اپنی دنیوی اغراض مین فائدہ اُٹھائین اِسی طرح یہان بہی ہمارا اسی قدر فرض ہے کہ نیکی اور بدی کے ظہور وغیرہ کے متعلق جو صداقتین ہون اُنکا علم حاصل کرین اور اُن سے روحانی اغراض مین مدد لین اور پھر جس طرح وہان پہلے مختلف قوانین قدرت کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اُن سے کام لینے کے عملی طریقے دریافت کئے جاتے ہین اور یون سائنس اور سائنس سے صنعت پیدا ہوتی ہی اسی طرح یہان نیکی اور بدی کے متعلق صداقتون کو سمجھا جاتا ہے اور پھر اُن کے مطابق روحانی ترقیون کے رستے تیار کئے جاتے ہین اور یون عقاید اور عقاید سے اعمال پیدا ہوتے ہین - اس لیے اقرار خدا کے بعد مذہب کا سب سے بڑا کام نیکی اور بدی کے متعلق قوانین کی تعلیم دینا ہے[1] چنانچہ چند اصولی صداقتین جن سے خدا کو موجود ماننے والا انکار نہین ہوسکتا تفصیل ذیل ہین

سب کچھ مشیت ربانی سے ہوتا ہے	**اول** خدا غیر محدود ہی اُسکی صفات غیر محدود ہین اس لیئے ضرور ہی کہ اوسنے اس کائنات کے موجودہ قوانین اپنی مرضی سے مقرر کیے ہین کیونکہ اگر مرضی سے

نہ ہون تو لازم آتا ہے کہ وہ مجبور ہو اور غیر محدود قدرت نہ رکھتا ہو اور جب قوانین اُس نے اپنی مرضی سے مقرر کئے ہین تو ضرور ہے کہ اگر اوسکی مرضی اسکے خلاف ہوتی تو کوئی اور طرح کے قوانین جاری ہوتے - اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا مین محض وہی چیزین اور وہی اسباب ہوتے جو مخلوق کو فائدہ پہونچائین اور نقصان پہونچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی - پس تمام انسان بھی فائدہ پہنچانے

[1] قرآن مین اس مسئلہ کے متعلق جسکو تقدیر کہتے ہین اس قدر ابہام ہی کہ غالبًا اس کے بہت کم صفحے ایسے نکلینگے جن مین اسکے مختلف پہلوؤن مین سے کسی نہ کسی کے متعلق مذکور نہ ہو اور غالبًا قرآن مین بھی ایک مسئلہ ہی جسکو سب سے زیادہ دشوار سمجھا جاتا ہی حالانکہ واقعات عالم کی شہادت اور قوانین قدرت کے مطالعہ سے جس قدر اس مسئلہ کی صحت معلوم ہوتی ہی شاید ہی کسی اور مسئلہ کی ہو ؟

والے ہوتے اور مضرت کسی سے ظاہر نہ ہوتی جسکو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سب نیک اور ہدایت یافتہ ہوتے اور بدی اور بدی کیطرف جانیکا نشان نہ ہوتا۔ غرض لامحدود قدرت ماننا پڑتا ہے اس نتیجہ تک ضرور پہونچنا پڑتا ہے اور یہی کامل مذہب کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ط وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ پارہ ۳ ع ۱۳)

اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد میں دلایل کو دیکھنے کے بعد جھگڑا اور لڑائی نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور بعض مومن ہوگئے اور بعض کافر اور اگر خدا چاہتا تو وہ دنگا نہ کرتے۔ لیکن خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

فَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ (انعام پارہ ۷ ع ۱۴)

اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا پس تم نادانی کا خیال نہ کرو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (انعام پارہ ۸ ع ۱۸)

کہدو کہ پوری حجت خدا کے پاس ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۰)

اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو جو زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ ایمان لائیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱۰)

اگر تیرا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے مگر جن پر خدا کی مہربانی ہو۔ اور ان کو اسی لیے پیدا کیا ہے۔

اَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ط (رعد پارہ ۱۳ ع ۴)

پس کیا ایماندار اس سے ناامید نہیں ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۳)

اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا۔

وَلَوْشِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا

(سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے

وَلَوْشَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ط

(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۱)

اور اگر خدا چاہتا تو اُن کو ایک اُمت بنا دیتا۔

خدا نے نیک اور بد دونوں رستے بنائے ہیں۔

دوئم بجائے اس کے کہ محض ایک ستہ نیک افعال اور نیک نتائج کا پیدا کیا جاتا دُنیا میں دونوں طریق مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ نیک رستہ پر چلنے والا نیک نتائج تک پہنچتا ہے اور برائی کو اختیار کرنے والا بد انجام حاصل کرتا ہے ارشاد ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (انعام پارہ ۷)

تعریف اُس خدا کی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ط (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱)

وہ ذات ہے جس نے تمکو پیدا کیا کہ بعض تم میں سے کافر اور بعض مومن۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ط (دہر پارہ ۲۹ ع ۲)

ہم نے اسے رستہ دکھایا ہے پس خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکر۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ط

(البلد پارہ ۳۰ ع ۱)

کیا ہمنے اُسکو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو لب نہیں دیئے اور کیا اس کو دو رستے نہیں دکھائے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ط والشمس پارہ ۳۰ ع ۱)

قسم ہے روح کی اور اُسکی جس نے اُسے بنایا اور اُسمیں بھلائی اور بُرائی کا خیال ڈالا۔

اسی میں حکمت ہے

سوئم جس طرح اسکی قدرت غیر محدود ہے اسی طرح اسکی حکمت بھی غیر محدود ہے اور انسان کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ اس طرح کے انتظام میں کیا کچھ حکمت اور بہتری ہے مگر انسان کو اپنی حالت کے موافق اس قدر خیال کرنا ضرور ہے کہ جو فائدہ اس انتظام پر مترتب ہو وہ اور کسی نظام پر

جو انسانی عقل مین آسکے مرتب نہین ہوسکتا۔ مثلاً اگر دنیا مین بالکل بدی نہ ہوتی تو بدی پر غالب آنے اور بدخواہشون کو روک کر نیکی کی جانب رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور اس لیے ایسی مخلوق نیکی پر کاربند ہوتی تو محض اسی وجہ سے کہ نیکی کے سوا اس کو کوئی فعل کرنیکا موقع نہ ہوتا اور اس لیے ایسی مخلوق صلہ و انعام کی مستحق بھی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اگر نیکی اور بدی دونون ہوتین مگر بدی کا نتیجہ برا نہ ہوا کرتا تو پھر بھی بدی اور نیکی مین کچھ تفاوت نہ ہوتا اور کامل عدل کے بالکل منافی ہوتا کہ نیک اور بد کو یکسان انعام دیا جائے پس یہی صورت موزون ہے کہ نیک اور بد دونون راہ بتائی جائین اور ہر ایک پر اس کے مناسب حال نتیجہ مرتب کیا جائے تا ہر شخص اس امتحان مین جس قدر نمبر پائے اسی کے موافق اعزاز حاصل کرے اور خدا جس شخص کو جس رتبہ کے لایق دیکھے وہی درجہ عطا کرے چنانچہ یہی سمجھایا گیا ہے :-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ
(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت مین چلے جاؤگے حالانکہ خدا کے نزدیک نہ ثابت ہوا ہوگا کہ کون تم مین سے کوشش کرنے والا ہے اور کون صبر کرنیوالا ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ
(انعام پارہ ۸ ع ۱۵)

کیا وہ شخص جو مردہ ہو اور ہمنے اسے زندہ کیا ہو اور اس کو نور دیا ہو جس سے وہ لوگون کے بیچ مین راہ نکالے اس جیسا ہوسکتا ہے جو اندھیرے مین ہو اور اس سے نکل نہ سکتا ہو۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ
(انفال پارہ ۱۰ ع ۵)

(یہ اس لیئے ہوا ہے) تا ہلاک ہو جو ہلاک ہوتا ہے۔ دلیل سے اور زندہ رہے جو زندہ رہتا ہے دلیل سے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ؕ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ

کیا لوگ گمان کرتے ہین کہ وہ صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ہم ایمان لائے۔ اور ان کو فتنہ مین ڈالا جائیگا

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (عنکبوت پارہ ۲۰ ع ۱)

حالانکہ ہمنے فتنہ مین ڈالا ہے ان سے پہلے لوگون کو تا خدا کے سامنے ثابت ہو جائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۭ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ (ص پارہ ۲۳ ع ۳)

ہمنے آسمان زمین اور انکے درمیانی مخلوق کو بے وجہ پیدا نہین کیا۔ یہ کفار کا گمان ہے پس افسوس ہے کہ وہ عذاب مین ڈالے جائینگے۔ کیا ہم ایمان لانیوالون اور نیک عمل کرنیوالون کو ملک مین فساد کرنے والون کے برابر کردین اور کیا پرہیزگارون کو بدکارون کے مساوی سمجھین۔

خدا نے ہر کیفیت مین ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔

چہارم۔ نیک اور بد یا مفید اور مضر حالات کو موجود پانے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ ان دونون کیفیتون مین ترقی کی قابلیت بھی ودیعت ہے اور قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جس چیز کیطرف توجہ ہو اسکی مہارت نامعلوم طور پر بڑھتی جاتی ہے مثلاً اگر کوئی جاہل علم کی طرف توجہ کرتا ہے یا کوئی نادان کوئی ہنر سیکھنے لگتا ہے تو پہلے موجودہ حالت کو بدلنا ایک کوہ گران معلوم ہوتا ہے مگر توجہ اور شوق پیدا ہونے پر گویا ابھی اس کام کو ہاتھ نہ لگایا ہو وہ پہلی سی دشواری اور دقت کم محسوس ہونے لگتی ہے اور جب وہ ابتدائی سبق حاصل کرنے لگتا ہے تو اگرچہ اسکو نمایان طور پر محسوس نہین ہوتا مگر دشواری کا پردہ اٹھنا شروع ہو جاتا ہے اور فن حاصل کرنے کی قابلیت زیادہ ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہر قدم پر وہ اپنے مدعا کے قریب آتا جاتا ہے۔ اور اُدھر اسی طرح کوئی شخص کسی فن یا کام مین رات دن مشغول رہتا ہے اور کسی وقت اس شغل کو نہین چھوڑتا تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے لئے اپنی اس عادت سے دست بردار ہونا نہائت ہی دشوار ہے۔ لیکن جب کسی وجہ سے ایک دفعہ اس کام مین سستی کرتا ہے اور ایک لحظہ کے لئے غافل ہو جاتا ہے تو یہ ایک لحظہ کی غفلت عادت کو چھوڑنے کی دشواری مین تخفیف کر دیتی ہے اور اگر اب کسی سخت ضرورت کے سبب اُس نے تھوڑی سی غفلت کی تھی تو آیندہ اس سے کم ضرورت پڑنے پر زیادہ دیر تک بیکار رہنے

پر مائل ہوجاتا ہے اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ بضرورت بھی کام کو چھوڑنے لگتا ہے حتی کہ ایک وقت پر بالکل ناکارہ اور درماندہ ہوجاتا ہے اور یہ کیفیت صرف انسانوں سے مخصوص نہین بلکہ دنیا کی ہر چیز اپنی حالت بدلنے پر اسی طرح اس انقلاب کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوتی جاتی ہے جنگلی درخت کو باغبانی کے قاعدون پر یا وحشی جانور کو تربیت کے اصول پہ پرورش پانے کا موقع ملے تو جتنی قوت انقلاب کے پہلے درجون مین صرف کرنی پڑتی ہے آئندہ اس سے کم قوت مین یادہ انقلاب ظاہر ہونے لگتا ہے اور اُدھر پرورش کے قاعدون مین تساہل کرنے سے بڑے آراستہ درخت اور تربیت یافتہ جانور اپنی صحرائیت اور وحشت کیطرف لوٹتے ہوئے پوری بیڈول اور ناہموار ہوسکتے ہین - اب ہم یہی حالت کو دیکھین تو ہمین بھی یہی قانون نظر آتا ہے - ایک رندو اوباش کو جو ہر وقت سیہ کاری مین منہمک ہے خدا ترسی کیطرف آنا اور اپنی جسمانی لذتون کو نادیدہ روحانی ترقی کے لیے چھوڑنا نہایت گران معلوم ہوتا ہے اور اسکی ایسی حالت کو بدلنے کے لیے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بلا مبالغہ لوہے کو پانی کرنے کی قابلیت رکھتی ہو - مگر جب ایک دفعہ وہ کسی طرح خدا کی طرف تھوڑی سی توجہ بھی کرلیتا ہے تو آیندہ کیلئے اسکے دل کو نرم کرنا ذرا آسان ہوجاتا ہے اور پھر چھوٹی چھوٹی عبرتین اسکے دل کو زیادہ سے زیادہ مرعوب کرنے لگتی ہین حتے کہ ایک وقت پر اُس کا دل اس قدر منور ہوسکتا ہے کہ کسی عبرت و نصیحت کی ضرورت نہ رہے اور نہ صرف یہ کہ اُس کا خود گمراہ ہونا محال ہوجائے بلکہ وہ دوسرون کے لئے بھی روشنی کا مینار بن سکتا ہے - اور اسی طرح زاہد شب زندہ دار اور عابد خدا پرست کو اپنے اذکار و اشغال سے ایک لحظہ غافل ہونا موت سے بدتر معلوم ہوتا ہے لیکن کسی سبب سے ایک دم کیلئے عیش و آرام کیطرف مائل ہونے سے تاریکی سے بچانے والا نور کم ہونے لگتا ہے اور جو جسمانی لذت ایک لحظہ حاصل کی ہے اسکا اشتیاق پہلے سے دوچند ہوجاتا ہے اور اوسنے ترغیب پر اپنے فرائض مین کوتاہی اور مناہی مین انہماک کرنے لگتا ہے اور اگر اسی طرف چلا چلے تو آخر اُس کا دل تاریکی مین شب دیجور اور سنجتی مین سنگ خارا سے بڑھ جاتا ہے اور اُس وقت وہ دل رکھتا ہے مگر سمجھتا نہین - آنکھ رکھتا ہے مگر دیکھتا نہین اور کان رکھتا ہے مگر سنتا نہین گویا دل پر مہر ہوگئی ہے آنکھ پر پردہ پڑگیا ہے اور کانون مین ڈاٹ لگ گئے

ہین - غرض یہ عام قانون قدرت ہی اور جو دنیا کا بنانے والا ہے اسی کیطرف سے جاری ہوا ہے چنانچہ انہی صورتون کیطرف اشارہ ہے جہان ارشاد ہے -

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

(بقرہ پارہ ۱ ع ۱)

جو لوگ کافر ہین خواہ تم اُن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لاوینگے - خدانے اپنے قانون کے موافق اُن کے دلون اور کانون پر مہر کردی ہی اور اُن کی آنکھون پر پردہ ہے اور اُن کے واسطے بڑا عذاب ہے -

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

(بقرہ پارہ ۱ ع ۱)

اُن کے دل مین مرض ہے پس خدا نے اپنے قانون ترقی سے انکے مرض کو بڑھا دیا -

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (بقرہ پارہ ۱ ع ۲)

وہ کفار سے کہتے ہین کہ ہم تمہارے ساتھ ہین اور ہم مسلمانون سے ہنسی کرتے ہین مگر خدا انکی ہنسی کا بدلا دیتا ہی اور اس نے قاعدہ باندھا ہی کہ ایک سرکشی کے بعد سرکشی مین بڑھتے جاتے ہین کہ گمراہ ہین

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ

(بقرہ پارہ ۱ ع ۱۱)

خدا نے انکے کفر کے سبب اُن کو رحمت سے دور کردیا ہے اب وہ ایسے دور ہوگئے ہین کہ کم ہی ایمان لائین گے -

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۵)

اور اللہ ظلم کرنیوالون کو ہدایت کیون دینے لگا تھا -

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۶)

اور اللہ کفر کرنیوالون کو ہدایت کیون دینے لگا تھا -

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

پس جو شیطان کا کہنا نہ مانے اور خدا پر ایمان لاوے اس نے ایک مضبوط رسی کو پکڑ لیا جس کے ذریعہ سے اوپر کو چڑھتا جائیگا

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

خدا ان لوگون کو کس قاعدہ سے ہدایت دے جو خود ہی کفر ہی کی

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)

طرف گئے ہین حالانکہ اس سے پہلے وہ ایماندار تھے رسول کو حق جانتے تھے اور نشان دیکھ چکے تھے اور اللہ ایسے ظالمون کو ہدایت کیون دینے لگا ۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۝ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۸)

کفار گمان نہ کرین کہ اُن کو گناہ کرنے پر جو مہلت ملتی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے اس مہلت کا تو ہمنے یہ اثر رکھا ہے کہ وہ گناہگاری مین ترقی کرین ۔

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (نسا پارہ ۵ ع ۷)

خدا نے انکو ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے پس وہ کم ہی ایمان لائین گے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ (نساء پارہ ۵ ع ۲۰)

جو لوگ ایمان لائین پھر کافر ہون ۔ پھر ایمان لائین پھر کافر ہون ۔ پھر کفر مین ترقی کرین تو خدا اُن کو نہین بخشتا اور نہ انکو سیدھے رستہ کی ہدایت کرتا ہے

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (نساء پارہ ۶ ع ۲۲)

خدا نے ان کے کفر کے سبب دلون پر مہر لگا دی ہے پس اب کم ہی ایمان لائین گے

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۝ (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

ان کے وعدہ توڑنے کے سبب سے ہمنے ان کو رحمت سے دور کیا ہے اور ان کے دلون کو سخت کر دیا ہے ۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

جو انکو نصیحت کی گئی ہے انہون نے اُسے بھلا دیا پس ہمنے اس کے نتیجہ مین قیامت تک کیلیے اُن مین عداوت اور بغض کی آگ بھڑکا دی ۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا

اور اگر ان پر فرشتون کو اتارتے اور مردے ان پر باتین کرتے اور ہم ان کے سامنے سب چیزون کو مہیا کر دیتے

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

(انعام پارہ ۸ ع ۱۴)

تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر شاذ و نادر (یا) لیکن اگر خدا چاہے تو ویسے بھی سب مومن ہوسکتے ہیں۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ

(اعراف پارہ ۹ ع ۱۳)

پس وہ ایمان نہ لا ئینگے اس سببسے کہ انھون نے پہلے ہی تکذیب کی ہے ہم اسی طرح کفار کے دل پر مُہر لگا دیتے ہین۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ط

(اعراف پارہ ۹ ع ۲۳)

جو لوگ ہمارے نشانون کو جھٹلاتے ہین ہم اُنکو آہستہ آہستہ بُرائی کیطرف لیجاتے ہین اس طرح کہ اُن کو معلوم بھی نہین اور ہم اُنکو مہلت دیتے ہین بیشک ہمارے مخفی قانون مضبوط ہین۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ط

(انفال پارہ ۹ ع ۱۳)

اور اگر خدا ان مین بھلائی پاتا تو اُن کو نیک بات سُننے کی توفیق دیتا اور اگر ویسے ہی اُنکو سُننے کی توفیق دی جاتی تب بھی کچھ توجہ نہ کرتے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ۔ (انفال پارہ ۹ ع ۱۳)

اور یہ جان لو کہ خدا (کا قانون) انسان ہی اور اسکے دل مین حائل ہوجاتا ہے (کہ برائی کے بعد نیکی کیطرف آنے نہین دیتا)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (انفال پارہ ۹ ع ۱۷)

اے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈروگے (پرہیزگاری کروگے) تو وہ تمکو حق و باطل کی تمیز عنایت کریگا۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ط (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۴)

خدا نے اُن کے دل مین قیامت تک کیلئے نفاق ڈالدیا یہ نتیجہ اسکا ہے کہ انھون نے خدا سے وعدہ خلافی کی اور اسکا کہ اونھون نے نار استی پر کمر باندھی۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یونس پارہ ۱۱ ع ۴)

اسی طرح خدا کا کلمہ (اسکا قانون) ان لوگون پر نافذ ہوتا ہے جو فسق و فجور کرتے ہین کہ ان مین ایمان کا نور نہین رہتا۔

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۸)

پس وہ لوگ ایمان نہ لائینگے اس لئے کہ پہلے انھون نے تکذیب کی ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنیوالون کے دل پر مُہر کر دیتے ہین۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ

(یونس پارہ ۱۱ ع ۱۰)

جن کی نسبت خدا کا کلمہ (قانون) نافذ ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائینگے خواہ اُن کو نشان دکھائے جائین۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط (رعد پارہ ۱۳ ع ۲)

خدا کسی قوم کی حالت نہین بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلین۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ط (رعد پارہ ۱۳ ع ۵)

بلکہ جو لوگ کافر ہین ان کے مکر و فریب کو ان کی نظرون مین خوبصورت بنا دیا گیا ہے اور وہ راہ راست سے ہٹا دئے گئے ہین

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ط (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۴)

خدا اُن لوگون کو جو ایمان لائین پکی بات پر قائم رکھتا ہے اس دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی۔ اور خدا ظلم کرنیوالون کو اور گمراہ کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ ط (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۴)

جو لوگ خدا کی نشانیون پر ایمان نہین لاتے خدا انکو ہدایت بھی نہین دیتا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ط أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ط

(نحل پارہ ۱۴ ع ۱۴)

یہ انجام بد اس لئے ہے کہ انھون نے دنیوی زیست کو آخرت پر ترجیح دی اور قاعدہ یہ ہے کہ خدا ظلم کرنیوالون کو نتیجہ مین ہدایت نہین دیتا۔ یہ وہ لوگ ہین جن کے دلون پر اور کان اور آنکھ پر خدا نے مہر کر دی ہے اور یہ غافل ہین۔

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۵)

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے مابین جو قیامت کو نہیں مانتے مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم اُن کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیتے ہیں اور اُن کے کان میں میل بھر دیتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ؕ (کہف پارہ ۱۵ ع ۸)

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو خدا کے نشان دکھائے گئے مگر اس نے اپنے اعمال کا کچھ خیال نہ رکھا ہم نے ایسے لوگوں کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیا ہے اور اُن کے کانوں میں میل بھر دی ہے اور اگر تم انکو ہدایت کیطرف بلاؤ گے تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ (مریم پارہ ۱۶ ع ۸)

اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت کو ترقی دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۙ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ؕ (مریم پارہ ۱۶ ع ۵)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم بھیجتے ہیں شیطانوں کو کفار پر کہ وہ انکو بہکاتے ہیں پس تم اُن کے لئے جلدی نہ کرو ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

ہم اسیطرح بے ایمانی کو مجرموں کے دلمیں داخل کیے جاتے ہیں وہ ایمان نہ لائینگے حتی کہ دردناک عذاب کو دیکھیں

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ؕ (نمل پارہ ۱۹ ع ۱)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم اُن کے اعمال کو انکی نظروں میں خوبصورت بنا دیتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۷)

اور جو لوگ ہماری طرف آنیکی کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنے رستے دکھاتے ہیں اور بیشک خدا انکو کاروں کے ساتھ ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ

(روم پارہ ۲۱ ع ۱)

پھر بدی کرنیوالون کا انجام یہ ہوا کہ انہون نے خدا کے نشانون کی تکذیب کی اور اس سے استہزا کرنے لگے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ

(زمر پارہ ۲۳ ع ۱)

خدا اُس شخص کو ہدایت کیطرف نہین لاتا جو جھوٹا اور ناشکر ہو۔

حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ۝ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ

(مومن پارہ ۲۴ ع ۴)

حتی کہ جب یوسف فوت ہوئے تو تمنے کہا کہ خدا ان کے بعد کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ خدا اسی طرح مسرف اور شکی مزاج والون کو جو بغیر کسی دلیل کے خدا کے نشانون سے مخالفت کرتے ہین گمراہ کرتا ہے یہ خدا کے نزدیک اور ایماندارون کے نزدیک نہایت ناخوشنودی کا باعث ہے۔ خدا اسیطرح (بڑھتے بڑھتے) متکبر اور سرکش لوگون کے دلون پر مہر لگا دیتا ہے

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ

(حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)

کہدو کہ یہ قرآن ایماندارون کےلیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہین لاتے اُن کے کانون مین گرانی ہے اور قرآن ان کے لیے نابینائی کا سامان ہے۔

وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا

(شورے پارہ ۲۵ ع ۳)

جو نیک عمل کرتا ہے ہم اسکی نیکی کو ترقی دیتے ہین۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ

(زخرف پارہ ۲۵ ع ۴)

اور جو شخص مہربان خدا کے ذکر سے غفلت کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہین جو اسکے ہمراہ رہتا ہے۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ

کیا تم دیکھتے ہو اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے کے خدا نے اسے گمراہ کیا ہے

وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً ؕ فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ؕ

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۳)

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے - پس خدا کے سوا اسے کون ہدایت دے کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے -

وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی وَّاٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ ؕ (محمد پارہ ۲۶ ع ۲)

اور جو ہدایت کیطرف آتے ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور انکو تقوی کی توفیق بخشتا ہے -

فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَّھُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَھُمْ - (محمد پارہ ۲۶ ع ۳)

کیا تمکو امید ہے کہ تم با اختیار ہو تو ملک میں فساد پھیلاؤ گے اور قرابت داروں سے بدسلوکی کرو گے یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے رحمت سے دور کر دیا ہے پس انکو بہرہ کر دیا ہے اور انکی آنکھوں کو نابینا بنا دیا ہے

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ؕ

(صف پارہ ۲۸ ع ۱)

پس جب وہ گمراہ ہوئے تو خدا نے اُن کے دلوں کو اور بھی گمراہ کر دیا اور (وجہ یہی) کہ لوگ فسق و فجور کریں اور خدا اس پر ہدایت مرتب کرے ایسا نہیں ہو سکتا -

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَفْقَھُوْنَ ؕ (منافقون پارہ ۲۸ ع ۱)

یہ انجام اس سبب سے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے اس لئے اُنکے دلوں پر مہر کر دی گئی پس اب کچھ نہیں سمجھتے

وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۲)

جو شخص خدا پر ایمان لا کر خدا اس کے دل میں نور ہدایت بھر دیتا ہے

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۙ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ [illegible] ... وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا ؕ

(طلاق پارہ ۲۸ ع ۱)

جو شخص خدا سے ڈرے خدا اس کے لیے رستگاری کا رستہ بناتا ہے اور اسکو ایسی روزی دیتا ہے جس کا اُسے گمان بھی نہ ہو ...... اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اُسکے کام آسان کرتا ہے

جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا

پنجم جس طرح معلول کیلئے علت کا ہونا ضرور ہے اسی طرح علت موجود ہونے پر اس کے معلول کا موجود ہونا بھی ضرور ہے اور ممکن نہیں کہ

علت معہ اپنے تمام شرائط اور لوازم کے پائی جائے اور اس پر اُس کا نتیجہ مرتب نہ ہو۔ اس لیئے اگر کسی فعل کیطرف توجہ کرنیوالی تحریک مکمل طور پر موجود ہو تو ممکن نہین کہ توجہ پائی نہ جائے اور اگر توجہ جیسی چاہیئے موجود ہو اور توجہ کو روکنے والا کوئی سبب موجود نہ ہو تو ممکن نہین کہ وہ کام شروع نہ ہو اور پھر کام شروع ہونے پر ممکن نہین کہ اسکی واقفیت پیدا نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ اگر اپنی تمام شرطون کے ساتھ جاری رہے تو ممکن نہین کہ وہ فعل انجام کو نہ پہونچے اور اگر وہ فعل ہدایت ہے تو ممکن نہین کہ اسکا نتیجہ ہدایت ہو۔ اور دنیا مین کوئی طاقت نہین جو علت و معلول کے اس سلسلہ کو توڑ سکے پس اِس اصول کو گذشتہ اصول کے ساتھ ملا کر اور سلسلۂ علّیت کو علّۃ العلل تک لیجا کر دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ جو شخص خدا کے مقرر کردہ قوانین اور اُس کے جاری کئیے ہوئے سلسلہ مین ہدایت کیطرف گیا ہے ممکن نہین کہ کوئی اسکو گمراہ کرے اور جو انہی خدائی قوانین اور سلسلہ کے اندر ضلالت مین ڈوب رہا ہے ممکن نہین کہ کوئی طاقت اسے راہ راست پر لائے۔ غرض خدا کی طرف سے جاری کی ہوئی ہدایت اور ضلالت اٹل ہے اِس اصول کو علمی زبان مین یون کہہ سکتے ہین کہ نیچر نے جو اسباب پیدا کئیے ہون انکے خلاف نہین ہو سکتا اور مذہب نیچر کو خدا کا پیدا کردہ سمجھ کر اور خدا کی طرف کا خیال ملحوظ رکھ کر لوانے کو ضروری جانکر یوں کہتا ہے کہ خدا نے جو اسباب مہیا کئیے ہوں ان کے خلاف نہین ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۸)

اگر خدا تم کو مدد دے تو تم پر کوئی غالب نہین آسکتا اور اگر تم کو ناکام کرے تو اس کے بعد اور کون مدد دے سکتا ہے۔

وَمَنْ يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا

(نساء پارہ ۵ ع ۱۲)

جس پر خدا لعنت کرے تم اوس کا مددگار کسیکو نہ پاؤ گے۔

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا

(مائدہ پارہ ۵ ع ۱۰)

کیا تم ہدایت دینا چاہتے ہو اس کو جسے خدا نے گمراہ کیا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے تم اس کا مددگار کوئی نہ دیکھو گے۔

وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۔ (مائدہ پارہ ۶ ع ۶)

جس کو خدا فتنہ میں ڈالنا چاہے تو تم خدا کے مقابلہ میں اس کے لئے کسی امر کا اختیار نہیں رکھتے۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (اعراف پارہ ۹ ع ۲۳)

جسکو خدا گمراہ کرے اسکا کوئی ہادی نہیں

وَاِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس پارہ ۱۱ ع)

اگر خدا تم کو کچھ زحمت پہونچائے تو اسکے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (ہود پارہ ۱۲ ع ۳)

اگر میں تم کو نصیحت کرنا چاہوں تو میری نصیحت کچھ مفید نہ ہوگی اگر خدا انکو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۔ (رعد پارہ ۱۳ ع ۲)

جب خدا کسی قوم کو کچھ زحمت پہونچانا چاہے تو انکی مزاحمت نہیں ہوسکتی۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (رعد پارہ ۱۳ ع ۵)

جسکو خدا گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۱)

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسکو وہ گمراہ کرے اس کے لیے تم کوئی رفیق سوا خدا کے نہ پاؤگے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف پارہ ۱۵ ع ۲)

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے لیئے تم کوئی دوست ہدایت دینے والا نہ پاؤگے۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (حج پارہ ۱۷ ع ۲)

جسکو خدا ذلت دے اوسکو کوئی عزت دینے والا نہیں

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (نور پارہ ۱۸ ع ۵)

جس کے لئے خدا نے نور نہ ودیعت کیا ہو اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ

(نمل پارہ ۲۰ ع ۶)

تم مُردوں جیسے غافلوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتے اور بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں پکار کی آواز نہیں سُنا سکتے۔

فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ (روم پارہ ۲۱ ع ۴)

جس کو خدا نے گمراہ کیا ہے اسکو کون ہدایت دے ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ

(روم پارہ ۲۱ ع ۵)

تم اندھوں کو انکی گمراہی سے نکال نہیں سکتے۔

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)

جو رحمت کا دروازہ خدا نے لوگوں کے لئے کھولا ہو اُسے کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو بند کر دیا ہو اُسے کوئی اُسکے سوا کھول نہیں سکتا اور خدا غالب باحکمت ہے۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ (زمر پارہ ۲۳ ع ۲)

کیا جس پر عذاب کا خط کھینچ دیا گیا ہو (اسکو کوئی چھڑا سکتا ہے) کیا تم اُسکو رہائی دے سکتے ہو جو آگ میں داخل ہو چکے۔

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ . . . .

وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ

(زمر پارہ ۲۴ ع ۴)

جسکو خدا گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ . . . . اور جس کو وہ ہدایت دے اسکے لیے کوئی گمراہ کرنیوالا نہیں

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن وَلِيٍّ مِّن بَعْدِهِ

(شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۵)

اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی دوست سوا خدا کے نہیں ہو سکتا۔

خدا نے سائیکی کو توجہ پیدا کرنیکا ایک سبب قرار دیا ہے

ششم ۔ یہ دیکھنے کے بعد کہ توجہ پیدا ہونے پر ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے یہ بھی یقیناً ثابت ہے کہ توجہ سے پہلے ایسی حالات کا ہونا ضرور ہے جن سے رغبت یا نفرت پیدا ہو اور رغبت یا نفرت سے توجہ کی حرکت شروع ہو۔ مثلاً انسان کو خوراک تلاش کرنے کیطرف توجہ اسی لیے ہوتی ہے کہ اعضائے اندرونی ضرورت پیش آنے پر تکلیف اور بےچینی ظاہر

کرتے ہیں اور باہر اس تکلیف کو دور کرنے کا سامان مہیا نظر آتا ہے۔ اسی طرح کسی فن کیطرف توجہ اسی لیئے ہوتی ہے کہ اس فن کے فائدے گرد و پیش نظر کرنے پر محسوس ہوتے ہیں اور اسکو حاصل کرنے سے اپنی بعض ضرورتیں مہیا ہو سکتیں ہیں۔ غرض ہر ایک کام میں توجہ پیدا ہونیکا باعث اندرونی اور بیرونی حالات ہوتے ہیں اور اگر یہ نہ ہوں تو توجہ کا پیدا ہونا بھی ممکن نہیں۔ اور منجملہ ان حالات کے انسان کے لئے کسی ایسی سوسائٹی کا ہونا جسمیں کسی خاص کام یا فن کا چرچا ہو اس کام کیطرف متوجہ ہونے کا بہت بڑا سبب ہے اور مذہب کو دیکھا جائے تو اسکی طرف توجہ کرنے کے لیئے علاوہ فطری کشش کے بڑا باعث اکثر گرد و پیش کے خیالات اور سوسائٹی کا اثر ہوا کرتا ہے اس لیئے جیسی قدرت کیطرف سے مختلف فنون اور کاروبار کے لئے تحریک دینے والے اسباب کے علاوہ ترغیب دینے والی سوسائٹیوں کا سسٹم جاری کیا گیا ہے اسی طرح پر مذہبی ترقی کے لیئے عبرت انگیز واقعات عالم کے علاوہ مذہبی رہنماؤں کو پیدا کرنے اور ان کی وساطت سے مذہبی سوسائٹیاں بنانے کا دستور قائم کیا گیا ہے اور چونکہ یہ سب قوانین قدرت ہیں اسلیئے صاحب قدرت کیطرف منسوب ہیں -

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ۔ (آل عمران پارہ ۴ ع ۸)

خدا نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں پیغمبر بھیجے -

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۔ (نحل پارہ ۱۴ ع ۵)

ہمنے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے ہیں اس بات کیلئے کہ خدا کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲)

ہم عذاب نہیں کیا کرتے جبتک رسول نہ بھیجیں

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۔ (شعراء پارہ ۱۹ ع ۱۱)

اور نہیں ہلاک کیا ہمنے کوئی گاؤں مگر اس وقت جبکہ انہیں نصیحت کیلئے ڈرانیوالے آ چکے اور ہم ظالم نہیں ہیں -

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ

اور تیرا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا مگر جبتک

فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۔

(قصص پارہ ۲۰ ع ۶)

اُن کے صدر مقام مین کوئی رسول بھیج چکا ہو جو اُنکو ہمارے نشان سُنائے اور ہم بستیون کو نہین تباہ کرتے جبتک کہ وہ ظلم نہ کرین۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۔ (زمر پارہ ۲۳ ع ۳)

خدا نے سب سے اچھی باتین یعنی ایک مربوط اور دہرانے جانے کے لائق کتاب اُتاری ہے جس سے اُن لوگون کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہین

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۔ (زمر پارہ ۲۴ ع ۲)

ہمنے تم پر بھی کتاب اُتاری ہے پس جو ہدایت پائے اُس کا اپنا فایدہ ہے اور جو گمراہ ہو اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔

(طور پارہ ۲۷ ع ۱)

اور جو لوگ ایمان لائین اور ان کی ذریت ایمان مین اُنکی پیروی کرے تو ہم اُنکی ذریت کو بھی ثواب مین اُن کے شریک کرتے ہین اور باہمہ اُنکے اپنے اجر مین سے کچھ کم نہین کرتے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۔ (کورت پارہ ۳۰ ع ۱)

یہ قرآن محض نصیحت ہے تمام جہان والون کیلئے یعنی اس شخص کے لئے جو راہ راست پر چلنا چاہے۔

خدا نے سوسائٹی کو نیک اور بد دونو تحریکون کا باعث گردانا ہے

ہفتم جس طرح اندرونی اور بیرونی حالات علم و ہنر اور مذہب کی طرف توجہ کرنے کا سبب ہین اسی طرح یہی حالات گرد و پیش کسی نیک کام سے توجہ کو پھیرنے اور بدی کیطرف راغب کرنیکا بھی باعث ہوتے ہین بلکہ اکثر اوقات ایک ہی واقعہ کی ظاہری لذت اور راحت بدی کی ترغیب دیتی ہے اور اسکے بد انجام کو دیکھنا بدی سے روکنے کا باعث ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک وقت کسی ایک یا چند اشخاص کی کوشش اور اثر سے کوئی نیکی رواج پا جاتی ہے اور آیندہ نسلون کے لئے اسکی طرف توجہ کرنے کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح نیک

سوسائٹی بن جاتی ہے تو کبھی کسی ایک یا چند اشخاص کی ترغیب وتحریص سے یا صرف نمونہ پیش کرنے سے کوئی بدی ظہور پکڑتی ہے اور پھیلتی ہوئی قوم میں سرایت کر جاتی ہے اور آئندہ نسلیں اس سے متاثر ہوکر تباہ ہوتی ہیں۔ غرض یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک کی نیکی بہت کو فائدہ پہونچاتی ہے تو ایک کا گناہ ہزاروں کو تباہ کرتا ہے اور جب صاحب قدرت نے ایسے قانون جاری کئے ہیں ان کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا چارہ نہیں اور چونکہ سچے مذہب کی یہ شان ہونی چاہئے کہ سچے واقعات پر پردہ نہ ڈالے اسلئے جہاں رسولوں کو بھیجنے کا اور انکی دعوتِ نیکی کو پھیلانے کا تذکرہ ہے اسکے ساتھ اس قانون کا ذکر بھی کردیا گیا ہے کہ جس قوم پر تباہی آنی ہوتی ہے اسکے عیش پسند افراد بدی اور گناہ میں منہمک ہوجاتے ہیں اور انکی دیکھا دیکھی تمام قوم تباہی کے بھنور میں گر جاتی ہے اور چونکہ یہ قانون قدرت ہے اس لئے اسکو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ○ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○

(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲)

ہم عذاب نہیں بھیجتے جبتک پیغمبروں کو نہ بھیجیں اور جب ہم کسی گاؤں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولتمندوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فسق و فجور کریں پس وہ عذاب کے مستحق ہوجاتے ہیں اور ہم انکو تباہ کردیتے ہیں۔

اور اسی طرح جب بنی اسرائیل نے سامری کے بہکانے سے گوسالہ پرستی شروع کردی اور اس ایک شخص کی برائی سے قوم پر تباہی آئی ہے تو حضرت موسے کی زبان سے دعا کے موقع پر کہا گیا ہے۔

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ

(اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)

جب اُن کو عذاب نے لیا تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو اُن کو اور مجھ کو پہلے ہی تباہ کردیتا۔ اب کیا تو ہمکو تباہ کرلیگا اس فعل کے سبب جو ہمارے جہلا نے کیا ہے یہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (انفال پارہ ۹ ع ۱۹)

(اور اس فتنہ سے ڈرو جو تم مین سے صرف ظلم کرنیوالون کو ہی نہ پہونچیگا (بلکہ انکی پیروی کرنیوالے بھی مبتلا ہونگے)

ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔

ہشتم نیکی اور بدی کا وجود اور ان مین سے ہر ایک کی جانب توجہ کرنیسے اسکا ترقی پذیر ہونا اور ترقی کی رفتار جاری رہنے پر ایسے نقطہ تک پہونچ جانا کہ اسکا بدلنا محال ہو جائے اور نیز توجہ پیدا ہونے کے لیے مختلف اندرونی اور بیرونی تحریکون کا موجود ہونا ایسے واقعات ہین جن کا انکار دنیا کو نظر بصیرت سے دیکھنے پر ممکن نہین۔ اور اگر دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو اسکی طرف منسوب کرنیسے مضر نہین۔ اور یہ ایک طرف جب دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو جس پہلو سے دیکھا جائے نیکی اور بدی یا ہدایت اور ضلالت اسکی طرف سو ماننی پڑتی ہے مثلاً اگر وہ دنیا کو پیدا نہ کرتا تو ہدایت اور ضلالت کا وجود بھی نہ ہوتا اور اگر پیدا کرتا مگر انسان کو جسم سے پاک اور محض روحانی شکل مین رہنے دیتا تب بھی چونکہ یہان کے تمام نتائج جسمانیت سے پیدا ہوتے ہین اس لیئے وہ روحین نہ ترقی کرسکتین اور نہ تنزل۔ اور اگر جسم دیا جاتا مگر حیوانون کی طرح اسکی دماغی حرکت اور قوت ارادہ کو نیچر کی نہایت سادہ ضروریات تک محدود رکھا جاتا تب بھی جس طرح ایک شیر اور دوسرے شیر مین اور ایک گھوڑے اور دوسرے گھوڑے مین ہدایت اور گمراہی کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہین اسیطرح ایک انسان اور دوسرے انسان مین کچھ تفاوت نہ ہوتا۔ اور اگر یہ سب کچھ دیا تھا تو اشیا اگر بد مین یہ لذت نہ رکھی جاتی جس سے بدی پیدا ہوتی ہے۔ یا ان کے بد افعال پر بد نتائج مرتب نہ ہوتے جن سے عبرت پکڑ کر نیکی ترقی کرتی ہے مگر یہ صورت بھی نہین۔ اب خواہ یہ دنیا کئی قدیم اشیا سے مرکب ہو اور خواہ ایک ہی ہستی اپنے تئین ان مظہرون مین جلوہ دے رہی ہو اور خواہ کسی قادر و قوی خدا نے اس سلسلہ کو پیدا کیا ہو ہر طرح پیچھے کیطرف جاتے ہوئے اس ہستی پر ٹھیرنا پڑتا ہے جس نے اس مشین کو سکون سے حرکت دی ہے۔ پس اگر وہ بے شعور ہستی ہے تو کہین گے کہ یہ سب کچھ اسکا قانون ہے اور اگر شعور کی صفت سے بھی متصف ہے تو کہنا ہوگا کہ ایسا نظام اس کا قانون ہی ہے اور ارادہ بھی ہے۔ اور جب مانا جائے کہ اس نے اس سلسلہ کو اپنے ارادہ سے جاری کیا ہے تو تسلیم کرنا ہوگا

کہ تمام آئندہ نتائج جو اس سلسلہ کیلئے لازمی ہین اُسکے ارادہ سے ظاہر ہوئے ہین ورنہ اگر یہ نتیجہ بیاس کے ارادہ سے انکار کیا جائے اسی جگہ اُسکو بے اختیار او مجبور ماننا پڑیگا اور جب یہ حال ہے تو کہنا ہوگا کہ وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے نیکی اور بدی کو ظاہر کیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے انسان کو پیدا کیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے انسان کو جسم اور جسمانی خواہشون سے اور ارادہ اور عقل وغیرہ سے بہرہ ور کیا اور پھر وہی ہے جسنے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے توجہ کرنے کو آیندہ ترقی کا باعث قرار دیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے کے لیے واقعات گرد و پیش کو سبب قرار دیا اور دُنیا کی لذتون کو کشش کے لایق اور بد نتائج کو عبرت انگیز بنایا تفصیل مختصر وہی ہے جس نے بعض کو ہدایت دینے کے لیئے اپنے ارادہ سے وہ سامان پیدا کیا جسکی طرف توجہ کرنے سے اُنکا دل نیکی کی ہوا کھانے کے لیے کنول کی طرح کھل جائے اور بعض کو گمراہ کرنے کے لیئے اپنے ارادہ سے وہ دشواریان پیدا کین جن مین مبتلا ہونے سے نیکی کیطرف آنا ایسا دشوار ہو جیسے سانپ کے سوراخ مین ہاتھ دینا۔ غرض وہی ہے جس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جسکو چاہا گمراہ کیا۔ پس واقعات عالم کو دیکھکر اور اُنکی پیدائش ایک علیم و قدیر خدا کی طرف منسوب کرکے یہی صداقت ہے جس پر یقین کرنا پڑتا ہے اور یہی ہے جسکی کامل مذہب نے علی الاعلان منادی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۶)

اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

(بقرہ پارہ ۲ ع ۳۲)

اور اللہ اپنا ملک دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے۔

يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۷)

وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے اُسے بہت بڑی بھلائی دیگئی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ

تم کہو کہ یا اللہ اور اے ملک کے مالک تو جسے چاہتا

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اَللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

خدا جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط (آل عمران پارہ ۳ ع ۸)

تم کہو کہ فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۳)

اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا ہے وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۶)

تم کہدو کہ حکم سب خدا ہی کا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (انعام پارہ ۸ ع ۱۵)

پس جسکو خدا ہدایت دینی چاہتا ہے اس کے دل کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے دل کو تنگ اور بند کر دیتا ہے

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (اعراف پارہ ۸ ع ۵)

اور انہوں نے کہا خدا کی تعریف ہے جس نے ہمکو ایمان کے لیے ہدایت دی اور اگر خدا ہمکو ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

تم کہدو کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اسکی

إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱۱)

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ (رعد پارہ ۱۳ ع ۱۲)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱)

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنْ يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۶)

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ (عنکبوت پارہ ۲۰ ع ۲)

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱)

إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللّٰهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۲)

وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

خدا جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قایم رکھتا ہے

اور ہمنے تمام پیغمبر انکی اپنی قوم کی زبان میں بھیجے ہیں تاان کے سامنے بیان کرسکیں اور پھر خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب باحکمت ہے۔

تمھارا پروردگار تمکو خوب جانتا ہے پس اگر وہ چاہے تمپر رحمت کرے یا چاہے تمکو عذاب دے۔

وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم کرتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اور تم اسی کیطرف لوٹائے جاؤگے

کیا وہ شخص جس کی نظروں میں اُسکے بداعمال کو زینت دیگئی ہے اور وہ انکو اچھا جانتا ہے (اُسکے برابر جو نیک و بد میں تمیز کرسکتا ہے؟) مگر بات یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پس تم انکے لیے حسرت میں ہلکان نہو۔ خدا انکے اعمال سے واقف ہے

خدا جسے چاہے نیک بات سنا دیتا ہے اور تم قبر کے مردوں جیسے غافلوں کو نہیں سنا سکتے۔

جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو مشرکین کیلئے وہ بہت ناگوار ہے اللہ اپنی طرف بلاتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع کرے اُسے ہدایت دیتا ہے۔

اور بیشک فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ دیتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (حدید پارہ ۲۷ ع ۲)

جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (جمعہ پارہ ۲۸ ع ۱)

یہ خدا کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱)

اسی طرح (یعنی منکرین ملائکہ کی طرح) خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور خدا کے لشکروں کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (لیل پارہ ۳۰ ع ۱)

بیشک ہماری طرف سے ہے ہدایت۔ اور ہمارے ہی اختیار میں ہے آخرت اور دنیا

خدا کے علم میں سب کچھ ہے

نہم - ایک کلاک بنانے والا اُسکے پرزوں کو جوڑ کر پیشین گوئی کر سکتا ہے کہ سوئیاں فلان وقت پر فلان جگہ ہونگی اور فلان وقت پر اس قدر آواز نکلیگی اور اگر وہ اس کام کا پورا ماہر ہو تو ایسی پیشین گوئی درست نکلتی ہے - اسی طرح ایک کسان جو کاشتکاری کے کام میں ہوشیار ہو اپنی زمین میں دانہ ڈال کر بتا سکتا ہے کہ فلان وقت تک روئیدگی پیدا ہوگی اور فلان وقت پھل لائیگی اور جو روئیدگی کے اسباب اُسکے خیال میں ہیں اگر وہ مہیا رہیں تو اس کا تخمینہ غلط نہیں ہوتا - علی ہذا علم نباتات کا ماہر ایک طویل العمر درخت کی نسبت اور طبقات الارض کا ماہر ایک پہاڑی چٹان کی نسبت - تاریخ دان کسی سلطنت اور قوم کی نسبت - ہیئت دان کسوف و خسوف اور دُمدار سیاروں اور شہابوں کی نسبت اِسلئے کہ وہ اِن تمام امور کے سلسلہ اسباب و نتائج کو جانتے ہے آئندہ کے لیے بہت بڑے عرصہ تک کے حالات بیان کر سکتا ہے اور اگر اس کا علم صحیح ہو تو واقعات آئندہ میں غلطی نہیں نکلتی - پس جب اُس ہستی نے اس تمام سلسلہ کائنات کو اپنے علم اور ارادہ سے شروع کیا ہے اور خود اُس کے ضوابط اور قوانین مقرر کئے ہیں ضرور ہے کہ کلاک بنانے والے اور کسوف و خسوف کا حساب لگانیوالے کی طرح اسکو بھی کائنات کی رفتار کا ہر ایک درجہ اور موجودات کا ہر ایک ذرہ بخوبی معلوم ہے اور جو چیز پیدا ہونے کو اور جو واقعہ پیش آنے کو ہے سب اسکی لوح علم میں

منقوش ہے اور جب گھڑی ساز اور ہیئت دان کی پیشین گوئی من و عن صحیح ہوسکتی ہے حالانکہ انھوں نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا بلکہ آفرینش قدرت کے چند قوانین کا سرسری علم حاصل کیا ہے تو جس مالک الملک نے تمام سلسلہ کو نیست سے ہست کیا ہے اُسکے علم کے خلاف ہونا کیونکر ممکن ہے پس یہی تعلیم مذہب کی طرف سے ہونی چاہئے اور ایسا ہی فرمایا گیا ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ (بقرہ پارہ ۲ س ع ۳۰)

اور جان لو کہ خدا جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرو

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ط (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۳)

تم کہو کہ ہکو وہی ملیگا جو ہمارے رب نے لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنیوالوں کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ط (یونس پارہ ۱۱ ع ۱۱)

اور تم جس حالت میں ہو اور قرآن میں سے جس معاملہ کی نسبت پڑھ رہے ہو اور جو کچھ عمل کر رہے ہو ہم اس سے آگاہ ہوتے ہیں جب تم وہ عمل کر رہے ہو اور تمہارے پروردگار سے کوئی ذرہ زمین کا اور نہ آسمان کا مخفی نہیں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ہے جو روشن کتاب میں نہ ہو

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (ہود پارہ ۱۲ ع ۱)

اور وہ ان کے ٹھیرنے کی جگہ اور چھوڑنے کی جگہ جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں موجود ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ (نجم پارہ ۲۷ ع ۲)

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو اُسکے رستہ سے گمراہ ہوا اور جس نے ہدایت پائی

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

جو مصیبت زمین پر آتی ہو یا تمہارے اوپر آتی ہے وہ سب دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے روشن کتاب میں درج

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (حدید پارہ ۲۷ ع ۲۰) — اور ایسا کام خدا کے لیے آسان ہے۔

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱۴) — جو مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے خدا اسکے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے

وضحہ ۔ جو اسباب انسان کو ہدایت یا گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں یعنی اسکے اندر خواہشوں کا موجود ہونا اور باہر ایسے سامان کا مہیا ہونا جس کے اثر اور نتیجے سے وہ نیک اور بد رستہ اختیار کرنے میں کامیاب ہوتا ہے ان امور کو دیکھنے کے بعد جب اس نوع کے اور خاصے دیکھے جاتے ہیں تو انسان اور دیگر تمام مخلوقات میں ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ پتھر بالکل مجبوری کی حالت میں حوادث کے اثر برداشت کرتا ہے۔ نباتات اور حیوانات اپنے اپنے درجہ کے موافق کچھ کچھ حرکتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر ان کے تمام افعال ایک خاص دائرہ میں محدود رہتے ہیں اور ایک نوع کے تمام افراد اپنے افعال میں متفق نظر آتے ہیں اگر شیر درندہ ہے تو ایک دو نہیں بلکہ تمام اسی صفت سے متصف ہیں اور گائے مسکینی اور فائدہ رسانی کی صفت رکھتی ہے تو یہ بھی سبھی میں پائی جاتی ہے مگر ان سب کے برخلاف انسان کی افراد اپنے افعال میں ایک دوسرے سے ہزاروں طرح کے اختلاف رکھتے ہیں اسلیے شیر کی درندگی اور گائے کی مسکینی کو انکی فطرت کا تقاضا کہہ سکتے ہیں مگر انسان کے مختلف افعال کو اسکی فطرت کی جانب منسوب نہیں کر سکتے بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ سب اُسکی قوت فیصلہ سے صادر ہوتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ دیگر تمام مخلوقات کے افعال انکی فطرت میں داخل ہیں اور انسان کی فطرت میں بجائے افعال کے قوت فیصلہ کو داخل کیا گیا ہے جس کو کام میں لا کر وہ جدا جدا رستے انتخاب کرتا ہے بیشک انسان سوسائٹی اور صحبت کا اثر قبول کرتا ہے اور ترغیب و تحریص سے آمادہ ہو جاتا ہے اور ایک دفعہ توجہ کرنے پر عادت کی زنجیر اسکو زیادہ سے زیادہ جکڑتی چلی جاتی ہے مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اس میں پہلے اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے اور ایک رستہ کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے پس یہی قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت جو اسکی فطرت میں داخل ہے خدا کی وہ امانت ہے جو آسمان و زمین

کہ کسی اور مخلوق کو نہیں دیگئی اور صرف انسان کے حصہ میں آئی ہے اور یہی وہ قوت فیصلہ ہے جس کے سبب سے وہ اپنے افعال کا فاعل سمجھا جاتا ہے اور جس سے اس کے افعال کے نیک و بد نتائج خود اسکی طرف منسوب ہوتے ہیں جبکہ دیگر مخلوقات کے افعال انکی فطرت کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط (احزاب پارہ ۲۲ ع ۹)

(ہمنے امانت کو آسمان زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا مگر انہوں نے اسکو اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے مگر انسان نے اسکو اٹھا لیا)

انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل

پس اگرچہ ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہدایت و ضلالت کیطرف جانیوالی قوت کو پیدا کیا اور ہدایت و ضلالت کیطرف لیجانے والا اسامان مہیا کیا اور انسان کو عادت اسباب کی زنجیروں میں جکڑا مگر چونکہ اس سامان کے ساتھ یہ قوت فیصلہ بھی جوڑ دی ہے اور انسان کی ذات میں دونو طرف جانے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اسلئے اسکو پتھر یا حیوانات کی طرح کا مجبور ماننا بھی ناانصافی ہوگی اور جو حکم اسکو نیکی کی طرف جانے کے لیے دیا جاتا ہے اسکو تکلیف مالا یطاق کہنا بھی غلط ہوگا۔ اور دوسری طرف انسان کو کامل بااختیار قرار دینا اور ہر امر میں پورا آزاد قرار دینا بھی اُن تمام قوانین قدرت سے چشم پوشی کرتا ہے جو اسے چاروں طرف سے محیط ہیں۔ غرض جبر و اختیار کے بین بین حالت ہی وہ صداقت ہے جو واقعات عالم کی شہادت اور فطری مذہب کی تعلیم سے قابل یقین ثابت ہوتی ہے چنانچہ واقعات گردوپیش کی وجہ سے اور اس لیے کہ دنیا کے تمام سلسلہ کو خدا کی مخلوق تسلیم کیا گیا ہے ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف سے مانا جاتا ہے اور چونکہ انسان میں قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت مرکوز ہے جو کام یہ اپنے ارادہ اور کوشش سے کرے اس کے نتائج کو خود اسکی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جو لوگ ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے حیلے سے اپنے تئیں نیک افعال کی تکلیف سے معاف رکھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہمکو نیک رستہ پر ڈال دیتا یا اگر خدا ہدایت دیتا تو ہم پارسا بن جاتے چونکہ وہ اس وقت اپنی اندرونی قوت فیصلہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور باوجود ... الا نہ ہونے کے اپنے تئیں پتھر جیسا مجبور سمجھتے ہیں اس لیے ان کے خیال کو نقص کی اور قول

بے بنیاد کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیشک اگر خدا چاہتا تو سب کے لیئے ایک معین رستہ بنا دیتا اور سب کو ہدایت پر رکھتا مگر اُس نے دو رستے بنا کر اور انسان کو عقل دیکر اپنی محبت پوری کردی ہے چنانچہ ارشاد ہے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ

(انعام پارہ ۸ رکوع ۱۸)

جو لوگ شرک کرتے ہین کہین گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے آباواجداد شرک نہ کرتے اور اپنی طرف سے بعض اشیا کو حرام نہ ٹھیراتے ان سے پہلے گذرنیوالون نے بھی بدی کرنیکے لیے ایسے ہی بہانے ڈھونڈے تھے حتے کہ انھون نے عذاب کا مزہ چکھ لیا تم انکو کہو کہ (برائی کو بھلا کہنے کیلئے) تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے جو ہمارے سامنے پیش کرسکو تم صرف گمان کے پیچھے پڑے ہو اور محض اٹکل کی باتین کہتے ہو۔ کہدو کہ خدا کی محبت کامل ہے (جس نے ہدایت و ضلالت دو نو رستے بنائی) اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے سکتا تھا

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل پ ۱۴ ع ۵)

مشرکین کہتے ہین کہ اگر خدا چاہتا تو ہم اور ہمارے بزرگ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھراتے۔ ایسا ہی پہلے لوگون نے بھی کیا تھا مگر بھلائی برائی سمجھانے کے سوا پیغمبرون کا اور کیا فرض ہے

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنبِ اللَّهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ

خدا کی طرف توجہ کرو اور اسکو مانو اس سے پیشتر کہ تم پر عذاب آوے اس وقت تمکو کوئی مدد نہ دیگا۔ اور جو اچھی باتین خدا کی طرف سے تم پر اتاری گئی ہین انکی پیروی کرو اس سے پیشتر کہ ناگہان تم پر عذاب آئے اور تمکو خبر بھی نہ ہو اور ایسا موقع نہ آنے دو کہ کوئی شخص کہے کہ افسوس جینے خدا کے حقوق مین بہت کوتاہی کی اور مین اسکو ہنسی سمجھتا

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ط (زمر پارہ ۲۴ ع ۲)

رہا یا کہے کہ افسوس اگر خدا مجھکو ہدایت دیتا تو مین بھی پارسا ہوتا۔

اور نیز چونکہ انسان کی فطرت مین ایک طرف بدی کی قابلیت ہے تو دوسری طرف نیک کام کرنے کی قابلیت بھی اسکی فطرت ہی مین ودیعت ہے اس لئے نیک اعمال کا حکم دینے کے موقع پر کہا گیا ہے کہ خدا ایسے حکم نہین دیتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہون اور اسکی فطرت مین انکی قابلیت نہ ہو چنانچہ فرمایا ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (بقرہ پارہ ۳ ع ۲۰)

خدا تکلیف نہین دیتا انسان کو مگر اسکی وسعت کے موافق جو کچھ وہ کمائے اس کا فائدہ بھی اسی کو ملیگا اور نقصان بھی اسی کو

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ط (مومنون پارہ ۱۸ ع ۴)

ہم کسی بشر کو تکلیف نہین دیتے اسکی وسعت سے زیادہ۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کہتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا

اور اس وجہ سے کہ انسان کی فطرت مین انتخاب و پسند کی قابلیت ودیعت ہے اس کے سامنے نیک و بد نتائج پیش کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اب چاہو بدی کی طرف جاؤ اور چاہو نیکی اختیار کرو۔ مگر جو کچھ کروگے اسکا نتیجہ ضرور ملیگا اور خدا نیکی سے خوشنود ہوگا اور بدی سے ناراض۔ چنانچہ ارشاد ہے

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ط (کہف پارہ ۱۵ ع ۱۶)

کہدو یہ حق ہے تمہارے پروردگار کیطرف سے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱)

اگر نیک اعمال بجالاؤگے تو اپنے لیے اور اگر بدکاری کروگے تو اپنے لیے

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ط وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (زمر پارہ ۲۳ ع ۱۵)

اگر تم کفر کرو تو خدا کو تمہاری کچھ پروا نہین اور وہ کفر کو پسند نہین کرتا اور اگر شکر کرو تو تمہارے اس فعل کو پسند کریگا اور کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھاتا

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۲۰)

جو بھلائی کرتا ہے تو اپنے لئے اور جو برائی کرتا ہے تو اسکو ضرر ہے اور تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل پارہ ۲۹ ع ۱)

نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رستہ اختیار کرے۔

مگر چونکہ انسان میں نیکی کرنیکا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اسی سبب سے کہ ایسے ارادہ کے لیے سامان خدا نے اپنے ارادہ سے پیدا کر چھوڑا ہے اسلئے اکثر موقعوں پر جہاں فرمایا گیا ہے کہ " چاہو تو ادھر آؤ " وہاں ساتھ ہی میں اس حالت کے ظاہر کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا ارادہ بھی خدا ہی کے ارادہ کا نتیجہ ہے چنانچہ ارشاد ہے

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۚ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)

ہاں یہ نصیحت ہے پس جو چاہے نصیحت لے اور نہیں نصیحت لیتے مگر جبھی کہ خدا چاہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۚ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (دہر پارہ ۲۹ ع ۲)

بیشک یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رستہ اختیار کرے اور تم نہیں چاہتے مگر جبکہ خدا چاہے بیشک خدا با علم و با حکمت ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۚ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (کورت پارہ ۳۰ ع ۱)

یہ صرف نصیحت ہے تمام اہل عالم کے لئے یعنی اس کے لئے جو تم میں سے راہ راست پر آنا چاہے اور تم نہیں چاہتے مگر جبکہ خدا چاہے جو تمام عوالم کا پروردگار ہے۔

انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دونوں خیال غلط ہیں مگر پہلے خیال میں غلطی بہت ہے اور دوسرے خیال میں نقصان زیادہ ہے

انسان کے جبر و اختیار کا مسئلہ ہمیشہ سے اہل مذہب اور اہل عقل کے نزدیک معرکۃ الآرا رہا ہے اور مختلف زمانوں میں مختلف اقوام اور افراد نے اس بارہ میں بہت مختلف رائیں قائم کی ہیں مگر ہم نے دیکھا کہ جو درمیانی درجہ اسلام نے اختیار کیا ہے حالات گرد و پیش اور انسان کی اندرونی ساخت کو دیکھتے ہوئے یہی قرین عقل ہے اور اس کے خلاف جو لوگ انسان کو مختار کامل مانتے ہیں وہ صحبت عادت سوسائٹی اور حوادث وغیرہ کے قوانین کو جو انسان کے خیالات اور حالات پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں

اور دوسری طرف جو لوگ اسے پتھر جیسا مجبور سمجھتے ہین وہ انسان کی اندرونی قوت سے جو اسکے لیے باعث نا
اور باعث شرافت ہے انکار کرتے ہین۔ یہ دو نو طرح کی غلطیان اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی ہین لیکن باہمدگر
ان مین بھی کچھ تفاوت ہے۔

خود اپنی حالت کا غلط اندازہ کرنا اگرچہ عجیب معلوم ہوتا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطی انسان سے اکثر سرزد ہوتی ہے۔ اسمین کسی کام کی یا کسی شے کی قابلیت نہین ہوتی مگر وہ خود رائی سے اپنے تئین قابل سمجھتا ہے اور اس حالت سے محروم رہنے کا الزام دوسرون پر رکھتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے اور اسی طرح اکثر کسی کام کو بجا لانے کے قابل ہوتا ہے اور صرف آرام طلبی یا کسالت سے اس کام کی محنت برداشت نہین کرتا مگر سمجھتا یہ ہے کہ مجھ مین اس کام کی استطاعت ہی نہین۔ اور جس طرح اپنی استطاعت کی نسبت ایسا دھوکا ہوتا ہے اکثر دوسرون کی قابلیت یا ناقابلیت کی نسبت بھی دھوکا ہو جاتا ہے اور ایسے واقعات عموماً دیکھنے مین آتے ہین۔ پس اسی طرح کا دھوکا مجبور محض سمجھنے والون کو بھی پیش آیا ہے کہ وہ اپنی اندرونی قوت فیصلہ اور غور و تدبر کی قدر و قیمت نہین پہچانتے اور حالانکہ وہ اپنے روزمرہ کے کاروبار مین اس قوت کی وساطت سے بہت سی بیرونی مزاحمتون پر غالب آکر اپنے لیے مفید رستے نکال لیتے ہین اور جب کوشش کرنے پر آتے ہین تو سوسائٹی اور عادت کی زنجیرون کو بڑی حد تک توڑ دیتے ہین مگر بالعموم اس قوت کو کام مین نہین لاتے اور نہ لانے سے سمجھ لیتے ہین کہ لا نہین سکتے۔ غرض یہ دھوکا اگرچہ بڑا دھوکا ہے مگر انسان کو اکثر پیش آتا ہے۔

اور اسکے برخلاف گرد و پیش کے حالات کو نہ دیکھنا اور اُن کے نتائج کو خیال مین نہ لانا اگرچہ کم عجیب معلوم ہوتا ہے مگر عموماً عقل انسانی باہر کی چیزون کو دیکھنے کی زیادہ مشاق ہے چنانچہ جس قدر ترقی بیرونی اشیا کے علم مین ہوئی ہے انسان کے قوائے نفسانی اور دماغی افعال و حرکات کی تحقیق مین نہین ہو سکی۔ اس لیے کسی زمانے مین ایک خاص خیال کا کسی قوم مین عام ہونا یا کسی تحریک کا دلکش پیرائے مین شائع ہونا یا بچپن سے کسی خاص شکل مین تربیت پانا یا عادت ہو جانے کے سبب کسی کام کو چھوڑنے کی دشواری یا کسی کام کی تکمیل کا موقع ملنے سے پہلے موت یا کسی حادثہ کا پیش آنا۔ یہ اور ایسے

ہی یا ان سے بھی مخفی اسباب جو انسانی خیالات پر بہت بڑا اثر کرتے ہیں ان سب کو بالکل نظر
انداز کرنا اور باوجود ان کے انسان کو مختار کامل و آتا و تسلیم کرنا ایسی غلطی ہے جو بالعموم عقلی رفتار کو
دیکھتے ہوئے ناقابل معافی ہے اسلئے مجبور محض سمجھنے کی غلطی کو مختار کامل سمجھنے
کی غلطی سے کمتر کہنا چاہیئے۔

اس کے بعد جب ان دونوں طرح کی غلطیوں کا عملی نتیجہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان
کو مختار کامل سمجھنے والے جہاں تک انسان کی اپنی کوشش کا تعلق ہے پورے کامیاب اور ہوشیار رہتے
ہیں اور جو موقع ان کے فائدے اور بہبود کا ہو اسے جانے نہیں دیتے مگر بالائی طاقتوں کے زیر اثر
ہونے کے سبب جو توجہ ان قوانین کے موجد اور علۃ العلل کیطرف ہونی چاہیئے اس سے بالکل بیگانہ رہتے
ہیں یعنی مذہبی روح اور انسان کا سب سے پاک اور شریف جذبہ ان میں پیدا نہیں ہونے پاتا۔ حالانکہ یہ کوشش
علاوہ ان روحانی فوائد کے جن کا تعلق انسان کی آیندہ زندگی سے ہے اس دنیا میں بھی بہت
بڑی حد تک حسن اخلاق اور نیک سلوک کی موید ہے اور نیز جیسا کہ عمل کرنیوالے جانتے ہیں اپنی کوشش
کو خرچ کرنے کے بعد خدا کی طرف متوجہ ہونا اور اسکی مدد کا امیدوار رہنا جسکو توکل کہتے ہیں محض کوشش
کی نسبت بہت کچھ مفید اور نیز بہدف ہوتا ہے دوسری طرف اپنے تئیں مجبور محض سمجھنے سے اگرچہ
خدا کی طرف توجہ ہو سکتی ہے مگر عملی دنیا میں اس خیال سے ان تمام قباحتوں کا پیدا ہونا لازمی ہے
جو کوشش کو ترک کرنیکا نتیجہ ہیں۔ غرض نتیجہ کے رو سے آزادی اور اختیار کے حامی مذہب سے
نا آشنا اور دنیوی کاروبار میں خود غرض اور بیدار ہو جاتے ہیں تو مجبور محض سمجھنے والے دینی اور
دنیوی دونوں دائروں میں جو کچھ عمل پر موقوف ہے اس سے محروم اور درماندہ رہ جاتے ہیں اور انکے
برخلاف خدا کی طرف توجہ کرنے سے روحانیت کو ترقی دیتے ہیں اور دنیوی کاروبار میں اپنی اور
دیگر ہر نوع کی اغراض کو باحسن وجہ پورا کرنے میں پوری کامیابی انہیں لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے
جو جبر و اختیار کے بیچ میں رستہ اختیار کر کے دریا کی طرح آسمان سے پانی لیں اور زمین کو سیراب کریں
یعنی خدا پر توکل بھی رکھیں اور صرف توکل پہ نہ رہیں۔ بلکہ جہاں تک اپنی کوشش کا دیرپا ہے اپنی

پوری قوت سے کام بھی کریں ؛

جبر و اختیار کی نسبت مزید غور

آزادی کی ہوا کھانے والے چونکہ آسمان و زمین کی تمام طاقتوں سے آنکھیں بند کیئے ہوئے ہیں اسلیے انکی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں البتہ جو لوگ مجبوری کا رونا روتے ہیں وہ اگرچہ زبان سے اپنے تئیں پتھر کہتے ہیں مگر حقیقت میں گردوپیش (واقعات) کو دیکھنے کے عادی ہیں بلکہ اسی تحقیق میں زیادہ منہمک ہونے کا نتیجہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے غافل ہوگئے ہیں اسلیئے انکی اس غور و تامل کی عادت کو دیکھ کر ان سے کچھ اور بھی عرض کرنے کی جرأت ہوتی ہے یعنی کہ واقعات گردوپیش سے انسان کو مجبور مانکر بھی اس خیال کو یہاں تک جولان کرنا کہ کوشش کو بیہودہ مانا جاوے اور مذہبی احکام کے اس بڑے حصہ کو جو کوشش کی تاکید پر مشتمل ہے غلطیے اور خلاف واقعہ کہا جائے خود واقعات کی شہادت سے غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ انسان اور انسانی افعال اور انسانی افعال کے اسباب خود انسان کے پیدا کردہ نہیں بلکہ اس زنجیر کی کڑیاں یکے بعد دیگرے زمین و آسمان کی پیدایش بلکہ اس سے بھی پرے تک چلی جاتی ہیں مگر اُن علتوں کی شکل یکے بعد دیگرے بدلتی آئی ہے اور ہر ایک شکل پر جداگانہ حکم مترتب ہیں مثلاً بخار کے بادل کا انجماد پاتے ہوئے کرہ کی شکل میں ظاہر ہونا اور اس کرہ سے چند ٹکڑوں کا جدا ہو کر مرکز کے گرد چکر کھانے لگنا (اگر صحیح ہے تو یہ) ایسے اسباب و نتایج کا مجموعہ ہے جن میں مجبوری اپنی کامل شکل میں جلوہ گر تھی۔ مگر اسکے بعد جب زمین سے نباتات کا ظہور ہوا اور انکے رگ و ریشہ نے زمین کی تہ اور فضا کی بلندی میں سے اپنی غذا کو چوسنا شروع کیا تو اس فعل میں جو آئندہ سلسلہ ترقی کیلئے علت تھا مجبوریت کا ظہور کسیقدر کم اور ارادہ سے مشابہ حرکت کچھ کچھ نمایاں ہونے لگی۔ آگے چل کر حیوانات پیدا ہوے تو اگرچہ اپنی بقاء ذات اور بقاء نوع کے افعال میں وہ بھی مجبور تھے مگر ان کے کاروبار میں مجبوریت اور بھی پوشیدہ ہوگئی اور ارادی حرکت پہلے کی نسبت نمایاں تر ہونے لگی اسکے بعد انسان کا ظہور ہوا تو اگرچہ اسکی بھی تمام کوششیں گردوپیش کے حالات سے وابستہ تھیں اور اس وجہ سے اسے مجبور کہنا بڑی حد تک درست ہوگا مگر اسکی فطرت میں مجبوریت کو ایسا پوشیدہ کر دیا گیا ہے کہ اکثر عقلا کو اس پر مختار کامل ہونیکا دھوکا ہوا اور واقع میں یہ ایسی عجیب مخلوق

ہے کہ ایک طرف اپنی فطرت کے رو سے حالات گرد و پیش کی تقلید پر مجبور ہے تو دوسری طرف فطرت ہی کے تقاضے سے وہ جس کام کو شروع کرتا ہے سمین اپنی حسب استعداد غور و فکر کرنے پر اور اس غور و فکر سے کسی ایک تجویز کو نیک اور مناسب قرار دینے پر اور اختیار کی شکل مین اسکے موافق کوشش کرنے پر بھی مجبور ہے غرض مجبوری سلسلہ کائنات مین مخفی ہوتی ہوئی انسان مین ایسی شکل سے جلوہ گر ہوئی ہے کہ وہی اسکا ارادہ اور مرضی بنگئی ہے۔ اور جو کوشش نباتات مین کمتر اور حیوانات مین بیش از بیش ظاہر ہوتی آئی ہے انسان مین ایسی نمایان ہوئی ہے کہ اگرچہ وہ بہت سے گذشتہ اسباب کا نتیجہ ہے مگر انسان کے تمام افعال کے لیئے وہی علت قرار پائی ہے پس خواہ ہم مجبوری کے خیال سے کیسا ہی پیچ و تاب کھائین مگر اس مجبوری سنے جو ارادی کوشش کی تحریک پیدا کردی ہے اسی مجبوری کا اثر ہے کہ اس کوشش کو بھی چھوڑ نہین سکتے۔ بلکہ جس طرح نباتات کا فرض ہے کہ اپنے رگ و ریشہ کی حرکت سے غذا کو جذب کرین اور کر رہی ہین اور جس طرح حیوانات کا فرض ہے کہ اپنی مختلف ارادی حرکتون سے اپنی ضروریات بہم پہنچائین۔ اور پہنچا رہے ہین اسی طرح انسان کا فرض ہے کہ بے اختیار پیدا شدہ تحریک سے کام لے اور بے اختیار پیدا شدہ عقل سے غور و فکر کرے اور بے اختیار پیدا شدہ غور و فکر سے ایک تجویز کو اختیار کرے اور اس مجبوری سے جو اب اختیار بنگئی ہے یا اس اختیار سے جو پہلے مجبوری تھا کام لیکر اس کام کے نتیجہ پر پہونچے۔ اور جس طرح نباتات یا حیوانات اگر اپنی ارادہ نما حرکت کو کام مین نہ لائین تو یقیناً اپنی زیست سے محروم ہو جائینگے اسی طرح انسان جسمین سلسلہ علیت نے ان سے زیادہ اختیار اور ارادہ کو ظاہر کیا ہے اگر کوشش کو ترک کرے تو ضرور اسکے ثمرون سے محروم رہیگا۔ اور جس طرح ٹرین کی ایک گاڑی کو کاٹ دینے سے پیچھے کی گاڑیان الگ ہو جاتی ہین اسی طرح کوشش کو چھوڑنے سے جو سلسلہ علیت کی ایک کڑی ہے آگے کے تمام نتائج جو اس پر منحصر ہین پیدا نہ ہو سکینگے۔ غرض نہ کوشش فضول ہے اس لیے کہ آیندہ واقعات کا تمام مدار اسی پر ہے اور نہ فضول کہکر ہم اسکو چھوڑ سکتے ہین اسلیئے کہ یہ پہلے واقعات کا لازمی نتیجہ ہے۔

رہا یہ سوال کہ اگر سلسلہ علیت کے سبب انسان کو مجبور مانا جائے تو اسکے اعمال پر سزا کیون مترتب ہوتی ہے؟ یہ حقیقت مین وہی پہلا سوال ہے کہ دنیا مین نیکی اور بدی کیون ہے اور سلسلہ علیت کیون جاری کیا

گیا ہے۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ عقل انسانی اس راز کو سمجھنے کے قابل نہین اور وہ صرف یہی دیکھ سکتی ہے کہ ایسا ہونا ضرور ہے۔ نباتات گو مجبور ہین مگر مضر گیسون کو جذب کرنے سے اور نا موافق اجزا سے زمین کو چوسنے سے ضرور نقصان اُٹھاتی ہین۔ حیوانات گو مجبور ہین مگر پانی سے خشکی پر آکر یا خشکی سے پانی مین کود کر ضرور تکلیف پاتے ہین۔ اسی طرح انسان گو مجبور ہو مگر غور و فکر کو کام مین نہ لانے سے اور کوشش کو ترک کرنے سے ضرور خمیازہ بھگتیگا۔ اور جب یہ کیفیت برای العین دیکھی جاتی ہے اور کوئی شخص اپنے کاروبار مین اس بہانے سے کوشش کو ترک بھی نہین کرتا تو صرف مذہب کے بارہ مین غور و فکر اور کوشش کو فضول سمجھنا اور اس سے دست بردار ہونا یا مجبوری کے بہانہ سے غلط عقاید پر روحانی تاریکی اور جہالت کا نتیجہ مرتب ہونے سے انکار کرنا کیونکر بد نتایج سے محفوظ رکھ سکیگا ✦

رحم اور غضب | نیکی اور بدی کا وجود جس سے انسانی جبر و اختیار کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے مختلف پہلوؤن سے عقلائے عالم کے زیر غور رہا ہے بعض نے بدی کو یہان تک اہتمام دیا ہے کہ اُس کے موجود ہونے کے سبب پیدا کرنیوالے کو تمام صفات حسنہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسٹر مِل لکھتے ہین کہ[†]

"لوگ جتنی طاقت نیچر کی خوبیان تلاش کرنے مین صرف کرتے ہین اگر اس سے دسوان حصہ برائیان تلاش کرنے مین صرف کرین تو ان کو معلوم ہو جائے کہ نیچر کا تمام مدار اذیت رسانی اور تباہی پر ہے پس اگر یہ انتظام کسی شیطان کا کیا ہوا نہین تو کسی غیر محدود اور فیاض ہستی کا بھی نہین معلوم ہوتا"

اور بعض جو خدا کے قائل ہین انھون نے دنیا مین بدی کا وجود پا کر اسکو خدا کی طرف منسوب کرنے مین تامل کیا ہے اور اس لیے ان مین سے بعض کا خیال ہے کہ واقعات عالم یا دلائل عقلی سے خدا کو ثابت نہین کیا جا سکتا پروفیسر ولیم جیمس لکھتے ہین ‡

"وہ بڑے بڑے دفتر جن مین نظام کائنات سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب ایسے جبر ہو گئے ہین کہ کتب خانون مین انکی بجائے خاک بھر دی جائے تو بہتر ہے اس تغیر خیال کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جسکو وہ دلائل ثابت کرتی تھین"

---

† ایسیز ما صفحہ ۲۸ مطبوعہ ۱۸۷۴ء ۔ ‡ ورائٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرینس لکچر ۱۸

آج ہمارا اعتقاد یہ ہو کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہیں جس نے اس دنیا کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لیئے پیدا کیا ہو"
ان میں سے پہلے فریق نے دنیا کے حالات کو جیسے کچھ انکی سمجھ میں آئے ہیں نیچر کے موجد کیطرف منسوب کیا ہے مگر اسکو خدا نہیں مانا اور دوسرے فریق نے کسی کو خدا مانا ہے مگر مظاہر قدرت کو اسکی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ دنیا کو دیکھکر کہ وہی ایک ذریعۂ عقلی تسکین کے لیے موزون ہے یہ دو تو خیال دل میں جگہ نہیں لے سکتے دنیا میں اگر برائی ہے تو اسکے ساتھ بھلائی بھی ضرور ہے اور اگر اسکو کسی صاحب ارادہ ہستی نے پیدا کیا ہے تو یہان کے جلال ظاہر کرنیوالے حالات اسکے سوا اور کس نے پیدا کر دیئے اور جب وہی ایک خالق ہے تو جمال کے ساتھ جلال کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے پس اگر کوئی مذہب نیچرل کہلانیکا مستحق ہے تو وہی جسمین خدا کا کلام خدا کے فعل سے جو ہمارے پیش نظر ہے مختلف نہیو اور خدا کا فعل جو ہمارے پیش نظر ہے وہ یہی ہے کہ اس نے مختلف انواع و اجناس کو پیدا کیا ہو غذا کے لیئے آفتاب و ماہتاب۔ بخارات اور ہوا مٹی اور پانی غرض تمام اجرام علوی و سفلی کو مصروف کار کیا ہے اور جس طرح بازار میں تمام صناع اور سوداگر خود بخود اُن اشیاء کو مہیا کرتے ہین جو نوع انسانی کو مطلوب ہیں اسی طرح زمین و آسمان کی تمام موجودات خود بخود اُن افعال و حرکات میں ہر وقت منہمک ہین جو جاندار اور غیر جاندار مخلوق کی بقا و تولید کے منتج ہون اور اسی طرح ہر چیز کی ساخت میں ان تمام مراتب کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اس کو اسکے اپنے کمال تک پہنچائین اور آفات گرد و پیش سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہون۔ اور پھر ہر چیز کے حسب حال قوتین اور جسمانی و روحانی ترقی کی اندرونی تحریکین اور بیرونی عنصرین اور ترغیبین غرض ہر طرح کا سامان ایسی کثرت سے پیدا کیا گیا ہے کہ علم ہیئت سے لیکر طب اور سایئکالوجی تک تمام علوم اس سامان کی مبسوط فہرست ہی اور پھر بھی بہت کچھ ہے جو درج نہیں ہو سکا۔

یہ تو جمال کا ذکر تھا اب دوسری طرف جلال کو دیکھا جائے تو کہین آتش فشان پہاڑ اپنے لاوے کو نکال کر دور دور تک روئیدگی اور جانداری کے نشانات کو تباہ کرتا ہوا گلزار پر بہار اور پر رونق آبادیون کو ایک دم میں ویران اور خاک کا تودہ بنا دیتا ہے اور اس وقت شرربار مادے کی تیتیا

آوازیں۔ درختوں اور مکانوں سے بلند ہوتے ہوئے شعلے انسانوں اور حیوانوں کی چیخ پکار بچوں کا ماؤں سے اور عورتوں کا مردوں سے جدا ہو کر رونا ان سب سے وہ سمان پیدا ہوتا ہے جس سے زیادہ مصیبت کا خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ کہیں دریا کا طوفان یکایک امن و عیش میں بسر کرنے والی مخلوق کو تباہ کرتا ہوا اسی طرح کا خوفناک منظر پیش کرتا ہے۔ کہیں آتش زدگی کہیں زلزلہ کہیں وبا کہیں قحط نہایت جوش اور تیزی سے مخلوقات کو تباہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اور کہیں انسان اور حیوان کی اپنی اندرونی قوتیں جوش میں قتل و غارت کا میدان گرم کرتی ہیں۔ اور خون کی ندیاں بہا دیتی ہیں۔ یہ تمام مناظر اس جبار و قہار کے قہر و غضب کا نمونہ ہیں۔

مگر پھر دیکھا جاوے تو تباہی کیسی بڑی ہو تمام موجودہ مخلوقات کو تباہ نہیں کرتی چھت گرتی ہے گاڑی الٹتی ہے یا ریل ٹکراتی ہے بہ چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں چور چور ہو جاتی ہیں مگر جاندار بہت زخمی ہوتے ہیں اور کم مرتے ہیں۔ قحط زلزلہ اور وبا میں جانداروں کا نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت سے بچ رہتے ہیں۔ طوفان اور آتش فشانی میں جانداروں کا بہت نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ بچائے جاتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد دیکھا جاتا ہے تو وہی تباہی اور بربادی کا منظر پھر بہار اور رونق کی لہریں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ غرض نسل کو منقطع اور کسی نوع کو بالکل نابود کرنیکا ارادہ شاذ و نادر ہی بہت تھا ہوتا ہے۔ اگرچہ طبقات الارض کے ماہروں نے بہت سے متحجرہ اجسام نکال کر ثابت کیا ہے کہ بعض جانداروں کی نوع صفحہ ہستی سے بالکل نابود کر دی گئی ہے مگر بیشمار زندہ انواع کے مقابلہ میں انکی تعداد ہیچ کے برابر ہے۔

یہ کیفیت تو ان مناظر کی ہے جو عموماً ذی ارادہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہیں مگر جو کیفیتیں ذی ارادہ مخلوق خود اپنے افعال سے پیدا کرتی ہے ان میں بھی یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے حفظ صحت کے قاعدوں پر عمل کرنے سے جسمانی حالت میں اور اخلاقی اور مذہبی جذبوں کو کام میں لانے سے جسمانی اور روحانی دونوں حالتوں میں کمال اور ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے تو ان قواعد کو توڑنے سے نقص اور تنزل کی مصیبت زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جس طرح کسی بچے کو علم و ہنر کی طرف راغب پاکر اس کے

کے مہربان باپ کیطرف سے ہر طرح کا علم و ہنر حاصل کرنیکا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی
طرح نیکی کی جانب متوجہ ہونے پر نیچر کی طرف سے بہت سی صورتین نیکی کو بجا لانے کی اور بہت
سی تدبیرین نیکی کو شاملِ حال کرنے کی خود بخود سوجھنے لگتی ہین - اس وقت وہ شخص قدرت کے ہر منظر مین
کچھ نہ کچھ نصیحت اور عبرت کا سامان مہیا پاتا ہے حالانکہ نیکی سے بے پروا بڑے بڑے دل ہلا دینے والے
حالات کو دیکھ کر اپنے دل پر کوئی اثر نہین پاتے - اور دوسری طرف جس طرح لڑکے کی بے ادبی
اور بد قماشی سے ناراض ہو کر ایک جابر سرپرست اسکی راحت اور مسرت کے سامان کو کم کرتا جاتا ہے
حتی کہ ایک وقت پر اس سے سروکار نہ رکھنے کا اشتہار دیتا ہے اسی طرح بدی کی طرف متوجہ ہونے
سے قدرت اس کے دل سے نور اور روحانیت کو معدوم کرنے لگتی ہے اور بد عادت کی زنجیرین
جکڑتے ہوئے اسکو اس حالت تک پہونچا دیتی ہے کہ جن واقعات سے نیک دل لوگ کانپ اٹھتے
ہین انکو دیکھنے مین بلکہ اُن کو بجا لانے مین اسکو حظ حاصل ہوتا ہے اور نیز اس کو اپنے بد جذبون
کو پورا کرنے کے ایسے طریقے سوجھنے لگتے ہین جو پارسا لوگون کے خیال مین بھی نہین آ سکتے
مگر نیکی اور بدی مین ترقی کی قابلیت ہونیکے باوجود جب انکی ابتدائی کوششون کو
دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفاوت ضرور ہے نیکی کرنے پر انسان کو ایک مسرت حاصل ہوتی
ہے اور وہ دلی آواز جس کو کانشنس یا ضمیر کہتے ہین نیکی پر خواہ وہ اسکی عادت کے کیسے ہی خلاف
ہو شاباش کہتی ہے مگر بدی کے ابتدائی مرحلون مین اسکے برخلاف وہی دلی آواز بجائے شاباش
کہنے کے ضرور ملامت کرتی ہے اور اس طرح پر جو اثر ترقی کا نیکی کے ابتدائی مرحلون مین پیدا ہوتا
ہے بدی کے ابتدائی مرحلون مین اس قدر اثر نہین ہوتا اور جہالت اور تاریکی جو آتی چلی جاتی ہے
کسیقدر دیر مین پیدا ہوتی ہے اور یہ تفاوت جس طرح افراد کی نیکی اور بدی مین دیکھا جاتا ہے اقوام
کی نیکی اور بدی مین بھی موجود ہے - کسی ترقی یافتہ اور نیک قوم مین جب ایک یا چند اشخاص
بد چلن پیدا ہو جاتے ہین تو اگرچہ انکی بدی مین قابلیت ہے کہ ترقی پا کر تمام مین سرایت کر جائے
مگر جبتک وہ چند اشخاص مین محدود ہے ان کے دل ضرور اس حالت پر ملامت کرتے ہین اور

جو زوروترقی کا بعد مین پیدا ہوتا ہے اسکی نسبت اُس وقت کمتر ہوتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جب کسی غیر مہذب قوم مین پاک اور نیک لوگ پیدا ہوتے ہین تو اُن کے دل باوجود تنہا ہونے کے اور باوجود مزاحمتون کے کام آفرین کہتے ہین اور اس لیے نیک خیال نسبت بدی کے زیادہ زور سے عمل کرتا ہے۔

غرض ان تمام حالات کو دیکھنے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا مین راحت و آرام اور بقا و افزائش کے سامان اور نیکی کیطرف توجہ پیدا ہونے پر اسکے سامان اور سرانجام کا مہیا اور آسان ہوتے جانا دنیا کے موجد کی عنایت پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف دنیا مین رنج اور تکلیف اور تباہی اور بربادی کے نمونے اور بدی پیدا ہونے پر اسکی زنجیرون کا سخت سے سخت تر ہوتے جانا اس کے غضب کی صفت ظاہر کرتا ہے اور پھر دونون کا موازنہ یعنی بڑی بڑی تباہیون کے وقت بقاء نوع کا اہتمام رہنا اور اُدھر نیکی پر مسرت اور بدی پر ملامت کا مرتب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اُسکے رحم کی صفت غضب کی صفت پر غالب ہے۔ چنانچہ نیچر کی انہی صفات کو اسلام خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ؕ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

اور خدا سے ڈرو اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ؕ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۵)

بعض لوگ اپنے تئین خدا کی رضامندی تلاش کرنے پر لگا دیتے ہین اور اللہ ایسے بندون پر مہربان ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؕ (مائدہ پارہ ۷ ع ۱۳)

جان لو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

وہی ذات ہے جس نے تمکو زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے اور تم مین سے بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے

لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ

(انعام پارہ ۸ ع ۲۰)

تاکہ تمکو ان نعمتون کے بارہ مین جو تمکو دی ہین آزمائے بیشک تمھارا خدا سزا بھی جلدی دیتا ہے اور بخشنیوالا اور مہربان بھی ہے۔

إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (اعراف پارہ ۹ ع ۲۱)

بیشک تمھارا پروردگار عذاب بھی جلدی دیتا ہے اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ

(رعد پارہ ۱۳ ع ۱)

اور بیشک تیرا رب لوگون پر بخشش کرنیوالا ہے جبکہ وہ اپنے اوپر ظلم کرین اور بیشک تیرے پروردگار کا عذاب سخت ہی

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (حجر پارہ ۱۴ ع ۴)

میرے بندون کو آگاہ کردو کہ مین بخشنے والا مہربان ہون اور میرا عذاب دردناک عذاب ہے

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)

گناہ کو بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا اور صاحب قوت۔

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ

(حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۵)

بیشک تیرا پروردگار مغفرت کا مالک ہے اور سخت عذاب والا ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ

(بروج پارہ ۳۰ ع ۱)

تیرے پروردگار کی گرفت سخت ہے۔ وہ ابتداءً پیدا کرتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے اور وہ بخشندہ اور مہربان ہے صاحب عرش اور بزرگ ہی اور جس چیز کا ارادہ کرے اسے پورا کرنیوالا ہے

اور صفت رحم کا صفت غضب پر غالب ہونے کا یون ذکر ہے

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ (انعام پارہ ۸ ع ۱۸)

اگر وہ تیری تکذیب کرین تو کہدو کہ تمھارا پروردگار وسیع رحمت رکھتا ہی اور اسکا عذاب مجرمون سے ٹل نہین سکتا۔

عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)	مین عذاب دیتا ہون جسے چاہتا ہون اور میری رحمت ہر شے پر عام ہے پس مین رحمت مقرر کرتا ہون ان لوگون کے لیے جو تقوی کرتے ہین اور زکوة دیتے ہین اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہین
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)	اے ہمارے پروردگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر شے پر وسیع ہے۔
مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ (حم عسق پارہ ۲۵ ع ۴)	جو مصیبت تمکو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کسب سے پہنچتی ہے اور وہ بہت سی باتون کو معاف کر دیتا ہے۔

خدا کا غصہ مسٹر فریڈرک پنکاٹ[۱] اعتراض کرتے ہین کہ مسلمانون کا خدا غصہ وغیرہ نفسانی خواہشون سے متصف ہے اور بیشک آجکل جو اعتراضون کا طوفان اسلام پر آرہا ہے ان مین یہ اعتراض سب سے زیادہ جلی حرفون مین لکھا جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا کی صفات کو بیان کرنا اسلام والون کے اپنے دل کا اختراع ہی مگر ایسے لوگ بتا ئین کہ آتش فشانی اور زلزلہ وغیرہ کی ہیبتناک تباہیان یا بدی کیطرف ادنیٰ توجہ سے آئندہ اس درخت کا مسلسل پھلتے پھولتے جانا اور ذہن کا ہنت نئی ایذا رسانی اور خرابی کی تدبیرین ایجاد کرنے کے قابل ہونے جانا جو نیچر کے ہر ورق پر لکھا ہوا سب کو نظر آتا ہے اگر نیچر کے بنانیوالے کی ایجاد نہین تو ان غضبناک منظرون کا خالق اور کس کو مانا جاوے بیشک جن لوگون نے دنیا کی صرف خوبیون کو دیکھا اور اسی کے راگ گائے انھون نے اچھا کیا مگر جس کو صرف دن کی روشنی کا علم ہے اور رات کی تاریکی سے آشنائی نہین اُسے سویا ہوا اور رات کو غفلت مین گذارنے والا کہنے کے سوا اور کیا چارہ ہے کیا ایسے شخص کو زمانہ کے حالات کا عارف کامل کہسکتے ہین اور کیا اُسکا علم اُس خدا کیطرف سمجھا جا سکتا ہے جس نے رات اور دن دونون کو پیدا کیا ہے

رحم کی تعریف حقیقت یہ ہے کہ رحم کی تعریف مین غلطی کی گئی ہے اور اس کا مفہوم ایسا عام

[۱] کتاب ریلیجس سسٹمز آف دی ورلڈ لیکچر نمبر ۲

کر لیا گیا ہے کہ اذیت اور تکلیف کو اس سے متناقض سمجھا جاتا ہے اور پھر خدا کو ایسا رحیم مانکر جب دنیا
کی تکالیف کو دیکھا جاتا ہے تو ان کو ایسے رحیم کی جانب منسوب کرنے مین تامل ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر رحیم
اسی کو کہا جائے جو کسی طرح کی تکلیف دہی اور ایذا رسانی کو گوارا نہ کرے تو پھر جس فعل پر کوئی برا نتیجہ
مترتب ہوا اور جس جرم پر سزا کا ہونا لازمی ہو چونکہ یہ سب کچھ اذیت اور تکلیف ہے اسلیئے ایسے رحیم کا فرض
ہوگا کہ ان نتائج کو مترتب ہونے سے روکے اور اگر کوئی شخص ایسا رحیم ہو تو ضرور ہے کہ وہ عادل نہ ہو اور
مجرمون کو سزا نہ دے اور اسکی مہربانی کے بھروسہ پر بدکار وہ غضب ڈھائین کہ نیکبختون اور مظلومون
کے لیئے وہی رحم جسکو کامل رحم کہا جاتا ہے بڑے سے بڑے ظلم سے بھی بدتر ہو۔ اور جب اس کامل رحم کا
ایسا بد نتیجہ لازمی ہے تو ضرور ہے کہ رحم کی یہ تعریف صحیح نہ ہوگی بلکہ اسکا مفہوم ایسا ہونا چاہیئے جو عدل
سے منافات نہ رکھے۔ مگر اب چونکہ خود نیچر کے رحم اور عدل کا فیصلہ کرنا ہے اس لیئے خود نیچر کے
افعال کو نظیر مین پیش نہین کر سکتے اور نیچر کے سوا کوئی سرمایہ موجود نہین۔ پھر کیا کیا جائے؟ مگر نہین
اس وقت فیصلہ کرنیوالا حاکم عقل ہے اسلیئے دیکھنا چاہیئے کہ خود عقل کا طرز عمل اسبارہ مین کیا ہی؟ -

کسی امتحان کے بہت سے پرچے ممتحن کے سامنے رکھے ہین اور وہ جواب کو سوال سے منطبق
کر کے نمبر دیتا ہے۔ اب اگر کسی غلط جواب پر وہ پورے نمبر دے تو بیشک اس امیدوار کا بھلا ہو جائیگا۔
مگر آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص ان لوگون کے برابر ہو جائیگا جنہون نے صحیح جواب لکھا ہے بلکہ اس کے
نمبرون کی میزان بعض ایسے طلبا سے بڑھ جائیگی جنہون نے قریبا درست لکھا ہے اور مناسب نمبر
پائے ہین۔ یہ سب پاس ہو گئے اچھا ہوا۔ مگر جو اثر پاس ہونے پر مترتب ہوتا ہے اور جو وظائف
یا کاروبار کے لیئے انتخاب زیادہ نمبرون پر منحصر ہے ہمین بعض صحیح جواب دینے والے ناکام رہین گے
اور غلط لکھنے والا جس پر رحم کیا گیا ہے وہ منصب لیجائیگا جو اورون کا حق تھا بلکہ بعض ایسے کاروبار ہین
جو سچی قابلیت پر منحصر ہین غلط لکھنے والا اپنے پورے نمبرون کے سبب ہاتھ ڈالنے پر خود بھی ایسی
ناکامی اٹھائیگا کہ ناواجب طور پر پاس ہونے کی خوشی خاک مین ملجائیگی۔ غرض ممتحن کا وہ فعل جو رحم
کی شکل مین ظاہر ہوا تھا ثابت ہوگا کہ صحیح جواب لکھنے والون پر اور خود غلط لکھنے والے پر بھی ظلم ہے

اچھا یون نہ سہی۔ یہ کیا جائے کہ غلط جواب دینے والے کو پورے نمبر اور صحیح جواب لکھنے والیکو اس سے دگنے دیے جائین اور جس نسبت سے ایک کے ساتھ رعایت کی گئی ہے اس نسبت سے سب طلبا کے نمبر بڑھا دیے جائین اور دو کی جگہ چار دیے جائین تو چار کی جگہ آٹھ اور اسی طرح آخر تک چلے جائین تو کیا اثر ہوگا؟ کہ رعایت رعایت نہ رہیگی بلکہ کل نمبر سو سمجھنے کی بجائے دوسو قرار پائینگے اور پاس ہونے کیلئے فیصدی مقدار دیکھنے پر غلط لکھنے والا ہی بہ ایں ہمہ دو دو گوش رہجائیگا یعنی ناکام۔ اچھا تو کیا ایسے شخص کیلئے رحم کی کوئی گنجائش نہین؟ ہے اور وہ یہ کہ اسکے غلط جواب کو نہایت دقت نظر سے دیکھا جائے اور غلطی کیسی ہی بڑی ہو اسمین غور سے تلاش کیا جائے کہ کوئی ذرا ظہور صحت کسی جگہ موجود ہے یا نہین اور پھر جہان ذرا بھی صحت کا نشان ملے اُسکے مناسب حال کوئی نمبر یا نمبر کی کوئی کسر دیدی جائے۔ پس یہ غور و تامل کی تکلیف جو ممتحن برداشت کریگا وہ رحم ہے جو عدل سے ہرگز منافات نہین رکھتا۔ بلکہ ایک ہی فعل ہے جو اس لحاظ سے کہ اور ون پر ظلم نہ ہوجائے عدل ہے اور اس خیال سے کہ مجرم اپنے جرم کی سزا ضرور پائے غضب ہے اور اس وجہ سے کہ مجرم اپنے جرم سے زیادہ سزا نہ پائے رحم ہے اور یہی وہ عمل ہے جو ہم نیچر کے ہر کام مین محسوس کرتے ہین۔ پلیگ کے ایام مین جس شخص نے فاسد مادہ کا بہت بڑا حصہ لیا ہے ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ علاج کی مہلت نہین دیتا اور فوراً مرجاتا ہے۔ دوسرا اس سے کمتر حصہ لیتا ہے وہ چار دن اور دنیا کی ہوا کھا لیتا ہے کوئی اس سے کم ہوتا ہے چند روز تڑپ کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ کوئی معمولی سا اثر قبول کر کے الا اعضا شکنی وغیرہ کو چلنے پھرنے برداشت کر کے تندرست ہوجاتا ہے۔ بعض اس سے بھی کم متاثر ہوتے ہین بالکل اور کوئی اثر محسوس نہین کرتے اسی طرح آگ لگتی ہے جو چیز بیچ مین آجاتی ہے خاک سیاہ ہوجاتی ہے ذرا دور رہنے والی کا بالائی حصہ جل جاتا ہے۔ اس سے پرے سیاہ داغ ہی پڑجاتا ہے کسی کو جلن کسی کو حرارت کسی کو روشنی کا حصہ ملتا ہے اور بہت دور والون کو خبر بھی نہین ہوتی

غرض نیچر ہر فعل کا نتیجہ ایسا جچا تُلا دیتی ہے کہ سبب سبب کی مقدار سے رتی بھر کم زیادہ نہین ہونے پاتا۔ پس یہی اُسکا عدل ہے اور یہی اسکا رحم ہے اور یہی جواب ہے ڈاکٹر سپنسر کے اس

اعتراض کا کہ۔ †

"غیر محدود عدل کامل سزا کیوں کر دے سکتا ہے جبکہ غیر محدود رحم گناہ کو معاف کر دیتا ہے"

یعنی یہ کہ گناہ کو معاف کر دینا نہ رحم ہے۔ نہ غیر محدود ہے۔ بلکہ ظلم ہے اور رحم یہ ہے کہ سزا گناہ کی مقدار سے ذرہ بھر زیادہ نہ ہو۔ غرض جو طرز عمل عقل بتاتی ہے اور جو فعل خود نیچر کا نظر آتا ہے اسی کی تعلیم قرآن بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۱)

خدا نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی کارکن کا کام ضائع نہیں جانے دونگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۝ (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۴)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو رکھیں گے پس کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ برابر بھی ہو تو ہم اسے نکال لائیں گے اور ہم حساب کے لیے کافی ہیں۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (زلزال پارہ ۳۰ ع ۱)

پس جو ذرہ برابر بھلائی کریگا، اسکا اجر پائیگا اور جو ذرہ برابر بدی کریگا اسکی سزا پائیگا۔

† کتاب فرسٹ پرنسپلز باب سوم صفحہ ۱۲ سنہ ۱۸۸۴ء۔

‡ گناہ کیوں کر معاف ہو سکتا ہے اسکی صورت باب آئندہ میں ملاحظہ ہو

باب یازدہم

توبہ۔ استغفار۔ دعا۔ شفاعت وغیرہ

حرکت بازگشت۔ گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ۔ حقوق اللہ و حقوق العباد۔ ایمان اور گناہ کفر اور نیکی کا اجتماع۔ اصولی اور معاون اسباب۔ عذاب و ثواب کے اصلی اور معاون اسباب۔ ایمان اور نیکی۔ استغفار۔ آرزوے رحمت۔ محبت صلحاء۔ دعا۔ شفاعت۔ ترغیب کا فائدہ۔ معیت کا فائدہ۔ محبت کا فائدہ۔ دعا کا فائدہ۔ کبھی شفاعت کے خیال سے غرور پیدا ہوتا ہے۔ کبھی شفاعت سے کوشش کا میلان ہوتا ہے۔

حرکت بازگشت نیکی اور بدی کے متعلق اگرچہ بہت کچھ طول ہو گیا ہے مگر ابھی اند کے پیش تو گفتیم ہنوز از بسیار، کا مضمون ہے۔ نیکی اور بدی دنیا کا مجموعہ ہے اور دنیا کے قوانین اس کثرت سے اور باہمدگر ایسے پیوستہ اور پیچیدہ ہیں کہ ایک قانون کے عمل میں جو تفاوت دوسرے قوانین کے اختلاط سے پیدا ہو جاتا ہے اسکو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے مثلاً ہمنے دیکھا کہ نیچر ہر ایک فعل کا بدلا اسکے تناسب کے لحاظ سے ضرور دیتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ ہر ایک فعل کو ایک دفعہ کرنے سے دوسری بار اسکو بجالانا آسان ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ وصف ترقی کرتا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی قانون قدرت ہے کہ ایک طرف کو ترقی کرنے کے اثنا میں کسی وجہ سے حرکت بازگشت شروع ہوتی ہے اور جو وصف پیدا ہوا تھا اس کی جگہ اسکی ضد ظہور کرنے لگتی ہے مثلاً آفتاب کی حرارت اور مناسب آب و ہوا سے درخت پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ پھر زمین اور فضا میں کوئی انقلاب پیدا ہوتا ہے درخت کی ترقی رک جاتی ہے مرجھا کر خشکی اور پوسیدگی کی جانب ترقی کرنے لگتا ہے کبھی خشکی اور افسردگی میں ترقی کرتا ہوا کسی سبب سے پھر تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا انسان کسی علم و ہنر میں ترقی کرتا ہوا ایسے اسباب میں مبتلا ہوتا ہے کہ علم و ہنر کو چھوڑ کر جہالت کیطرف جاتا ہوا نظر آتا ہے یا جہان میں ترقی کرنیوالا

کسی ترغیب سے متاثر ہوکر تہذیب و دانش کی طرف عود کرتا ہے - ان حالات مین یہ نہین کہہ سکتے کہ اسکی پہلے افعال بے اثر رہے نہین بلکہ جو خوبی یا برائی پہلی رفتار مین پیدا ہوئی تھی اسکی وجہ سے دوسری رفتار پر ضرور اثر پڑا اور ایسی چیز یا ایسے شخص کی ترقی اُن کے برابر نہ ہوگی جو پہلے سے ہمیشہ تک ایک رستہ پر چلے ہین مگر تاہم نتیجہ بالکل بدل جائیگا اور اس انقلاب سے نور کی جگہہ ظلمت یا ظلمت کی جگہہ نور ضرور پیدا ہوگا اور نیز کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رفتار کو بدلنے والا اثر بڑی قوت سے ظاہر ہوا ہے اور اس نے پہلے اثر کو بالکل نابود کر دیا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ درخت مرجھا گئے ہین اور کھیتی سوکھ چلی ہے اور لوگ ناامید ہو گئے ہین مگر قدرت کی کوئی ایسی ہوا چلی ہے کہ یاس امید سے بدل گئی اور درختون نے چند روز مین وہی نشو و نما پائی جو معمولی حالت کی پوری فصل مین پا سکتے تھے - یا پورے نشو و نما کے بعد کسی سخت حادثے نے ایسا جلا دیا کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے - اور اسی طرح انسان کی وحشت اور تہذیب کا انقلاب بھی کبھی اس زور سے ہوتا ہے کہ آدمی برسون کا کام دنون مین کر لیتا ہے اور دوسرا اثر قوی ہونے کے سبب پہلے اثر کو نابود کر دیتا ہے - غرض یہ انقلاب کا قانون اور قوی کے ضعیف پر غالب آنیکا قانون بھی نیچر مین ہر جگہہ نمایان ہے چنانچہ یہی صورت نیکی بدی مین بھی نظر آتی ہے اور بدکار تائب اور نیکوکار مرتد ہوتے ہوئے نظر آتے ہین اور دوسرا اثر بہت قوی ہونیکی صورت مین ترقی معمولی حالت سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے - قرآن مین بدی کی نسبت ارشاد ہے -

حَتّٰی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ط

(یونس پارہ ۱۱ ع ۲)

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى

حتی کہ جب زمین آراستہ ہو جاتی ہے اور اپنی زینت پر آجاتی ہے اور اس کے مالک گمان کرتے ہین کہ اب اس کے مفاد پر ہمارا قبضہ ہے تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو پہنچتا ہے پس ہم اس کو سوکھا ننکا بنا دیتے ہین گویا کبھی تھی ہی نہین - ہم غور کرنیوالون کے لیئے ان نشانات کی تفصیل کرتے ہین

(زینہار ہو نیکے بعد) اسکے پھلون پر بلا آتی ہے پس مالک ہاتھ ملتا ہے

مَا اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا (کہف پارہ ۱۵ ع ۱۸)	اور جو خرچ کیا ہے اسے یاد کرتا ہے اور وہ سر کے بل گری ہوئی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ کاش مین مین اپنے خدا سے شرک نہ کرتا اور اپنی کوشش کو قطعی نہ سمجھتا
وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (بقرہ پارہ ۲ ع ۱)	جو شخص خدا کی دی ہوئی نعمت کو بدلے تو خدا سخت عذاب دینے والا ہے
وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (بقرہ پارہ ۲ ع ۱۱)	جو اپنے مذہب سے پھرے اور کفر کی حالت مین مرجائے تو اسکے اعمال باطل ہو گئے
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)	جو لوگ ایمان کے بعد کفر کرین اور پھر کفر مین ترقی کرین انکی توبہ قبول نہ ہو گی اور وہ گمراہ ہین۔
اور نیکی کی نسبت فرمایا ہے۔	
فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (روم پارہ ۲۱ ع ۶)	خدا کے رحمت کے نشانات کو دیکھو کہ وہ زمین کو کیونکر مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے یہی مردون کو زندہ کرنیوالا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے
وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)	وہی ذات ہے جو بارش برساتی ہے اس حال مین کہ لوگ نا امید ہو چکے ہوتے ہین اور اپنی رحمت کو پھیلاتی ہے اور وہ مالک قابل حمد ہے
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (آل عمران پارہ ۳ ع ۹)	مگر جو لوگ اسکے بعد توبہ کرین اور نیکوکار ہو جائین تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔
فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ (مائدہ پارہ ۶ ع ۱۰)	جو شخص اپنے اوپر ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی عادت درست کرے تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)

اور جو لوگ بدعملی کرتے ہین پھر اسکے بعد توبہ کرتے ہین اور ایمان لاتے ہین تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے -

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ - (انفال پارہ ۹ ع ۱۸)

تم کفار سے کہدو کہ اگر وہ باز رہین گے تو ان کے گذشتہ اعمال معاف کیے جائینگے اور پھر کفر کی طرف عود کرینگے تو جو پہلون کے ساتھ ہوا ہے وہی ہوگا

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا (فرقان پارہ ۱۹ ع ۶)

جو توبہ کرے اور نیک عمل بجا لائے وہ خدا کیطرف آتا ہے -

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نمل پارہ ۱۹ ع ۱)

مگر جو ظلم کرے پھر اپنی بدی کو نکوکاری سے بدل دے تو مین بخشنے والا ہون مہربان ہون

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (قصص پارہ ۲۰ ع ۷)

لیکن جو توبہ کرے ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو امید ہے کہ وہ رستگارون مین ہوگا

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (شوریٰ پارہ ۲۵ ع ۳)

اور وہی ہے جو اپنے بندون کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو

گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ

بعض لوگون کا خیال ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہین ہوسکتے[1] مگر اول تو ایسی رائے رکھنے والے نیچر سے بالکل آنکھین بند کیے ہوئے ہین اور جو انقلاب بھلائی اور برائی کی جانب نہایت کثرت سے ہورہے ہین اور جن سے نتائج مین مشرق مغرب کا فرق پڑجاتا ہے انکی طرف توجہ نہین کرتے اور دوسرے کسی فعل کے گناہ یا ثواب ہونے اور آیندہ زندگی مین بدیا نیک نتیجہ دینے کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے ہم جنس اور ہم شکل کیطرف میلان ہوتا ہے اور نا جنس سے گریز اہل علم قدرتی طور پر اہل علم کی طرف اور جاہل قدرتی طور پر جاہل کیطرف میلان رکھتا ہے اور جو ہم مذاق نہون ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ قاعدہ نہ صرف انسان مین ہے بلکہ حیوانات اور نباتات اور ان سے بڑھکر

[1] ایسے اعتراض بعض آریا رسالون مین دیکھے گئے ہین۔

دُنیا کی ہر ایک چیز کو اپنے مماثل کی صحبت سے قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور غیر جنس کے اختلاط سے ضعف اور تنزل - اس مماثلت کے قانون کو تسلیم کرنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ مثلاً ناحق قتل کرنیوالا مقتول کو اُن فائدوں سے محروم کرتا ہے جو راستی کے رو سے اُسکا حق تھا اور خود وہ مفاد حاصل کرتا ہے جو راستی کے رو سے اُس کا حق نہیں - غرض وہ اس فعل سے اپنے دل میں راستی اور صداقت سے نفرت اور بُعد پیدا کرتا ہے اور اسی بُعد اور نفرت کے سبب خدا سے جو نام محدود صداقت اور حق ہے دور ہوتا ہے اور اسکے برخلاف جو شخص کسی قاتل کے حملے کو دفع کرنے کی غرض سے حرکت کرتا ہے اور اس مدافعت میں قتل کے سوا چارہ نہیں دیکھتا وہ نہ خود ایسا مفاد حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے کو ایسے مفاد سے محروم کرتا ہے جس کا راستی کے رو سے استحقاق نہ ہو اس لیے اس کے اس فعل نے اُسے صداقت سے اور سرچشمہ صداقت یعنی خدا سے دور نہیں کیا بلکہ اس خیال سے کہ جائز مفاد کو بحال رکھنے کی کوشش ہر چیز کی فطرت میں داخل اور انسان کا خاص حق ہے ایسی کوشش صداقت اور حقانیت سے کسی قدر قریب کرنیوالی ہے - اور اس سے بڑھ کر جو شخص قاتل کو سزا دیتا ہے تو اگرچہ اسکے اس فعل سے مقتول کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس فعل کو جو فرض و واجب سمجھا جاتا ہے تو اسلئے کہ وہ مقتول کے سوا باقی تمام دُنیا کے امن و آسائش کو بحال رکھنے کے لیئے جو راستی کے رو سے اُن کا حق ہے تدبیر کرتا ہے اسلئے اس صورت میں اس کا فعل محض صداقت کی محبت پر مبنی ہے اور اس لئے وہ اس فعل سے صداقت اور سرچشمہ صداقت سے بہت بڑا قرب حاصل کرتا ہے پس یہی صداقت سے دور ہونا گناہ ہے اور خدا سے دور ہونا اس کا عذاب - اور صداقت سے محبت کرنا کار ثواب ہے اور خدا کا قرب اسکی جزا -

غرض ہر فعل سے جس قسم کا وصف پیدا ہوتا ہے انسان میں آیندہ اُسی وصف کی طرف میلان رکھنے کی قابلیت ہو جاتی ہے اور اسکے خلاف وصف سے بُعد - اب فرض کرو کہ کوئی قاتل اپنے فعل سے نادم اور پشیمان ہوتا ہے اور آیندہ کے لیے سچے دل سے اُس فعل سے محترز رہنے کا عہد کرتا ہے اور فرض کرو کہ اس عہد کو تا دم آخر پورا بھی کرتا ہے تو اب اس کا کیا اثر ہوگا ایک تو یہی کہ اس کے ہاتھ سے دیگر

مخلوقات امن میں رہیگی - یہ تو دنیوی مفاد ہوا - باقی رہی صداقت کی محبت جو اُخروی منتیجہ ہے سو وہ
بھی اس عہد سے اور عہد کو تا دم مرگ پورا کرنے سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے - اب رہا وہ تاریک
داغ جو اسکے دل پر قتل کرنے کے وقت صداقت کی نفرت سے پیدا ہوا تھا مگر جو ندامت اور پشیمانی
کا سوہان اسکے دل کو چھیل رہا ہے اور جو صداقت کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی تمنا اسکو
بے چین کئے دیتی ہے اس عمل سے نفرت کے سیاہ داغ کو دور کریگا وہی اثر ظاہر ہوگا جو ایک زنگ آلود
لوہے کو صیقل کرنے سے ہوتا ہے یعنی اگر قتل کرنے کے وقت صداقت سے ایک درجہ نفرت تھی
تو اس کی جگہ پشیمانی محبت کو چار درجے بڑھا دیگی - غرض قتل کرنے کو جس قدر دل کی سختی سے تعلق
ہے پشیمانی اور توبہ اس کا پورا تدارک ہے -

حقوق اللہ اور حقوق العباد

مگر اس مثال میں ایک کوتاہی ضرور ہے وہ یہ کہ گناہ کو گناہ کرنے والے سے
اور اس شخص سے جسکا گناہ کیا ہے غرض دونوں سے تعلق ہے اور جس کا گناہ کیا ہے اسکے تعلق سے گناہ دو قسم میں منقسم ہوتا ہے
ایک وہ جسکا تعلق کسی انسان سے نہیں بلکہ محض ذات خداوندی سے ہے مثلاً خدا کا انکار کرنا یا عبادت
نہ کرنا اور اسکو حق اللہ کہتے ہیں اور دوسری قسم میں وہ گناہ ہیں جن کو ذات خداوندی سے بھی تعلق
ہے اور اس کے علاوہ دیگر مخلوقات سے بھی مثلاً چوری کرنا یا کسی جاندار کو ناحق ستانا - انکو
حقوق العباد کہتے ہیں - پس جو گناہ حقوق العباد کی قسم سے ہیں ان میں صداقت سے نفرت
بھی ہوتی ہے جس سے انسان خدا سے دور ہوتا ہے اور کسی مخلوق کو اذیت بھی پہونچتی ہے اسلئے
توبہ اور پشیمانی سے صداقت کی نفرت کا اثر تو بیشک دور ہو سکتا ہے مگر جو اذیت کسی مخلوق کو پہونچ
چکی اس کا تدارک نہیں ہو سکتا - اسلئے ایسے افعال میں توبہ مفید تو بہت کچھ ہے مگر پورے طور پر گناہ
کی معافی اس شخص کے معاف کر دینے پر منحصر ہے جسکو اذیت پہنچی ہے - اور معاف کرنے کی دو ہی صورتیں
ہیں - یا تو بدلا لے لیا جائے اور دل کا غبار نکال کر کینہ دور کر دیا جائے یا عالی ہمتی سے بغیر بدلا
لئے معاف کر دیا جائے اسلئے قرآن میں حقوق العباد کے لئے یہی دو تدارک بتائے گئے ہیں اور
چونکہ بدلا لینے سے دل کو خود ہی سکون ہو جاتا ہے اور بالکل معاف کر دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے معاف

کرنیکو بڑے اجر کا باعث قرار دیا گیا ہے اور بدلا لینے کو صرف جائز کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۔ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوری پارہ ۲۵ ع ۵)	بدی کا بدلا اسی جیسی بدی ہے لیکن جو معاف کردے اور نیکی کرے اسکا بدلا خدا دیگا۔ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو ظلم برداشت کرنیکے بعد نالش کرے ایسے لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں۔ الزام ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں بیوجہ بغاوت پھیلاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے مگر جو صبر کرے اور معاف کرے تو یہ عالی ہمتی کا کام ہے
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶)	اگر تم بدلا دو تو بالکل اسیقدر ہونا چاہیے جس قدر تکلیف پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ فعل صبر کرنیوالوں کے لیے بہتر ہے۔

اور ان کے برخلاف حقوق اللہ میں چونکہ کسی مخلوق سے تعلق نہیں اور اس فعل سے صرف کرنے والے کے دل کو صداقت سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور قلب تاریک ہوکر جلوۂ ربانی کے قابل نہیں رہتا اس لیے ایسے گناہوں میں پشیمانی اور اضطراب پورا فائدہ دیتا ہے اور توبہ سے گناہ بالکل معاف ہوجاتا ہے۔

ایمان اور گناہ۔ کفر اور نیکی کا اجتماع

یہاں تک ایک ہی طرح کے فعل اور اسکی ترقی کا یا توبہ اور بار تکرار کی وجہ سے اس کے تنزل کا ذکر تھا۔ اب اگر انسان کے تمام افعال کو دیکھا جائے جن میں بعض برے ہیں اور بعض اچھے تو ان کا نتیجہ معلوم کرنیکے لیے بھی نیچر ہی سے سبق لیا جاسکتا ہے۔ نیچر میں ہم دیکھتے ہیں کہ نباتات اگتی ہیں۔ موسموں میں مختلف اتار چڑھاو ہوتے ہیں کوئی حالت ان پر برا اثر کرتی ہے اور کوئی بھلا۔ اور انجام پر کبھی کھیتی بالکل تباہ ہوجاتی ہے کبھی پورا فائدہ دیتی ہے اور کبھی محاصل ہوتا ہے مگر ناقص۔ اسیطرح حیوانات پرورش پاتے ہیں مختلف اسباب سے اچھے

اور بہت سے اثر برداشت کرتے ہین اور نباتات کیطرح تینون طرح کے انجام پر پہونچتے ہین ۔

اصولی اسباب اور معاون اسباب

آب ان چیزون کے مختلف انجامون کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسباب مین سے بعض اصولی اسباب ہین جن کے بغیر نیک یا بد اثر پیدا ہو نہین سکتا اور بعض ان اصولی اسباب کو مدد دیکر ترقی کو زیادہ کرنے والے ہین گو ان کے بغیر بھی کوئی حالت قائم رہ سکتی ہو۔ مثلاً غذا روشنی اور ہوا نباتات اور حیوانات کی پرورش کے اصولی اسباب ہین اور باغبانی اور پرورش کے عالمانہ اصول ان کے مددگار ہین - اور اسی طرح زہریلی غذا سخت حرارت یا رطوبت وغیرہ بربادی کے اصولی اسباب ہین اور اصول پرورش کی کوتاہی وغیرہ بربادی کیلئے معاون اسباب ہین - اور اگرچہ ان سب اسباب کا اثر انواع پر اور انواع کی ہر ایک فرد پر ایک دوسرے سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہوتا ہے مگر عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبتک زیست کے اصولی اسباب موجود ہین تباہی کے معاون اسباب زیست کو ناقص ضرور کر دیتے ہین مگر بالکل برباد نہین کر سکتے اور اس لئے اس حالت مین زیست کی ترقی شروع رہتی ہے اور کچھ نہ کچھ ثمرہ پیدا ہو جاتا ہے - اور اسی طرح اگر تباہی کے اصولی اسباب موجود ہین تو زیست کے مددگارون کی کوشش اپنی طاقت کے موافق تباہی مین تاخیر ضرور پیدا کر دیتی ہے مگر انجام بیشک عدم پر ہوتا ہے - اور اسی طرح اگر پہلے زیست کے اصولی اسباب موجود ہون اور بعد مین بربادی کے اصولی اسباب پیدا ہو جائین یا اسکے برعکس پہلے بربادی کے اصولی اسباب موجود ہون اور بعد مین زیست کا اصولی سامان مہیا ہو جائے تو اس حال مین بھی قوی ضعیف پر غالب آکر نتائج مین انقلاب پیدا کر دیتا ہے - مثلاً اگر درخت روشنی اور ہوا مین لگایا گیا ہے اور کچھ نہ کچھ خوراک بھی بہم پہنچائی جاتی ہے تو چونکہ یہ زیست کے اصولی اسباب ہین اسلئے اگر ان کے ساتھ باغبانی قاعدون کا بھی لحاظ رکھا جائے جو زیست کے معاون اسباب ہین تو اسحالت مین درخت پوری ترقی کریگا اور اگر تربیت مین کوتاہی کی گئی ہے تو اس وقت تباہی کے معاون اسباب موجود ہونے کے سبب درخت کی ترقی کامل نہ ہوگی مگر تاہم اسکی نشو و نما جاری رہیگی اور کسی حد تک بار ور ضرور ہوگا اور اگر بعد مین زہریلی غذا یا سخت حرارت پہونچ گئی ہے تو اس وقت چونکہ تباہی

کے اصولی اسباب پیدا ہو گئے ہین اس لئے درخت سوکھ کر فنا ہو جائیگا۔

عذاب و ثواب کے اصولی اور معاون اسباب

اب مختلف نیک اور بد اعمال کو دیکھا جاسے تو جو قاعدہ نباتات اور حیوانات کے پرورش یا بربادی کے مختلف اسباب مین ثابت ہوتا ہی یہان بھی ضرور ہے کہ وہی قاعدہ جاری ہوگا اور ضرور ہے کہ نیک اور بد نتیجہ یعنے عذاب و ثواب کے لیے بعض اصولی اسباب ہون اور بعض آن کے معاون۔ اور چونکہ ثواب صداقت اور چشمہ صداقت سے قریب ہونے کو اور عذاب اس سے بعید ہونے کو کہتے ہین اس لیے ثواب کا اصولی سبب صداقت اور سر چشمہ صداقت کی محبت ہی اور عذاب کا اصولی سبب صداقت اور سر چشمہ صداقت کی نفرت۔ اور چونکہ قتل سرقہ وغیرہ عیوب سے صداقت کی نفرت ثابت ہوتی ہے اور ہمدردی اور ایثار وغیرہ سے صداقت کی محبت اسلئے یہ افعال اصولی اسباب کے معاون ہین اور یہی وجہ ہے کہ مذہب کی بنیاد عقیدہ پر رکھی گئی ہے اور عمل کو جذبۂ مذہبی کا مددگار اور ترقی کو بڑھانے والا مانا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص خدا کو مانتا ہے اور اپنی عبودیت اور اسکی خدائی کا پختہ اعتقاد رکھتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے بڑی صداقت سے محبت رکھتا ہے اور قانون مماثلت کے رُو سے ثواب کے اصولی سبب سے بہرہ یاب ہی اسلئے اگر نقص بشریت سے وہ بعض گناہون کا ارتکاب کرتا ہی بلکہ بعض بڑے بڑے گناہون کا بھی ارتکاب کرتا ہے مگر انکو گناہ سمجھتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہی تو اگرچہ ان گناہون کے سبب اسکے اپنے اپنے درجہ کے موافق خدا سے بُعد ہوگا مگر اصولی سبب موجود ہونیکے سبب اسکی طرف ترقی جاری رہیگی خواہ کیسی ہی دھیمی رفتار سے ہو۔ اور یہ بدی کے معاون اسباب اگرچہ اپنے زور کے موافق اثر دکھائینگے مگر آخر مین نیکی کا اصولی سبب غالب آئیگا اور انجام نجات اور وصال پر ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص خدا سے انکار کرتا ہے یا خدا کو مانتا ہے مگر اس طرح کہ کسی پتھر کو خدا سمجھ لیا ہے یا کسی اور غلط اعتقاد سے کسی ناقص خدا کو مان رہا ہے تو پہلی صورت مین مکمل صداقت سے بالکل نفرت ہی اور دوسری صورت مین جس سے محبت کرتا ہے وہ صداقت نہین اس لیے

اس وقت بدی کا اصولی سبب یعنی صداقت سے نفرت اور بدی کی محبت اسمین موجود ہے - اب اگر وہ ایثار اور ہمدردی وغیرہ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہے جن سے صداقت کی محبت ظاہر ہوتی ہے تب بھی بیشک یہ نیکی کے معاون اسباب اسکی اس رفتار مین جو خدا سے دور ہونیکی طرف ہے بہت کچھ رکاوٹ پیدا کرینگے اور ایسا شخص ان لوگون کے برابر بدہ ہوگا جو انکار خدا کے ساتھ بدکار بھی ہین مگر پھر بھی نفرت اور بُعد کا اصولی سبب موجود ہونے کے سبب قانون مماثلت کے رو سے اسکی رفتار جاری دوری ہی کی جانب ہوگی اور رکاوٹین مغلوب ہوتی جائینگی -

غرض میزان عدالت مین اصولی اسباب کا اپنے خلاف معاون اسباب سے ممتاز ہونا اور اپنی ترقی مین ان کو بتدریج نابود کرتے ہوئے اپنے مماثل کیطرف بڑھنا نیچر کے ہر فعل سے ثابت ہوتا ہے اور اسکے خلاف ممکن نہین کہ اصولی سبب جو وصف رکھتا ہے اسی کے مماثل کی طرف حرکت نہ کرے اور صداقت کی صورت مین غلطی کی طرف اور غلطی کی صورت مین صداقت کی طرف آئے اور اُس چیز کو ماننے والا جو حقیقت مین خدا نہین خدا کی جانب ترقی کرے یا سچے خدا کو ماننے والے کی رفتار اُسکے خلاف ہو چنانچہ یہی اسلام کا حکم اور قرآن کا ارشاد ہے -

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (آل عمران پ ۴ ع ۱۱)

جنہون نے ہجرت کی اور اپنے گھرون سے نکالے گئے اور مجھے ماننے کے جرم پر ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم انکے ان افعال کو انکی دیگر برائیون کا کفارہ بنائینگے اور انکو جنت مین داخل کرینگے جس کے نیچے نہرین جاری ہین -

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (نساء پ ۵ ع ۳)

جن باتون سے تم کو روکا جاتا ہے اگر تم اُن مین سے بڑی بڑی برائیون سے پرہیز کرو تو ہم تمھارے چھوٹے قصور معاف کر دینگے اور تمکو معزز جگہ داخل کرینگے -

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

اس دن کا وزن حق ہے پس جس کا پلہ بھاری ہوگا ایسے لوگ رستگار ہین اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا انہون نے

فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝ (اعراف پارہ ۸ ع ۱)

اپنے تئین خسارہ مین ڈالا اسلئے کہ وہ ہماری نشانات سے ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اعراف پارہ ۹ ع ۱۷)

جن لوگون نے ہمارے نشانات کو جھٹلایا اور آخرت کا انکار کیا اُن کے اعمال ضائع ہوئے۔ جو عمل وہ کرتے ہین کیا اُن کے خلاف بدلا دیا جائے۔

وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

(توبہ پارہ ۱۱ ع ۱۳)

اور بعض وہ لوگ ہین جنہون نے کچھ عمل نیک اور کچھ بد دونو کو ملا دیا ہے اور اپنے گناہون کا اعتراف کرتے ہین امید ہے کہ خدا اُنکے گناہ معاف کر دیگا خدا بخشنے والا ہے مہربان ہے

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ لَا يُبْخَسُونَ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (ہود پارہ ۱۲ ع ۲)

جو شخص صرف دنیوی زیست اور اسی کی زینت چاہتا ہے ہم ویسے لوگون کے اعمال کا بدلا دنیا مین ہی دیدیتے ہین اور ان کے بدلے مین کمی نہین کی جاتی مگر ان کیلئے سوا دوزخ کے اور کچھ نہین اور جو کچھ انہون نے دنیا مین کیا ضایع ہوا اور انکے اعمال باطل ہو گئے

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

(ہود پارہ ۱۲ ع ۱۰)

دن کے دونون حصون مین اور رات کے کچھ حصہ مین نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیان برائیون کو دور کرتی ہین۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۙ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا ۝ (زمر پارہ ۲۴ ع ۱۷)

جو پیغمبر راستی کو لایا اور جس شخص نے اسکی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہین ان کے لیئے ان کے خدا کے پاس ہے جو وہ چاہین۔ یہ نیکبختون کا بدلا تا کہ خدا ان کے وہ برائیان معاف کرے جو انہون نے کی ہین۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ (فتح پارہ ۲۶ ع ۱)

تا مومن مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں اور ان کے بداعمال کو معاف کرے۔

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ (تغابن پارہ ۲۸ ع ۱)

جو خدا کو مانے اور نیک عمل کرے اس کے بداعمال اُسے معاف کر دیے جائینگے۔

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ (قارعہ پارہ ۳۰ ع ۱)

جس کا پلہ بھاری ہے وہ اچھی حالت میں رہیگا اور جس کا پلہ ہلکا ہے اسکا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ایمان اور نیکی

اصولی اور معاون اسباب کو دیکھنے سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب اپنے خلاف معاون اسباب کو مغلوب کر دیتا ہے وہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب موجود ہونے پر اسی قسم کے معاون خواہ کیسے ہی کمزور ہوں بہت بڑا اثر کرتے ہیں۔ بارانی زراعت سخت امساک اور حرارت کے زمانے میں جبتک اسکی جڑیں مضبوط ہیں بارش کا ایک چھینٹا پڑ جانے سے بعض اوقات یہی لہلہاتی ہے کہ گو نہری زمین کے برابر نہ ہو مگر امید سے بڑھ کر اور معمول سے بہت زیادہ مفاد دیتی ہے۔ علیٰ ہذا نادار اور بھوکے جاندار کو جبتک رشتۂ حیات استوار ہے سوکھی غذا اور روکھا ٹکڑا مل جانے سے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ گو شاہی الوان نعمت کے برابر نہ ہو مگر پھر بھی یقینی موت یقینی حیات سے بدل جاتی ہے۔ اور سبب یہی ہے کہ اصولی سبب موجود تھا اس لیے تھوڑی سی امداد نے بہت سا فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح کوئی عبودیت کا سچا اقرار کرنے والا اور خدا کو خدا ماننے والا سیاہ کاری اور بداطواری سے کیسا ہی ہلاکت کے قریب ہو لیکن جب تک یہ اقرار دل میں راسخ ہے خدا کی محبت کا ذرا سا ظہور بھی اسکی ترقی کے لیے بہت کچھ مفید ہوگا مثلاً

استغفار

ا۔ کوئی شخص افعال بد میں مبتلا ہے۔ انکو چھوڑنا چاہتا ہے مگر عادت سے لاچار ہے کبھی سب یا چند گناہوں کو ترک کرنیکا عہد بھی کرتا ہے لیکن بعد میں کوئی فوری لذت یا فائدہ

پیش آکر ایسا مجبور کرتا ہے کہ پھر عہد کو توڑ کر اسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس حالت میں پیچ و تاب کھاتا ہے اور کوشش میں ناکام ہو کر سمجھتا ہے کہ افسوس میں ہلاک ہوا۔ اور اگر خدا کی رحمت نہ ہو تو ان سیہ کاریوں کے سبب میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ خیال اسکی روح کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور وہ اس غریق کیطرح جو سمندر کی بے انتہا لہروں میں پڑا ہوا دور سے جہاز کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے۔ رحمت اور مغفرت کا خیال آنے پر دعا کے ہاتھ اس بے نیاز کے آگے اٹھاتا ہے اور نہایت بیقراری اور عاجزی سے اسکے فضل و کرم کو شفیع بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یا الٰہی کوئی چیز نہیں جس کے سبب نجات کی آرزو کروں۔ گنہگار ہوں نافرمان ہوں مگر تیرا بندہ ہوں اور تیری رحمت کے سوا کوئی پناہ نہیں رکھتا۔ غرض اس قسم کے خیالات آنے پر اگرچہ وہ توبہ نہیں کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ آج توبہ کروں گا اور کل توڑ دوں گا مگر پھر بھی برائی کے برا ہونے کا یقین دل میں راسخ ہوتا ہے اور اس برائی کے سبب اپنے تئیں برا سمجھنے سے ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے اور یہ ندامت اس سنگدلی کو دور کرتی ہے جو گناہ کے ارتکاب سے دل کو لاحق ہوئی تھی۔ اور اس طرح پر وہ صداقت کے قریب آتا ہوا جب خیال کرتا ہے کہ خدا کی رحمت کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں اور بے اختیار ہو کر دعا کرتا ہے تو اس خیال اور اس فعل سے اسکی محبت اور شوق میں اور بھی ترقی ہوتی ہے۔ غرض قلب کی یہ حالت اگرچہ پارسائی اور تقوے کے برابر نہیں مگر اس سے کمتر اور اگرچہ توبہ کے برابر نہیں مگر توبہ سے دوسرے درجہ پر گناہگاری کے داغ کو دور کرنے اور نجات کی منزل قریب کرنے میں بہت کچھ مفید ہوتی ہے۔

آرزوی رحمت اور اگر کوئی شخص اپنی مغفرت کیلئے دعا بھی نہ کرتا ہو لیکن دل میں گناہ کی قدر محسوس کرتا ہو اور جانتا ہو کہ میں ایسا بد ہوں کہ خدا کی رحمت کے سوا ہرگز بخشش کا امیدوار نہیں ہو سکتا تو اسکے اس خیال سے بھی چونکہ دل میں وہ سختی نہیں رہتی جو سیہ مست اور ناپشیمان کے دل میں ہوتی ہے اور نیز خدا کی رحمت کے خیال سے محبت کا عنصر قوت پاتا ہے اس لیے ایسا شخص بھی دیگر بدکاروں کی نسبت بہت فائدے میں ہے اور اسکے گناہ معاف ہونے کا احتمال قوی ہے۔

مگر یہ سب کچھ اسی لیے مفید ہوگا کہ محبت کا حصول اور اقرار خدا کا عنصر موجود ہے اور اگر کسی

میں یہ عنصر موجود نہ ہو تو چونکہ یہ اسباب محض معاون ہیں اسلئے چندان مفید نہ ہونگے اور اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا تو اس کا بدی پر پشیمان ہونا بُعد کی تیز رفتاری میں سستی ضرور پیدا کردیگا مگر بُعد کو قرب سے ہرگز نہ بدلیگا۔ چنانچہ اسی لئے گناہوں کے سبب جس قدر بُعد خدا کی ذات سے ہوتا ہے اسکا اثر دور کرنے کیلئے اسلام نے دعا اور پشیمانی وغیرہ نیکی کے معاون اسباب کو بڑی حد تک مفید قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اقرار خدا کے عنصر کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ اور جہاں خدا کی رحمت سے گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے وہاں خدا کی طرف جھکنے اور عبودیت کا اقرار کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جہاں خدا کے اقرار میں کوتاہی ہو وہاں ان اسباب سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ط وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ط أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

ایسے لوگ جو کسی فحش امر کے مرتکب ہوں یا اپنے اوپر ظلم کریں خدا کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا معاف کرنے والا اور کون ہے اور وہ اپنے افعال پر دانستہ اصرار نہ کریں تو ایسے لوگوں کا بدلہ خدا کی طرف سے بخشش ہے اور بہشت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں اور وہ انہیں ہمیشہ رہیں اور ایسا عمل کرنے والوں کا یہ بدلہ بہت اچھا ہے۔

وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ط

(نساء پارہ ۵ ع ۱۶)

اور جو شخص بدی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر خدا سے مغفرت مانگے تو وہ خدا کو بخشندہ و مہربان پائیگا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ

بیشک خدا شرک کو نہیں بخشتا اور اسکے سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جو شخص خدا سے شرک کرے

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (نساء پارہ ۵ ع ۱۸)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (زمر پارہ ۲۴ ع ۲)

قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ؏ (مومن پارہ ۲۴ ع ۵)

وہ بہت بڑی گمراہی میں ہے

کہدو اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو خدا سب گناہ معاف کردیگا وہ بخشندہ و مہربان ہے اور تم خدا کی طرف اور اسکے آگے سر جھکاؤ پیشتر اس سے کہ تمپر عذاب آئے اور کوئی تمہاری مدد نہ کرسکے۔

انہوں نے کہا کہ دعا کرو مگر کفار کی دعا رائیگان جانے کے سوا کوئی اثر نہیں رکھتی

محبت صلحا

۲- یا مثلاً کوئی گنہ گار نیک اور پارسا لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے تئیں ان سے کمتر اور ذلیل سمجھتا ہے تو چونکہ اس محبت کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ نیک اعمال کے پابند ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور اپنے تئیں ذلیل سمجھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ ان جیسے نیک اعمال بجا نہیں لاتا اور خدا کا قرب حاصل نہیں کرتا اسلئے حقیقت میں وہ خدا ہی کی محبت ہے جو اسے خدا شناسوں کیطرف کھینچتی ہے اور ندامت اور پشیمانی ہی ہے جو اسکو اپنے تئیں ان سے حقیر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔ پس اگرچہ وہ گنہگار ہے اور قرب ربانی اور نور معرفت سے بہرہ ور نہیں مگر اسکی پشیمانی اندرونی تاریکی کو دور کرنے میں ضرور مدد دیگی اور خدا شناسوں کی محبت اسکی روح کو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ ضرور بڑھائیگی۔ چنانچہ یہی بزرگان دین کی عظمت اور محبت کا احساس ہے جس کو شفاعت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مانا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی وساطت سے گنہ گاروں کے گناہ معاف ہونگے۔ مگر چونکہ یہ بھی اسباب معاون میں سے ہیں اسلئے پہلے خدا کا اقرار اور ایمان کا عنصر موجود ہونا ضرور ہے اور جو شخص اس نعمت سے بہرہ ور نہیں اسکو نیکوں کی محبت دوزخ کی رفتار کو ذرا سست کردینے سے زیادہ مفید نہ ہوگی۔ بلکہ اگر کوئی شخص صرف اہل اللہ سے محبت رکھتا ہو مگر کوئی نیک عمل بجا نہ لاتا ہو تو ماننا پڑتا ہے کہ اسکی دل میں

خدا کی محبت جس سے اہل اللہ کی محبت کا ظہور ہوا بہت ہی کم ہے ورنہ کچھ نہ کچھ نیکی بھی ظہور پذیر ہوتی اسلئے اس صورت مین یہ معاون سبب نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے اور اسلئے اس کا اثر ہوگا مگر بہت کم۔ اور معتدبہ فایدہ اسی صورت مین ہوگا جب اصولی سبب یعنی ایمان کے ساتھ ایسی محبت کے علاوہ کچھ نیک افعال اور بھی ہون۔ چنانچہ اسی لیے قرآن مین جہان شفاعت کا ذکر کیا ہے وہان ایک تو یہ فرمایا گیا ہے کہ حقیقت مین شفیع خدا کے سوا اور کوئی نہین جس سے جہان تک مین سمجھ سکتا ہون اس نکتہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگون کی محبت جو گناہ کو دور کرنے کے لیئے مفید ہے تو اسی لئے کہ اسکی تہ مین خدا کی محبت مرکوز ہوتی ہے پس فی الواقع گناہ کو دور کرنیکا ذریعہ خدا کی محبت ہے اور اس لیئے گنہ گارون کا شفیع اس وقت بھی اُسی کو کہنا چاہیئے۔ اور دوسرے فرمایا گیا ہے کہ شفاعت اُنہی لوگون کی ہوگی جن سے خدا راضی ہو اور جو اُس کے احکام کے ایک حد تک پابند ہین۔ اور جو یہ وصف نہ رکھتے ہون اُن کے لیئے کوئی شفیع نہین۔ چنانچہ امر اول کی نسبت ارشاد ہے :

لَیْسَ لَہَا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ (انعام پارہ ۷ ع ۸)

اُن کے لیے خدا کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہین۔

مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ط (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)

تمہارے لیے اس کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہین کیا تم خیال نہین کرتے

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا (زمرہ پارہ ۲۴ ع ۵)

کہدو کہ شفاعت سب خدا کے لئے ہے۔

اور امر ثانی کی نسبت فرمایا ہے۔

مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ ط ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط (یونس پارہ ۱۱ ع ۱)

کوئی شفیع نہ ہوگا مگر اسکے اذن کے بعد یہی خدا تمہارا پروردگار پس تم اسی کی عبادت کرو

لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَہْدًا ط (مریم پارہ ۱۶ ع ۶)

وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے مگر وہ شخص جس کے لیے خدا کا وعدہ ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ط (طٰہٰ پارہ ۱۶ ع ۶)

اس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر جس کے لئے خدا نے اجازت دی اور جس کی بات کو پسند کیا

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ط

(انبیاء پارہ ۱۷ ع ۲)

وہ نیک بندے شفاعت نہ کرینگے مگر اسی شخص کی جس سے خدا راضی ہے اور وہ نیک بندے خدا کے خوف سے ڈرتے ہین

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ط (سبا پارہ ۲۲ ع ۳)

اور نہین مفید ہوگی شفاعت مگر اس شخص کیلئے جس کی نسبت خدا نے اجازت دی

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ

(مومن پارہ ۲۴ ع ۲)

ظالمون کے لیئے کوئی ہمدرد اور لایق قبولیت شفیع نہین ہے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ط

(زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)

خدا کے سوا جن لوگون سے یہ التجا کرتے ہین وہ شفاعت کا اختیار نہین رکھتے مگر اس شخص کے لیئے جس نے حق کو قبول کیا ہے اور وہ سب یہ جانتے ہین

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ط وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ط وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ط وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ط حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ط فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ط

(مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)

انھون نے کہا کہ ہم نمازی نہین تھے ہم غرباء کو کھانا نہین دیتے تھے اور ہم انکار کرنیوالون کے ساتھ شریک ہوجاتے تھے اور ہم روز جزا کو غلط مانتے تھے حتے کہ ہمکو موت آگئی پس ایسے لوگون کیلئے شفاعت کرنیوالون کی شفاعت مفید نہوگی۔

دعا فی زمانہ مذہب کی نسبت غور و فکر کرنیوالون مین سے بعض دعا اور شفاعت کے اثر سے انکار کرتے ہین اور سبب یہ ہے کہ احکام مذہبی کو سمجھنے مین کوتاہی ہوئی ہے پہلے سمجھنے والون نے خدا کو دنیوی بادشاہون کے نمونہ کا ایک بادشاہ فرض کیا تھا جو بعض اعمال سے خوش ہوتا ہے اور بجا لانے والون کو اسی طرح انعام اور عطیے بخشتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ تعریف اور دل لگی سے خوش ہوتے ہین۔ اور

شاعرون یا نقالون کو خلعت وجاگیر بخشتے ہین اور جو بعض اعمال سے ناراض ہوتا ہے اور ایسے مجرمون کو اسی طرح عذاب اور تکلیف مین مبتلا کرتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ بے ادبی اور گستاخی پر قید یا پھانسی کی سزا دیتے ہین۔ اور اسی طرح دعا اور شفاعت کا یہ مطلب سمجھا گیا تھا کہ جس طرح بادشاہ بعض اوقات کسی کی اپنی منت خوشامد سے یا کسی مصاحب کی سفارش سے ایسا انعام دیدیتے ہین جس کا وہ مستحق نہین ہوتا اسی طرح خدا بھی دعا مانگنے سے اور بزرگون کی سفارش سے بندون کی آرزوئین پوری کر دیتا ہے۔

چونکہ ایسا اعتقاد قرین عقل نہ تھا اس لیے بعض ان باتون کو سنکر ایسے گھبرائے کہ حقیقت معلوم کرنے کی تکلیف گوارا کرنے کے بغیر مذہب ہی سے روگردان ہو گئے اور بعض نے حقیقت کا پتہ لگایا اور سمجھے کہ جزا و سزا خلعت وجاگیر کیطرح اعمال سے جدا گانہ کوئی چیز نہین بلکہ خود اعمال کی دوسری شکل اور انکا ایک لازمی نتیجہ ہے اور وہ یون کہ عملون کی جس شکل کو نیک سمجھا جاتا ہے ان سے کرنے والے کے دل مین نرمی اور صفائی اور جس شکل کو بد سمجھا جاتا ہے اسکا ارتکاب کرنیوالون کے دلمین سختی اور کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر جس طرح آئینہ صاف ہونے کی وجہ سے نور آفتاب سے چمک اٹھتا ہے اور لوہا مکدر ہونے کے سبب کسی طرح کی شعاع کو ظاہر ہونے نہین دیتا اور جس طرح آئینہ اور لوہے کے مابین صفائی کے مختلف درجون کے مطابق آفتاب کی شعاعین مختلف رنگون مین ظاہر ہوتی ہین اسی طرح کامل اتقا اور پارسائی سے دل ایسا صاف ہوتا ہے کہ نور ربانی اس پر پورے طور سے منعکس ہوتا ہے اور بالکل سیہ کار اور بد باطن کا دل ایسا مکدر ہوجاتا ہے کہ اس پر نور ربانی کا کوئی نشان ظاہر نہین ہوتا اور ان دونو حدون کے مابین پارسائی اور سیہ کاری کے مختلف درجون مین نور ربانی کے مختلف ظہور ہوتے ہین اب جو نیک اور بد اثر نور کے منعکس ہونے اور نہ ہونے یا کم اور زیادہ ہونے پر مرتب ہوتا ہے وہی اعمال کی سزا اور جزا ہے۔

غرض سزا اور جزا کی جو حقیقت سمجھی گئی ہے وہ بیشک معقول اور قابل تسکین ہے

لیکن کوتاہی یہ ہوئی کہ اس خیال کو اور آگے نہ بڑھایا گیا اور نہ دیکھا کہ دعا اور شفاعت کا مسئلہ اس اصول کے مطابق کہاں تک حل ہو سکتا ہے حالانکہ اس اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں فاعلی اثر ذات خداوندی کی طرف سے ہے اور دوسری چیزوں کو جس قدر تعلق اثر پیدا کرنے سے ہے وہ محض انفعالی ہے یعنی اشیاء اپنے اندر کسی اثر کی قابلیت پیدا کرتی ہیں اور جس قدر قابلیت پیدا کرتی ہیں مبدأ فیاض کی طرف سے اسی قدر اثر کا فیضان ہوتا ہے اور یہ قاعدہ نیک و بد افعال اور نور ربانی کے انعکاس تک ہی محدود نہیں بلکہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے مسئلہ پیدائش کے مطابق دنیا کی ہر چیز کا فاعل و خالق وہی قادر و مختار ہے اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسی کی قوت علم کے فاعلی اثر سے ہوتا ہے مگر اس نے قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ بعض چیزیں بعض چیزوں کے بعد وجود میں آتی ہیں اور ان میں سے جب کسی خاص چیز یا حالت کے بعد دوسری خاص چیز یا حالت ضرور پیدا ہوتی ہے تو پہلی کو علت اور دوسری کو معلول کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں علت کا پیدا ہونا اس قابلیت انفعال کا پیدا ہونا ہے جس کے بعد مبدأ فیاض کا فاعلانہ اثر معلول کو پیدا کرتا ہے۔

اب اس علت و معلول یا انفعال و فاعلیت کے اثر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علت و معلول کے بعض سلسلے انسانی دخل و تدبیر کے بغیر خود بخود اثر کرتے ہیں اور بعض میں دخل و تدبیر کا بھی اثر ہوتا ہے اور یہ دونو قدرت ہی کے قانون ہیں چنانچہ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ زمین میں تخم ڈالنے کے بعد آفتاب کی حرارت وغیرہ اسباب سے ایک خاص مدت میں درخت پیدا ہوتا ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ مصنوعی طور پر حرارت پیدا کرنے سے درخت وقت سے پہلے پھلنے پھولنے لگتا ہے یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انڈا جانور کے پروں کے نیچے ایک مقررہ میعاد میں بچہ نکالتا ہے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انسانی دخل و تصرف سے کسی طرح زیادہ حرارت پیدا ہونے پر میعاد سے پہلے جانور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ کسی چیز کو آگ میں ڈالو تو جلے اور یہ بھی قانون قدرت ہے کہ آتشی شیشہ کو آفتاب اور کسی چیز کے مابین حائل کر کے اس چیز کو جلا دیا

جائے۔ ان سب صورتون مین جو حرارت سرچشمۂ حرارت یعنی آفتاب کیطرف سے عمل کر رہی تھی اُس مین کوئی خلل نہین لیکن پھر بھی نتیجہ مین تقدم و تاخر ہو گیا ہے تو اسلئے کہ ایک صورت مین قابلیت محض فطری طور پر پیدا ہوئی تھی اور دوسری صورت مین مصنوعی طریقے سے بھی کچھ مدد دیگئی۔

اب انسانی ضرورتون کے اور دعا کے تعلق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کسی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اسکا سرانجام چاہتا ہے۔ اس کے اسباب اور علل کیطرف نظر کرتا ہے بعض اوقات ان اسباب کو اپنے احاطۂ قدرت سے باہر پاتا ہے اور اگر کبھی اُسکی قدرت مین ہونے بھی ہین تو اُن کو مہیا کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے کہ ہات ڈالتے ہوئے ڈرتا ہے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ تدبیر کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا مشکل ہو جائیگا اور یہ سب باتین نہ ہون اور کام نہایت آسان ہو تب بھی ایسے ناگہانی حادثون کا احتمال باقی رہتا ہے جن کے پیش آنے پر سامنے رکھی ہوئی چیز کو ہاتھ سے اُٹھا لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے غرض اپنے گرد و پیش مزاحمتون کی یہ کثرت اور اپنی قوت اور استقلال کی یہ ناپائداری اور اُدھر اپنی ضرورت کا احساس دیکھ کر گھبراتا ہے اور جب اپنے تئین نہایت لاچار پاتا ہے تو نہایت بیقراری سے اس مسبب الاسباب کیطرف رجوع کرتا ہے اور دل و جان کو اُس کے خیال مین لگا کر اور اُسکو اپنا حاجت روا اور تمام گرد و پیش کا حاکم جان کر اور اپنی درماندگی اور اسکی قدرت کا کامل تصور کر کے اس سے دعا مانگتا ہے تو اس وقت شیشۂ دل کے نور ربانی سے مقابل ہونیکے سبب اسمین مبدأ فیاض کے فیضان کی قابلیت اسی طرح پیدا ہو جاتی ہے جس طرح آتشی شیشہ کو حائل کرنے سے یا مصنوعی طور پر پودے یا انڈے کو حرارت پہنچانے سے۔ چنانچہ جو قلق و اضطراب پہلے اپنی درماندگی اور گرد و پیش کی مزاحمتون کے خیال سے دلکو گھیرے ہوئے تھا وہ خدا کو اپنا مددگار و ناصر سمجھنے سے دور ہو جاتا ہے اور اس طرح پر جو کام اسکے خود کرنے کا ہے اسکو اور زیادہ اطمینان اور قوت سے پورا کرتا ہے اور جو اسباب اُسکی جسمانی قوت سے باہر ہین اُن پر روح اور نور ربانی کا تقابل اثر کرتا ہے اور خدا کا فاعلی اثر جو پہلے صرف بیرونی تدبیرون کی وساطت سے عمل کرتا تھا اب ایک اور شفاف وسطہ پیدا ہونے پر اور زیادہ عمل کرنے لگتا ہے۔ غرض وہ یہی

قانون قدرت تھا کہ ظاہری اسباب کے مہیا ہونے پر خدا انسانی ضرورتوں کو پورا کرے اور یہ بھی
قانون قدرت ہے کہ ظاہری اسباب کے ساتھ روحانی واسطہ پیدا ہونے پر ضرورتیں زیادہ عمدگی سے
سرانجام پائیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں مبدأ فیاض کی طرف سے کوئی بخل نہیں اور نتیجہ میں
جو تفاوت ہوا ہے وہ قابلیت کی کمی زیادتی کے سبب سے ہے۔

اب اگر اعتراض ہو کہ اکثر دعا کی جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ اکثر
دوا کی جاتی ہے اور صحت نہیں ہوتی تو وجہ یہ کہ دنیا میں بے انتہا قوانین قدرت اپنی قوت اور
ضعف کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ دوا کا اثر بھی ایک قانون ہے جو صحت پیدا کرتا ہے اور دیگر
واقعات گرد و پیش بھی قانون ہیں جو صحت کے خلاف اثر کر رہے ہیں۔ اور جس وقت ہم کہتے ہیں
کہ دوا نے اثر نہیں کیا اس وقت حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اثر ضرور کیا اور اگر وہ نہ ہوتی تو
مرض کی صورت کچھ اور ہوتی۔ مگر اس کا اثر نمایاں نہیں ہوا اسلئے کہ دیگر مخالف اسباب اس کثرت
سے تھے کہ دوا کے اثر کے بعد بھی انکی بہت سی مقدار موجود رہی یا بعض اوقات دوا ان شرائط
اور لوازم کے ساتھ نہیں دی جاتی جو اثر کے لیے ضرور ہیں اور اس لیے اس وقت کچھ فایدہ محسوس
نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس وقت دعا کا اثر نہیں ہوا اس وقت بھی خدا ہی کے مقرر کیے ہوئے بہت
سے قوانین خلاف اثر کر رہے تھے اور اس لیے نور ربانی کی جس قدر لہر روح کو مقابل کرنے سے اس طرف
آئی تھی اس نے اثر کیا مگر اسکے بعد بھی وہ لہریں جو پہلے دوسری سمت میں اثر پیدا کر چکی تھیں انکی
قوت کی بڑی مقدار موجود رہی اور اس نے دعا کے اثر کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ یا بعض اوقات
اس خضوع و خشوع میں کوتاہی ہو جاتی ہے جو دل کو خدا کی طرف متوجہ کرنے کے وقت ضروری ہے
اور اس لیے دعا کچھ فائدہ نہیں بخشتی۔

یہ تو دعا کا تعلق تمام ضروریات کے ساتھ تھا اور اسمیں خدا کی طرف متوجہ ہونے سے ان کا م
گرد و پیش کے حالات پر اثر پڑتا ہے جو ہماری اپنی قدرت سے باہر ہیں۔ کیونکہ اگر ان چیزوں پر ہمارا قابو نہیں
تو جس ذات کا تصور اس وقت دل میں قائم ہے وہ تمام اشیا پر متصرف ہے لیکن ایسی دعا کا فائدہ یہی ہے

صورت میں ہوسکتا ہے کہ نیکی کا اصول یعنی ایمان ہماری دل میں راسخ ہو ورنہ جو شخص خدا کا قائل نہیں وہ اسکی طرف توجہ بھی نہیں کرسکتا اور جس نے ایسی چیز کو خدا مان لیا ہے جو واقع میں خدا نہیں وہ اگرچہ اپنے مانے ہوئے خدا کی طرف توجہ کریگا مگر وہ خدا تمام عالم پر متصرف نہیں اسلئے ایسی توجہ کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ رہی وہ دعا جو ہم خاص اپنے گناہوں کی معافی کے لیے کرتے ہیں اور ہمیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا علاوہ اُس نور کے جو ہم اپنے شیشہ دل کو ذات ربانی سے مقابل کرکے حاصل کرتے ہیں دل میں گناہوں پر ندامت اور پشیمانی بھی ہوتی ہے اسلئے یہ حاجت دعا سے بطریق اولے پوری ہوگی اور بدی کی سختی دور ہوکر خدا کی محبت ترقی کریگی۔

غرض دُعا کا مسئلہ اسی اصول پر حل ہوتا ہے جس پر جزا و سزا کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے اس لیئے دونو مسئلہ صحیح اور قابل تسکین ہیں اور اسی لیے اسلام کا حکم ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور نہایت عاجزی سے مانگو وہ تمھاری تکلیف دور کریگا اور اگر اسکے سوا کسی اور سے مانگوگے تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ ارشاد ہے

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ط

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۳)

اور جب میری نسبت میرے بندے پوچھیں تو کہدو کہ میں قریب ہوں اور جو کوئی مجھے پکارے میں اسکی دُعا قبول کرتا ہوں پس چاہئے کہ وہ مجھے مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ فلاح پائیں +

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ط إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (اعراف پارہ ۸ ع ۷)

اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا +

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ط (اعراف پارہ ۹ ع ۲۴)

خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں پس اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو اور وہ تمھاری دُعا قبول کریں +

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ

کہدو کہ خدا کے سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو انکو پکارو

فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا (بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۶)

وہ تمہاری تکلیف کو دور کرنیکا یا اسمین تخفیف کرنے کا اختیار نہین رکھتے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ (نمل پارہ ۲۰ ع ۵)

بیقرار جب پکارتا ہے تو اسکی دعا کون قبول کرتا ہے اور اسکی تکلیف کو کون دور کرتا ہے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم غور کرتے ہو

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

خالص خدا پر ایمان لاکر اس سے دعا کرو۔ خواہ کفار ناگوار سمجھین

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (مومن پارہ ۲۴ ع ۶)

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھسے دعا کرو مین قبول کرونگا۔ مگر جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہین وہ ذلیل ہوکر جہنم مین جائینگے۔

هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (مومن پارہ ۲۴ ع ۷)

وہ زندہ ہے اور معبود اسکے سوا کوئی نہین تم خالص اس پر ایمان لاکر دعا کرو۔ اسی قسم کی تعریف خدا کے لیئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

شفاعت اب شفاعت کے مسئلہ کو دیکھا جائے تو اس کی مفروضہ شکل یعنے یہ کہ نیک بندے خدا سے کہکر گنہ گارون کے گناہ بخشوا لین گے بالکل انہی معنون مین جو ان لفظون سے ظاہر مین سمجھے جاتے ہین یعنی یہ کہ گنہ گار کی طرف سے کوئی کوشش نہ ہو اور محض سفارش سے اسکو نیکون کا درجہ ملجائے قابل تسکین نہین کیونکہ اس صورت مین بدی کا جو اس نے کی ہے کوئی بدلا نہین ملتا اور نیکی جو اس نے کی نہین اسکا عوض دیدیا جاتا ہے جسکی کوئی وجہ نہین اور چونکہ یہ واقعہ عالم آخرت سے متعلق ہے جہان کا عینی تجربہ ہمکو حاصل نہین اسلیئے جیسا کہ پہلے گذشتہ باب مین غور کیا گیا ہے ایسے واقعات مین کیون کا جواب ملنے اور وجہ معلوم

ہونے کے بغیر تسکین نہین ہوتی اور اسی لیے ایسا مسئلہ اصل مذہب کیطرف سے پیش نہین ہوا۔ بلکہ اسکے خلاف جو لوگ اپنے مختلف معبودون کو اپنا شفیع ٹھیراتے تھے ان کے خیال کی تردید کیگئی ہے اور کہدیا گیا ہے کہ قیامت کو ہرگز سعی و سفارش کام نہ دیگی اور بے وجہ کوئی انعام نہ ملیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ط
(بقرہ پارہ ۱ ع ۱۵)

ایسے دن سے ڈرو جس مین کوئی شخص دوسرے شخص کے عوض مین پکڑا جانا پسند نہ کریگا اور جس دن کوئی تاوان نہ لیا جائیگا اور کوئی شفاعت مفید نہ ہوگی اور انکی مدد نہ کی جائیگی

مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ
(بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)

نیک بنو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس مین نہ ثواب کی خرید فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت کام دیگی ؛

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط
(بقرہ پارہ ۳ ع ۴۰)

انسان کو مفید یا مضر وہی ہے جو وہ خود کسب کرے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ط (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۴)

کیا تم سمجھتے ہو کہ بہشت مین چلے جاؤگے حالانکہ خدا کو معلوم نہ ہوا ہوگا کہ تم مین سے کس نے کوشش کی ہے اور کون صابر ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ط (انعام پارہ ۸ ع ۲۰)
(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۲) (زمر پارہ ۲۳ ع ۱) (فاطر پارہ ۲۲ ع ۳)

کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھاتا۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ط (انفال پارہ ۱۰ ع ۱)

تا جو ہلاک ہو وہ بھی کسی وجہ سے ہلاک ہو اور جو رستگار ہو وہ بھی کسی وجہ سے رستگار ہو

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ

وہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہین ایسے معبودون کی

وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ط قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (یونس پارہ ۱۱ ع ۲)

جو نہ نقصان دے سکتے ہین اور نہ فایدہ - اور وہ کہتے ہین کہ یہ خدا کے پاس ہماری شفاعت کرینگے کیا تم خدا کو سکھاتے ہو ایسی بات جس کا زمین آسمان مین کہین وجود نہین

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ط (مومن پارہ ۲۴ ع ۲)

آج ہر شخص کو اُسکے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آج ظلم نہ ہوگا -

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۲)

ہر شخص پابند ہے اسی چیز کا جو اس نے کسب کی -

ترغیب کا فائدہ

مگر کیا نیکبختون سے اور انکی نیکی سے دوسرون کو کچھ بھی فائدہ نہین پہنچتا؟ نہین یہ کہنا بھی مشکل ہے کسی قوم مین بعض افراد مہذب اور نیک خیال ہین اور باقی سب وحشی اور ناہنجار - تو اگر وحشی لوگ اہل تہذیب کی ترغیب یا انکی مثال سے متنبہ ہوکر اپنے اطوار کو بدل لین تو ضرور اسی نتیجہ مین حصہ دار ہو جائینگے جو اہل تہذیب کے افعال پر مترتب ہے - مگر ان کو اپنی حالت بدلنے کی توفیق کیون ہوئی؟ اس لئے کہ دوسرون کی ترغیب اور انکا نمونہ موجود تھا پس یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو نیکبختون کے وجود سے دوسرون کو پہنچا - یہ ضرور ہے کہ پہنچا اسی لیے کہ بدکارون نے انکی ترغیب اور نمونہ کی طرف توجہ کی اِسلئے یہ فائدہ ایسا نہین جسمین بدکارون کے اپنے عمل کو کچھ بھی دخل نہ ہو -

معیت کا فائدہ

اِسی طرح کسی ملک مین بعض لوگ حفظ صحت کے قواعد کی مطلق پروا نہین کرتے اور نہایت غلیظ زندگی بسر کرتے ہین مگر ان کے ساتھ ہی بعض لوگ اپنے تنئین اور اپنے مکانون کو اور کوچون کو نہایت صاف ستھرا رکھتے ہین - اب اگر میلا رہنے والے ان کو دیکھ کر اپنی حالت نہ بدلین مگر ایسے وحشی بھی نہ ہون کہ صاف رہنے والون کے دشمن ہو جائین اور ان کو اپنی طرح گندا رہنے پر مجبور کرین تو اس صورت مین اگر ان مین وبا سرایت کریگی تو اس مین

وہ شدت نہ ہوگی جو تمام آبادی کے گندا ہونے کی صورت مین ہوتی۔ غرض اس وقت بھی میلا رہنے والون کو اپنے مہذب ہموطنون کے وجود سے فائدہ پہنچا گو بالکل بے وجہ یہان بھی نہین۔ اسلئے کہ اگرچہ اُنھون نے اپنی طرف سے کوئی عمل نہین کیا مگر اتنا تو کیا کہ اپنی گندہ حالت کو ترقی دینے کی کوشش نہین کی اور دوسرون کی صفائی مین مانع نہین ہوئے اس لیئے جس قدر اُن کے اس فعل کا اثر ہو سکتا تھا اسی قدر فائدہ بھی حاصل ہوگیا۔ اور اگر وہ ذرا اپنے فعل مین ترقی کرتے اور اپنی غلاظت کو بھی کم کرنے لگتے تو اس سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے۔ اب نیکی اور بدی کو دیکھا جائے تو وہان بھی یہی قاعدہ جاری ہے کہ نیکون کی ترغیب اور نمونے سے جو نیک بنجاتے ہین وہ ویسے ہی فائدے بھی حاصل کرتے ہین اور جو انکی تقلید نہین کرتے لیکن ان کے نیک افعال مین مزاحم بھی نہین ہوتے انکی سوسائٹی کی سیہ کاری اور سنگدلی مین وہ ترقی نہین ہوتی جو تمام آبادی کے بدکار ہونے کی صورت مین ہوتی اور اسلئے جو کچھ اس کا نتیجہ ہوگا وہ بھی شدت مین آخرالذکر کے نتیجہ سے کمتر رہیگا۔ چنانچہ ان دونو صورتون کی نسبت قرآن مین ارشاد ہے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (انفال پارہ ۹ ع ۱۸)

خدا ان کو عذاب نہین دیگا تم جبتک انکے درمیان موجود ہو اور خدا ان کو عذاب نہین دیگا جب کہ وہ بخشش مانگین۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (طور پارہ ۲۷ ع ۱)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے پیرودن نے ایمان مین انکا اتباع کیا تو ہم انکے پیرودن کو ان کے ساتھ ملا دینگے اور انکے عمل مین سے کچھ کم نہ کرینگے ہر شخص پابند ہے اُس عمل کا جو اس نے کسب کیا۔

محبت کا فائدہ اب ایک اور قوم فرض کی جائے جو نیکون اور بدکارون پر شامل ہے اور بدکار نکوکارون کی تقلید نہین کرتے مگر ان کی نیکی کو اچھا سمجھتے ہین اور ان سے محبت کرتے ہین اس وقت اگر نکوکارون کی نیکی جسمانی قسم کی ہے مثلاً صفائی اور قواعد صحت کی پابندی تو اس صورت

ہین بیشک ان سے محبت کرنیوالون کو جبتک انکی تقلید سے خود کوئی عملی ترقی نہ کرین کچھ فائدہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ نیکی روحانی قسم کی ہے تو چونکہ اس کا تعلق محض دل سے ہے اور ایسی نیکی کو نیکی اسی سے کہتے ہین کہ اس سے دل مین صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی محبت ترقی کرتی ہے اسواسطے ایسے نیکو کارون سے محبت رکھنا اور انکی نیکی کو قابل تحسین سمجھنا خواہ اسکی تقلید نہ ہو خود ایک قلبی عمل ہے جس مین نیک سے محبت ہے جس سے نیکی کی محبت ثابت ہوتی ہے اور نیکی کی محبت ہے جس سے خدا کی محبت ثابت ہوتی ہے اور خدا کی محبت اس کے وصال کا زینہ ہے اسلئے ایسے لوگون کو نیکون کے وجود سے بہت بڑا فائدہ پہنچا اور جس طرح ایک آئینہ کو دھوپ مین رکھنے سے دیکھنے والیکو آئینہ دکھائی نہین دیتا بلکہ خود آفتاب جلوہ گر نظر آتا ہے اور پھر اس آئینہ سے اور چیزون تک جو سایہ مین ہون آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے اسی طرح یہان جو لوگ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہین اور افعال حسنہ سے اپنے دل کو آئینہ سان صاف رکھتے ہین جلوہ ربانی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتے ہین اور پھر جو لوگ اعمال بد کیطرف متوجہ ہونے کے سبب گویا آفتاب وحدت سے براہ راست مقابل نہین ہین اگر اپنے دل مین نیکون کی محبت رکھتے ہین تو نور ربانی نیکون کی وساطت سے منعکس ہوکر انکو منور کرسکتا ہے لیکن آئینہ کی وساطت سے جو نور منعکس ہوتا ہے وہ اگر کسی سیاہ چیز پر پڑے تو اسکی کوئی شعاع نمایان نہین ہوتی اور دوسری قسم کی چیزون پر انکی اپنی صفائی اور تاریکی کی نسبت سے نور کا جلوہ مختلف ہوتا ہے اور اگر وہ چیز بھی آئینہ ہو تو نور آفتاب پہلے آئینہ کی وساطت سے اس آئینہ مین بھی پوری قوت سے نظر آتا ہے اسی طرح نیکون کی محبت سے جو خدا کا نور گنہ گارون پر جلوہ کریگا اسکا جلوہ بھی انکی اپنی صفائی اور کدورت کی نسبت سے مختلف ہوگا اور اگر کسیکا دل بالکل سیاہ ہے تو اسکو اس نور سے کچھ فایدہ نہ پہنچیگا۔ غرض یہ بھی ایک فائدہ ہے جو صلحاء کے وجود سے گنہ گارون کو پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ نور ایمان سے منور ہون۔ اور اس کی نسبت قرآن مین ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿ مائدہ پارہ ۶ ع ۸ ﴾

اور جو شخص خدا سے اسکے رسول سے اور اہل ایمان سے محبت رکھے (وہ خدا کے گروہ میں شامل ہے) اور خدا کا گروہ غلبہ پانیوالا ہے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ؕ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿ مائدہ پارہ ۷ ع ۱۱ ﴾

اور ہم کیون نہ ایمان لائین خدا پر اور اس ہدایت پر جو ہمارے پاس آئی ہے حالانکہ ہم آرزو رکھتے ہین کہ خدا ہمکو نکوکار قوم کے ساتھ شامل رکھے پس خدا نے ان کے اس قول پر انکو بدلا دیا اور بہشت مین داخل کیا جسمین نہرین جاری ہین اور نکوکارون کا اجر یہی ہوتا ہے

غرض نکوکارون کی وجہ سے بدون کو فائدہ پہنچنے کی یہ تین شکلین ایسی ہین جن سے واقعات عالم کو دیکھنے پر انکار نہین ہوسکتا۔ اور اگرچہ ان سب صورتون مین خود گنہ گارون کیطرف سے کسی نہ کسی شکل مین کوئی عمل ہوتا ہے مگر اس مین بھی شک نہین کہ جو منفا دان صورتون مین حاصل ہوا ہے اس مین نکوکار ایک ذریعہ اور واسطہ ضرور ہین اور جو نور ان کے واسطہ سے گنہ گار تک پہنچا ہے اسکا فیضان حقیقت مین خدا کی طرف سے ہے پس اس صورت مین لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى کا قاعدہ اور انسان کا اجر اسکے اپنے عمل پر منحصر ہونا بھی صحیح ہے کیونکہ گنہ گار نے تقلید یا محبت وغیرہ کچھ نہ کچھ عمل کیا ہے اور لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى کا استثنا اور شفاعت کو مانکر اسکو خدا کی رضامندی پر منحصر رکھنا بھی صحیح ہے اسلئے کہ گنہ گار کے اس عمل سے رضامند ہوکر خدا نے نیکون کی نیکی کا اثر اس تک پہنچانے کا قانون جاری کیا ہے اور لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا سے اصلی سرچشمہ فیضان کا پتہ دینا بھی درست ہے اسلئے کہ فیض جو کچھ پہنچا ہے وہ حقیقت مین خدا کی طرف سے ہے۔ اسلئے شفاعت سے قطعاً انکار کرنا اور علیحدہ کرکے جود کو بدکارون کے حق مین بالکل بیسود سمجھنا نیچر کی شہادت سے چشم پوشی کرنا ہے۔

دعا کا فائدہ — مگر ابھی اس بارہ مین کچھ اور بھی کہا جاسکتا ہے۔ نیچر کے بے انتہا قوانین میدا جدا اور

ایکدوسرے کیساتھ مل کر عمل کر رہے ہین اور مختلف شکلون سے اثر مین اختلاف ہوجاتا ہے سٹیم انجن
کا گاڑیون کو کھینچنا ایک قانون کا عمل ہے مگر جب ٹرین کسی پہاڑی نشیب مین آ رہی ہو تو اس قانون کے
ساتھ کشش ثقل کا قانون اور مل جاتا ہے اور اثر زیادہ ہوجاتا ہے اسی طرح نکوکارون کی ترغیب یا
انکی صحبت سے جو فائدہ گنہ گارون کو پہونچتا ہے اگر اسکے ساتھ نکوکارون کی دعا بھی شامل ہو تو دعا
کا قانون پہلے قوانین کے ساتھ ملکر اثر کو اور دوبالا کر دیگا کیونکہ دعا مین انسان کو خدا کی طرف ایسی
ہی براہ راست توجہ ہوتی ہے جیسی آئینہ کو قرص آفتاب سے متوازی رکھنے پر اور پھر مذہبی تعلیم مین تاکید
ہے کہ انسان کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہین ہونی چاہیئے بلکہ اعمال کے دائرہ مین جس
قدر سعی اپنی حالت کو درست کرنے کیلئے کرتا ہے اسی قدر دوسرون کو راہ راست دکھانے اور انکی
حالت درست کرنے کے لئے ہونی چاہیئے اور خدا کی طرف توجہ کرنے کے وقت جہان اپنی مغفرت اور
نجات کی التجا کرتا ہے وہان اپنے گنہ گار بھائیون کو بھی فراموش نہ کرے اور ان کے لئے بھی اسی
خشوع و خضوع سے بارگاہ ربانی مین ملتجی ہو اور ہم دیکھتے ہین کہ اعمال کے دائرہ مین نکوکار کی کوشش
رائیگان نہین جاتی اور ان کی ترغیب و تحریص سے اکثر بندگان خدا کو فائدہ پہونچتا ہے تو پھر
کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اسکا خدا کی طرف توجہ کرنیکا وقت جو سب سے زیادہ پاکیزہ وقت ہے دوسرون
کے حق مین بالکل رائیگان جائیگا اور جب اس نے اپنے آئینہ دل مین نور ربانی کو منعکس کرنے کے
وقت اپنے عاجز بھائیون کی یاد سے اس نور کو انکی طرف مائل کیا ہے اس وقت اسکی شعاعین قانون
قدرت کو توڑتی ہوئی فضا مین ضائع ہو جائینگی اور گنہ گار کی حالت پر کچھ اثر نہ کرینگی نہین بلکہ قیاس یہ
چاہتا ہے کہ جس وقت انسان کسی اپنی ضرورت کے لئے خود دعا کرتا ہے اس وقت اسکی ایک توجہ
خدا کی طرف ہے تو دوسری اپنے مطلب کی طرف اس لیے اس وقت وہ ایسا آئینہ ہے جو قرص آفتاب کے
متوازی رکھا نہین گیا بلکہ اسکا ایک پہلو آفتاب کی جانب ہے اور دوسرا پہلو کسی اور چیز کی طرف جسکی
وجہ سے ضرور ہے کہ آفتاب کی شعاعین پوری قوت سے عمل نہ کرین لیکن جب کوئی نیک بندہ کسی
اور شخص کیلئے بغیر اپنی ذاتی غرض کے دعا کرتا ہے اس وقت اسکی توجہ میں دوسری چیز کیطرف سے

وہ محض نیکی اور فائدہ رسانی ہے اسلئے اس وقت آئینہ قلب ایک پہلو سے خدا کی جانب ہو تو دوسرے پہلو سے ایسی روشنی کی جانب جو خود بھی نور ربانی کو جذب کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور اس لیے اس وقت اُن شعاعون کا اثر زیادہ قوی ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسالتمآب نے (صلی اللہ علیہ وسلم) مسئلہ دعا کی تفسیر مین فرمایا ہے کہ ایسی زبان سے دعا مانگو جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ حاضرین نے عرض کی کہ ایسی زبان کس کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تمنے گناہ کیا ہے تو اپنی زبان سے۔ غیر کی زبان سے تمنے کوئی گناہ نہین کیا اسلئے جو دعا دوسرا شخص کسی کے لئے کریگا وہ اس کے حق مین بیگناہ زبان سے ہوگی (صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) بیشک غیر کی دعا غرض نفسانی سے پاک اور حسبۃً للہ ہوگی اسلئے اسکی قبولیت مین کوئی شبہ نہین ؞

کبھی شفاعت کے خیال سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

البتہ شفاعت کی اس صورت مین یہ اعتراض قوی معلوم ہوگا کہ انسان کی اپنی سعی کے بغیر اسکو فائدہ پہنچا اور بیشک غیر کی دعا سے جو فائدہ پہنچنے کی امید ہے اسمین انسان کا اپنا فعل نظر نہین آتا۔ مگر آہ! قلبی حرکتین اور ان کے اتار چڑھاؤ ہوتے ہی ایسے مخفی ہین کہ بعض اوقات خود اپنے تئین معلوم نہین ہوتا کہ میرا دل کیا عمل کرتا ہے۔ اور یہ صرف قدرت ربانی ہی کا خاصہ ہے کہ وہ مخلوقات کے ہر ذرہ کی حرکت سے واقف ہے اور کسی حرکت کو رائگا نہین جانے دیتی۔ چنانچہ اس وقت بھی جہان نیکوکارون کو اوقات خاص مین اپنے گنہگار بھائیون کو یاد رکھنے کا حکم ہے وہان گنہگارون کو بھی علم ہے کہ ہماری بہبود کے لئے ایسا حکم دیا گیا ہے۔ اچھا تو اس وقت اُن کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے بعض تو سمجھتے ہین کہ ہمکو بزرگون سے توسّل ہے اور انکی برکت ہمارے لئے کافی ہے چنانچہ اس خیال سے تکبر اور غرور ان کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ عاجزی اور عبودیت کا خیال جو خدا کی محبت پیدا کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہے دل سے مفقود ہو جاتا ہے اور وہ نہایت دلیری سے فسق و فجور مین منہمک ہو جاتے ہین اسلئے ایسے لوگ اُس برکت اور دعائے مغفرت کے مستحق نہین رہتے بلکہ وہ اس سیاہ تختہ کی مانند ہوتے ہین جو آئینہ کی سامنے رکھا ہے اور آفتاب کی شعاعین آئینہ مین سے

گذر کر وہاں کچھ روشنی پیدا نہیں کرتین۔ بلکہ سیاہ کاری کے ساتھ یہ غرور اور خودستائی ملکر عذاب المضاعف ہوجاتا ہے گویا سیاہ تختہ کو بجائے روشن کرنے کے حرارت نے اور جلا دیا۔ چنانچہ اسلام نے قلب کی ایسی حرکت اور اس کے بدنتیجہ سے زور کے ساتھ آگاہ کیا ہے اور یہود و نصاری جو پیغمبرون کی شفاعت اور کفارہ کے خیال سے اپنے تیئن بالکل ناجی یا عذاب کے کم مستحق سمجھتے تھے انکے خیال کی تغلیط کی ہے اور بتایا ہے کہ کوشش کو گناہون مین صرف کرکے شفاعت و کفارہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور اسی طرح جناب رسالت مآب کے اہل بیت کو آگاہ کیا گیا ہے کہ نبی کا توسل حاصل کرنے کے بعد اگر گناہون مین انہماک ہوگا تو عذاب دوگنا دیا جائیگا۔ ارشاد ہے۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (بقرہ پارہ ۱ ع ۹)

وہ کہتے ہین کہ ہمکو صرف چندروز کیلئے عذاب ہوگا۔ کہدو کہ کیا تمنے خدا سے عہد لیا ہے یا خدا کی نسبت ایسے بات کہتے ہو جو جانتے نہین۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۱)

یہ اسلئے کہ وہ کہتے ہین ہمکو صرف چندروز عذاب ہوگا اور ان کے اس افترا نے انہین مغرور کر دیا ہے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم (مائدہ پارہ ۶ ع ۳)

اور یہود و نصارے کہتے ہین کہ ہم خدا کی اولاد اور اسکے عزیز ہین۔ کہدو کہ پھر تمہارے گناہون کی سزا کیون ملتی ہے

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (احزاب پارہ ۲۲ ع ۲)

اے نبی کی عورتو! تم مین جو بڑے گناہ کریگی اسے عذاب دوگنا دیا جائیگا۔

کبھی شفاعت سے کوشش کا بطلان ہوتا ہے۔

غرض یہان ہمنے دیکھا کہ قلب کی حرکت اصول محبت کے خلاف تھی۔ اسلئے اس وقت بزرگون کے توسل کو بھی بے سود کہا گیا ہے اور اگر انسانی قلب شفاعت کے خیال سے ہمیشہ یہی حرکت کیا کرتا تو بیشک شفاعت کا اثر ظاہر نہ ہونے کے

سبب سے بیسرو مانا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا ایسا ہی خیال نہین ہوتا۔ بلکہ بعض اس خیال سے کہ ہمارے بزرگ ہماری نجات اور رستگاری کے آرزومند ہین اپنی سیہ کاری اور بد اطواری سے شرمندہ ہوتے ہین اور جہان تک انکے اپنے امکان مین ہوتا ہے اپنے تئین بزرگون کی دعا کا مستحق بنانے کی کوشش کرتے ہین اور جب کبھی کسی وجہ سے بدی اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہین یا عادت وغیرہ سے عاجز ہوکر کوئی چارہ کار نہین دیکھتے تو خدا کی رحمت کے ملتجی ہوتے ہین اور اس نور کی آرزو کرتے ہین جو قلوب مصفی کی وساطت سے زمین و آسمان کو روشن کر رہا ہے اسلئے انکی عاجزی رحمت کی تمنا اور بزرگون کی محبت یہ سب کچھ بلکہ انکے دل کو خدا کی طرف متوجہ ہونے مین مدد دیتا ہی اور یہی وہ وقت ہی جبکہ بزرگون کی دعا انکے دلی خیالات کے ساتھ ملکر گناہون کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہین اور یہی مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت اگر ایک ثواب ان کے نیک اعمال نیک کوشش اور محبت کا ملتا ہے تو دوسرا ثواب بزرگون کی دعا سے حاصل ہوتا ہی۔ غرض اسوقت انکا اپنا دل بھی کسی قدر صاف ہوتا ہے اور اسی سبب سے نور آفتاب آئینہ کی وساطت سے انکو منور کرسکتا ہی۔ اور اب اگرچہ یہ فائدہ پہنچا بزرگون کی دعا سے مگر انسان کی اپنی حرکت کا اسمین بھی دخل ہے اسلئے شفاعت کی اس قسم پر بھی وہ اعتراض نہین ہوسکتا کہ انسان کے اپنے فعل کو دخل نہین۔ اور جب پہلی قسم کی حرکت پر شفاعت وغیرہ کے اثر سے مایوس کردیا گیا تھا اگر اس دوسری قسم کی حرکت پر اسکے فائدے کی امید نہ لائی جاتی۔ چنانچہ اہی سے لئے اہل بیت نبوت کو جہان بدی پر دلیر ہونے کے وقت دگنے عذاب کی دھمکی دیگئی تھی وہان ساتھ ہی فرما دیا گیا ہے کہ اگر تم خدا اور رسول کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی کوشش کروگی تو ثواب بھی اورون سے دگنا پاؤگی۔ ارشاد ہے

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا (احزاب ۲۲ پارہ ع ۲)	اور جو تم مین سے خدا اور رسول کی طاعت کرے اور نیک عمل بجا لائے ہم اسکو دگنا اجر دینگے اور اس کے لئے عمدہ روزی تیار کرینگے۔

غرض دعا اور بزرگون کی دعا یعنی شفاعت دونون ایک حد تک مفید ہین اور وہ حد یہی ہے

جبکہ انسان کا اپنا دل بھی ادہر کو بڑھنے کی کوشش کرتا ہو اور جب اُدھر سے ایسی کوشش مطلق نہ ہو بلکہ رفتار اسکے خلاف ہو تو دعا بھی کچھ مفید نہ ہوگی اسی لیے اسلام مین ایماندارون کے لیے دعا کرنے کا بھی حکم ہے اور جہان یہ تو موجود نہین وہان کے لیے فرما دیا گیا ہے کہ لاکھ دعا کرو کچھ نہ ہوگا چنانچہ ارشاد ہے ۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ط

(آل عمران پارہ ۴ ع ۱۷)

یہ خدا کی رحمت ہے کہ تم اپنے ہمراہیون کیلئے نرم ہو گئے ہو اور اگر تم بدخلق اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے پس انکی لغزشون سے درگزر کرو اور انکی معافی کیلئے دعا کرو اور ان سے مشورہ لیا کرو ۔ اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو تو خدا پر بھروسہ کرو وہ بھروسہ کرنیوالون کو پسند کرتا ہے ۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

(توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۶)

انکے لیے معافی مانگو یا نہ مانگو۔ اگر ان کے لیے ستر دفعہ دُعا مانگو گے جب بھی خدا انکو ہرگز معاف نہ کریگا کیونکہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہین رکھتے ۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ط

(ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۱۸)

اے ہمارے پروردگار قیامت کے دن مجھکو بخش دے میرے والدین کو بخشدے اور مسلمانون کو بخشدے

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

(محمد پارہ ۲۶ ع ۲)

اور جان لو کہ لائق عبادت صرف خدا ہے اور اپنے گناہون کے لیے اور مسلمان مردون اور عورتون کے لئے خدا سے معافی مانگو

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ

اور جو لوگ ان سے پیچھے آتے ہین کہتے ہین اے پروردگار ہمکو بخش اور ہمارے بھائیون کو

سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (حشر پارہ ۲۸ ع ۱)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (منافقون پارہ ۲۸ ع ۱)

بخش جو ایمان میں ہم سے پیشرو ہیں اور ہمارے دل میں ایمانداروں کیطرف سے کینہ نہ رہنے دے۔ اے پروردگار تو رؤف و رحیم ہے

اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے معافی مانگینگے تو سر پھیرتے ہیں اور تکبر سے روگردان ہوتے ہیں پس خواہ تم اُن کے لئے معافی مانگو یا نہ مانگو خدا انہیں ہرگز نہ بخشیگا۔ کیونکہ فسق کا نتیجہ ہدایت خدا کا قانون نہیں۔

باب دوازدہم

جزاء و سزا کا دوام

ترقی دائمی قانون ہے۔ اپچٹیزم اور پلیپیمزم۔ تناسخ کی صورت میں بھی یہاں کا اثر بدل نہیں سکتا۔ عالم برزخ۔ روحانی صفات۔ غور و فکر روح کی صفت نہیں۔ بدھ اور مسیح کی مثال۔ کمال تک پہنچنے کی سبیل۔ خدا کی قدرت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

ترقی دائمی قانون ہے

دنیا میں نیکی اور بدی کا وجود اور اسکی نیک و بد نتائج اور نیک و بد نتائج کی ترقی دیکھنے کے بعد اور یہ دیکھنے کے بعد کہ جس قسم کی ترقی کے اصولی اسباب موجود ہوں وہ اپنے خلاف قسم کے معاون اسباب پر بہت برتری غالب آجاتی ہے اور انجام اسی حالت پر ہوتا ہے جس کے اصولی اسباب موجود ہیں یہ سوال ہوتا ہے کہ آیا ان اصولی اسباب کے نتائج بھی ہمیشہ رہیں گے یا کسی حد پر جاکر ختم ہو جاینگے؟ یہ سوال نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے نیکی اور بدی کرنیوالوں کے زمانہ قیام

کو دیکھنا چاہئے اور چونکہ نیکی اور بدی کا روحانی اثر خدا کا قرب یا اس سے دور ہونا ہے اسلئے ذات
خداوندی کا بھی اس سوال سے تعلق ہے - اور دنیا مین بظاہر ہر چیز ایک وقت پر پیدا ہوتی
ہے کچھ عرصہ بڑھتی پھولتی ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جاتی ہے اور نہ صرف افراد کی ایسی حالت
نظر آتی ہے بلکہ انواع اور نیز تمام دنیا کو بھی علمی نظر سفر سے طے کرتی ہوئی اور اپنی حالت کو بدلتی ہوئی کہانی
دیتی ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک وقت پر پیدا ہوا ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جائیگا
پس اگر واقع مین یہی کیفیت ہو تو جب نیکی اور بدی کرنیوالے ہی نہ رہین گے تو ان کے افعال اور
افعال کے نتائج کیا رہین گے - مگر نہین - جو کیفیت علمی نظر نے دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز فنا
نہین ہوتی بلکہ اجزا منتشر ہو کر کسی نہ کسی شکل مین موجود رہتے ہین اور ادھر نیکی اور بدی کے
نتائج کی دوسری حد یعنی خدا جس کو مذہبی جذبہ موجود مانتا ہے اور عقل بھی اسکو ماننے کے سوا چارہ
نہین دیکھتی وہ بھی اگر موجود ہے تو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہوگا - کیونکہ اس کا زمانے کے لحاظ سے
صفات کے لحاظ سے ذات کے لحاظ سے غرض کسی طرح بھی محدود ہونا خدا کا خدا نہ رہنا ہے
اچھا تو اب چونکہ وہ ہر طرح سے غیر محدود ہے اسلئے اس کا قرب حاصل ہونے کے کسی درجہ پر ہم نہین
کہہ سکتے کہ قریب ہونے والا اس سے بالکل چسپیدہ ہوگیا اور آئندہ کوئی درجہ قرب کا باقی نہین
اور اسی طرح اس سے دور ہونے کی بھی حد بندی نہین ہو سکتی - غرض خدا اگر موجود ہے تو
یقین ہے کہ اسکے لحاظ سے قرب اور بعد کی کوئی حد نہین - رہا نیکی اور بدی کرنیوالون کا اپنا
وجود سو اگر مرنے کے بعد بھی یہ موجود رہتے ہین تو پھر جو لوگ قرب خدا کے اصولی اسباب سے بہرہ ور
ہین اور اس طرف ترقی کر رہے ہین وہ ابد الاباد تک ترقی کرتے جائینگے اور انکا سفر کسی نقطہ پر ختم نہوگا
اور ادھر جو لوگ خدا سے دور ہونے کے اصولی اسباب رکھتے ہین ان کے تنزل کی بھی کوئی حد
نہوگی اور ہمیشہ تک دور سے دور تر ہوتے جائین گے اور یون نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد
یعنی دنیا کے دونو عنصر اپنی رفتار مین غیر محدود ہونگے - غرض اگر دنیا مین یہ دونو چیزین موجود
ہین اور اگر یہان ترقی کا قانون جاری ہے اور اگر ترقی کے معنی ایک درجہ سے دوسرے درجہ مین

قوت کا زیادہ ہو جاتا ہے تو پھر دنیا کے لئے نیک یا بد کوئی سا ایک نتیجہ مانا نہین جاسکتا اور کہنا پڑتا ہے کہ ان دونو چیزون کے اپنے اپنے دو ہی طرح کے نتیجے بھی ہین - اور جو شخص ان مین سے ایک رستہ پر چل پڑا ہے اس کا ہمیشہ ادھر ہی کو جانا قرین قیاس ہے اور اسکے خلاف نیچر ہرگز شہادت نہین دیتی کہ ان مین سے ایک رستہ پر چلتے چلتے دفعتہً گاڑی رک جائیگی اور جو نتیجہ اوس پر مرتب ہوتا ہے اسکی بجائے خود بخود دوسری قسم کا نتیجہ مرتب ہو کر سبکا انجام ایک جیسا ہو جائیگا -

اپٹی مزم اور پیسیمزم - مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دل مین مذہبی جذبہ پیدا ہونے کے بعد نیچر کو مطالعہ کرنے کی تکلیف کم گوارا کی جاتی ہے اور اگر اس وقت دل مین دنیا کی کسی مصیبت کا خیال ہے تو اور زیادہ غور و فکر کرنے کے بغیر مصیبت ہی کو دنیا کا حاصل سمجھ کر سبکا انجام بد فرض کر لیا جاتا ہے اور اگر خوش قسمتی سے اسوقت کوئی خوشگوار منظر پیش نظر ہے تب بھی یک طرفہ کارروائی سے سب باتون کا انجام نیک سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح پر عقلائے عالم کے اس مسئلہ مین دو فرقے ہو گئے ہین جن کو اپٹی مسٹ اور پیسیمسٹ کہتے ہین یعنی ایک سمجھتا ہے کہ سب کا انجام نیک ہے اور دوسرا خیال کرتا ہے کہ سب چیزین بد نتیجہ پر پہنچین گی - انمین سے دوسرا خیال نہایت ناگوار ہے اور عموماً ایسے لوگون کیطرف سے پیش ہوتا ہے جو اپنے تئین مذہب سے بیگانہ سمجھتے ہین - اور پہلا خیال عموماً مذہب کی شکل مین پیش کیا جاتا ہے اور بیشک دل مین تمنا ہے کہ نیک اور بد اور گنہ گار اور پارسا سب آیندہ دائمی راحت اور مسرت مین بسر کرین - مگر آہ - ای بسا آرزو کہ خاک شدہ نیچر کا قانون ہماری تمناؤن کے ماتحت نہین - کون نہین چاہتا کہ دنیا مین غربت و فلاکت کا نشان نہ ہو - کون نہین چاہتا کہ مرض اور تکلیفین نابود ہو جائین اور کون نہین چاہتا کہ عزیزون کی جدائی اور موت کا دلخراش منظر دکھائی نہ دے مگر کیا ہماری ایسی کوئی بھی تمنا بر آتی ہے اور کیا ہماری تہذیب و ترقی نے ان مصیبتون مین سے کسی ایک کو بھی نابود کیا ہے اور یہ اسی لیئے کہ نیچر کی مشین ہماری آرزو کے خلاف چل رہی ہے پس اسی طرح آئندہ کی عام راحت و مسرت کی آرزو بھی اگر منشائے قدرت کے خلاف ہو تو ہماری طاقت نہین کہ اسکو روک سکین - اسلئے اگرچہ دعا ہے کہ یہ آرزو بر آئے

اور قدرت آئندہ ہمارے کہنے پر چلے مگر افسوس کہ جو کچھ ہوتا نظر آتا ہے اس سے نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص بدی کرتا ہے تو بد عادت ضرور پیدا ہوتی ہے اور اگر اس سے باز نہ آے تو دوسری بدی کرنے پر عادت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح کرتے کرتے اسی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عادت کے زور کی کچھ حد نہیں رہتی اور یہ صرف خیالی جولان نہیں بلکہ دنیا میں ایسے نمونے بیشمار موجود ہیں اور اصولی بدی انکار خدا کو مانا جاے یا بداخلاقی کو دونو طرح کے کامل نمونے ہر زمانے میں نظر آتے ہیں پس جو شخص اسی حالت میں مرا ہے۔ اگر وہ فنا نہیں ہوا تو اسکی آیندہ حالت کیا ہوگی ؟ اور کیا ایسا شخص آخرت میں نیک نتیجہ حاصل کریگا اور کیا قدرت کا قانون ٹوٹ جائیگا اور بدی سے بجائے بدی کو ترقی ہونے کے اُلٹی نیکی پیدا ہو جائیگی ؟ اور اُدھر جو شخص نیکی کرتا ہے تو اُس فعل کے جاری رہنے پر کہ اسکی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں نیکی شکل پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کا انجام بد ہونا قانون قدرت کے خلاف نظر آتا ہے اِس لئے اچھٹی مزد اور پیبیے مزد دونو خیال غلط ثابت ہوتے ہیں +

تناسخ کی صورت میں بھی یہاں کا اثر بدل نہیں سکتا

مگر اس وقت بعض لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا نام لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ایسے شخصوں کو آئندہ پھر دنیا میں بھیجا جائیگا اور دوبارہ نیکی اور بدی کا موقع دیا جائیگا۔ مگر پھر بھی کیا ہوا۔ اگر کوئی دوسری زندگی ہے تو وہ اسی زندگی کا نتیجہ ہوگی کیونکہ اگر اسکو پہلی زندگی کا نتیجہ نہ مانا جائے بلکہ کہا جائے کہ روح کو پہلے خیالات سے بالکل پاک وصاف کرکے دوبارہ نئے سر سے جد و جہد کرنیکے لئے بھیجا جاتا ہے تو لازم آئیگا کہ یہاں کی نیکی اور بدی دونو کا نتیجہ ہیچ ہے اور جس کام کو یہاں نہایت مضبوطی کے ساتھ جاری رکھنے اور ترقی دینے کا قاعدہ جاری کیا گیا ہے مرنے پر اُس کام کو بالکل نابود کر دیا جاتا ہے اور نیک و بد دونو کو پھر تازہ دم وہی بے نتیجہ کھیل کھیلنے پر مجبور کیا جاتا ہے پس اِس وجہ سے جب دوسری زندگی کو پہلی زندگی کا نتیجہ ماننے کے سوا چارہ نہیں تو نتیجہ کی جو رفتار

یہان سے ہے وہی دوسری زندگی مین ماننی پڑیگی اور جب یہان بدی کا نتیجہ بدی ہے تو دوسری زندگی مین وہ بد شخص اور بھی بدتر ہو کر پیدا ہوگا اور خواہ اس طرح کی کروڑ زندگیان مانی جائین جب بھی جو ورثت ہوگا اسی کا پھل آئیگا۔ غرض پہلی زندگی کو بدی مین گذارنے کے بعد دوسری زندگی مین نیک اور پارسا بنجانا وہی قانون قدرت کا ٹوٹ جانا ہے یعنی ناممکن

عالم برزخ | مگر ابھی اس مسئلہ کا ایک پہلو اور قابل غور ہے کیونکہ تناسخ کو مان کر مرنے کے بعد کچھ عرصہ روح کا جسم سے خالی رہنا مانا جاتا ہے چنانچہ بعض نے اس درمیانی حصہ کو جس کو عالم برزخ کہنا چاہئے اپنی آرزو پورا کرنے کا موقع تصور کیا ہے جیسا کہ مسز اینی بسنٹ فرماتی ہین کہ[۵۱]

"عالم برزخ مین روح اپنی خواہشون اور عملون پر غور کرتی ہے اور ان کے نفع و نقصان کو دیکھکر تجربہ حاصل کرتی ہے اور اس طرح بہت سی جونون کے تجربون سے کانشنس پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ نیکی بڑھتی جاتی ہے"

روحانی صفات | یہ دعوی بہت دل خوش کن ہے کاش ایسا ہی ہوتا ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ عقل کے پاس اس دعوی کا ثبوت کہان تک موجود ہے اور مرنے کے بعد بھی روح مین غور و فکر کی طاقت مانی جاتی ہے وہ کہان تک قرین قیاس ہے۔ یہان جو ہمنے انسان کو دیکھا تو بیشک اس مین غور و فکر کی طاقت موجود پائی۔ پس شاید یہ روح ہی کی صفت ہو اور جسم چھوڑنے کے بعد بھی بحال رہتی ہو اور شاید کیا مدت تک عقلا سے زمانہ عقل کو روح کی ہی صفت مانتے رہے ہین لیکن روح تو وہ چیز ہے جس پر جوانی اور بڑھاپا نہین آتا اور ہمیشہ یکسان رہتی ہے اس لئے جو صفت خاص اسکی ہوگی وہ بھی ہمیشہ یکسان رہنی چاہئے حالانکہ غور و فکر کی طاقت کا یکسان رہنا ایک طرف اسکو ہم پیدا ہوتے جوان و پیر ہوتے اور مرتے دیکھتے ہین مان کے پیٹ مین یہ طاقت ہوتی ہی نہین بچپن مین بڑھنے لگتی ہے جوان مین مکمل ہوتی ہے۔ بڑھاپا آتے ہی اس پر بھی آفت آنے لگتی ہے حتی کہ بعض اوقات انسان زندہ ہوتا ہے یعنی روح اسمین موجود ہوتی ہے مگر عقل و شعور کے لحاظ سے ایک بت معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف بڑھاپے مین بلکہ بعض

[۵۱] خلاصہ از رسالہ کرما مصنفہ مسز اینی بسنٹ

جسمانی آفتوں سے خود جاتی ہیں یہ صفت نابود ہو جاتی ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ (حج پارہ ۱۷ ع ۱)

اور ہم رحموں میں ٹھیرا لیتے ہیں جب تک چاہتے ہیں پھر ہم تمکو بچپن کی حالت میں پیدا کرتے ہیں پھر عمر دیتے ہیں تا تم اپنی قوت تک پہنچو اور تم میں سے بعض کو موت آجاتی ہے اور بعض نہایت ذلیل عمر تک پہنچتے ہیں کہ عقل و شعور کے بعد بالکل بیعلم ہو جاتے ہیں

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (روم پارہ ۲۱ ع ۶)

خدا وہ ہے جس نے تمکو کمزوری سے پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ علیم و قادر ہے۔

غرض جب جسمانی قوت و ضعف کے ساتھ عقل بھی قوی یا کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات وہ نابود بھی ہو جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت جسم کی ہے نہ روح کی[1] اور اسکے برخلاف خواہش ایسا وصف ہے جو بچپن سے لیکر بڑھاپے تک بلکہ مرتے دم تک یکساں قوت کیساتھ موجود رہتا ہے اور خواہ جسم کی کچھ بھی حالت ہو اور خواہ خواہش کی شکلیں بدلتی رہیں مگر زندگی میں ایسا وقت کبھی نہیں آتا کہ کسی قسم کی خواہش موجود نہ ہو اس لئے اگر روح کی صفت کوئی مانی جاسکتی ہے تو وہ خواہش ہے اور اسی لئے ڈاکٹر ڈالٹن نے روح کا ثبوت خواہش کے وجود سے دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ[2]

---

[1] امام غزالی رح ثبوت روح کے عقلی دلائل کو پرکھنے کے وقت جو ثبوت عقل کے وجود سے دیا جاتا ہے اوسکو اسی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں کہ عقل زوال پذیر ہے اس لئے یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ روح کی صفت ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب تہافۃ الفلاسفہ بحث ثبوت روح۔

[2] کتاب ایلمنٹز آف میٹا فزکس حصہ دوم باب پنجم۔

"ہم ہندی یونانی اور موجودہ فلسفہ میں یہ ایک عام غلطی دیکھتے ہیں کہ وہ روح کو ذہن عقل ہستی مانتے ہیں حالانکہ اسکے برخلاف روحانی زندگی کے تمام واقعات یہ خطا ثبوت دیتے ہیں کہ انسان کا مرکز دل میں تلاش کرنا چاہئے نہ دماغ میں اور خواہش میں تلاش کرنا چاہیئے نہ علم میں۔ اور بالخصوص واقعات ذیل اس دعوی کے شاہد ہیں

۱۔ ذہن تمام جسمانی آلات کی طرح بچپن میں بڑھنے لگتا ہے اور انہی کے ساتھ بڑھاپے میں گھٹتا جاتا ہے۔

۲۔ ذہن کچھ عرصہ کے لئے نیند میں اپنی ہستی کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ خواہش یعنی بے شعور خواہش دل کی طرح تھکنا نہیں جانتی۔

۳۔ تمام جسمانی آلات کی طرح ذہن بھی خواہش کا ایک آلہ ہے اور ہمیشہ فرمان بردار خادم کے طور پہ کام کرتا ہے اور ہر حال میں بالادست حاکم خواہش ہے۔ یہ ایک ایسی صداقت جو شاید استدلالی طور پر ایسی ثابت نہ ہو مگر عملی دنیا میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

۴۔ حیواتی درجات کو دیکھو تو ان میں ذہن کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے حالانکہ خواہش جیسا کہ ہم ثابت کرینگے ہر جگہ حتٰے کہ چھوٹے سے چھوٹے حیوان میں بھی اُسی زور سے موجود ہے[۱]

۵۔ جب انسان کی قدر قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اُس اثر کے لئے جو قبر سے پرے تک پھیلا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفت خواہش کا ظہور ہے[۲]"

---

[۱] ڈاکٹر موصوف اس دلیل سے اور نیز آگے خواہش کو جمادات تک لیجا کر وحدت وجود کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر اس سے جو کچھ ثابت ہوسکتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام کائنات کی اصلیت ایک ہے مگر یہ کہ خدا اور کائنات حقیقت میں ایک ہیں اور کوئی اور ہستی ہی کائنات سے ممتاز اور اسکو پیدا کرنیوالی نہیں یہ دعوی اس دلیل سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

[۲] اس موقعہ پر باب دوم حصّہ کتاب ہذا عنوان "اخلاقی افعال پر بھی تنزل ہوتی جا رہی ہے" کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

یہان تک روحانی صفات کی نسبت عام واقعات سے استدلال کیا جاسکتا تھا اب ان واقعات کو دیکھا جائے جو اکثر اوقات امراض وغیرہ کے سبب سے یا مصنوعی طور پر میسمرزم کے عمل مین جسم اور جسمانی طاقتون کے معطل ہونے پر پیش آتے ہین تو اس وقت اگرچہ روح جسم سے جدا نہین ہوتی اور نہ اسکا تصرف بالکل منقطع ہوتا ہے بلکہ وہ اس وقت بھی جسم سے بہت سے کام لیتی نظر آتی ہے مگر چونکہ دماغی طاقتون کو بڑی حد تک معطل کردیا جاتا ہے اس لیئے دیکھا جاتا ہے کہ روح سے غور وفکر کرنے کی قوت بہت کچھ مفقود ہوجاتی ہے۔ گو اس وقت غیب بینی اور جسم پر تصرف کرنے کی یا اور ایسی ہی بہت سی طاقتین موجود ہوتی ہین چنانچہ مسٹر ہڈسن ایسے واقعات کی بنا پر یقین کرتے ہین[1] کہ انسان کی روح مین جزئیات کو دیکھکر ان سے کوئی کلی نتیجہ اخذ کرنے کی قوت نہین ہے البتہ کوئی کلیہ قاعدہ معلوم ہونے پر یا خیال دلوائے جانے پر اسکو جزئیات پر منطبق کرسکتی ہے مثلاً اگر میسمرزم کی حالت مین معمول کو یقین دلوایا جائے کہ وہ کتا ہے تو اسکی روح مین یہ قوت نہین ہوتی کہ اپنے کتا ہونے کی نسبت غور کرے اور اپنے حالات کو دیکھکر نتیجہ نکالے کہ مین ان حالات واوصاف کے باوجود کتا نہین ہوسکتا بلکہ اسکے برخلاف چونکہ کتا ہونیکا خیال دلوایا گیا ہے وہ اپنی حالت پر اس کو منطبق کرنے کی کوشش کریگا کتے کی طرح بھونکنے اور چار ہاتھ پاؤن سے چلنے لگیگا اور اگر اس کو کہا جائے کہ تو تپ مین مبتلا ہے تو وہ اپنی حالت پر غور کرکے اس سے انکار نہین کریگا بلکہ فوراً یقین کرلیگا اور اس یقین کا ایسا اثر ہوگا کہ واقع مین جسم گرم ہوجائیگا نبض تیز ہوجائیگی اور پھر تندرستی کا خیال دلوانے پر فی الفور علامتین دور ہوجائین گی

غور وفکر روح کی صفت نہین

غرض زندگی کی عام حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ غور وفکر کی قوت انسان کی جسمانی صفت ہی اور اسکی روحانی صفت اگر ہوسکتی ہے تو وہ صرف خواہش ہے اور میسمرزم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح مین کچھ قوت ہی بھی تو وہ کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنے کی ہے اور استدلال کا دوسرا عمل یعنے جزئیات سے کوئی کلی نتیجہ نکالنا اسکے

[1] کتاب دی لا آف سائیکک فینامنا باب سوئم وغیرہ

امکان نہیں اور نیز یہ کہ وہ قوت خیالیہ سے متاثر ہونے کی بہت بڑی قابلیت رکھتی ہے اور میسمرزم کی حالت میں چونکہ روح کا تعلق جسم سے بالکل منقطع نہیں ہوا اس لیے اس وقت کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنے کی قابلیت جو اس میں پائی جاتی ہے اسکی نسبت بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ اسکی خاص اپنی صفت ہے بلکہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ بھی کسیقدر جسمانی تعلق کے قائم رہنے کے سبب سے ہے۔ ورنہ اس کو روح کی اپنی صفت جب کہہ سکتے کہ روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع ہونیکے بعد ایسا تجربہ ہو سکتا۔

غرض ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر احتمال ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں جبکہ روح کو جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ اپنے گذشتہ حالات پر غور کرتی ہوگی اور یہ نتیجہ نکال سکتی ہوگی کہ آئندہ زندگی میں ایسے حالات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ خواہش کی صفت روح میں دائمی ہے جس خواہش میں اس نے اپنی تمام جسمانی عمر گذاری ہے اسی خواہش میں مبتلا رہتی ہوگی اور نیز چونکہ وہ قوت خیال سے بہت متاثر ہوتی ہے اس لئے جس خیال نے تمام عمر اس پر قبضہ رکھا ہے وہی اس وقت بھی اس پر متصرف رہتا ہوگا۔ پس مسز اینی بسینٹ اور ان کے ہمخیالوں کا عالم برزخ کی امید پر جینا محض خیال خام ہے اور نیچر کی شہادت اس کے خلاف ہے اور خود مسز اینی بسینٹ کے کلام میں اس بارہ میں بہت تذبذب پایا جاتا ہے چنانچہ وہ اسی تحریر میں ایک اور موقعہ پر لکھتی ہیں کہ

"جو برے خیالات میں گرفتار رہنے والا جب مرتا ہے تو اپنے خیالات کی وجہ سے پھر زمینی زندگی حاصل کرتا ہے اور نہ صرف زمین پر آتا ہے بلکہ ان خیالات کو اور بھی سختی کے ساتھ بجا لاتا ہے کیونکہ حالت برزخ میں وہ خیالات گو مخفی رہتے ہیں مگر پختہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور زمین پر آکر پہلے سے زیادہ زور ظاہر کرتے ہیں" (ایک اور موقع پر لکھتی ہیں) دیوا چنک یعنی عالم برزخ ایک ایسی حالت ہے جو زمینی زندگی کے تجربوں سے بالکل متناسب ہوتی ہے اور اس عالم کا کمال ان خیالات کی مقدار اور نوعیت پر منحصر ہے جو حیات ارضی میں حاصل کئے جائیں۔ اور

یہی خیالات وہاں جاکر روح کی طاقت اور اسکی ذات کا ایک حصہ ہوجاتے ہیں ؎

پس خواہ روح کو جسم چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ علیحدہ رہنا پڑے اور خواہ وہ دوبارہ سہ بارہ دنیا میں آمد و رفت رکھے جو وصف اور عادت اس نے اس زندگی میں کسب کی ہے ترقی اسی کی ہوگی اور وہ وصف اگر بدی ہے تو کبھی آئندہ اس سے نیکی پیدا ہوجانے کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں اور اس لیئے اگر ہماری موجودہ زندگی ہماری گذشتہ زندگیوں کا نتیجہ مانا جائے جیسا کہ اہل تناسخ کا خیال ہے تب بھی یہ بار بار جنم ہماری گذشتہ آموختہ کو دہرانے کے سوا کسی مصرف کا نہیں اور ہماری حالت درست کرنے کے لیئے مفید نہیں ہوسکتا ۔

بدھ اور مسیح کی مثال | یوں کہنے کو سوامی وویکانند جی کہتے ہیں کہ بدھ اور مسیح جیسے مہاتماؤں کی نیکی نے دنیا کے بڑے حصہ سے پرستش کروائی ہے لاکھا جونوں کے تجربوں سے ایسے بنے ہونگے ۔ گویا یہ تناسخ کا فائدہ ہے اور اسی طرح سب نیک بنجائینگے لیکن اگر یہ فائدہ تناسخ کا سمجھا جائے تو جن انسانوں کی ترغیب و تحریص یا مثال سے تمام شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ بدرسمیں رائج ہوگئی ہیں ان کا ایسا عالمگیر اثر اور کشش اور قوت بھی لاکھا جونوں کے تجربہ سے پیدا ہوئی ہوگی ۔ اس لیے اگر تناسخ کو مان کر مسیح اور بدھ کا معبود خلائق ہونا اس مجبوری پر منطبق ہوتا ہے تو شراب اور قمار کے موجدوں کی معجزنما کامیابی بھی تناسخ ہی کے باعث ماننی پڑیگی اور اسلیئے تناسخ کی وجہ سے انسانوں کا یکساں نیک نتیجہ پر پہنچنے کا خیال صحیح ثابت نہیں ہوسکتا ۔ اور دوسرے اگر مسیح و بدھ جیسی قوی طبیعت تناسخ کے سبب سے ہوئی ہے تو چونکہ تناسخ سبھی ارواح کے لئے مانا جاتا ہے اس لئے چاہیئے تھا کہ ایک مسیح اور بدھ ہی ایسے نہ ہوتے بلکہ سبھی اسی طرح ترقی کرتے جاتے اور جو لوگ کہ جس قدر تعداد میں مسیح اور بدھ سے پیشتر ہو گئے ہیں اسی قدر تعداد میں اور لوگ بھی اسی قوت اور اثر کے مالک بن جاتے ۔ اور نیز اگر چہ مسیح اور بدھ میں بہت بڑی قوت مانی جاسکتی ہے کیونکہ دنیا کے

بڑے حصہ نے ان کے آگے سجدہ کیا ہے لیکن پھر بھی ابھی اور ترقی کی گنجائش ہے اور دنیا میں ایسی ہی بڑی تعداد ان کو نہ ماننے والوں کی بھی موجود ہے اور ادھر مسیح اور بدھ کے بعد زمانہ بھی بہت بڑا گذر چکا ہے اس لئے اگر اس وقت تک کی آمد و رفت نے مسیح اور بدھ بنائے تھے تو ان کے بعد اس وقت تک کی آمد و رفت سے جو تجربہ زیادہ ہوا ہوگا اس سے لازم تھا کہ اب کے لوگ مسیح اور بدھ سے بھی زیادہ اثر اور قوت پیدا کر لیتے اور اگر ان سے بعض لوگوں کو انکار بھی ہے تو اس وقت کے رشی اور مہارشی تمام جہان سے سیوا لیتے حالانکہ واقعات اسکے خلاف ہیں اور ایسی قوت کے لوگ بہت کم اور خال خال ہی نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اور بدھ بننے کا راز تناسخ کے چکر میں نہیں بلکہ اُن کی طبیعتیں ہی فطرۃً ایسی قوی واقع ہوئی تھیں جس سے ہر زمانے میں قوموں کی قومیں ان کے نام پر قربان ہوتی رہیں۔ اور جب اس امر کو ماننے سے چارہ نہیں کہ انسانی طبیعتیں باہم مختلف ہیں اور بعض روحیں فطرۃً قوی ہوتی ہیں تو بعض نیک یا بد اشخاص کے عالمگیر اثر اور انکی تعلیم کی اشاعت کا باعث انکی فطری قوت ہوگی نہ تناسخ کا چکر۔

کمال تک پہنچنے کی سبیل — اور پھر اور زیادہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قوی طبیعتوں والے گو اپنی عجیب تعلیم اور دلکش ایجاد کے لحاظ سے بہت بڑے امتیاز کے مستحق ہیں لیکن انکے امتیاز سب کا سب انہی کی ذات سے مخصوص نہیں بلکہ عام نوع انسانی کے مختلف الانواع ترقیاں اس انتہا تک پہنچانے میں بہت بڑی معاون ہوئی ہیں اور جس طرح ہم مختلف علوم و فنون کی ترقی میں کہہ سکتے ہیں کہ انکی اعلیٰ دریافتیں اور باریک موشگافیاں دفعۃً اس شخص کے دماغ میں پیدا نہیں ہوئیں جسکو کسی فن کا موجد یا امام کہا جاتا ہے بلکہ نہایت قدیم زمانے سے نہایت سادہ شکل میں ایسے فنون کی بنیاد پڑ کر بڑھتی ہوئی اس حالت کو پہونچ چکی تھی جس کے بعد کسی قوی الذہن اور ذہین شخص کو اسمیں ایجاد و اختراع کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً علم حساب کے عمدہ اور سہل قاعدے بنانے والے گو موجد فن ہیں مگر یہ ایسی ایجاد نہیں جس کا پہلے وجود ہی نہ ہو بلکہ کسی نے

سچ کہا ہے کہ ابتدائے آفرینش انسانی مین جب کسی شخص نے جنگل کے دس سیب توڑ کر اپنے دونو بچون مین برابر بانٹنے کیلئے ایک اِدھر اور ایک اُدھر رکھتے ہوے پانچ پانچ کی دو ڈھیریان بنادی ہونگی وہ علم حساب کا پہلا موجد ہے۔ اُس کے بعد کسی نے پانچ اور دس کا نام مقرر کردیا ہوگا جسے اس سلسلہ کا دوسرا امام کہنا چاہیئے۔ اس کے بعد کسی نے یہ گُر مقرر کردیا ہوگا کہ دس چیزون کو پانچ پانچ کی دو ڈھیریون مین رکھا جائے تو دونو برابر ہوتے ہین اور پھر اس قسم کے گُرون کو وسیع کرتے ہوئے شمار و اعداد کا علم اس حد تک پہونچ گیا ہوگا جب کے بعد کسی ذہین کیلئے اس علم کو بطور ایک فن کے مرتب کرنا اور پہلے قاعدون کو آسان بنانا یا نئے قاعدے ایجاد کرنا سہل ہوا۔ اب اس شخص کی نسبت یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ اس نے بہت سی جوتون مین پھرنے کے سبب ایسا فن ایجاد کیا بلکہ ضرور کہنا چاہیئے کہ اُس نے اپنے سے پہلے انسانون کے علم اور ان کے تجربون سے جن کا علم اسے اسی موجودہ زندگی مین ہوا اپنی قوت طبع سے وہ سبق سیکھا جس کا نتیجہ فن حساب کی ترتیب ہے۔ اسی طرح ابتدائے آفرینش سے اپنا غم غلط کرنے کے لیے دل بہلانے کی چیزین اور شغل تلاش کرتے کرتے اور بہت سی ابتدائی اور آسان اصولون کو دریافت کرتے کرتے ایسا وقت آیا تھا جبکہ کسی ذہین کو شراب اور قمار جیسی مسرت اور دلفریبی کی اعلےٰ تدبیرین سوجھین اور اسی طرح روحانی عالم کی سیر کرنے والے جن کو پیغمبر یا رشی کہتے ہین انکے معرفت کے تجربون کی حقیقت خواہ کچھ ہو اسمین شک نہین کہ اس آگ کی چنگاری بھی ابتدا ہی سے دلون کو گرما رہی تھی اور قدیم ہی سے پاکیزہ اور مقدس ارواح کو اپنی اپنی استعداد کے موافق نور ازل کی شعاعین روشنی بخش رہی تھین چنانچہ جس طرح دنیا کے اور علوم و فنون بتدریج ترقی کرتے ہوے اس حد تک پہنچے ہین کہ ان کے روشن اور واضح قوانین مرتب ہوکر عامہ خلائق کی تسلیم کے قابل ہوئے اسی طرح معرفت کے تجربے اور وصال ربانی کے قاعدے بھی قلوب مصفا پر وقتاً فوقتاً القا ہوتے ہوئے یہ وقت آیا کہ بعض انسانون کی اس قسم کی تعلیم نے دنیا کے بڑے

حصہ کو اپنا گرویدہ بنایا۔ اسلئے یہ بہتسی جونون مین پھرنے کا نتیجہ نہین بلکہ مذہبی روح کے عام طبائع انسانی مین سرایت کرنیکا اور وقت وقت کے انبیا اور حاملان مذہب کی آوازون کے فضا مین گونجنے کا اور اس طرح پر تمام علوم عرفانی کے ایک شخص کی گرفت مین آجانیکا باعث ہے جس سے بڑے بڑے صاف دل لوگون کو پہلے تجربون پر اضافہ کرنے اور اُن کی غلطیون کو نکال لینے کا موقع ملا۔ غرض معرفت کی ترقی اور دیگر علوم کی ترقی مین بجز اسکے کوئی تفاوت نہین کہ جیسا پہلے ذکر ہوچکا ہے دیگر علوم مین انسان اپنے سے کمتر ہستیون کا تجربہ کرتا ہے اور اس لیے فاعلانہ حیثیت رکھتا ہے اور معرفت مین ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے جسمین فاعلی حرکت اس ہستی کی جانب سے ہو اور انسان کی حیثیت صرف انفعالی ہے اور اس انفعالی قابلیت کی ترقی سے شعاعون کی فاعلانہ حرکت تیز ہوتی رہتی ہے۔

خدا کی قدرت سے بھی انکار نہین ہوسکتا

حاصل یہ کہ اس سرمایہ کو دیکھکر جو ہماری عقل کے پاس دنیا مین موجود ہے کسی طرح ثابت نہین ہوتا کہ دنیا کے بڑے بڑے پاکباز تناسخ کی وجہ سے ایسے پاکباز ہوئے ہین اور اسلئے تناسخ پاکبازی کو بڑھانے والا اور بدی کو نابود کرنیوالا ہے اور اس لیے اس چکر کی وجہ سے نیک اور بد دونو انجام مین نیک نتیجہ حاصل کرینگے ہان اس مین شک نہین کہ خدا ہے اور وہ رحیم و کریم بھی ہے اور بیشک خدا نور ہے اور وہ نور اگر اپنی مرضی سے خود شعاعین ڈالنے لگے تو ہر سیہ قلب کو منور کرسکتا ہے پس اگر اسکی قدرت کا یہی اقتضا ہو کہ عابد خداپرست اور رند بدمست دونو آخر مین الٰہی رحمت و مسرت حاصل کرین تو چشم ما روشن۔ ہم گنہگارون کے لئے اس سے بڑھکر کوئی مژدہ نہین اور ہم مانتے ہین کہ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو اسکے ارادہ مین ہو) لیکن دنیا مین جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسکی شہادت یہی ہے کہ بے سبب کوئی نتیجہ پیدا نہین ہوتا اور دنیا سب کچھ وہی ہے مگر اُسی کو اور اُسی قدر جسمین جس قدر قابلیت

ہو۔ اس لئے شہادت کو دیکھتے ہوئے سب سے پست ہونا اور سب کا انجام برا ہونا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم نیکی سے بے بہرہ ہوں۔ اس کے سوا ہم ہمیشہ بیزار ہو جائیں یا اپنی مست ہونا اور سب باتوں کو نتیجِ خیر سمجھنا جس کا نتیجہ ہو کہ ہم بدی سے بسبب اس کے مضر ہونے کے پرہیز کریں دونو اصول غلط ہیں۔ ضرور بد کا انجام ہمیشہ بد ہے اور نیک کا انجام ہمیشہ نیک اور اس لئے جب تک ہم میں عقل و شعور ہے بدی اور نیکی میں امتیاز کرنے اور بدی کو چھوڑنے اور نیکی اختیار کرنے کے سوا کوئی اور سلامتی کا رستہ نہیں آسکے جو خدا کو منظور ہے وہ ہوگا۔ غرض یہی وہ نتیجہ ہے جسکو عقل تسلیم کر سکتی ہے اور یہی تسلیم ہونی چاہئے اس مذہب کی جانب سے جو عقلا کو اپنی طرف بلائے اور اپنی خوبی کے لیے عقل کو معیار گردانے کا دعوے کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

(نساء پارہ ۴ ع ۲)

یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو شخص خدا اور رسول کی اطاعت کرے اسے وہ جنت میں داخل کریگا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہینگے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص خدا و رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی حدوں کو توڑے اُسے آگ میں ڈال کریگا جس میں وہ ہمیشہ رہیگا اور اسکو ذلت بخش عذاب ہوگا۔

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (ہود پارہ ۱۲ ع ۹)

لیکن جو بدبخت ہیں وہ آگ میں رہینگے جو جوش و خروش کرتی ہے اسمیں ہمیشہ رہیں گے جبتک آسمان و زمین ہے مگر جو خدا چاہے۔ تیرا رب جو چاہے کر سکتا ہے اور جو نیکبخت ہیں جنت میں ہمیشہ رہینگے جبتک آسمان و زمین ہے مگر جو تمہارا پروردگار چاہے یہ عطیہ غیر منقطع ہے

قیامت

"جو ازلی نہیں وہ ابدی بھی نہیں اسکی تحقیق - ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے - منجمد ہو جانے پر ترقی کی سبیل شکلوں کی عمر نور کی قوت و ضعف پر منحصر ہے - تشخص قایم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود - تمام دنیوی اجسام بعینہ زندہ نہیں ہونگے - حیوانات جزا و سزا نہ پائینگے - ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر - ترقی کرنیوالوں نے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا - تدابیر صحت کا فائدہ - اصلاح حکومت کا فائدہ - سہولت نقل و حرکت کا فائدہ وسائل نامہ و پیام کا فائدہ - راحت و مسرت کی آرزو بر آنے کا بھی کوئی موقع ہونا چاہیئے - راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا - آئندہ ترقی کے وسائل - فورس اور انرجی کے مختلف مظاہر - سائنس کے مسلمات سے استدلالی رفتار یہیں تک جاسکتی ہے - ترقی کے مختلف درجات میں فورس اور انرجی کی شکل بدلتی جاتی ہے آئندہ انقلاب میں ترقی اور بھی اعلے ہونی چاہیئے - آئندہ ترقی معرفت میں ہوگی - آئندہ ترقی کے لئے جو سامان ہونا چاہیئے وہ اسی عالم میں مہیا کر دیا گیا ہے - آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی - روح صرف جسم میں رہکر ترقی کر سکتی ہے - ارواح کیلئے مادہ کی کمی نہیں - آئندہ ترقی میں اجسام کی حالت - حشر کے متعلق اسلامی تعلیم انسانی تربیت سے انسانی خصائل بدل نہیں سکتے -

جو ازلی نہیں وہ ابدی بھی نہیں اسکی تحقیق -

دنیا کے نیک اور بد نتائج کو ہمیشہ کے لئے جاری رہنے کے قابل مانکر سوال ہوتا ہے کہ آیا دنیا کی حالت کو دیکھ کر کوئی احتمال ہو سکتا ہے کہ یہاں کے عمل کرنیوالے ہمیشہ تک قائم رہیں گے اور اپنی جزا و سزا بھگتینگے - یا جیسا کہ عام طور پر میٹیریلسٹ یعنی مادہ پرستوں کا خیال ہے - یہ تمام انتظام ایک دن فنا ہو جانے والا ہے اور یہاں کے اشخاص موت کے ساتھ اپنی ہستی کو کھو بیٹھتے ہیں

ہستی خدا کے بارہ میں جو احتمالات قائم کئے گئے تھے ان سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ

ایک ازلی اور ابدی ہستی نے اس عالم کو اپنی قوت علم سے نیست سے ہست کیا ہے مطلب یہ کہ یہ عالم قدیم اور ازلی نہین ہے پس اسکی نسبت ایک عام قانون قدرت مانا جاتا ہے کہ جب قدیم اور ازلی نہین تو دائمی اور ابدی بھی نہ ہوگا۔ اس اصول کو مانکر تو کہنا پڑتا ہے کہ نیست سے ہست ہونیوالے ایک دن ضرور تباہ ہو جائینگے اور اس لیے انکی نیکی اور بدی اور اسکا انجام بھی چندروزہ کھیل سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔ اور بیشک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو ازلی نہین وہ ابدی بھی نہین ہوسکتا لیکن اسکا مطلب سمجھنے مین کسی قدر تساہل ہوتا ہے۔ جو چیز ازلی نہین اور چونکہ معدوم تھی اسلئے وہ اپنے وجود مین ضرور غیر کی محتاج ہے جو اسے نعمت وجود سے بہرہ ور کرے اور جب اسکا وجود عارضی ہے اور اسکی اپنی ذات وجود اور عدم دونو کو برداشت کرسکتی ہے تو اس کا وجود جس طرح حاصل کسی اور کی وجہ سے ہوا ہے اسی طرح قائم بھی کسی اور ہی کی وجہ سے رہ سکیگا۔ اسلئے یہ کہنا درست ہے کہ جس طرح خود وہ چیز ازل سے موجود ہونے کے قابل نہ تھی اسی طرح وہ خود اپنی ذات سے ابد تک موجود رہنے کے بھی قابل نہین۔ لیکن یہ کہ جس دوسری ہستی نے اسے موجود کیا ہے وہ بھی اُسکو جب تک چاہے موجود رکھنے کے قابل نہین ہے یہ اُس دوسری ہستی یعنے پیدا کرنیوالے کی قوت اور ارادہ پر منحصر ہے۔

اگر کسی کمزور ہستی نے اپنی قوت متخیلہ سے کوئی وجود پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ محدود عرصہ تک اس خیال کو قائم رکھ سکیگی اور اس لئے اسکی مخلوق ضرور ایک عرصے مین فنا اور نابود ہو جائیگی۔ چنانچہ جن خیالات کو انسان وجود کا جامہ پہناتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اُس کی قوت اور ضعف کے موافق ایک دو لمحہ سے لیکر سال دو سال دس سال تک قائم رہتے ہین اور آخر کار نابود ہو جاتے ہین۔ کیونکہ انسان اگر چاہے جب بھی اپنے خیال کو ایک طرف تھوڑی ہی دیر کے لئے لگا سکتا ہے لیکن جس ہستی کو دنیا کا خالق مانا جاتا ہے اور دنیا کو جسکی قوت علم یا خیال کی محسوس تصویر مانا گیا ہے اسکی قوت وقدرت کے آگے انسانی قوت خیالیہ کی کوئی ہستی ہی نہین اسکی قدرت۔ اس کا علم اور تمام صفات غیر محدود ہین اس لیئے اگر اُس نے اپنی قوت علم سے

دنیا کو پیدا کیا ہے اور اگر وہ اسکو کچھ عرصہ تک قائم رکھنا چاہتا ہے تو اسکی غیر محدودیت کے آگے کچھ مشکل نہیں۔ وہ انسان کی طرح اپنے علم کی ایک صورت قائم رکھنے سے تھک نہیں سکتا اور چونکہ وہ خود ابدی ہے اس لیے اگر ابد تک وہ اس صورت کو قائم رکھنا چاہے تو اسکی ذات سے کچھ بعید نہیں۔ ہاں اگر وہ خود فنا کرنا چاہے تو پھر اس ہستی میں بسبب حادث ہونے کے یہ طاقت نہیں کہ اسکی مشیت کا مقابلہ کرے اور اسکی مرضی کے خلاف قائم رہ سکے غرض "جو ازلی نہیں وہ ابدی بھی نہیں" اس قاعدہ کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی چیز اپنی ذاتی قوت سے ازل میں موجود نہیں ہو سکتی اور اپنی ذاتی قوت سے ابد تک قائم نہیں رہ سکتی یعنی وہ اپنے وجود کے لئے بالکل غیر کی محتاج ہے لیکن ایسی چیز کسی دوسری ہستی کے اثر سے بھی ابد تک نہیں رہ سکتی۔ یہ کہنا غلط ہے بلکہ اگر دوسری ہستی ابدی ہے اور اگر اسکی قدرت غیر محدود ہے تو ایسی چیز اس ہستی کی مدد سے جبتک وہ ہستی چاہے قائم رہ سکتی ہے۔۔

ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے۔

مگر اس سے کیا ثابت ہوا ؟ یہی کہ یہاں رہنے والوں کا ہمیشہ تک رہنا ممکن ہے۔ اور ممکن ہونے سے چونکہ لازم نہیں آتا کہ رہیں گے بھی ضرور اس لئے عالم آخرت کا احتمال قائم کرنیکے لیئے ابھی اور سامان کی ضرورت ہے اور دیکھنا چاہیئے کہ آیا دنیا میں کوئی نشان آئندہ ہستی کا بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنے کیلئے دنیا کی ابتدا اور اسکی ترقی کی رفتار کو دیکھنا چاہیئے جس کا آجتک تجربہ ہوا ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ دنیا سب کی سب ہزاروں طرح کے انقلاب اور تغیرات کا ہدف ہے اور دیکھنے والے سمندروں پہاڑوں اور خود زمین آفتاب اور دیگر سیاروں کو بھی انقلاب برداشت کرتے ہوئے اور ہر لحظہ ایک حالت سے دوسری حالت میں جاتے ہوئے دیکھتے ہیں چنانچہ اس قسم کے تجربوں سے اور عالمانہ اصول کے موافق استدلالوں سے دنیا کی پیدائش کے متعلق آجتک جو خیال سب سے زیادہ قرین قیاس اور صحیح مانا جاتا ہے وہ نیبولس تھیوری یعنی سحاب کے بادل سے شروع ہونیکا مسئلہ ہے جس کے رو سے دنیا ابتدا میں ایک

کثافت کی طرف آتے ہوئے ایک دن جسم کرۂ یخ کا تودہ بن جائیگی اور اس دن سائنس
کے نزدیک گویا دنیا اور دنیا کے کاروبار اور ان کے نتائج سب کا خاتمہ ہے مگر جس وقت یہ
زمین و آسمان کا مادہ بخار کی شکل میں ایسا پھیلا ہوا تھا کہ آج کے دن کا ایک گرین کا ذرہ اس
وقت ہیم ہالٹز کے خیال کے مطابق کئی بلین مکعب میلوں میں پھیلا ہوا خیال کیا جاتا
ہے اس وقت اگر کوئی سائنس دان موجود ہوتا اور اپنے علم سے قیاس لگاتا کہ ایک دن پھیلا
ہوا بخار سمٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یعنی آفتاب اور سیارے بن جائیں گے
تو وہ بخار کی اس حالت کو جس کو ہمیشہ سے دیکھنے کا عادی تھا دنیا کی اصلی حالت سمجھتا اور اسکے
ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو دنیا کا خاتمہ خیال کرتا حالانکہ بعد کے تجربوں سے ثابت ہوا کہ وہ
حالت محض ابتدائی تھی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہی عالم کی ترقی کا زینہ ہے۔ اسی طرح جس
وقت زمین گیس کی حالت سے سیال شکل میں تبدیل ہونی شروع ہوئی ہوگی اس وقت
کوئی ذی عقل انسان موجود ہوتا تو وہ بھی ضرور خیال کرتا کہ قیامت آگئی اور لطافت جو پہلے
سے موجود تھی پانی بناکر بہادی گئی۔ مگر حقیقت میں وہ بھی ترقی کا ایک درجہ تھا۔ اور اسی
طرح سیال سے منجمد ہونے کے وقت کوئی ہوتا تو روانگی کے بعد سکون کو بیکار ہو جانا سمجھتا
اور علیٰ ہذا نباتات اور حیوانات کے پیدا ہونے پر اگر کوئی غور کرنیوالا ہوتا تو مادہ کے فاسد
ہو جانے اور اس میں پھوڑے پھنسیاں نکلنے اور کیڑے چل جانیکا خیال کرتا۔ غرض ہر
ایک بڑے انقلاب کے وقت جو ہوتا آیا ہے حالت موجودہ کے بدل جانے کی وجہ سے
خیال کرنے والا دنیا کا خاتمہ سمجھ سکتا تھا مگر اب ہم سمجھتے ہیں کہ سب سے عمدہ حالت ہی
وہ ہے جو اب پیدا ہوئی ہے اور دنیا کو پیدا کرنے سے غرض ہی یہ تھی کہ یہ دستر خوان آراستہ
کرنے کے بعد حضرت انسان کی دعوت کی جائے۔ اچھا تو اگر کوئی غور کرنے والے اس وقت
غور کرتے وہ ہر ایک انقلاب کو خاتمہ سمجھ لینے میں معذور بھی ہوتے کیونکہ وہ ایک ہی حالت
کا خیال کرتے اور اسمیں تغیر ہونا دیکھتے۔ مگر ہم جو اتنے انقلابوں کے بعد اور ہر ایک انقلاب

پر حیرت انگیز ترقی دیکھنے کے بعد منجمد ہو جانے کو خاتمہ سمجھتے ہیں تو کیا ہم بھی مجبور ہیں؟ بیشک
ہم سمجھ نہیں سکتے کہ منجمد ہو جانے پر یہ عالم کس طرح ترقی کریگا لیکن جس نے گیس کو سیال یا منجمد
ہوتے دیکھا ہو گا وہ بھی اُس وقت نہ سمجھ سکا ہو گا کہ اب کیا ہو گا۔ اور جنتے جوان حالتوں کا خاتمہ
کرنے پر سمجھا ہے کہ یہ ترقی تھی تو اسلئے کہ ہمکو بعد کے حالات دیکھنے کا موقع ملا پس اب بھی برف
بنجانے پر جو ترقی ہونے والی ہے اسکو وہی شخص سمجھ سکیگا جو اس حالت کو دیکھیگا لیکن پھر
بھی نہایت ظلم ہو گا اگر ہم اتنے انقلابوں کا علم رکھنے اور ان کے اندر ترقی کا رستہ صاف
ہوتے دیکھنے کے بعد اتنا بھی نہ سمجھیں کہ جس طرح ان وقفوں میں پہلی حالت کے بعد دوسری
حالت اور بھی بڑھ چڑھ کر آب و تاب دکھاتی رہی ہے اور معلوم ہوتا رہا ہے کہ پہلے جو کچھ تھا
محض تمہید تھی اور پیدائش کی حقیقت اب ظاہر ہوئی ہے اسی طرح اس حالت کے بعد دوسری
حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوگی جس کے سامنے یہ سب آبادی اور رونق ایک کھیل سے زیادہ قیمت
نہ رکھے گی اور ثابت ہو گا کہ حقیقی زندگی ابھی حاصل ہوئی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ	یہ دُنیا کی زندگی لہو و لعب سے زیادہ نہیں
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط	اور بیشک اگلی دُنیا وہی حقیقی زندگی ہے
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ط (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۷)	کاش لوگ یہ سمجھ جائیں

اسمیں شک نہیں کہ نیبیولس تھیوری عالمانہ دماغ کا استدلال ہے اور تجربہ کی بات
نہیں لیکن اگر یہ مسئلہ غلط ہو اور دنیا کی پیدائش اور اسکی آئندہ حالت کسی اور شکل پر ہو تب
بھی اس میں شبہ نہیں کہ دنیا ہمیشہ سے ایک حالت پر قائم نہیں اور ہزاروں طرح کے انقلاب
برداشت کر رہی ہے اور برداشت کرتی جائیگی۔ اس لیے انقلاب کی شکل خواہ کچھ ہو۔ ہمارا
اس وقت کا استدلال صرف اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انقلابوں سے جب خاتمہ نہ ہو
بلکہ ترقی ہوتی گئی تو آئندہ انقلابوں سے کام کیوں بند ہو جائیگا۔ اور اس وقت تک چونکہ
انقلابوں کی یہی شکل مانی گئی ہے اس لیے استدلال کو الفاظ میں لانے کے لیئے حال کی

سلسلہ سکلون کا ہی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

منجمد ہوجانے پر ترقی کی سبیل

مگر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک جس قدر انقلابون کا تجربہ ہوا ہے ان مین حرارت اور روشنی کسی نہ کسی سرچشمہ سے نکلتی رہی ہے اور اسی سبب سے دُنیا مین ترقی ہوتی آئی ہے اور ہم یقین رکھتے ہین کہ اگر ادھر سے حرارت وغیرہ کا آنا بند ہوجائے تو ترقی بھی یک لخت بند ہوجائیگی - اور سائنس جس وقت پر اس نظام کا بگڑ جانا مانتی ہے وُہ وہی وقت ہے کہ تمام فضا منجمد ہوجائیگی اور حرارت اور روشنی کا کوئی سرچشمہ موجود نہ رہیگا اس لیے اس وقت ترقی کا کوئی اور ظہور ماننا بے وجہ ہے مگر اس اعتراض کا وزن دیکھنے کے لیے ہمین پھر اسی سلسلہ کو دیکھنا چاہیئے جس مین پہلے غور کیا ہے - چنانچہ ایک وقت تھا کہ زمین بخارات کے بادل سے الگ ہوکر گیس کی شکل مین گھوم رہی تھی - اس وقت حرارت خود اسکے اندر موجود تھی اور اسکے ذرات کو باہر کی طرف دھکیل رہی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ حرارت گم ہوگئی یا کم ہوگئی اور اس کا اثر جاتا رہا - مگر اس حرارت کے زائل ہونے اور زمین کے منجمد ہوجانے پر ترقی مین کوئی رکاوٹ نہین ہوئی بلکہ جو حرارت اور روشنی وغیرہ آفتاب سے نکل رہی تھی اب آئندہ اسکی وساطت سے ترقی کی ایسی اعلےٰ شکلین نمایان ہوئین کہ زمین کی اندرونی حرارت سے ممکن نہ تھین - اب فرض کرو کہ ایک دن یہ ہمارا آفتاب بھی سرد ہوجائیگا اور زمین کیطرح اس مین بھی حرارت کا وجود نہ رہیگا لیکن اگر اس آفتاب سے پرے کوئی آفتاب ہو جس کے گرد یہ آفتاب اسی طرح حرکت کرتا ہو جس طرح اس آفتاب کے گرد زمین تو ضرور ہے کہ جس طرح زمین کے سرد ہوجانے پر آفتاب کی حرارت نے اس کو اور بھی ترقی دی تھی اسی طرح اس آفتاب کے سرد ہوجانے پر دوسرے آفتاب کی شعاع اس نظام کو اب سے زیادہ آباد کریگی اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کرہ یا ایک نظام شمسی کے منجمد ہوجانے سے اگر اس سے اوپر کوئی اور آفتاب موجود ہو تو ترقی رک نہین سکتی - اس شرط نتیجہ کو مان کر جسمین کوئی شک نہین اس کے ساتھ اس نتیجہ کو ملاؤ جو تمام عالم پر نظر کرنے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ازل سے ابد تک رہنے والا آفتاب وحدت ہے جس نے اس
عالم کو پیدا کیا ہے اور جس کے نور نے ناموجود کو موجود اور نامحسوس کو محسوس بنایا ہے ا
ان دونو مقدمات کو ملانے سے ثابت ہوگا کہ خواہ یہی ایک آفتاب ہو اور خواہ اس کے
وپر اور آفتابون کا ایک سلسلہ ہو ان سب کے منجمد ہوجانے پر اگر اصلی سرچشمہ یعنی آفتہ
وحدت موجود ہے اور اگر وہ اپنی قدرت مین لازوال ہے تو اسکی شعاعون سے اس منجم
فضا پر وہی اثر ہوگا جو زمین کے منجمد ہوجانے پر آفتاب کی شعاعون سے ہوا۔ اور جس طرح
اس آفتاب وحدت کے وہ آثار ہماری نظر سے مخفی ہین جو بخار کے بادل سے پہلے ہوئے
ہونگے حالانکہ مادہ کے انقلابی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یقین کرتے ہین کہ پہلے بھی ہزارون
انقلاب ہوئے ہونگے اسی طرح اس آفتاب کا وہ اثر بھی ہمکو محسوس نہین ہوسکتا جو انجماد
کے بعد ظاہر ہوگا مگر اسی مادہ کی انقلابی حالت سے اس کا بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔

غرض ان انقلابون کو دیکھکر جسوقت ہم سمجھتے ہین کہ تمام مادی نظام تباہ ہوجائیگا او
تمام آفتاب اور سیارے منجمد اور بے نور ہوکر زمین و آسمان اور ان کی درمیانی موجودات کی
حالت دگرگون ہوجائیگی وہی وقت ہے جسکو **نفخ اول** کہتے ہین اور پھر جب اس کے بعد
یہ خراب آباد دوبارہ رحمت نور ربانی کا جلوہ گاہ بنیگا اور کسی اور طرح کی ترقی مین مصروف ہوگا
اس زمانے کو **نفخ ثانی** کہتے ہین اور بالاجمال ان دونو انقلابون کا نام **قیامت** ہے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ
السَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
(ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۷)

جس دن یہ زمین بدل کر اور زمین ہوجائیگی او
آسمان بھی بدل جائینگے اور سب چیزین ہراہ
رحمت خدا کے سامنے ہونگی

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ
جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ
مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى

ان لوگون نے جیسا چاہئے خدا کو پہچانا نہین حالانکہ
قیامت کے دن زمین سب اسکی قبضہ مین ہوگی اور
آسمان لپٹے ہوئے اسکے ہاتھ مین ہین وہ ذات پاک اور بلند

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۤءَ اللّٰهُ ۝ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝

ہے لوگون کے شرک سے۔ اور نرسنگھا پھونکا جائیگا پس جو آسمان وزمین پر ہین مرجائینگے باستثنا ان کے جن کو خدا چاہے۔ پھر دوبارہ پھونکا جائیگا تو وہ سب کھڑے ہوجائین گے

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۤءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

(زمر پارہ ۲۴ ع ۷)

اور حیران تکینگے اور زمین خدا کے نور سے روشن ہوگی اور کتاب رکھی جائیگی اور انبیا اور گواہون کو لایا جائیگا اور لوگون مین حق فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ كَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ﹰالْمُسْتَقَرُّ ۝

(قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱)

جب کہ نظر چندھیا جائیگی اور چاند بے نور ہو جائیگا اور سورج اور چاند جمع کر دئے جائینگے۔ اس دن انسان کہیگا کہ اب ٹھکانا کہان ہے بیشک کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ اور اس دن صرف ذات خداوندی پر قیام کا مدار ہوگا۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ وَاِذَا السَّمَاۤءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝

(مرسلات پارہ ۲۹ ع ۱)

پس جبکہ ستارے بے نور ہوجائینگے اور فضا خالی ہوجائیگی اور پہاڑ نابود ہوجائینگے اور جبکہ پیغمبرون کو جمع کیا جائیگا انکو کیسے بڑے دن مین شہادت دینی ہوگی۔ فیصلہ کے دن مین

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ...... عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ۝ (تکویر پارہ ۳۰ ع ۱)

جب کہ آفتاب بے نور کر دیا جائیگا اور جبکہ ستارے گرا دئے جائینگے اور جبکہ پہاڑ نابود کر دے جائینگے ...... اسوقت جان لیگا ہر شخص جو اس نے پیش کیا ہے

شکلون کی عمر نور کی قوت وضعف پر منحصر ہے | یہ تسلیم کرنیکے بعد کہ آئندہ انقلاب مین یہ مخلوق نئی شکل مین

پیدا ہوگی اور ترقی کریگی معین طور پر معلوم نہین ہوسکتا کہ اس وقت مخلوق کے وجود مین آ
یا قائم رہنے کا قانون کیا ہوگا البتہ یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ یہان مادہ کی مقدار اور جس ق
حرارت اور نور مادہ کو عطا کیا گیا ہے وہ سب کچھ محدود ہے اور مادہ اگرچہ اپنی حالت پر قا
ہے مگر حرارت اور نور وغیرہ کا ذخیرہ صرف ہوتا جاتا ہے چنانچہ جس قدر ذخیرہ زمین مین ودلیعۃ
نہادہ تھا غالباً صرف ہو چکا ہو اور اب جو کچھ آفتاب سے مل رہا ہے اسکی مقدار بھی خواہ کیسی ہی عظ
الشان ہو مگر بے پایان نہین اور ایک دن ختم ہونے کو ہے اور پھر اسکے صرف ہونے
بھی یہ شکل ہے کہ ایک خاص سمت سے خاص مقدار مین حرارت موصول ہوتی ہے اور جس ج
پر اس کا اثر پہنچتا ہے اسکی ایک طرف کو ایک خاص حد تک گرماتا ہے اور دوسری طرف پہنچ
پہنچتے اور بھی کمزور ہو جاتا ہے اور اگرچہ سیارون کو دوری حرکت دینے سے ہر طرف حرارت
پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے مگر دائمی اثر اس صورت مین بھی پیدا نہین ہوا اور اسی سے
سال کے مختلف موسمون مین اور رات دن کے مختلف حصون مین حرارت اور نور کا اثر
مختلف ہوتا ہے اور جو مخلوق اس اثر سے پیدا ہوتی ہے وہ ایک مختصر عرصہ سے زیادہ قا
نہین رہسکتی چنانچہ نباتات کا اکثر حصہ موسم کی ایک خاص حالت مین پیدا ہوتا ہے اور جب
تک وہ حالت قائم رہتی ہے بڑھتا پھولتا ہے اور اس حالت کے ختم ہو جانے پر نابود ہو جاتا ہے
اس سے زیادہ مکمل شکل کے درخت اگرچہ بہت عرصہ تک قائم رہتے ہین لیکن چونکہ محدود حرارت
نے ہر چیز کے اندر محدود قوت پیدا کی ہے اسلئے ان درختون کے گرد و پیش کی فضا اور خود
اور اسکی اندرونی اجزا کی قوت سب محدود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو مادہ ان درختون مین صرف
کیا گیا ہے اگرچہ وہ قائم رہتا ہے اور کبھی فنا نہین ہوتا مگر اسی محدود حرارت اور محدود قوت
کے سبب درختون کی یہ شکل ہمیشہ کے لئے قائم نہین رہسکتی - اور یہی کیفیت حیوانات اور انسان
کی ہے کہ مادہ کی یہ شکلین بھی ایک محدود عرصہ مین فنا ہو جاتی ہین کیونکہ جو قوت ان کے اند
اور باہر کام کر رہی ہے وہ محدود ہے -

مگر اس قوت کے محدود ہونیکا سبب کیا ہے؟ اگرچہ کیا معلوم ہوگا لیکن دیکھنا چاہئیے
کہ یہان کچھہ اثر آفتاب کے نور سے ظاہر ہوتے ہین اور کچھہ ماہتاب کے نور سے۔ اور دیکھا
جاتا ہے کہ ماہتاب کے نور سے جو اثر ظاہر ہوتے ہین اُنکا زمانہ بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ مدوجزر
ہو تو پھل پھول کی پیداوار ہو تو اور جسم کے اندر خون کا جوش اور بعض امراض کا چاندنی
اور اندھیری راتون مین آتار چڑھاؤ ہو تو غرض جس قدر اثر چاند کی گردش سے پیدا ہوتے ہین
چند روز مین بدل جاتے ہین اور اس کے برخلاف آفتاب کے اثر سے زمین پر جس قدر تغیرات
ہوتے ہین ان مین سے بعض تو بہت عرصہ تک قائم رہتے ہین اور بعض مثلاً موسمون کا تغیر
اور زراعت کی پیداوار بھی کم از کم مہینون کی عمر پاتے ہین اور اسکی وجہ اگر ہے تو یہی ماہتاب
مین جو اثر ہے وہ اسکی اپنی ذات سے پیدا نہین ہوتا بلکہ آفتاب ہی کا نور ہے جو ماہتاب کی
وساطت سے عمل کرتا ہے اور یہی ایک واسطہ حائل ہوجانے کا سبب ہے کہ وہ اثر کمزور ہوگیا ہے
اور اسکے خلاف آفتاب کا اثر خود اسکی ذات کیطرف منسوب ہے اور بیواسطہ ہونیکے سبب نسبتہً دیرپا
ہوتا ہے اب اگر یہ آفتاب بھی اپنی ذات سے منور نہ ہو بلکہ اسکے پیچھے کوئی اور سرچشمہ ہو جس سے
اسکو نور پہنچ رہا ہے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ آفتاب کے اثر کی محدودیت بھی اسی سبب سے ہے کہ
اسکا نور خود اسکی ذات سے پیدا نہین ہوتا اور واسطہ حائل ہونے کے سبب اُس کے اثر سے جو
مخلوق پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاص عرصہ مین فنا ہوجاتی ہے اور نیز یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر آفتاب
کے سرد ہوجانے پر اس سے اوپر کے آفتاب کا نور بے واسطہ آنے لگے تو اسکی مخلوق اب سے
زیادہ دیرپا ہو اور یہی نتیجہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ زمین جب گیس یا سیال تھی اور
حرارت خود اس کے اندر موجود تھی تو اسکی اجزا نہایت سرعت سے شکلین بدلتی رہتی تھین جیسا کہ
اب بھی پانی اور بخار کے ذرات مین فوری تغیرات دیکھے جاتے ہین لیکن جب اسکے منجمد ہونے
پر آفتاب کی طرف سے حرارت آنے لگی تو شکلین بھی نسبتہً پائدار ہونے لگین اب جو یہ آفتاب بھی
منجمد ہوجائیگا تو دوسرے آفتاب کے اثر سے اسوقت کی شکلین ضرور اور پائدار ہونی چاہئین

اور اسکے ساتھ جب یہ مانا جائے کہ ایک آفتاب وحدت موجود ہے جو اپنی ذات سے منور
اور اسی کا نور ہے جو واسطہ در واسطہ تمام عالم کو منور کر رہا ہے اور نیز وہ نور غیر محدود ہے او
نیز غیر مادی ہونیکے سبب اس کے فیضان کے لئے کسی خاص سمت اور خاص وقت کی
بھی ضرورت نہین تو ضرور یہ نتیجہ نکلے گا کہ جب تمام درمیانی وسائل ختم ہو جائینگے اور
اس نور کی شعاعین براہ راست اور ہر طرف سے عالم کو منور کرینگی تو خواہ اس عالم کے پیدا ہ
کی کوئی شکل ہو اور اسکے قیام کے واسطے کسی قسم کے قوانین جاری ہون یہ ضرور ہوگا کہ ہر
وقت جو چیز پیدا ہوگی اُسکی عمر محدود نہ ہوگی بلکہ جبتک اس نور کی شعاعین کام کرین یعنی
ابدالآباد تک وہ مخلوقات بھی قائم و دائم رہے۔

تشخص قائم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود۔

ابھی تک اتنا ذکر ہوا ہے کہ اس عالم کے تو وہ برف یا کسی اور شکل میں آنے
اور آبادی کے تباہ ہو جانے پر خاص نور وحدت کے اثر سے پیدائش
کا سلسلہ جاری ہونے کو ہے لیکن اب سوال ہے کہ جب یہان کی مخلوق تباہ ہوگئی اور اسکے
اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے ملگئے تو یہان کی مخلوق کا تشخص بھی قائم نہ رہا۔ اسلیئے خواہ آ
مادہ سے اور اسکے اعلے تشکلین پیدا کی جائین بعینہٖ وہ مخلوق پیدا نہ ہوگی جس نے اس دنیا
آباد کیا تھا۔ بلکہ وہ اور مخلوق ہوگی۔ اور اس لیے ابھی تک ثابت نہین ہوا کہ یہان کی مخلوق
دوبارہ زندہ ہوکر جزا و سزا برداشت کریگی۔ اور بیشک اگر محض جسمانیات کو دیکھا جائے
ایک چیز کے ٹوٹ جانے پر اُسکا تشخص بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر خواہ انھی اجزا سے اور شکل
بنائی جائے وہ پہلی چیز پیدا نہین ہوتی چہ جائیکہ تمام عالم درہم و برہم ہو جائے اور
دوبارہ پیدائش کا سلسلہ جاری ہو تو جس طرح یہان ہوتا ہے وہان بھی مادہ کی بعض اجزا
زمین اور فضا مین صرف ہونگین بعض اجزا دیگر سامان پیدا کرینگی اور بعض سے کچھ اعلی تشکلین
ہونگی اسلیئے اسوقت بعینہٖ یہان کی اعلے شکلون کی اجزا کا وہان کی اعلی شکلون مین صرف
ہونا بھی دشوار ہے اور اس سبب سے محض جسمانیت کے لحاظ سے اس عالم مین یہان کے تشخصات

قائم رہنا ممکن معلوم نہیں ہوتا اور اگر دنیا محض جسمانیات کا ہی مجموعہ ہو تو کچھ شک نہیں کہ اس صورت میں یہاں کے اعمال اور ان کی جزا و سزا سب کچھ اسی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائیگا اور آئندہ خواہ کچھ ہونا رہے یہاں والوں کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ لیکن یہی ایک عجیب بات ہے کہ سائنس دنیا میں جسم و جسمانیات کے علاوہ اور کسی چیز کو پہچانتی نہیں اور اس کے برخلاف مذہب میں اگرچہ بیشمار اختلاف موجود ہیں اور بہت سے مذاہب کسی نہ کسی امر میں سائنس سے اتفاق رکھتے ہیں اور جن مسائل کو اُس کے مطابق نہیں پاتے اُن پر اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھتے مگر یہی ایک مسئلہ ہے جس پر باوجود سائنس کی شہادت کے نہ ہونے کے تمام مذاہب کو اصرار ہے اور وہ سب جسمانیت کے علاوہ یہاں کے جانداروں میں ایک اور غیر جسمانی جوہر لطیف یعنی روح کو موجود مانتے ہیں اور موت کے بعد اس کے قائم رہنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اگر اختلاف ہے تو اس قدر کہ بعض مذاہب ارواح کو جسم کی پیدائش سے پہلے موجود مانتے ہیں یا قدیم جانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ارواح کا پہلے سے موجود ہونا ممکن نہیں بلکہ وہ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ جاندار کا نطفہ زندگی حاصل کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ غرض روح کا وجود سائنس اور مذہب کا قدیمی اختلاف ہے اور ثبوت دیکھا جائے تو جس کو ثبوت کہنا چاہئے کسی طرف بھی نہیں ہے قرائن اور نشانات سو انکی یہ صورت ہے کہ روح کے نہ موجود ہونے کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔ مسٹر جان سٹوارٹ مل لکھتے ہیں[1]:-

سائنس میں دوام روح کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ صرف ایک سلبی شہادت ہے یعنی یہ کہ دوام روح کے لئے کوئی ثبوت نہیں ملا لیکن یہ سلبی شہادت بھی ایسی مضبوط نہیں۔ مثلاً جادوگری کے بارہ میں یہ واقعہ کہ ”اُسکے موجود ہونیکا قطعی ثبوت موجود نہیں“ ایسا ہی نتیجہ خیز ہے جیسے اُسکے نا موجود ہونے کا کوئی ایجابی ثبوت نتیجہ خیز ہوتا۔ کیونکہ اگر جادو موجود ہوتا تو اسی زمین پر ہوتا اور اگر زمین پر ہوتا تو یقیناً اس کے وجود کی شہادت بھی مل سکتی لیکن موت کے بعد روح کے قائم رہنے یا نہ رہنے کے بارہ میں یہی استدلال پیش نہیں ہو سکتا کیونکہ جس طرح

[1] ایسیز ص ۲۰

کی شہادت جادو کے وجود کو غلط ثابت کرتی ہے اسی طرز سے اس قدر تو ثابت ہو سکتا ہے
کہ روح موت کے بعد نہ اس کرہ پر رہتی ہے اور نہ نظر آتی ہے اور نہ انسانوں کے کاروبار میں
دخل دیتی ہے ۔ لیکن اس امر کا یقینا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ کسی اور عالم میں بھی موجود نہیں
ہے ۔ اگر کوئی مبہم سا خیال ہو سکتا ہے تو یہ کہ وہ اس کرہ سے ہمیشہ کیلئے چلی جاتی ہے ۔"

باقی رہا اس کے موجود ہونے کا یا بعد از موت قائم رہنے کا قرینہ سو وہ بیشک موجود ہے اور
وہ یہ کہ جو صفات جسم اور جسمانی ساخت سے پیدا ہوں ان کے لئے ضرور ہے کہ جسمانی ساخت
کی قوت سے قوی ہوں اور اس کے کمزور ہونے پر کمزور ہو جائیں اور اس طرح فکر و خیال اور
دیگر دماغی اور اعصابی قوتیں ثابت ہوتا ہے کہ جسم سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے جسم کی قوت
وضعف سے ان میں تغیر ہو جاتا ہے لیکن انسان میں جسمانی وسائل کے بغیر اشیاء کو دیکھنے خیا
کو معلوم کرنے اپنے خیالات کو ظاہر کرنے اور وزنی چیزوں کو حرکت دینے کی یا چند او
قوتیں ایسی ثابت ہوتی ہیں جن کا ظہور جسمانی قوت وضعف کے مناسب حال نہیں ہوتا بلکہ
وہ عموماً ایسے وقت میں ظہور کرتی ہیں جبکہ جسمانی تعلقات بیماری سے یا مصنوعی طور پر بیہوش
کرنے سے کم ہو جائیں اور اکثر ایسی قوتوں کا ظہور موت کے وقت ہوتا ہے جبکہ جسمانی ساخت
قریب بزوال ہوتی ہے چنانچہ پروفیسر ولیم جیمس اپنے رسالہ هیومین امار ٹیلٹی اور مسٹر مایرس
اپنی مبسوط کتاب هیومین پرسنلٹی میں انہی مناظرہ کے بنا پر وجود روح اور دوام روح
کو اغلب ثابت کرتے ہیں ۔

اور یہ دیکھنے کے بعد کہ عدم روح کیلئے کوئی قرینہ بھی موجود نہیں اور دوام روح کے لئے
اگرچہ منطقی ثبوت نہ ہو مگر غالب گمان پیدا کرنیوالے قرائن موجود ہیں اور تمام مذاہب اسکے
وجود کو تسلیم کرتے ہیں ۔ مذہبی تحقیق کے متعلق اس انسانی فرض کا بھی خیال کر لینا چاہئے جو پہلے
ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کے اصولی دعوی تجربہ کی گرفت سے باہر ہیں اور اس لئے ان کی
نسبت یہ امید ہی نہ رکھنی چاہئے کہ وہ سب کے سب منطقی حسی دلائل سے پورے طور پر ثابت

ہو سکیں گے بلکہ اُن کے بارہ میں دیکھنے والے کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ تمام مذاہب کے اختلافی مسائل
میں کونسا عقیدہ قرینِ قیاس اور ممکن الوقوع ہے اور کس عقیدہ کو عقل یقیناً ناممکن کہتی ہے
چنانچہ اس نظر سے دیکھنے پر چونکہ روح کے وجود کے لیے قرائن موجود ہیں اور مذاہب کا اس بارہ
میں اختلاف بھی نہیں اس لیے دیگر اخلاقی مسائل کی تحقیق کے وقت عقل کو روح کی نسبت
گمان غالب پیدا ہونا کافی ہے اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان میں روح نہیں ہے
تو بیشک حشر و نشر اور جزا و سزا کا بھی خرخشہ نہیں۔ اور اس صورت میں برائی کرنے والا
اگر یہاں کے ملکی اور تمدنی قوانین کی زد میں نہ آئے تو شوق سے لطف اٹھائے آئندہ کوئی
پوچھنے والا نہیں لیکن اگر بدقسمتی سے ہمارے اندر کوئی چیز مرنے کے بعد قائم رہنے والی موجود ہے
اور قرائن کہتے ہیں کہ ہے تو پھر چاہے ہمارے یہ جسمانی اجزاء مادہ کے دیگر اجزاء کے ساتھ
مل جائیں ہمیں برائی کے بداثر سے بچانے والا کوئی نہیں کیونکہ جب مادہ موجود ہے اور
آئندہ انقلاب میں اور ترقی کریگا تو روح بھی موجود ہے اور وہاں اور اعلیٰ شکل میں جلوہ گر
ہوگی اور اس لیے مادّہ کی جو اعلیٰ شکلیں وہاں پیدا ہوں گی وہی روح کا مسکن قرار پائینگی
اور اس طرح خواہ مادی اجزاء وہی ہوں یا کوئی اور ہمارا تشخص برقرار رہیگا اور جس قسم کی ترقی
کا استحقاق لیکر گئے ہیں اُسکے نتائج برداشت کرنے پڑینگے اور جس قدرت نے یہاں ابتداً
مادہ اور روح کو پیدا کیا ہے اور باہم ملایا ہے وہ آئندہ جبکہ مادہ اور روح دونو موجود ہوں گے اور
اپنی اپنی قابلیت کے لحاظ سے بعض روحیں بعض شکلوں کے ساتھ پیوستہ ہونے
کی صلاحیت رکھیں گی اس قدرت کو پہلے تشخصات قائم رکھنے اَور بھی آسان ہونگے

چنانچہ ارشاد ہے:۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ
(بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱۱)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ خدا جس نے آسمان و زمین
کو پیدا کیا ہے ویسی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر
ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰهٰ پارہ ۱۶ ع ۳)

ہمنے تمکو زمین سے پیدا کیا اور اسی کی طرف واپس لے جاتے ہین اور دوبارہ اُسی مین سے نکالینگے۔

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (انبیا پارہ ۱۷ ع ۷)

جس طرح ہمنے پہلی پیدا کیا دوبارہ بھی پیدا کرینگے ہمارا وعدہ ہے اور ہم ایسا کرنیوالے ہین

وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (روم پارہ ۲۱ ع ۳)

وہی پہلے پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کریگا اور یہ کام اسکو اور بھی آسان ہے۔

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (یٰس پارہ ۲۳ ع ۵)

کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ویسی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر نہین۔ ہان وہ پیدا کرنیوالا ہے اور علم والا ہے

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِىْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (ق پارہ ۲۶ ع ۱)

کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے ہین۔ مگر یہ لوگ دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت شکوک مین گرفتار ہین۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ (ق پارہ ۲۶ ع ۳)

جس دن زمین پھٹ جائیگی اور یہ لوگ جلدی جلدی پیدا ہو جاوینگے ایسا حشر ہمارے لیے آسان ہے

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِىْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (واقعہ پارہ ۲۷ ع ۲)

ہم نے تم مین موت کا سلسلہ جاری کیا ہے اور اس سے عاجز نہین ہین کہ تم کو تم جیسی شکلون سے بدلین اور تمکو ایسے عالم مین پیدا کرین جس کو تم نہ جانتے۔

تمام دنیوی اجسام بعینہ زندہ نہین ہونگے

بعض اہل علم کیطرف سے زمانہ حال مین یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان مین روح نہین اور یہی اجزاے مادی قیامت کو دوبارہ زندہ ہونگے اس خیال پر جو اعتراض ہوتا ہے کہ اجزا پراگندہ ہونے کے بعد تمیز نہین رہتین اور دیگر اجزا کے ساتھ مل جاتی ہین۔ واقع مین کوئی وقیع اعتراض نہین۔ کیونکہ اگرچہ ظاہر مین پراگندہ ہونے

بعد اجزا مین کوئی تمیز نہین رہتی مگر واقعہ مین وہ اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے متمیز ہین۔ ہم یہان
بعض نباتات یا معدنیات کے اجزا کو جلا دیتے ہین اور کشتہ کر لیتے ہین اور اس حالت مین ایک
چیز کی اجزا دوسری چیز کی اجزا سے متمیز نہین ہوتین لیکن پھر بھی ہر چیز کی اجزا مین وہ تاثیر
ہوتی ہے جو دوسری چیز کی اجزا مین نہین ہوتی اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اجزا کچھ عرصہ خاص نباتات
یا خاص دھات کی شکل مین رہ چکی ہین۔ اسی طرح جو اجزا خاص مدت تک کسی انسان کے جسم مین
رہ چکی ہین اور اچھے اور برے رنج و راحت اور مسرت و غم کے اثر برداشت کر چکی ہین وہ بھی واقع
مین عام اجزا اور دیگر انسانون کی اجزا سے متمیز ہین اور وہ خدا جس نے ان اجزا کو پیدا کیا ہے
اور خاص خاص اجزا کو خاص خاص حالات مین رکھا ہے اس کو یہ اجزا فراموش نہین ہو سکتین
اور اگر ہم خدا کو مانتے ہین تو اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ پھر انہی اجزا کو اسی شکل مین پیدا کرنا
اسکی قدرت مین ہے اور اگر اسکی مشیت ہوگی تو انسان بعینہ اپنی انہی اجزا کے ساتھ پیدا
ہو سکین گے چنانچہ فرمایا ہے

اَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ط بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ط (قیامہ پارہ ۲۹ ع ۱۷)	کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیون کو جمع نہ کر سکینگے؟ ہان ہم قادر ہین کہ اسکی انگلیون کے پور تک بنا دین۔

مگر باوجود اس کے ہم جو آئندہ جہان مین جزا و سزا کو بعینہ دنیوی اجزا کے زندہ ہونے پر منحصر نہین سمجھتے
اور جیسا کہ گذشتہ آیات قرآنی اور اس طرح کے اور بہت سے مقامات پر ارشاد ہوا ہے کہ ہم ان کی مانند
اجسام پیدا کرینگے ہی کو قرین عقل سمجھتے ہین تو اس لئے کہ یہان جیسا کہ امام غزالی رح فرماتے
ہین اکثر اجزا کا ایک سے زیادہ انسانون مین داخل ہونا ممکن ہے کیونکہ اول تو مرنے کے بعد عموماً
جسمانی اجزا ہمین کے کاروبار مین صرف ہوتے رہتے ہین اور آئندہ آنے والے انسان ہمین کی اجزا
سے خوراک لیتے ہین اور دوسرے ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جاتا
ہے اور اس وقت چاہے خوراک اسکی اجزا سے اصلیہ مین شمار نہ ہو مگر اس خوراک سے علاوہ اور کامون

کے نطفہ بھی تیار ہوگا اور اس نطفہ سے کوئی اور انسان بنیگا تو اب اس انسان مین وہی اجزا ہین جو خوراک بننے والے انسان مین تھین اور ان اجزا کو آئندہ جہان مین انسانی شکل دیجاوی تو ایک انسان بنیگا حالانکہ یہان ان سے یکی بعد دیگرے دو انسان پیدا ہوئے تھے اور اگر جزا و سزا کیلئے انھی اجزا کا وجود ضرور ہو تو لازم آئیگا کہ ایک نے حشر و نشر کو برداشت کیا اور دوسرا نہ بھلائی مین پکڑا گیا نہ برائی مین - اس لئے حقیقت مین تشخص اسی طرح پر قایم رہ سکتا ہے کہ کوئی چیز یہان سے وہان تک برابر موجود رہے خواہ جسمانی اجزا اسکی مشیت کے موافق بعض مین وہی رہین اور بعض مین اور - آخر یہان بھی تو انسان کے جسم مین پیہم خوراک کی شکل مین بہت سے اجزا در آتے ہین اور بہت سے خارج ہوتے رہتے ہین حتےٰ کہ بوڑھے جسم کے کسی جزو کو بھی نہین کہ سکتے کہ یہ بچپن سے ابتک قائم ہے مگر اس تغیر سے انسان کے تشخص مین فرق نہین آتا اور باوجود اجزا بدل جانے کے بڑھاپے مین وہی انسان تکلیف اٹھاتا ہے جس نے بچپن مین بے اعتدالی کی تھی اور وہی سزا پاتا ہے جس نے قصور کیا تھا -

حیوانات جزا و سزا نہ پائینگے | یہ ثابت ہوا کہ اگر روح موجود ہے تو جس طرح یہان اعلےٰ شکلون مین پیدا ہوتی ہے وہان بھی اعلےٰ تر شکلون مین جلوہ گر ہوگی اور یہان سے جو قابلیت لیکر گئی ہے آیندہ ترقی کریگی - مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ روح حیوان مین بھی پائی جاتی ہے اور جو قرائن روح کو ثابت کرتے ہین وہ اگرچہ اس قوت سے حیوان مین موجود نہین مگر تاہم کچھ نہ کچھ ہین اس لئے ہونا چاہئے کہ یہ روح بھی وہان اپنے مناسب حال شکلون مین ظہور کرے اور انسان کیطرح حیوانات بھی پیدا ہون اور وہ بھی جزا و سزا برداشت کرین اور نہ صرف یہی بلکہ جو چیزین محض مادہ سے بنتی ہین مثلاً نباتات ضرور ہے کہ مادہ کی کچھ اجزا اس قسم کی ترقی یافتہ شکلین بھی اختیار کرین بیشک یہ سب کچھ ہوگا اور مادہ کی کوئی قابلیت ضائع نہ جائیگی لیکن جزا و سزا کے مسئلہ مین ابھی غور کرنا باقی ہے -

یہان جو مادہ سابقہ انقلابون مین گیس سی سیال اور سیال سے منجمد ہوا تھا وہ جب آئندہ انقلاب مین نبات اور حیوان بنا تو اگرچہ اس نے ترقی کی مگر وہی قادر کہ بے نظام سے بانظام اور بے جان سے جاندار ہو گیا اور اس سے زیادہ ترقی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ اگرچہ ہمکو نہایت قدیم زمانے کا علم نہین اور اگرچہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے شاید درخت اور حیوان کی ایک نوع بہت سا زمانہ گذرنے کے بعد اپنی صورت شکل اور حالات و خصائل مین ترقی کر کے دوسری نوع بنگئی ہوگی اور یہ بھی ایک انقلاب ہوگا جو انکی حالت مین واقع ہوا۔ لیکن ایک ہی نوع ہو اور کچھ عرصے مین اپنے حالات مین ترقی کر جائے درختون اور حیوانون مین اس کا کوئی نتیجہ نہین اور ان سب کے برخلاف انسان ایسی مخلوق ہے کہ باوجود ایک ہی نوع انسانی مین شمار ہوسکنے کے افراد اور نیز اقوام چند سال بھی ایک حالت پر قائم نہین رہتے اور ان کی رفتار خواہ بہتری کی جانب ہو یا بدتری کیطرف ان کے افراد سالون کی ایک دہائی مین اور قومین ایک سیکڑہ مین ایسی بدل جاتی ہین کہ اکثر دیکھنے والون کو حیرت ہوتی ہے۔ اور اسکی وجہ یہی ہے کہ درخت اور حیوان کے تمام افعال انکی طبیعت کے اقتضا سے سرزد ہوتے ہین اور انتخاب اور فیصلہ کی طاقت کو اسمین کوئی دخل نہین۔ درخت اگر اپنے ریشون اور مسامون کے ذریعہ سے غذا کو جذب کرلیتا ہے تو اقتضائے طبیعت سے اور حیوان اگر خوراک مہیا کرنے اور نسل بڑہانے کے لئے حرکت کرتا ہے تو اپنی فطرت کے حکم سے۔ اور اگر شیر دیگر حیوانون کو مار کر خوراک بہم پہنچاتا ہے یا ہرن گھاس کی سبز کونپلون کو توڑتا ہے تو یہ سب بے اختیاری کی حرکتین ہین اور ہمیشہ ایک حالت پر رہتی ہین۔ مگر ان کے برخلاف انسان خواہ اپنی تقاضائے طبیعت سے کیسا ہی لاچار اور بے اختیار مانا جائے مگر اسکے اندر جو انتخاب اور فیصلہ کی طاقت رکھی گئی ہے اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا۔ چنانچہ یہ جو کچھ کرتا ہے سوچ سمجھ کر اور ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی سے دو انسانون کے افعال بھی باہم یکسان نہین ہوتے اور جب وہ ایک دفعہ کسی ایک تصور کو قائم کرلیتا ہے اور اسکے رو سے

ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے تو اس سے اس تصور اور عمل کا اثر آئندہ تصور اور عمل پر پڑتا ہے اور دو دفعہ ایک ہی تصور قائم کرنے اور یکسان عمل کرنے کے بعد تیسری دفعہ جب اپنی انتخاب اور فیصلہ کی مشق کرتا ہے تو پہلا تصور اور عمل اور بھی زور سے اثر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور یون اسکے تنزل اور ترقی کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور پھر اس کے یہ تصورات اور اعمال ہی ہوتے ہین جن سے اسکی نیک یا بد حالت پیدا ہوتی ہے اور تصورات اور اعمال کی ترقی سے اس حالت مین بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور یہی سزا و جزا ہے جس کا سلسلہ اسی جہان سے شروع ہو جاتا ہے

اچھا تو جب آئندہ پیدائش مین یہ سب موجود ہونگے تو چونکہ نباتات اور حیوانات مین کم از کم شخصی ترقی کا کوئی نشان نہین اسلئے کہنا چاہئے کہ جیسے یہان والون نے اپنی قدر ترقی کی ہے کہ سیال سے منجمد اور منجمد سے نباتات یا حیوان بنگئے اسی طرح وہان کی پیدائش بھی کوئی ترقی کی صورت ہوگی مگر جس طرح یہان کی ترقی یافتہ حالت یکسان رہی ہے وہانکی ترقی یافتہ حالت بھی یکسان رہیگی اور اسلئے کہا نہین جاسکتا کہ وہان پیدا ہونا ان کے اعمال کی سزا و جزا ہے لیکن انسان جس طرح یہان پیدائش کی ترقی کے بعد اپنے تصورات و اعمال سے اپنی حالت مین بھی ترقی کرتا ہے اسی طرح وہان بھی ترقی یافتہ شکل مین پیدا ہونے کے بعد وہان کی حالت مین ترقی کریگا اور اس لئے اسکی پیدائش پر جزا و سزا کا سلسلہ جو یہان سے شروع ہو گیا ہے وہان بھی جاری رہیگا۔ غرض یہ کہ خواہ حیوانات مین بھی روح ہو مگر ترقی کی قابلیت انکی روح اور انسان کی روح مین امتیاز پیدا کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دونون کی حقیقت یکسان نہین اور اس سبب سے حیوانات جزا و سزا کی گرفت سے باہر ہین۔

ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر | انسانی جزا و سزا کے متعلق ابھی بہت سا غور کرنا باقی ہے از انجملہ ایک یہ کہ اگرچہ انسان نے اس دنیا مین ایسی ترقی کر لی ہے کہ افریقہ کے حبشی اور یورپ کے مہذب مین وہی فرق ہے جو انسان اور حیوان مین ہونا چاہئے اور اگر اس طریق معاشرت کو

دیکھا جائے جو آجکل مہیا ہوگیا ہے تو حیرت ہوتی ہے - لوازم صحت کا اہتمام - دماغی اور جسمانی قوت کی ترقی - صعوبات نقل و حرکت کی کمی - وسائل نامہ و پیام کی آسانی - انتظام حکومت کی اصلاح ضعیفوں اور زیر دستوں کی مساوات - اپاہجوں اور ناداروں کی دستگیری - سامان تفریح کی تیاری غرض تمام وہ اسباب جو نوع انسانی کی راحت و مسرت کو بڑھانے اور تکلیف و رنج کو کم کرنے کے لیئے ہین انکو دریافت و ایجاد کرنے اور اشاعت دینے مین وہ عرق ریزی اور دماغ سوزی کی گئی ہے اور اس خوبی سے سب امور کو معراج کمال تک پہنچایا گیا ہے کہ ہم جیسون کے نقطہ خیال سے ترقی کرنے والون کی تمام حرکات اعجاز و خرق عادات سے کم نہین ہین - لیکن اگر اس تمام دردسر کے نتیجہ کو دیکھا جاسے اور غور کیا جائے کہ اس کوشش سے جو انسان کا مدعا اور مدنظر تھا آیا وہ بھی حاصل ہوسکا ہے یا نہین تو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ واقعات کی شہادت آرزو کے خلاف ہے - راحت و مسرت کی جستجو ہے مگر آہ ! بڑی سے بڑی ترقی کرنیوالون کو بھی اسکا نشان نہین ملا اور رنج و تکلیف سے نفرت ہے مگر لاکھ جتن کیئے اسی سے مخلصی نہ ہوئی اور آخر مین میزان دیکھی تو رنج و راحت کے متعلق وحشی اور مہذب مین کوئی بڑا تفاوت نظر نہ آیا - ترقی کرنیوالون نے سمجھا تھا کہ صنعت و حرفت اور عقل و شعور مین ترقی کرنے سے اور مال و دولت یا سامان عیش جمع کرنے سے بیفکری اور اطمینان نصیب ہوگا - مگر سب کچھ ہوا اور نہ ہوا تو بیفکری اور اطمینان - اور ادھر اس سامان ترقی سے محروم اور تہذیب و تربیت سے عاری مخلوق کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ جس قدر اطمینان و راحت کبھی کبھی مہذبون کو حاصل ہوتا ہے اس قدر حصہ گاہ گاہ یہ غیر مہذب اور وحشی بھی لے لیتے ہین - بیشک مہذب لوگ فرصت کے وقت باغون مین ٹہلتے ہوئے - کلبون اور تھیٹرون مین ہنسی نداق کرتے ہوئے بال اور ڈنر کی مجلسون مین اپنے دوستون اور عزیزون کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہوئے - معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی مسرت اور اطمینان کی حالت مین ہین مگر جو وحشی تمام دن جنگلون مین بھیڑ بکریان چرانے یا جنگل کا ساگ پات اور گھاس پھوس سمیٹنے پھر

ہین اور اپنے ننگے جسمون پر گرمیون کی دہوپ اور جاڑون کی ٹھر برداشت کرتے ہین وہ بہی شام
کے وقت جب بنسری بجانے اور وحشیانہ گیت گانے مین مصروف ہوتے ہین تو مہذبون کے بال
اور تھیٹرون سے کم لطف نہین اٹھاتے - اور ادھر وحشیون کی بے سامان زندگی اور آدہا پیٹ
سوکھا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے شب و روز کی سخت محنت اور پہر اس پر زبردستون کا ظلم و ستم
انکی بیکسی و بے بسی ان سب حالتون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سخت رنج و فکر کی زندگی بسر
کرتے ہین - مگر جو لوگ اپنی سر بفلک اور راحت بخش عمارتون مین آرام کرسیون اور گدیلون پر
بیٹھے ہوئے اپنے کارخانون کا حساب کتاب پڑتال رہے ہین دیکھنے مین نہایت آرام
بیٹھے ہوئے اور ایک نازک سی پتلی قلم کو محض دو انگلیون سے ہلاتے ہوئے معلوم ہوتے
ہین ہموم و افکار کے جس بوجھ کے نیچے وہ دبے ہوئے ہین اُس کا اندازہ انکا دل ہی کرسکتا ہے
زبان سے وہ بھی ادا نہین کرسکتے - بلکہ اس لحاظ سے ترقی کو اور یہی تنزل کہنا چاہئے کہ جس قدر
رتبہ اور حیثیت مین ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر ہموم و افکار اور دوسرا بڑھتا جاتا ہے - اگر
کوئی بڑے سوداگر ہین اور انہون نے ہر ملک مین کوٹھیان کھول رکھی ہین ہر کارخانہ مین حصے
خرید رکھے ہین تو ان کے لئے خوشی اور مسرت کا سبب ہے اور بیشک نادار اور جاہل اس مسرت
سے محروم ہے - مگر کہین کسی ملک مین لڑائی ہو جائے اور وہان کے نوٹون کا بھاؤ گرنے لگے
کسی کارخانہ مین آگ لگ جائے کہین کوئی ریل ٹکرا سے غرض دنیا مین کوئی بڑا حادثہ گذرے
ان کو اپنا دیوالہ نکلنے کا اندیشہ ہو جائیگا اور رات کی نیند اور دن کی بھوک جاتی رہے گی بلکہ
کسی وقت ایسا غم پیدا ہونا بہی ممکن ہے جس سے وہ خودکشی کرلین - اگر وہ خوشی تھی تو یہ غم ہے
ایسا ہے جس سے تنزل والون کو واسطہ نہین پڑتا - اگر کوئی بڑے صناع ہین بہت سی مفید
کارآمد آلات کے موجد ہین اور اپنی ایجاد کو پٹینٹ کروا کر ہزارون کا فائدہ لے رہے ہین تو
انکی بے نظیر مسرت ہے لیکن اس ہر وقت کے غور و خوض کے علاوہ جوان کے دماغ کو اندر
اندر کہائے جاتا ہے اگر کسی نے اِن کے ایجاد کردہ آلہ مین کوئی اور ذرا سا پرزہ بڑہا کر اسکی سودمندی کو

کردیا تو اس سے انکی تجارت کو جو نقصان پہونچیگا اُس کا غم بھی اپنی آپ ہی نظیر ہوگا - اور یہی اور سب انسانی ترقیوں کی کیفیت ہی کہ جس مین جس قدر راحت اور مسرّت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر تکلیف اور رنج بھی ترقی کرتا ہے اور جس طرح کم حیثیت اشخاص اپنے سے بالا تر افراد کو دیکھ کر اُن کے علو جاہ کا رشک کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ ہمین بھی یہی منزلت حاصل ہو ویسے ہی عالی رُتبہ لوگ کم تعلق افراد کو دیکھ کر اُن کے اطمینان اور بیفکری کا رشک کرتے ہین اور چاہتے ہین کہ ہمین بھی یہی سکون نصیب ہو - اور جیسے ایک گداے دلق پوش قاقم و سنجاب پہننے والے امیر کو دیکھ کر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے ویسے ہی عالیشان بادشاہ ایک درویش بینوا کو دیکھ کر اُسکی بیفکری کی میٹھی نیند سونے پر عش عش کرتا ہے - اور علی ہذا کسی بادشاہ کو ایک ملک فتح کرنے سے جو مسرت ہوتی ہے دوسری شکل مین اسی درجہ کی خوشی ایک بھوکے فقیر کو روٹی کا ٹکڑا ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی غریب انسان کو ایک پیسہ کھو جانے سے جو رنج ہوتا ہے دوسری شکل مین اسی طرح کا غم ایک بادشاہ کو اسکا صوبہ باغی ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے -

ترقی کرنے والوں نے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا

اب کہا جائیگا کہ ترقی کا یہ مطلب نہین کہ ترقی کرنے والے خود راحت و مسرّت حاصل کرین - بلکہ ترقی کے معنی ہر چیز کی اصلی حقیقت اور حالت کو دریافت کرنا اور اس حقیقت اور حالت کے لحاظ سے جو فرائض ہر ایک کے متعلق دریافت ہون ان پر عمل کرنا اور اس کوشش مین کوشش کرنیوالون کو تکلیف ہو یا راحت اسکو خوشی برداشت کرنا ہے مگر ترقی کی تعریف کو اس طرح بدلنے سے کیا مطلب نکلا ؟ یہی کہ خود ترقی کرنے والون کی راحت اور مسرّت نہ سہی مگر حقیقت اور فرائض کو معین کرنے سے آخری مدعا ہوگا تو یہی) کہ عوام الناس راحت و مسرت پائین - اچھا تو اب اسی حیثیت سے ترقی کا انجام دیکھنا چاہئے -

تدابیر صحت کا فائدہ

بیشک تدابیر صحت اور ازالۂ امراض کے متعلق بہت کچھ ترقی ہوئی ہو

دوائین ہین تو ان کو خوشگوار قلیل المقدار اور سریع الاثر بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہین کیا جاتا۔ آلات ہین تو انکی خوبی اور صفائی کی پہلے نظیر نہ تھی۔ اسکے متعلق تعلیم
سامان اور معالجہ کے لیئے مکانات اور اسباب غرض ہر چیز اس عمدگی سے مہیا کی جاتی
کہ گذشتہ زمانہ کی ایسی تدبیرون کو زمانہ حال کی ترقی سے کوئی نسبت نہین اور بیشک ا
کوششون سے پبلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچا مگر ذرا خیال رہے کہ طبیعتین بھی اب ایسی بے
ہوگئی ہین کہ جہان گذشتہ زمانے مین بہت سی پیچیدہ مرضون کو بھی " اوہ " کہ کر ٹال د
جاتا تھا اور مریض نہایت بے پروائی سے چلتے پھرتے اس تکلیف کو گذار دیا کرتا تھا او
روزانہ کاروبار یا فرائض منصبی کو معطل چھوڑنے کی نوبت جبھی آتی تھی کہ مریض چارپا
سے اٹھ نہ سکے وہان اب ایک پھانس لگ جانے پر اور گرمی دانے نکل آنے پر ڈاکٹرون
فیس دیکر گھر پر بلایا جاتا ہے اور فرض منصبی سے رخصت حاصل کی جاتی ہے۔ غرض جسم
خواہ کیسی ہی کم تکلیف ہو مگر دل و دماغ پر وہی رنج و اندوہ کا بار پڑتا ہے جو پہلے شاید سل و د
پر بھی پڑتا ہو۔ اور یہ خیالی جولان نہین بلکہ ہسپتالون کے رجسٹرون کو دیکھا جائے او
جو میلا وہان روزانہ لگتا ہے اُسکے انبوہ کا خیال کیا جائے اور ڈاکٹری دوکانون جس
قدر دواؤن کی بکری ہوتی ہے اس پر غور کیا جائے اور پھر اس کا مقابلہ پرانے اطبا کی مط
اور عطارون کی دوکانون سے کیا جائے تو دونو تعداد دون مین نمایان فرق نظر آئے گ
پس کیا تہذیب کے ساتھ پیچیدہ امراض بھی زیادہ ہونے لگے ہین؟ اگر یہ ہے تو اور
قباحت ہوئی۔ مگر نہین حقیقت یہی ہے کہ آجکل پھانس اور گرمی دانے بھی پیچیدہ امر
مین شامل ہوگئے ہین اور ان پر بھی وہی نالہ و بکا کیا جاتا ہے جو پہلے اسہال کبدی اور تپ
سے مخصوص تھا

یہ بلا تو خود علاج کی سہولت سے پیدا ہوئی ہے اب اسکے ساتھ دوسری ترقیون کو م
دیکھا جائے تو مرض و صحت کے متعلق اور بھی قباحت نظر آتی ہے پہلے وسائل نقل و حرکت

کم تھے اور سفر کرنا دشوار تھا اب اِن میں آسانی ہوگئی تو آمد و رفت بھی بہت بڑھ گئی ہے اور صحت و مرض پر اس کا یہ اثر ہوا کہ کم بختی سے کہیں متعدی مرض پیدا ہو پھر لاکھ قرنطینے اور روک ٹوک کی جاے اس کا اثر سارے کو سون پہنچتا ہے اور انسانون کے ساتھ مرض بھی ریل اور اسٹیمرون مین سوار ہو کر افریقہ سے ایشیا اور ایشیا سے امریکا جا سر نکالتا ہے حالانکہ پہلے جب قافلے لٹتے تھے تو ایسے مرض کا ایک ہی ملک کے تمام شہرون مین پھیلنا بھی دشوار تھا۔

اصلاح حکومت کا فائدہ

اسی طرح قوانین حکمرانی کی اصلاح کرنے سے لوگون کو بہت سی جبر و تشدد سے جو پہلے بیقاعدہ حکومتون مین برداشت کرنے پڑتے تھے نجات ملگئی۔ مگر یہ ذرہ ذرہ معاملات کی چھان بین اور ہر معاملہ مین واجب و ناواجب کی تمیز اور پھر ہر ایک کے متعلق جزا و سزا کا استحقاق غرض اِن باتون کی تفصیل نے پبلک کا احساس بھی ایسا تیز کر دیا ہے کہ جہان پہلے بڑے بڑے نقصانون کو صبر کی تدبیر سے دبا دیا جاتا تھا وہان اب ذرا سی بات پر مقدمات ہائی کورٹ تک پہنچتے ہین اور جہان غیر مہذب یا نیم مہذب ملکون مین اکثر اشخاص کو تمام عمر عدالت مین جانیکا اتفاق نہین ہوتا وہان مہذب ملکون مین ہر شخص مجبور ہے کہ ایک طرف کسی ڈاکٹر کو اور دوسری جانب کسی پلیڈر کو اپنا طبی اور قانونی مشیر ہمیشہ کے لئے مقرر کر چھوڑے کیونکہ کسی دوکان سے اترتے ہوئے ذرا سے نشیب فراز کے سبب پاؤن پھسل جانے پر ڈاکٹر کا علاج بھی ضرور ہے اور وکیل کی وساطت سے نالش بھی۔ اور یہ صرف طبیعت کی بے چینی اور احساس کی تیزی ہی نہین بلکہ تہذیب کی ترقی سے اسباب معیشت بھی ضرور ہی ایسے گران ہو جاتے ہین کہ پاؤن پھسلنے پر جو ایک آدھ دن کام چھوڑنا پڑتا ہے تو اسکا نقصان بھی ناقابل برداشت ہوتا ہے اسلئے ترقی ہی نے یہ مجبوری پیدا کر دی ہے کہ مروت کی آنکھ مین خاک ڈال کر تھوڑے سے ہرج پر مجرم کو حوالات کی سیر کرائی جائے اور ایک دن بیکار رہنے کا معاوضہ وصول ہو۔

سہولت نقل و حرکت کا فائدہ

وسائل نقل و حرکت اور نامہ و پیام کی ترقی ایسا احسان ہے کہ پبلک

اس سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہوسکتی مگر جس قدر جان و مال کا نقصان اور خوفناک حادثے
ریلوں کے ٹکراؤ سے واقع ہوتے ہیں چھکڑوں گاڑیوں کے وقت میں انکا بھی نشان نہ تھا
اور علی ہذا فن جہاز رانی نے جہاں سفر کو آسان کردیا ہے اور تجارت کو بہت فائدہ پہنچایا ہے
وہاں انسان پر بحری لڑائی کی مصیبت بھی اسی کے ہاتھوں پڑی ہے اور فن کی ترقی کے
ساتھ یہ مصیبت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ خشکی کے جنگ میں کچھ مرتے تھے تو کچھ بچ بھی رہتے تھے
اب جن کا جہاز ٹوٹے وہ گولوں سے بچے تو سمندر ان کو ہضم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور اسکے
علاوہ اس احساسی ترقی کا کیا علاج کہ جہاں پہلے چھکڑوں اور بھدی قسم کی بیل گاڑیوں کو
غنیمت سمجھا جاتا تھا وہاں اب میل ٹرین کے مقابل میں پسینجر ٹرین پر سوار ہونے میں پہلی
حالت کو دیکھا جائے تو جسم کو بے حد راحت ملی مگر قلبی تکلیف اور بے چینی ایسی ہے
کہ گویا پیدل چلنا پڑا۔

وسائل نامہ و پیام کا فائدہ

اور اسی طرح اگر ڈاک اور تار میں خوشگوار خبریں نہایت سرعت سے
پہنچ سکتی ہیں تو فتنہ و فساد کی آگ بھی انہی وسائل سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں
نہایت تیزی سے پھیل سکتی ہے۔ اور اگر پہلے برسوں عزیزوں کی خیریت نہ معلوم ہو تو اضطراب
نہ ہوتا تھا۔ اب ڈاک کا انتظار بھی ناگوار ہے اور تار کے اگر جلد نہیں آتا اور تار بھی ارجنٹ سے
آرڈینری بھیجدیا جائے تو اتنی دیر جان سولی پر رہتی ہے۔

غرض ترقی کے کسی شعبہ کو دیکھا جائے اس سے اگر ایک طرح کی راحت پیدا ہوئی ہے
تو دوسری طرح کی تکلیف بھی ایسی پیدا ہوجاتی ہے جو خواہ پہلی تکلیفوں کے مقابل میں کیسی
قدر کم ہو مگر تکلیف ہونے میں شک نہیں اور دنیا کو دار المحن کہنا جیسا وحشت کی حالت
میں صحیح تھا تہذیب کے وقت بھی درست ہے۔

راحت و مسرت کی آرزو پیدا ہونیکا بھی کوئی موقع ہونا چاہیئے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ راحت اور مسرت کی تلاش اور ترقی
کا جذبہ جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور نہ صرف انسان میں

بلکہ دوسری شکل مین ترقی کا خاصہ تمام مادہ مین ودیعت ہے کیا یہ نیچر کا نقص ہے اور اس کا
کوئی فائدہ نہین ؟ کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ کر سکنا اور بات ہی مگر یہ کہنا کہ اس مین کوئی فائدہ
نہین نہایت زبردستی ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ بہت سے فائدے جو ایک وقت پر نظر نہین آتے
دوسرے وقت پر ان سے انکار کی گنجائش نہین رہتی جسم کے بہت سے خواص دریافت ہوئے
ہین ان مین بعض مثلاً گریوٹی اور انرشیا یعنی کشش ثقل اور مادہ کی وہ خاصیت جس سے
وہ سکون کی حالت مین سکون کو اور حرکت کی حالت مین حرکت کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہے
یہ اور بعض اور خاصیتین ایسی ہین جن کا فائدہ جسم کی ابتدائی ترقیون مین جبکہ وہ سے آباد
کرون کی شکل مین ایک دوسرے کے گرد گھومنے لگے ہونگے نمایان ہوگیا تھا چنانچہ گریوٹی
اور انرشیا سے انکی دوری حرکت پیدا ہوئی مگر سوراخدار ہونا جو جسم کا عام خاصہ سمجھا جاتا ہے
اسکا فائدہ جسم کی اس حالت مین ہیچ تھا اور جب ترقی ہوکر نباتات وغیرہ ایسے اجسام پیدا
ہوئے جن کا قیام خوراک جذب کرنے پر منحصر ہے تو معلوم ہوا کہ سوراخدار ہونا ہی وہ خاصیت
تھی جس سے جسم کو یہ ترقی یافتہ شکلین نصیب ہوئین اور اگر مسام نہ ہوتے تو نہ خوراک جذب ہوسکتی
اور نہ نبات وحیوان کا جسم نشوونما پاتا۔ پھر مادہ اور جسم کی بیشمار خاصیتین تھین جو نباتات اور حیوانات
کے زمانے مین بھی گوشۂ کس مپرسی مین پڑی رہین اور یہ انسان ہی کی خاطر تھی جس کے لیئے
نیچر کے لاتعداد خزانے پہلے سے بھرے رکھے تھے چنانچہ یہ آیا تو اس نے آسمان وزمین
کو کھنگال ڈالا اور ہر چیز کی وہ وہ صفات دریافت کین اور ان سے کام لیا جن سے پہلے
کچھ فائدہ معلوم نہ ہوسکتا تھا مثلاً اکثر اجسام کا جلنے کے قابل ہونا جس سے آگ پیدا ہوئی
اس کا فائدہ ابتدائی دورون مین محسوس نہ تھا اور جب مادہ نے ترقی کرکے اپنے تئین روح
انسانی کا مرکز بنایا تو آگ کا وجود اسکی ضروریات زندگی مین شمار ہوا۔ علیٰ ہذا برقی رو کا معینہ
قوانین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنا۔ یا سٹیم کا مصنوعی طور پر پیدا ہوسکنا
یہ اور ایسی ہزارون خاصیتین ہین جن سے صرف انسان نے فائدہ اٹھایا۔ اب یہ ایک

ترقی اور تلاش راحت و مسرت کا جذبہ ہے جس کو ہم موجود پاتے ہیں اور چنداں فائدہ نہیں دیکھتے۔ مگر جس طرح ان ورفنون میں اُن فائدون سے انکار کرنا (اگر کوئی انکار کرنیوالا ہوتا) بیوقوفی تھا کیونکہ وہ بعد میں نظر آگئے اسی طرح اِس وقت اس جذبہ کے فائدے سے انکار کرنا نادانی ہوگا بلکہ بنظر بہ حالات گذشتہ ضرور کہنا چاہیئے کہ ابھی کوئی اور انقلاب آنیوالا ہے جس کے بعد انسانی ترقی کا فائدہ نمایاں ہوگا اور ترقی کرنے والے کامل راحت و مسرت حاصل کرینگے اور تنزل کرنیوالے کامل رنج و تکلیف۔

راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا

اس خیال کو واضح کرنیکے لیے یہ دیکھنا چاہیئے کہ چاند سے جو روشنی زمین کو پہنچتی ہے وہ اگرچہ آفتاب ہی کی روشنی ہے مگر ایک واسطہ حائل ہو جانے کے سبب کمزور ہو گئی ہے اور اس لیے چاند کی روشنی کیسی ہی شفاف ہو اُسکے ساتھ تاریکی کا جزو ضرور موجود رہتا ہے اور اسکو برخلاف جب آفتاب سے براہ راست روشنی آتی ہے تو زمین جس قدر روشن ہوسکتی ہے ہو جاتی ہے اسلئے کہ اب زمین اور آفتاب کے مابین کوئی واسطہ حائل نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آفتاب بھی اپنی ذات سے روشن نہیں اور وہ بھی اصل میں ایک واسطہ ہے جس کے اندر سے کسی اور آفتاب کی روشنی دنیا کو منور کر رہی ہے اسلئے گو اسکی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ ہے مگر حقیقی روشنی سے وہ بھی کمتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکے افعال بھی نقص سے پاک نہیں ہیں اور اسکی پیدا کردہ کوئی حالت ایک مختصر حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اپنی ضد کو بالکل فنا کرنے میں پوری کامیاب نہیں ہوتی۔ اور اس طرح اول تو جس قسم کا نور اور اس کے اثر سے جس قسم کا سامان راحت و مسرت کسی وقت میں موجود ہوتا ہے خود وہی اپنی حالت میں مکمل نہیں ہوتا اور اسکی نقص سے جو تکلیف پیدا ہونی ضرور ہے وہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسرے اگر ایک طرح کے سامان راحت و آسایش کا زمانہ ختم نہیں ہوا تو اس اثنا میں کوئی اور راحت اپنی حد کو پہنچکر تکلیف کا باعث ہو جاتی ہے اور موجودہ راحت کا لطف خاک میں ملجاتا ہے اور یہی کیفیت ہر ایک تکلیف کی ہے کہ اسکی محدودیت اور نقص سے کسی نہ کسی قسم کی راحت بھی محسوس

ہوتی رہتی ہے اور اِس لئے دنیا کو جبتک کسی درمیانی واسطہ کی وساطت سے نور اور سامان نسبت ملتا رہیگا اس کا رنج و راحت مکمل نہ ہوگا لیکن جب دنیا ان واسطون سے رہائی پاکر براہ راست نور وحدت سے منور ہوگی اس وقت جو سامان راحت ترقی کرنے والون کے لئے اور جو اسباب زحمت تنزل کرنیوالون کے واسطے موجود ہون گے ظلم ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ بھی نامکمل رہینگے

سوامی ویکانندجی کہتے ہین کہ[1]

"دنیا مین کوئی ترقی نہین - اگر ایک طرف بھلائی پیدا کی جاتی ہے تو دوسری طرف بہت سی بُرائی پیدا ہو جاتی ہے - غرض ہر ایک راحت کے ساتھ رنج موجود ہے اور ایسی حالت کی امید جس مین بالکل بھلائی ہو یا بالکل بُرائی خیال خام ہے - پس بُرائی دور یون ہی ہو سکتی ہے کہ بھلائی کی خواہش دور کردی جائے۔"

سوامی کا یہ قول اس دُنیا کے لحاظ سے بیشک درست ہے مگر انسان کے سب سے شریف اور مایۂ ناز جذبۂ ترقی کو ہمیشہ کے لیے بیہودہ کہنا ویسی ہی غلطی ہے جیسے سیارون کی ابتدائی حالت مین مسامون کے وجود کو اور نباتات اور حیوانات کے حالت مین جسم کے بہت سے خاصون کو بیفائدہ سمجھنے کی ہوتی - اور اسی طرح جو علاج وہ تجویز کرتے ہین کہ بھلائی کی خواہش کو دل سے نکال دیا جائے یہ بھی وہ دوا ہے کہ "چڑیا کا دودھ ملجائے مگر وہ نہین مل سکتی - یہ نیچر کو بدلنے کا سوال ہے جو انسان کے بس مین ہونا ایک طرف خود قدرت بھی اپنا قانون بدلنے کے لئے تیار نہین -

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا — خدا کی فطرت جس پر اُس نے لوگون کو پیدا کیا ہے
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم پارہ ۲۱ ع ۷) — خدا کی پیدائش مین تبدیل کو دخل نہین -

پس درست یہی ہے کہ بھلائی کی خواہش جو فطرت مین ودیعت ہے نہ اُسکو چھوڑنا ممکن ہے اور نہ ایسی ضرورت - بلکہ انسان کا فرض ہے کہ اس عطیۂ فطرت کی عزت کرے اور جو مناسب وسائل اُسکو حاصل کرنے یا ترقی دینے کے ہین اُن پر کاربند ہو اور پھر اپنے وقت پر اس کے حاصل ہونے

[1] ویدانت فلاسفی گیان یوگ - خلاصہ از باب چہارم -

کا انتظار کرے ۔

آیندہ ترقی کے وسائل

اب سوال یہ ہے کہ آیندہ ترقی کے وسائل کیا ہیں ؟ دنیا میں انسان جو ترقی کر سکا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے اور جب آیندہ انسان ہی ہونگے تو کیا اُنکی ترقی بھی اسی قسم کی ہوگی اور کیا وہان کی جنت بھی ریل اور تار ایجاد کرنے والوں کے حصہ میں آیگی ؟ بیشک یہان ترقی اسی قسم کی ہے اور اس سبب سے کہہ تو سکتے ہیں کہ وہان بھی یہی باتیں ترقی کرینگی اور اگر یہان صرف ایک کرہ زمین کی آمد و رفت کو آسان کیا گیا ہے تو وہان مریخ اور عطارد اور دیگر نظام ہائے شمسی تک ریل اور بیلون جانے لگین گے اور وہ براق اور رفرف جو سُنتے ہین کہ آنکھ کی جھپک مین زمین سے آسمان پر جا پہنچتے ہین وہ انھی چیزون کی ترقی یافتہ شکلین ہونگی ۔ مگر نہین ۔ ایسے مضمون مین ایسا سرسری فیصلہ یقیناً غلط ہوگا اور ہمین یہانکی ترقی کو امعان نظر سے دیکھنا چاہیئے ۔

فورس اور انرجی کے مختلف مظاہر

یہان ترقی کرنیوالا مادہ ہے اور ترقی کرنیکا ذریعہ قوت[۱] اور قوت کی نسبت ثابت کیا گیا ہے کہ وہ دو قسم کی ہے ۔ ایک قوت ذرات کو ذرات سے اور اجسام کو اجسام سے پیوستہ کرنا چاہتی ہے اور اُسکو فورس یا قوت جاذبہ کہتے ہین اور دوسری قوت ایک کو دوسری سے جدا کرنا چاہتی ہے اور اسکو انرجی یا قوت ہاربہ کہتے ہین ۔ فورس اور انرجی دونو کی مقدار معین ہے جسمین کمی زیادتی نہین ہو سکتی ۔ مگر فورس کی نسبت فیصلہ ہے کہ وہ وزندار مادہ کے ہر ایک ذرہ مین چسپیدہ ہے اور اُن سے علیحدہ نہین ہو سکتا لیکن انرجی ایتھر کی راہ سے ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک اشیا سے دوسرے اشیا کی طرف حرکت کرتی رہتی ہے ۔ اور نیز انرجی بالقوہ اور بالفعل دو قسم مین منقسم ہے جب پتھر چھینت پر رکھا ہوا ور کلاک تیار ہو مگر کوک نہ دی ہو تو اُس وقت دونو مین انرجی بالقوہ موجود ہے اور جب پتھر کو لڑھکا یا جائے یا کلاک کو کوک دی جائے تو انرجی بالفعل موجود ہو جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ جس حد تک فورس غالب آتا جاتا ہے اور ذرات یا اجسام کو پیوستہ

[۱] یہ مضمون مسٹر اڈورڈ کلاڈ کی کتاب دی سٹوری آف کریئیشن کے مختلف مقامات سے اخذ کرتا ہوں ۔

کرتا جاتا ہے انرجی وہان سے نکل کر پرے سے پرے چلی جاتی ہے چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مادہ چونکہ محدود ہے اس لیے ایک وقت پر فورس تمام مادہ کو مجتمع کر لیگا اور انرجی کا ظہور ختم ہو جائیگا اور مادہ کے تمام اجزا باہم پیوستہ ہو کر دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا ؀

غرض یہ کہ ترقی اپنی دونو قوتون پر منحصر ہے۔ اگر صرف فورس ہوتا اور انرجی اسکا مقابلہ نہ کرتی تو ابتدا سے تمام مادہ منجمد ہوتا اور کوئی ترقی ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر صرف انرجی ہوتی تو تمام ذرات اس قدر پھیل جاتے کہ پھر بھی ان سے کوئی اور شکل پیدا نہو سکتی۔ مگر اب چونکہ یہ دونو موجود ہین اس لیے اپنے مختلف مظاہر سے مختلف ترقیان ظاہر کرتے آئے ہین ابتدائی بخار کی شکل مین فورس نے کشش کیمیائی اور کشش اتصال کی شکل مین ذرات کو جمع کرنا شروع کیا اور انرجی نے حرارت اور روشنی کی شکل مین ایک کو دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔ اس قسم کی نہایت پیچیدہ کوششون کے بعد بخار کی یہ شکل بنی کہ جابجا ذرات کے انبار جمع ہو گئے۔ اور پھر ان مین کشش ثقل اور انرشیا کی شکل مین جد وجہد شروع ہوا اور بعض بعض کے گرد گھومنے لگے۔ اُدھر آفتاب کا جسم کشش اتصال سے سکڑنے لگا اور اُدھر زمین وغیرہ سیارے منجمد ہونے لگے اور نیز آفتاب کی انرجی روشنی حرارت اور عمل کیمیائی کی شکل مین اندھیرے سے گذرتی ہوئی زمین تک پہونچی اور یہان کی ہوا کو پھیلانے سے آندھیان اور طوفان آنے لگے اور پانی کو گرم کرنے سے بھاپ اٹھنے لگی اور جہان تک انرجی کا اثر تھا اوپر کو اٹھکر پھر فورس کے اثر سے پانی اور برف بنکر نیچے کو آنے لگی۔ چنانچہ یہان سے زمین کی ترقی شروع ہوئی اور نباتات اور حیوانات پیدا ہونے لگے۔ ان کی پیدائش اور ترقی کا باعث بھی وہی انرجی اور فورس کا مقابلہ ہے انرجی ان کے جسمانی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتی ہے اور فورس انکو پیوستہ رکھنا چاہتا ہے اور جو اور ذرات خوراک کی شکل مین داخل ہون ان کو بھی چسپان کرتا رہتا ہے اور اس طرح یہ اجسام نشوونما پاتے ہین۔ مگر نبات کی نسبت حیوان کے اندر یہ تفاوت اور ہوا کہ نبات ایک جگہ پر قائم رہکر اپنی جسمانی حالت مین ترقی کرتی تھی تو حیوان کو انرجی طبعی اور ارادی حرکتون کی شکل مین دور دراز مقامات تک لیجانا چاہتی ہے اور فورس سکون و آرام کی خواہش بنکر ایک مقام پر رکھنا چاہتا ہے پھر ایک نبات سے دوسری نبات

اور ایک حیوان سے دوسرا حیوان خواہ مشہور قانون ارتقا کے موافق پیدا ہوتا ہو یا جیسا کہ پہلے خیال تھا ایک قسم کی نبات اور ایک قسم کے حیوان کے بعد زمین سے کسی نہ کسی شکل میں دوسری قسم کے نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے رہتے ہوں - غرض ان ترقی میں بھی وہی فورس اور انرجی کا جد وجہد ہے یا ایک طاقت پہلی پیداوار سے دوسری پیداوار کو اور شکل میں لیجانا چاہتی ہے اور ایک طاقت پہلی مشابہت کو قائم رکھتی ہے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ترقی ہو کر انسان تک نوبت پہونچتی ہے اب انسانی ساخت چونکہ حیوانی ساخت کے مشابہ ہے اسلئے فورس اور انرجی اسکو بھی اسی طرح نشو ونما دیتی ہے جس طرح حیوان بڑھتا تھا اگر ایک انسان کی اپنی ترقی بھی ہے جس میں یہی دونو طاقتیں دوسری شکل میں جلوہ گر ہیں اور ایک دل و دماغ کے بعد دوسرا دل و دماغ کچھ زیادتی کرتا ہے جس کو انرجی کا اثر کہنا چاہیے اور کچھ پہلی حالت کو قائم رکھتا ہے جس کو فورس کیطرف منسوب کرنا چاہیے - اس طرح باہمی تعلقات زبان، صنعت، علم - اخلاق اور مذہب میں ترقی ہوتی رہتی ہے +

سائنس کے مسلمات سے استدلالی رفتار مذہب تک جا سکتی ہے

یہانتک تو وہ باتین ہین جن کو سائنس نے تسلیم کیا ہے مگر آگے کے لیے کچھ تو سائنس اپنا مدعا یہی قرار دیا ہے کہ دنیا کی موجودہ حالت سے بحث کرے - اور اُسکے آغاز و انجام کی نسبت تحقیق کرنا اسکے فرائض مین داخل نہین اور کچھ میرا خیال ہے کہ سائنس والون کا قصور یہی ہے کہ جس طرح سے وہ موجودہ حالت مین استدلال کرتے ہین وہی طرز اگر آغاز و انجام کے متعلق کارآمد ہو تو اُسکی طرف بھولے سے بھی توجہ نہین کرتے حالانکہ نظام قدرت کو دیکھنے اور اُسکے پُر اسرار اور حیرت انگیز قوانین کو دریافت کرنے کی نعمت جو انسان کو حاصل ہے وہ دنیا کی تمام نعمتون سے بڑھ کر ہے اور نیک و بد کو سمجھنا اسی نعمت پر منحصر ہے -

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا - جس شخص کو حکمت دی گئی اسے بہت بڑی نعمت

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ - دیگئی اور نصیحت عقلمند ہی حاصل کرتے ہین -

(بقرہ پارہ ۳ ع ۳)

اور اس لیے اس نعمت سے کام لیکر صانع قدرت کی طرف توجہ کرنے اور اسکی خشیت اور محبت کو دلمین جگہ

دینے کے جو موقع اُن کو حاصل ہین وہ دیگر اشغال مین نصیب نہین ہو سکتے

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ ۔ خدا کے بندون مین سے اُس سے اہل علم ہی ڈرتے ہین (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱۷)

اب یہی قوت کی دو شکلین ہین جن مین سے فورس موجودہ حالت کو قائم رکھنا اور جو تغیر پیدا ہو اُس کو دُور کرنا چاہتا ہے اور انرجی ہمیشہ پہلی حالت کو بدل کر جدید شکل پیدا کرنی چاہتی ہے غرض ایک قوت سلبی ہے اور عدم کیجانب میلان رکھتی ہے اور دوسری قوت ایجابی۔ اور وہ وجود کو بڑھانا چاہتی ہے۔ مادہ ایک ہے اور قوتین اس مین دو دو موجود ہین اور وہ بھی ایک دوسری کے خلاف پس کیا ان قوتون کی نسبت غور کرنا ضرور نہ تھا اور جب مادہ کی موجودہ حالت اور اس کے تغیرات کو دیکھ کر یہان کی کیفیتون کو عام سے عام فرض کرتے ہوئے ابتدا مین تمام فضا کو بخار کے بادل سے بھرا ہوا فرض کر لیا گیا ہے اور تجربہ کی چیزون سے تجربہ کے پرے تک خیال دوڑایا گیا ہے تو فورس کے عمل کو جو وجود کی شکلون کو معدوم کر رہا ہے اور انرجی کے عمل کو جو عمدہ سے عمدہ شکلین پیدا کرتی جاتی ہے عام سے عام کرتے ہوئے یہ خیال نہین ہو سکتا ؟ کہ پیدائش کے متعلق جو احتمال قرین قیاس سمجھا گیا تھا قوت کی یہ دو رخی کارروائی خود اُسکو قوی کرتی ہے اور دنیا کی اصلیت چونکہ عدم ہے اسلئے وہ فورس کی شکل مین ہر مقام پر جلوہ گر ہے اور پیدا چونکہ خدا کی قوت علم نے کیا ہے اس لیئے وہ انرجی کی شکل مین ہر حالت کے بعد دوسری حالت کو بہتر سے بہتر کرتی جاتی ہے اور انھی دونو کیفیتون کا سبب ہے جو یہ دنیا آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے۔ ورنہ اگر محض عدم ہوتا اور کوئی قوت موجود کرنیوالی نہ ہوتی تو وجود کی کوئی شکل ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر عالم قدیم سے موجود ہوتا اور عدم سے وجود مین نہ لایا جاتا تو جو کچھ موجود ہوتا اپنی اعلی سے اعلی شکل مین ہوتا اور اس تدریجی ترقی کا نشان نہ ملتا پس دُنیا آہستہ آہستہ اسلئے بڑھتی ہے کہ وہ خود اپنی اصلیت کیطرف میلان رکھتی ہے اور قوت علم اُسکو وجود کیطرف لانا چاہتی ہے چنانچہ جب یہ عمل شروع ہوا ہوگا تو چونکہ محض عدم کو وجود مین لانا تھا اسلئے ابتدا مین وجود کا اثر نہایت مخفی اور غیر محسوس ہوا ہوگا چنانچہ وہ وہی مدارج ہین جو بخار کے بادل سے پہلے گذر چکے ہونگے اور جنکی نسبت سائنس

کوئی فیصلہ نہین کرسکتی۔ مگر جہان سے علم اور احساس کا دور شروع ہوا ہے وہان سے ان دونو قوتون کی جد و جہد کی کیفیت اور اسکے مدارج پہلے کی نسبت واضح سے واضح ہوتے جاتے ہین اور اس لیے آغاز کی نسبت انجام کیلئے غور و فکر کرنا زیادہ سہل ہوگیا ہے۔

ترقی کے مختلف درجات مین فورس اور انرجی کی شکل بدلتی جاتی ہے۔

چنانچہ اس نظام کی سادہ سے سادہ شکل جو خیال مین آسکتی ہے وہ نہایت وسعت مین پھیلے ہوئے باریک ذرات کا بادل ہے اس سے پہلو اگرچہ ہزارون انقلاب ہوئے ہونگے مگر کم از کم ایک تو خیال مین آسکتا ہے جبکہ مادہ کو عدم سے وجود مین لایا گیا ہوگا اس وقت عدم کا فورس وجود سے مانع ہوگا اور قدرت کی انرجی موجود کرنا چاہتی ہوگی جس سے ابتدائی باریک ذرات پیدا ہوئے ہونگے۔ اس پہلی کوشش کے بعد اور ترقی ہونے لگی تو فورس چونکہ وجود کو روکنے مین کامیاب نہ ہوا اب اسکا اثر ذرات کی حرکت کو روکنے لگا اور اُدہر انرجی ذرات کو دور سے دور لیجانے لگی اور ترقی کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور کرّون کی ابتدائی شکل پیدا ہوئی۔ یہان سے حیوان کی پیدائش تک دیکھا جاتا ہے کہ بڑھانے اور روکنے والی دونو حرکتین طبعی ہین اور محض جسم تک محدود ہین گو ایک کے بعد دوسری مین کچھ نہ کچھ ترقی ضرور پائی جاتی ہے پہلے محض ذرات کو کھینچا یا ڈھکیلا جاتا تھا پھر ذرات سے بنے ہوئے بڑے بڑے کرون کو کھینچا اور ڈھکیلا جانے لگا۔ زمین آبادی کے قریب آئی تو بھاپ اور ہوا کی شکل مین کرون کے اجزا کو ان سے جدا کرنے اور پھر انکی طرف لانے کی کوشش شروع ہوئی نباتات مین جسم کی اجزا کو جدا نہین کیا جاتا بلکہ پیوستہ رہنے کی حالت مین نمو دیا جاتا ہے اور اُدہر سے اسکی مزاحمت ہوتی ہے۔ اب حیوان پیدا ہوا تو اگرچہ حرکت اسمین بھی جسم کو تھی مگر اب بجائے ایک کے دو طرح کی ہوگئی ایک تو اجزا کی وہی نشو و نما کی حرکت ہے جو نباتات مین تھی اور دوسری حرکت تمام جسم کو جا بجا پھرنے کی ہے اس حرکت کا نشان کُرون کی گردش مین بھی پایا جاتا ہے مگر یہان اور شان ہے۔ کُرّے کا تمام جسم بھی حرکت کرتا ہے مگر ایک دائرہ مین اور اس سے باہر نہین جاسکتا اور نیز انکی حرکت محض طبعی ہے اور یہان حیوانات کسی دائرہ مین مقید نہین ہین اور مشرق سے مغرب تک جولان کرسکتے ہین اور نیز انکی حرکت

مین طبیعت کے علاوہ ان کے احساس کو بھی دخل ہے اور اپنے تصور و خیال کی مدد سے ارادہ کی شکل مین حرکت کرتے ہین۔ غرض ایک طرف ان کے جسم مین ایسی حرکتین پیدا ہوئین جو اور قسم کی مخلوقات مین نہ تھین اور دوسری طرف اُن کے دماغ مین حرکت پیدا ہوئی اور وہ اپنے خیال کو اشیاء گرد و پیش کیطرف لیجانے لگے۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو یہ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری کا مصداق تھا۔ چنانچہ یہ وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو نباتات مین ذرات کو نشو و نما دے رہی تھی اور وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو حیوانات کو جا بجا لیے پھرتی تھی اور اسکے علاوہ دماغی حرکت کا وہ عالم ہے کہ حیوان جو اشیاء گرد و پیش کیطرف توجہ کرتا تھا تو صرف انکو کھانے کیلئے یا کسی اندیشہ کی حالت مین اس سے بھاگ جانیکے لئے اور انسان اپنے تصور کو نہ صرف چیز کیطرف لیجاتا ہے بلکہ اسکی خاصیتون کیطرف لیجاتا ہے اسکی شکل کو بدلکر اور دوسری چیزون کے ساتھ ملا کر اور شکلین پیدا کرنے کیطرف اور پھر ان شکلون کی تاثیرون کیطرف لیجاتا ہے۔ غرض اپنی دماغی حرکت مین کسی حد پر محدود نہین ہونا چاہتا اور جہان تک جا سکے اس سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور نیز حیوان کیطرح صرف سطح زمین اور مختصر سی فضا مین محدود نہین رہتا بلکہ نیچے تحت الثرے اوپر فلک الافلاک تک پہنچتا ہے اور اپنے خیال کو یہان تک دوڑاتا ہے کہ کائنات کی تمام فضا کو عبور کر جاتا ہے اور خالق کائنات تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آئندہ انقلاب مین ترقی اور بھی اعلیٰ ہونی چاہئے

غرض یہان تک تو وہ ترقی ہے جو دنیا نے حاصل کی ہے اب جو آئندہ انقلاب ہونیوالا ہے کیا اسمین یہی یہی ترقی ہوگی؟ کہ انسان دنیا کی چیزون کی تاثیرین دریافت کرتا رہے اور شکلین ایجاد کرتا جائے۔ نہین۔ ایک دفعہ پھر پیچھے کو جاؤ اور دیکھو کہ ابتدائی ذرون کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ان کیلئے ترقی کی صورت تھی لیکن اگر کُرہ بنجانے کے بعد اجسام مین بھی یہی ذرات کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت رہتی اور آفتاب کے گرد دورہ کرنے کی حرکت پیدا نہ ہوتی تو محض ذرات کی حرکت اس درجہ کے لیے ترقی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح نباتات کے اندر اجزا کا نشو و نما ان کے لیئے ترقی ہے لیکن اگر حیوان مین بھی یہی وصف رہتا اور مٹی مین غذا

اپنے پردہ بڑھ پھول سکتا مگر ارادی حرکت اور آمد و رفت کی طاقت نہ ہوتی تو جو بات نبات کے لیے ترقی ہے حیوان کے لیے وہی تنزل قرار پاتی - اور اسی طرح جو انسان حیوان کی طرح اپنی ہمت کو محض چرنے چگنے تک محدود رکھے اور دماغی حرکتوں کو کام میں نہ لائے تو خواہ ہاتھی جیسا موٹا اور شیر جیسا قوی ہو جائے مگر عقل اور دین سے بے بہرہ ہونیکے سبب یہ حالت اسکے لیے تنزل سمجھی جاتی ہے حالانکہ حیوان کے لیے ترقی یہی ہے - پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب میں اس انقلاب کے مناسب ترقی کی اور شکل ہوتی ہے اور اس سے نیچے درجے کی ترقی اگر صرف وہی رہی تو تنزل سمجھی جاتی ہے اسلیے آیندہ انقلاب پر اگر یہی کائنات کی تحقیق اور ایجاد و اختراع کا شغل رہا تو اس حالت کے لحاظ سے تنزل کیوں نہ ہوگا بلکہ ضرور ہے کہ جس طرح پہلے ہر درجہ میں ترقی کی شکل بدلتی رہی ہے اس درجہ میں بھی کوئی اور شکل ہو - اور وہ کیا ہو سکتی؟ یہاں حرکت ذرّوں سے شروع ہوئی - پھر جسم اور دماغ کو ہلایا جسم کی حرکت حیوان تک کمال کو پہونچی اور دماں سے دماغی حرکت شروع ہوئی - انسان نے اپنے خیال کو تمام کائنات میں دوڑایا اور ابھی دوڑا رہا ہے آیندہ ترقی کائنات سے آگے ہونی چاہیے -

آیندہ ترقی معرفت میں ہوگی | چنانچہ اسکے لئے وہی چیز باقی ہے جسکی تلاش انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور جس کو اس نے ہر گوشہ میں تلاش کیا کبھی اسے پتھر سمجھا اور کبھی درخت کبھی آفتاب سمجھا اور کبھی ماہتاب - مگر آخر میں اعتراف کیا کہ وہ ان سب سے بالا اور سب سے اعلیٰ ہے اور اسکو سمجھنا اور پانا دیدوی نظر کے لیے ناممکن ہے پس آیندہ انقلاب میں اگر ترقی ہو سکتی ہے تو اسکی طرف - اور حقیقت میں نہ صرف مذہبی جذبہ بلکہ مادہ کی تمام حرکتیں جو اوپر کی طرف ہو رہی ہیں اور انسان کی عام خواہش جو اسے اعلے سے اعلیٰ منظروں کے لئے اسکی فطرت میں داخل ہے وہ اسی لیئے ہے کہ ایک وقت یہ بڑھتا ترقی کرتا ہوا سب سے اعلیٰ ذات کی معرفت حاصل کرے اور اسکے وصال سے بہرہ ور ہو - اور جس طرح نباتات میں تغذیہ اور نشو و نما کی طاقت پیدا کر دی گئی تھی جو حیوانات میں کمال کو پہونچی اور حیوانات میں حس و حرکت کی طاقت پیدا کی جو انسان میں اپنی حد تک پہونچی اسی طرح انسان میں اس بالاتر

ہستی کا خیال و وہیت کیا گیا جو آئندہ انقلاب میں اپنے کمال کو پہونچیگا۔ اور جس طرح یہاں بعض انسان عدمی میلان سے متاثر ہو کر دنیوی حالت کے کمال یعنی علوم و فنون کیطرف توجہ نہیں کرتے اور روز بروز تنزل کیطرف چلے جاتے ہیں اور بعض اوپر کے جانے قوت کو کام میں لا کر رازہائے قدرت کے ماہر اور اسکے مخفی خزانوں کے مالک بنتے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسی عدمی میلان سے متاثر ہو کر دنیوی کمالات اور لذائذ حاصل کرنیکے بعد انہی کو ترقی کی انتہائی حد سمجھ لیتے ہیں اور اس سے اوپر کسی اور ترقی کے لئے تیار نہیں ہوتے وہ آئندہ انقلاب پر قرب ربانی کی نعمتوں سے محروم اور فراق و بعد کی تکالیف میں مبتلا رہیں گے اور جو اسکے برخلاف یہاں کے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے لئے کچھ انتہائی فرائض بھی قرار دیتے ہیں اور ان پر کاربند ہوتے ہیں وہ بیشک آئندہ وہ ترقی دیکھینگے کہ یہاں کی ترقیاں اسکے سامنے ہیچ ہونگی۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۱)

یاد رکھو جس دن بعض چہرہ سفید ہونگے اور بعض سیاہ جن کے چہرہ سیاہ ہونگے انکو کہا جائیگا کہ کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا؟ پس تم اپنے کفر کے سبب عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ خدا کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا

خدا نے آسمان و زمین کو فضول پیدا نہیں کیا۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جائے اور ان پر ظلم نہ ہو۔ کیا تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے اور خدا کے مقرر کردہ قاعدوں کے موافق وہ باوجود علم کے گمراہ ہوگئے ہیں اور ان کے کان اور دل پر مہر لگ گئی ہے

تَذَكَّرُونَ ۔ وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّونَ ۝

(جاشیہ پارہ ۲۵ ع ۱۳)

اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اب انکو خدا کے سوا کون ہدایت دیگا تم اس سے عبرت نہاین لیتے - وہ لوگ کہتے ہین کہ صرف یہی دنیا ہے جسمین موت یا زندگی کا سلسلہ ہے اور ہم زمانہ کے اثر سے مرجاتے ہین اور کچھ نہین انکو کوئی علم نہین صرف اٹکل کی باتین کرتے ہین -

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

(قیامۃ پارہ ۲۹ ع ۱)

بہت سی چہرے اس دن تر و تازہ ہونگے اور اپنے خدا کو دیکھتے ہونگے اور بہت سی چہرے اس دن اداس ہونگے اور سمجھتے ہونگے کہ اب حوصلہ شکن مصیبت آئی -

آئندہ ترقی کیلئے جو سامان ہونا چاہیے وہ اسی عالم مین مہیا کر دیا گیا ہے -

غرض دنیوی فرائض کے لحاظ سے یہان ترقی اور تنزل دونو طرح کی حرکتین موجود ہین اور اخروی فرائض کے لحاظ سے وہان دونو قسم کی رفتار اور اس پر چلنے والے موجود ہونگے - اور اگر یہان حیوان مین دماغ کی ابتدائی حرکت موجود نہ ہوتی تو انسان مین یہ حرکت کمال کو نہ پہونچتی - اسی طرح اگر انسان کے دماغ مین دنیا کے اندر آبہانی خیالات اور اسکے وسائل موجود نہ ہونگے یا اُن کو دبا دیا جائیگا تو آخرت مین اس حرکت کا کمال حاصل نہ ہوگا چنانچہ اسی لئے قدرت کیطرف سے اسکا اہتمام کیا گیا ہے ہر شخص کی فطرت مین یہ تلاش ودیعت کی گئی ہے اور پھر وقتاً فوقتاً اسکی رہنمائی کے سامان بہم پہونچائے گئے ہین - اور چونکہ حرکت ذات باری کیطرف ہوگی اسلئے اس ذات پر یقین رکھنا اور اسکو دائم و باقی سمجھنا اصل ایمان قرار دیا گیا ہے اور جن اعمال و اشغال سے اس عقیدہ کو پختگی اور اس خیال مین جلا اور رونق پیدا ہو اُن کو فرض و واجب ٹھرایا گیا ہے اور اس عقیدہ کا نہ ہونا کفر یعنے موجب تنزل اور اس خیال سے غافل کرنیوالے اعمال کو گناہ یعنی باعث ایذا و تنزل مانا گیا ہے اور نیز اس امر کیطرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ چونکہ ترقی قرب خدا مین ہونے کو ہے اسلئے خدا کی نسبت سچا اعتقاد ہونا چاہیئے ورنہ اگر کسی نے ایسی چیز کو خدا سمجھہ لیا ہے جو حقیقت مین خدا نہین تو آخرت مین ترقی بھی وہ اسی خیال کیطرف کریگا اور اس خدا کا قرب نہ حاصل کر سکیگا ۔

حقیقت مین خدا ہے۔ ہان یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے لحاظ سے سچا اعتقاد کسی قدر متفاوت ہوسکتا ہے۔ اور محض اس تفاوت سے ترقی مین نقص واقع نہ ہوگا۔ مثلاً ابتدائے آفرینش مین جب اس برتر از خیال و قیاس ہستی کیطرف خیال نہ جا سکتا ہوگا اس وقت سچا عقیدہ صرف یہی ہوسکتا تھا کہ ہم سے برتر ایک ہستی ہے اور چونکہ خدا واقع مین انسان سے برتر ہے اسلئے اس عقیدے والے آیندہ ترقی کے اہل ہوسکین گے۔ مگر آئندہ آنیوالون نے جب اپنی نفسانی آمیزش سے ہوا یا پانی یا اور چیزون کو بعض طاقتون اور خاصیتون مین اپنے سے برتر سمجھ کر ان کو خدا مان لیا ہوگا تو چونکہ واقع مین یہ چیزین خدا نہین ہین اسلئے اس مجمل اور سچے عقیدے مین اس غلط تفسیر نے ملکر ضرور اثر کیا ہوگا اور آئندہ عالم مین وہ لوگ اسی خیال اور اسکے نتائج مین مبتلا رہین گے اور سچے خدا کا قرب نہ حاصل کرسکینگے اور علیٰ ہذا جب اس غلط عقیدے کی اصلاح ہوئی ہوگی اور بتایا گیا ہوگا کہ خدا ہوا اور پانی وغیرہ سے بھی بہتر ہے تو اس خیال مین پھر ترقی کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہوگی۔ اور اسکے بعد جب ہوا اور پانی پیدا کرنیوالی طاقتون کو دیوتا مانکر ان کے آگے سر اطاعت جھکایا گیا ہوگا تو اس غلطی نے پھر ترقی کی رفتار کو اور طرف منعطف کردیا ہوگا۔ جتنے کہ رفتہ رفتہ خدا کو سب محسوس اور غیر محسوس چیزون سے برتر اور سب پر قابض و متصرف مانا گیا ہوگا جو آئندہ ترقی کے لئے مفید ہے اور پھر انسان نے اپنی آمیزش سے اسے سب سے برتر مانتے ہوئے بعض انسانون کو ایسا ٹہرا دیا ہوگا کہ خدا مین اور انمین محض باپ بیٹے کا تفاوت رہگیا ہو۔ یا سب پر قابض مانتے ہوئے بعض اشیاء کو ایسا عظیم الشان تصور کیا ہوگا کہ ان کو خدا کی مخلوق ماننے سے انکار کردیا ہوگا اور اس طرح بجائے ہر طرح سے کامل اور قادر خدا کو ماننے کے ایسے خدا کو مانا ہوگا جو بعض انسانی نقصون سے متصف ہو اور بعض طاقتون مین ناقص جس کا اثر آئندہ ترقی مین نمایان ہونا ضرور ہے اور انکو اسی رستہ پر جانا ہے جس کے نشانات انہون نے اپنے دل مین قائم کر چھوڑے ہین۔ اور اگر واقع مین خدا سب نقصون سے پاک ہے تو اس خیال والے اس کیطرف نہین جا سکتے غرض آئندہ ایسا باغ لگنے والا ہے جسکی تخم ریزی یہین ہوچکی ہے اور جو تخم ہوگا آخرت مین اسی کا

پھل ملیگا اور تخم مختلف ہون مگر پھل یکسان اس سے زیادہ خلاف عقل اور نامقبول خیال کوئی نہین ہوسکتا ؁

آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی

یہان والے مانتے ہین کہ فورس ہر ایک ذرہ مین چسپیدہ ہے اور اس سے جدا نہین ہوسکتا اور اس کے خلاف انرجی ایک ذرّہ سے دوسرے ذرہ اور ایک جسم سے دوسرے جسم کیطرف انتقال کرتی رہتی ہے اسکا باعث انہون نے خدا جانے اب کیا سمجھا ہے اور آئندہ اسکے متعلق کیا کیا تصویریات قایم کرینگے مگر اسمین شک نہین کہ دنیا کی ماہیت عدم ہے اور اس لیئے اس کا ظہور ہر درجہ مین اور ہر ذرہ مین ہونا چاہیئے اور وجود دوسری ذات کی طرف سے عطا ہوا ہے اسلیئے وہ عادم کی طرح اسکے ساتھ چسپیدہ نہین ہوسکتا اور اسلیئے وہ انقلاب کے ہر درجہ مین اسی حد تک ظہور کرتا ہے جہان تک اس درجہ کو مکمل کرنے کے لیئے ضرورت ہو اور اسکے بعد ظہور کی نوعیت بدل جاتی ہے مثلاً جب بخار کا بادل تھا تو اسکی اجزا مین انرجی کا ظہور اس شکل مین تھا کہ وہ ذرون کو ذرون سے جدا کرنا چاہتی تھی اور مختلف سیارون کی جو شکل بنانی مطلوب تھی وہ اسی طرح کی انرجی سے پیدا ہوسکتی تھی اسلیئے جبتک ضرورت رہی یہ عمل ہوتا رہا چنانچہ ادھر فورس کا عادمی اثر بھی کام کرتا رہا اور ادھر انرجی اپنا اثر دکھاتی رہی اور زمین وغیرہ سیارے پیدا ہوگئے۔ اور اب جو چیز پیدا کرنی مطلوب تھی وہ پیدا ہوگئی اسلیئے انرجی کا وہ عمل کم ہونا شروع ہوا اور زمین بخار سے سیال اور سیال سے منجمد ہوتی گئی اور اس طاقت کا جو حصہ زمین مین ودیعت تھا اس کا اثر جاتا رہا اور پھر آئندہ جس قسم کی انرجی سے زمین کو آباد کرنا تھا اسکا ظہور ہونے لگا یعنی انرجی آفتاب سے حرارت اور روشنی کی شکل مین سفر کرتی ہوئی زمین تک پہونچی اور اس سے بارش اور آندھی وغیرہ انقلاب پیدا ہونے لگے۔ اور انکے بعد نباتات کو پیدا کرنے کے لئے اُن کے اجزائے جسم کو بڑھانے کی اور حیوانات مین اس کے علاوہ خود ان کے جسم کو اور نیز کسی قدر دماغ کو اطراف وجوانب مین حرکت دینے کی اور انسان مین ان تمام طرح کے ساتھ اسکے دماغ کو زمین و آسمان کے ہر گوشہ کیطرف اور خود پیدا کرنیوالے کیطرف متوجہ کرنے کی ضرورت تھی اسلیئے ان انقلابون مین انرجی کا ظہور یکے بعد دیگرے ترقی کرتا رہا۔ مگر وہ مادہ جسمین نشو و نما ہونے

کو تھی اور وہ فضا جسمین حیوان حرکت کرنیکو تھا اور کائنات کا وہ میدان جسمین انسان اپنے خیال کو جولان دینے والا تھا یہ سب محدود ہین اور ان سب قسمون کی ترقی ایک معیّن حد سے آگے نہین بڑھ سکتی اسلئے انرجی کے یہ تمام ظہور بھی ایک ایک وقت پر ختم ہوتے رہے اور ایک دن سب ختم ہو جاینگے لیکن ان ترقیون کے بعد آئندہ انسان کی قوت خیالیہ ذات ربانی کیطرف حرکت کرنے کو ہے اور ترقی قرب وبُعد خدا مین ہونے والی ہے اور خدا کی ذات غیر محدود ہونے کے سبب وہ ترقی کسی نقطہ پر ختم نہین ہوسکتی اسلئے انرجی کا وہ ظہور بھی جو آئندہ ہونے والا ہے غیر محدود ہوگا اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آنجہانی رنج وراحت دائمی اور ابدی ہے اور جو لوگ خدا سے قریب ہونگے وہ ہمیشہ قریب تر ہوتے جائینگے اور جو دور ہونگے وہ دور سے دور تر ہونے مین بھی کسی حد پر نہ ٹھہر سکینگے۔

روح صرف جسم مین رہکر ترقی کر سکتی ہو

غرض یہ یقین کرنیکی وجوہ موجود ہین کہ جس وقت پر ترقی کا خاتمہ سمجھا جاتا ہے وہ حقیقت مین اس سے بہت زیادہ ترقی کا زمانہ ہوگا اور جو مخلوقات یہان پیدا ہوتی ہو اُس زمانے زیادہ آسانی سے پیدا ہوسکیگی اور ترقی کے لئے چونکہ اور کوئی میدان نہین رہا اس لیے اُس وقت معرفت ربانی مین ترقی ہوگی اور چونکہ وہ ذات لامحدود ہے اسلئے وہ ترقی بھی لاانتہا ہوگی اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ انسان مین جب ایک روح جیسی لطیف ہستی کو مانا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اسکے قائم رہنے کا بالیقین کیا جاتا ہے تو خواہ مادہ کوئی اور شکل اختیار کرے یا نہ کرے اسکی کیا ضرورت ہے کہ روح انسانی دوبارہ جسم مین داخل ہو اور کیون نہین ہوسکتا کہ وہ مجرد رہکر معرفت ربانی پا اور حالات مین ترقی کرتی جائے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ محض احتمال قائم کرلینا کہ شاید ایسا ہو اور بات ہے لیکن یقین کرنے کیلئے کہ روح اپنی مجرد حالت مین ترقی کریگی یا کرسکے گی زیادہ ثبوت کی ضرورت ہے، اور غور کیا جاتا ہے تو قرائن اسکے خلاف دلالت کرتے ہین کیونکہ اول تو روح باوجود جداگانہ ہستی ہونیکے جو جسم مین ظہور کرتی ہے تو ضرور ہے کہ وہ اپنی ترقی مین جسمانی وسائل کی محتاج ہوگی ورنہ اگر خود ترقی کرنے کی قابلیت رکھتی تو جسم کے قید مین آنا بے سود ہوتا۔ اور دوسرے کوئی مجرد ہستی ہو اور پھر ترقی کرے یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے۔ یہان مادہ ترقی کرتا ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ اجزا باہم کبھی ایک شکل سے ہوتا

ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل سے اور کبھی کسی مرکب سے بعض اجزا خارج ہو جاتی ہیں اور بعض اور داخل ہوتی ہیں اور ایک حالت سے دوسری حالت اعلیٰ اور افضل ہوتی جاتی ہے اور پھر اعلیٰ شکلون مین عقل و شعور کا ظہور ہوتا ہے اور جسمانی ترقی کے ساتھ وہ ترقی شروع ہوتی ہے جسے روحانی ترقی کہا جائے تو ہمین کوئی تصور پیدا ہوتا ہے یا کوئی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس تصور یا اس جلوہ کو قوائے آلیہ محفوظ رکھتی ہین اور آئندہ اس سے عمدہ تصور یا جلوہ پیدا ہونیکا موقع آتا ہے اور اس عمل سے خیالات جسمانی ہون یا روحانی ترقی کرتے رہتی ہین۔ غرض ترقی کا جو تجربہ انسان کو ہے ہمین ترقی کرنیوالیکے لئے بہت سی ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہے اسلئے جو چیز اجزا سے پاک اور مجرد ہو مجرد رہکر اسکی ترقی خیال مین بھی نہین آسکتی چہ جائیکہ اس پر یقین کیا جائے اور اسی لئے خدا جو مجرد اور یگانہ ہستی ہے جو لوگ اسے مانتے ہین تو ازل سے ابد تک الآن کما کان تسلیم کرتے ہین اور اسکی ذات کو ترقی یا تنزل کیطرف جاتے ہوئے مان نہین سکتے پس روح بھی جبتک اپنی مجرد حالت مین رہیگی ترقی یا تنزل سے جس درجہ پر ہوگی اس سے آگے نہ بڑھ سکیگی اور ترقی کریگی تو اسی صورت مین کہ جسم مین داخل ہو اور جو وسائل جسم کو ترقی دیتے ہین اور جو نور اسکو روشن کرتا ہے اس سے مدد لے اور اس لئے ضرور ہے کہ جب مادہ آئندہ انقلاب مین ترقی کرے اور اعلیٰ شکلین پیدا ہون تو روح انسانی ان مین ظہور کرے اور مدارج ترقی پر فائز ہو ؞

غرض اعتراض نور روحانی حشر کو تسلیم کرنیوالے کیا کرتے ہین کہ جسمانی حشر مین ترقی نہین ہوسکتی یا وہ ترقی دائمی نہ ہوگی مگر حقیقت اسکے خلاف کھلتی ہے کہ روحانی ترقی کے لئے ذریعہ ہی جسمانی ظہور ہے۔ رہا اس ترقی کا دوام سو ہم ذکر کر چکے ہین کہ مادہ اپنی ذات سے ہمیشہ تک قائم رہ سکتا ہے اور ہمین جو انقلاب ہوتے ہین وہ انرجی کے اثر سے ہین اور انرجی کی نسبت ہم دیکھتے ہین اور اوپر غور کر چکے ہین کہ اسکا ظہور جس قدر ابتدائی یا بالواسطہ ہے اسی قدر شکلون کا انقلاب بھی جلدی ہوتا ہے چنانچہ زمین کی ابتدائی حالت مین ذرات کی تشکلین ؞

اور نیز ماہتاب کے اثر سے اُسکی پیداوار ان چیزون کی عمر بہت مختصر ہے اور نیز یہ بھی ہمنے دیکھا ہی
کہ اترجی کا ظہور جس حالت کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس حالت کے کمال تک وہ ظہور قائم رہتا ہے۔
پس جب یہ نظام انجام کو پہونچیگا اور تمام وسائط ختم ہوجانے پر آفتاب وحدت کا نور براہ راست
جلوہ کریگا اور جب اترجی کا ظہور معرفت ربانی مین ترقی دینے کو ہوگا اور وہ ذات غیر محدود ہے
تو اس وقت نور کے دوام سے اس کی پیدا کردہ شکلین بھی دائمی ہونگی اور معرفت کی ترقی بھی
ہمیشہ جاری رہیگی ۔

ارواح کے لئے مادہ کی کمی نہین

یہان ایک سرسری سا اعتراض اور ہے کہ زمین پر جاندار مخلوق
اس کثرت سے ہے کہ پانی کے ایک قطرے اور ہوا کے ایک ذرہ مین لاکھون کی تعداد موجود ہے
پس اگر یہ سب دوبارہ زندہ کئے جائین اور نیز اس عالم مین موت اور زندگی کا سلسلہ بھی جاری
نہ ہو تو مادہ جس سے ان سب کے لئے اجسام بنائے جائین میسّر نہ آئیگا۔ مگر یہ اعتراض ذرا ئع
قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ قدرت نے جس طرح زندگی
نہایت فیاضی سے تقسیم کی ہے اسی طرح مادّہ کو پیدا کرنے مین بھی بخل کو کام نہین فرمایا۔ اول
تو فرداً فرداً انواع حیوانات کو دیکھئے کہ ایک عورت کے پیٹ سے جس قدر اولاد پیدا ہوتی ہے
وہ زیادہ سے زیادہ ہو تب بھی دس بیس سے آگے نہین بڑھ سکتی مگر وہ مادہ جو ایک ایک عورت
کے رحم مین انسانی اجسام بنانے کے لیے مہیا کیا گیا ہے اُسکو پیدا ہونیوالی اولاد کی تعداد سے
کوئی نسبت نہین یعنی حسب تحقیق جدید عورت کے رحم مین دس ہزار کے قریب انڈے شمار کئے
گئے ہین۔ یہی حال اُس ذخیرہ کا سمجھنا چاہئے جو حیوانات کے ہر ایک نوع مین اُن کے نطفون کے
لئے مہیا کیا گیا ہے اور اسی طرح درختون مین دیکھا جاتا ہے کہ درخت کا تخم جس قدر آیندہ اُسکی نسل
بڑھانیکے لئے کام آتا ہے اس سے بہت زیادہ ہر درخت مین پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اسکی بیشمار مقدار
انسان کے تصرف مین آتی ہے بہت کچھ حیوانات لیجاتے ہین اور پھر بھی بہت کچھ پختگی سے پہلے
اور پیچھے جھڑ کر ضائع ہوجاتا ہے۔ یہ کیفیت تو ذخیرہ پیدائش کی ہے جس کا جوہر ضرورت سے بہت زیادہ

مہیا کیا گیا ہے۔ اب ان تخمون کو ذرات کی کثرت اور انکی ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے کہ ایک دیو
ہیکل بڑ کا درخت جسکی جڑ۔ تنہ۔ شاخ۔ پتہ۔ اور پھل ہین سب اجزا کا خلاصہ ایک بیج مین اس طرح جمع
کر دیا جاتا ہے کہ اس کا حجم ذرہ کے برابر ہوتا ہے اور پھر یہ تخم جب بویا جائے تو وہی ذرات
پھیل کر ویسا ہی دیو ہیکل درخت پیدا کر دیتے ہین۔ اس وقت بیشک تخم کے ساتھ بہت سے ذرات
خوراک سے بھی پیوستہ ہوئے ہین مگر درخت کی ہر جزو مین تخم کا بھی کوئی نہ کوئی ذرہ ضرور ہے
جسکی وجہ سے درخت اپنی نوع کے خصائل اور شکل ظاہر کرتا ہے ورنہ اگر تخم کے ذرات ایسے ہی
تھوڑے ہوتے جیسے اسکی شکل سے ظاہر ہوتے ہین اور باقی اجزا بیرونی خوراک سے مہیا ہوتے ہین
تو کوئی ہمجنس درخت دوسرے سے مشابہ نہ ہوتا۔ پھر دیکھو کہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑہ ہوتا ہے
اسے جلاتے ہین تو دھوان اس قدر پھیلتا ہے کہ گھر بھر جاتا ہے اب اجزائے لطیفہ جو اس قدر
حجم مین پھیل سکتے ہین وہی ہین جو لکڑ ے ٹکڑے مین ایک چھوٹے سے حجم مین مقید تھے
اور یہی اصول ہے جس سے ہومیو پیتھک طبابت مین ایک رتی دوا کا کروڑوان حصہ بلکہ
اس سے بھی کمتر استعمال ہوتا ہے اور اس ذرہ کے استعمال سے دوا کا اثر ظہور کرتا ہے غرض
یہ کہ قدرت ذرات کو پیوستہ کر کے بڑے مقدار کو چھوٹے حجم مین اور پھیلا کر تھوڑی مقدار کو بڑے
حجم مین پیدا کر سکتی ہے اور آج کل سے اندازہ کیا گیا ہے کہ جب عالم سیار کے بادل کی شکل
مین تھا تو اس وقت کی ایک آدھی رتی کا حجم اس وقت کئی ملین مکعب میلون مین پھیلا ہوا
تھا۔ تو جب نیچر کی یہ قوت خود اسی نظام مین نظر آتی ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی اجزا سے بڑے
بڑے حجم کے اجسام بنا سکتی ہے تو اس وقت جبکہ اس سے بھی اعلے نظام ہوگا اور کام کرنیوالا
نور اپنے مرکز سے بواسطہ ظہور کریگا اس وقت جس قدر ارواح اجسام سے مفارق ہونے پر باقی
رہ سکتی ہین وہ خواہ اسی تعداد مین ہون جو یہان جاندار مخلوق کی نظر آتی ہین یا اس مخلوق
کی کوئی اعلے انواع ہون جن کو ایسی پائدار روح میسر ہے کچھ بھی ہو قدرت اس وجہ سے محتاج نہین
ہو سکتی کہ مادہ کم ہے اور اسکے اجزا سب مین تقسیم نہ ہو سکین گے۔

آیندہ ترقی مین اجسام کی حالت

پس اگر روح کوئی چیز ہے جس نے یہان مادہ مین ظہور کرکے ترقی
کی ہے تو آیندہ انقلاب پر جب مادہ اور اعلیٰ تشکلین حاصل کریگا روح بھی ضرور ان تشکلون مین
ظاہر ہوکر ترقی کریگی اور اسکے علاوہ یہان والون کی حالت کو دیکھکر چند اور کیفیتین بھی معلوم
ہوتی ہین یہان نباتات اور حیوانات مادہ سے پیدا ہوتے ہین اور ان کی تمامتر توجہ بھی مادی
کیطرف ہے اور ترقی بھی صرف نوع کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی ایک نوع سے دوسری نوع ترقی
یافتہ ہوتی ہے ورنہ شخصی ترقی کا ان مین نشان نہین رہا انسان اسکی ترقی اگرچہ جسم کی وساطت
سے ہوتی ہے لیکن ترقی کی رفتار اوپر کیجانب ہے اور جسم سے خیال کیطرف اور خیال مین کائنات سے
خالق کائنات کیطرف بڑھتا ہوا جاتا ہے اور نیز یہان ان سب کی پیدایش اس نور کی وجہ سے ہے
جو مادہ سے خارج ہوتا ہے تو اب جس وقت اس حرارت اور روشنی کا اثر ختم ہو جائیگا اور ثوابت
اور سیارے تاریک ہو چکنیکے بعد محض ذات ربانی کے نور سے دوبارہ وجود حاصل کرینگے اس وقت
مادہ کی جو اجزا نباتی اور حیوانی شکلین اختیار کرینگی ان مین انکی ذاتی حیثیت اور نور کی حیثیت دونو کا
اثر ہونا چاہئے۔ نباتیت اور حیوانیت وہ چیز ہے جسمین مادی ترقی کی حیثیت ہو اور شخصی ترقی کی
قابلیت نہ ہو اور نور کی حالت یہ ہے کہ وہ اس وقت غیر مادی سرچشمہ سے براہ راست ظہور کرتا ہے
اسلئے ضرور ہے کہ یہ چیزین اس وقت بھی مادی وجود حاصل کرین مگر غیر مادی نور کے اثر سے ان مین
ایسی ترقی ہو کہ مادی حرارت اور روشنی سے ہونی ممکن نہین اور اسلئے چاہئے کہ اس وقت کی نباتات
اور حیوانات اب سے بہت زیادہ لطیف اور اعلیٰ جسم رکھتے ہون مگر شخصی ترقی کے قابل نہ ہون
اور انکے برخلاف اس وقت انسان مین چونکہ وہ مادہ کے وساطت سے ترقی کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت
اور روحانی ترقی یا تنزل کرتا رہا ہے اس لئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور معرفت ربانی کا اشتیاق یا
اس سے بیگانگی ظاہر کرتا ہے اسلئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور آخر اس کا ظہور غیر مادی سرچشمہ سے ہے
اس لیے اسکی حالت مین ان سب حیثیتون کا اثر نمایان ہونا چاہئے۔ مادہ سے تعلق رکھنے کے
سبب مادی وجود حاصل کریگا اور چونکہ اسمین روحانیت بھی نمایان ہے اور آخر نور بھی غیر مادی ہے

اِس لیئے اس کا اُس وقت کا جسم نباتات اور حیوانات کے اس وقت کے جسم سے بہت زیادہ لطیف
ہوگا اور چونکہ دماغی اور جسمانی ہر طرح کی ترقی کی قابلیت رکھتا ہے اسلیئے نباتات اور حیوانات کی طرح
ایک حالت مین مقید نہ رہیگا بلکہ جس طرح یہان اپنی ترقی کے میدان مین بڑھتا گھٹتا رہا ہے وہان
بھی اپنی طاقتون کے موافق جو یہان سے لیکر گیا ہے ترقی اور تنزل کرتا رہیگا - اور اُسکی روحانی ترقی
کے لیئے ہم دیکھ چکے ہین کہ غیر محدود میدان ہے اور وہ ذات باقی سے قریب یا بعید ہونے مین
ابدالآباد تک ترقی کر سکیگا - رہی جسمانی حالت سو اسکے لئے ہم دیکھتے ہین کہ حیوان کی ترقی یا تنزل
محسوسات کیطرف نقل و حرکت کرنے پر منحصر ہے اور جو حیوان اس بارہ مین زیادہ چست ہوتا ہے وہ
جسمانی قوت اور فربہی مین دوسرون پر فایق رہتا ہے - اور اسی حالت کو اُسکے لئے بہتر سمجھتا ہے
اِسکے بعد انسان کی ترقی چونکہ محسوس سے غیر محسوس کیطرف جانے اور اپنے سود و بہبود کے متعلق نتائج
نکالنے اور عمل کرنے پر منحصر ہے اس لیئے اسکی جسمانی حالت کی بہتری بھی اسی طرز عمل پر موقوف ہے
چنانچہ جو لوگ علم و ادب و تہذیب و تربیت کیطرف توجہ کرتے ہین ان کے اجسام جاہلون اور وحشیون
کی نسبت نازک ہو جاتے ہین مگر اسکی بجائے دل و دماغ نہایت چست اور تیز ہو جاتا ہے اور وہ لوگ
اپنی ذہنی قوتون سے اور غیر محسوس طاقتون کو دریافت کرنیسے وہ وہ کام لیتے ہین جو وحشیون کے
قوی اور بھاری جسمون سے نہین ہو سکتے اور اس لیئے یہ دُبلے اور نحیف نگر دانا لوگ اُن لوگون
پر غالب رہتے ہین جو وحشت مین ترقی کرنے سے اپنے سے ایک درجہ نیچے ہو گئے ہین اور جسمانی
اور روحانی حالت مین حیوانون سے ملگئے ہین اور اِسی سبب لئے انسانی درجہ مین جسمانی لطافت اور دماغی
چستی کو ترقی سمجھا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر درجہ مین ترقی جس طرز عمل پر منحصر ہے اسی طرز
عمل سے جسمانی حالت بھی متاثر ہوتی ہے اور اسی حالت کو جسم کی ترقی سمجھا جاتا ہے - اب جبکہ انسانی
حالت مین آئندہ انقلاب ہوگا اور جب اسکی ترقی غیر محسوس مادی اشیا کو سمجھنے کی بجائے غیر محسوس
غیر مادی ہستی کی معرفت پر منحصر ہوگی اس وقت بھی اسکی جسمانی حالت اس طرز عمل سے متاثر ہوگی اور
وہی اس حالت مین جسمانی ترقی سمجھی جائیگی اور جب یہان غیر محسوس مگر مادی طاقتون کی طرف توجہ

کرنے سے جسم نازک اور لطیف ہوجاتا ہے تو وہان غیر مادی نور سے پیدا ہونے اور غیر مادی ہستی کیطرف
توجہ کرنے کے سبب جسمانی لطافت اور بھی زیادہ ہوگی اور جس قدر روحانی نور اور جلا مین ترقی ہوتی
جائیگی اسی قدر جسمانی لطافت بڑہتی جائیگی اور اس کے خلاف جو لوگ اس ہستی سے بعید ہوتے جائینگے
وہ جسمانی حالت مین بھی اپنے درجہ سے کمتر ہوجائینگے اور کثافت مین ترقی کرتے جائینگے جیسا کہ
یہان انسانی ترقی مین کوتاہی کرنے سے جسمانی حالت حیوانونکی سی ہوجاتی ہے۔

لیکن اسمین شک نہین کہ جسم اور جسمانی ترقی محدود ہے اسلئے ایک وقت پر لطیف ہونے
والون کی لطافت اپنی حد کو پہونچ جائیگی اور وہ لوگ ایسے لطیف ہوجائینگے کہ جس قدر لطافت
ہم اس وقت ایک انسان کے اندر ایک روح کو تصور کرکے خیال مین لاسکتے ہین شاید اس وقت کی جسمانی
لطافت اس سے بھی زیادہ ہو۔ اور پھر اس سے آگے چونکہ روحانی لطافت اور قرب خداوندی
کی لذت رہجائیگی جسکی کوئی انتہا نہین اسلیے وہ اس جسم لطیف کیساتھ اس لطافت مین ہمیشہ ہمیشہ بڑھتے جائینگے
اور اسیطرح ادھر کثیف ہونیوالون کی کثافت بھی محدود ہے پس اس حالت پر پہونچکر کیا ہونا چاہئے؟ پھر
لطیف ہونے لگین۔ یہ تنزل کا ترقی بنجانا ہے جو ممکن نہین۔ فنا ہوجائین یہ اس سے بھی زیادہ ناممکن
ہے۔ اور لطیف جسم کیطرح اسی حالت پر قائم رہین اسکا بھی احتمال نہین۔ کیونکہ گو عجیب بات ہے مگر واقعہ ہے کہ
ابھر کا سا نازک جسم لامحدود عرصہ تک قائم رہ سکتا ہے اور حرارت وغیرہ قوتین اسمین تغیر پیدا نہین کرسکتین
مگر پہاڑ سا بھاری جسم حوادث کے اثر سے یومًا فیومًا بدلتا رہتا ہے البتہ اُسکے قیام کی ایک صورت ہے
جو یہان بھی دیکھی جاتی ہے اور دُنیا کے منظرون سے اسکی شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اجزائے اصلیہ
قایم رہین اور غیر اصلیہ بدلتی جائین چنانچہ ان لوگون کا یہی حشر ہونا چاہئے کہ روحانی بعد زیادہ سے زیادہ
ہوتا جائے اور جسمانی اجزا بدلتے رہین۔

حشر کے متعلق اسلامی تعلیم

غرض اس عالم کے فنا ہونے پر دوبارہ پیدا ہونیکی یہی صورت ہے جو سمجھ مین
آتی ہے اور یہی ہے جسکی تعلیم اسلام کیطرف سے دیگئی ہے چنانچہ اسلام نے حشر جسمانی قرار دیا ہے اور تمام
جسمانی راحت و رنج کے سامان مثلاً ادھر باغ اور نہرین اور اُدھر آگ اور تپش وغیرہ کو تسلیم کیا ہے لیکن چونکہ

وہ عالم نہایت اعلیٰ ترقی کا عالم ہے اسلیئے وہان کا سامان بہی یہان کے سامان سے نہایت اعلیٰ ہوگا اور اسکی مفصل کیفیت انسان کی سمجھہ سے بالا ہوگی پس جو الفاظ اسکے لئے استعمال کئے گئے ہین انکی نسبت کہنا چاہئے کہ ان سے بعینہ وہ معنی جو ہم اس دنیا مین سمجھتے ہین مقصود نہین ہین بلکہ جو سامان یہان سب سے اعلیٰ ہوتا ہے اسکے ذکر سے وہان کے سامان کا ایک مکمل سا خاکہ کھینچا گیا ہے اور اسی لیئے قرآن مین ایک طرف ان چیزون کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بہی فرمایا گیا ہے کہ انتہائی رنج وراحت کی کیفیت جیسی کچھ حقیقت مین ہے کسی انسان کے تصور مین نہین آسکتی اور مختصر یہ ہے کہ وہان کی راحت سب سے بڑی راحت ہے اور وہان کی تکلیف سب سے بڑی تکلیف ہو چنانچہ ارشاد ہے

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)

کوئی شخص نہین جانتا جو ان کے اعمال کے صلہ مین انکے لیئے راحت کا سامان آئیندہ عالم مین مہیا ہے

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ (سبا پارہ ۲۲ ع ۱)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہین رکہتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی مین مبتلا ہین گے ۔

لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ (زمر پارہ ۲۴ ع ۲)

ان کے لیئے خدا کے پاس جو وہ چاہین سب کچھہ ہوگا اور یہ نیکوکارون کا صلہ ہے ۔

لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۶)

ظالمون کو انکا عذر مفید نہ ہوگا اور ان کے لئے برا گھر مقرر ہے ۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (حم سجدہ پارہ ۲۴ ع ۴)

وہان تمہارے لیئے ہی جو تمہارا دل چاہے اور تمہارے لیئے ہے جو خواہش کرو ۔ یہ بخشندہ و مہربان خدا کی مہمانی ہے ۔

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)

اسمین وہ کچھہ ہوگا جس کو دل چاہے اور آنکھون کو بہلا معلوم ہو اور تم اسمین ہمیشہ رہوگے ۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (محمد پارہ ۲۶ ع ۱)

اور جو کافر ہون انکے لیئے ہلاکت ہو اور انکے اعمال کا نتیجہ گمراہی

اور پھر جا بجا ترقی و تنزل کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ مومنین کی نسبت فرمایا ہے کہ انکو بہشتی نعمتوں کے علاوہ خدا کی رضامندی کی نعمت دیجائیگی جو سب سے بڑھکر ہے اور ان کو بہشت میں رکھکر پاکیزہ باتوں کیطرف اور قرب خداوندی کیطرف ہدایت کی جائیگی اور درجہ بدرجہ ترقی کرینگے اور کفار کی نسبت ارشاد ہے کہ انکو عنایت خداوندی اور لطافت و پاکیزگی کا کوئی حصہ ملیگا وہ پیچھے کیطرف لوٹائے جائینگے اور انکو چڑھنے سے چڑھتا عذاب ہوگا اور انکی جلدیں گل جائینگی تو اور جلدیں دی جائینگی اور ان کو ہر طرف سے موت گھیر لیگی مگر وہ مرینگے نہیں۔

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران پارہ ۳ ع ۱۰)

اہل تقویٰ کیلئے خدا کے پاس جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ انہیں ہمیشہ رہیں گے اور پاک جوڑے ہیں اور خدا کی رضامندی ہے اور خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ پارہ ۱۰ ع ۹)

(مومنین کیلئے) ہمیشہ رہنے کی بہشت میں پاکیزہ مقامات ہیں اور خدا کی رضامندی ہے جو سب سے بڑی ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (حج پارہ ۱۷ ع ۳)

اور ان کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائیگی اور قابل تعریف خدا کے رستہ کیطرف ہدایت کیجائیگی۔

فَلَا اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (وانشقت پارہ ۳۰ ع ۱)

میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور جو رات میں داخل ہے اور چاند کی جبکہ وہ مکمل ہو۔ اے لوگو تم درجہ بدرجہ چڑھو گے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ

جو لوگ خدا کے عہد اور اپنے وعدوں کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ خدا ان سے کلام کریگا قیامت

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ

کے دن اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کریگا۔

(آل عمران پارہ ۳ ع ۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا ۖ

اے اہل کتاب تم اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور جو تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرتا ہے اور یہ کام اس سے پہلے کرو کہ ہم چہروں کو محو کردیں اور ان کو پچھلی طرف پھیریں

(نسار پارہ ۵ ع ۸)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ (نسا پارہ ۵ ع ۵)

جو لوگ ہمارے نشانات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو عذاب میں داخل کرینگے جب انکی کھال گل جائیگی تو ہم اور جلد بدل دینگے تاوہ عذاب چکھیں۔

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۳)

اور اس (دوزخی کو) ہر طرف سے موت گھیر لیگی مگر وہ مریگا نہیں اور اس سے پرے اور بھی سخت عذاب ہے

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۖ (جن پارہ ۲۹ ع ۱)

اور جو اپنے رب کے ذکر سے روگرداں ہو اس کو وہ چڑھتا ہوا عذاب دیگا۔

كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۖ (مدثر پارہ ۲۹ ع ۱)

ہاں وہ ہمارے نشانات سے عناد رکھتا تھا میں اسکو چڑھنے کی تکلیف دونگا۔

انتہائی تربیت سے انتہائی خصائل بدل نہیں سکتے

قیامت کے ذکر میں طول ہی قیامت کا ہو گیا ہے مگر ابھی ایک اعتراض کا ذکر باقی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں اور ترقی کے اس درجہ میں جس کو آیندہ ترقی کی نسبت ناقص سمجھا جاتا ہے انسان اکثر ایک رستہ کو چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کر لیتا ہے اور نیک سے بد اور بد سے نیک ہو جاتا ہے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے اثر اور قوت کے موافق دوسروں کو ان کے رستوں سے منحرف کرکے اپنے رستہ پر لگا لیتا ہے اور نہ صرف انسان پر بلکہ تربیت اور تعلیم سے حیوانوں اور درختوں پر بھی اثر ڈال سکتا ہے اور ایک حد تک اُن کے عادات و خصائل کے بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو جب

آئندہ عالم مین وہ اور ترقی کریگا تو ضرور ہے کہ اس وقت بھی تعلیم و تربیت سے بدون کو نیک اور نیکون کو بدبنا دینے کی قوت بطریق اَولےٰ ہوگی اور اسلیئے جو لوگ یہان سے بدی کا اثر لیکر گئے ہین اُن کا آئندہ عالم مین نیک ہوجانا اور نکوکارون کا بد ہوجانا ممکن ہے۔

اس اعتراض مین تعلیم و تربیت کی قابلیت پر زور دیا گیا ہے اسلیئے دیکھنا چاہیئے کہ نباتات حیوانات اور انسانات مین تعلیم و تربیت کس حد تک موثر ہوتی ہے۔ نباتات پر انسان بیشک تصرف رکھتا ہے اور عمدہ تخم عمدہ کھاد اور اصول باغبانی کو کام مین لاکر درخت کی شکل پھول کا رنگ پھل کا ذائقہ سب کچھ کسی نہ کسی حد تک بدل سکتا ہے مگر ایک درخت کا نشو و نما اور اسکی اجزا کا اوپر کو بڑھنا ایسا وصف ہے کہ انسان کا اس پر کچھ اختیار نہین اور وہ اگر چاہے کہ کوئی درخت ایک حد تک پھیل کر آئندہ اسی حد پر قائم رہے اور نمو کو چھوڑ دے تو ممکن نہین۔ حیوان پر انسان کا بہت اختیار ہے اور تربیت سے اسکی عادتون کو بہت کچھ بدل سکتا ہے مگر خوراک کا خاصہ ایسا راسخ ہے کہ اس پر اور اسکے اثر پر انسان کا کوئی اختیار نہین اور جو خصلتین نباتی خوراک سے نبات خوار مین اور جو اثر حیوانی خوراک سے گوشت خوار مین راسخ ہوچکے ہین وہ تربیت سے بدل نہین سکتے۔ اور یہی کیفیت انسان کی ہے کہ اسکی عقل و شعور کو تحریک دیکر یا عادت ڈال کر بہت سے اچھے اور برے انقلاب پیدا کیئے جاسکتے ہین لیکن بہت سے خصائل اسمین بھی ایسے راسخ ہین کہ تربیت انکو بدل نہین سکتی مثلاً جو فطرةً بہادر واقع ہوا ہے اسکو بزدل اور بزدل کو بہادر نہین بنا سکتے۔ اور جس فن یا پیشہ کی قابلیت فطرت مین ودیعت ہے اسے روک کر دوسرے کام کیطرف متوجہ کرین تو ہرگز کامیابی نہین ہوتی۔

مگر یہ وہی قابلیتین ہین جو پیدائش سے پہلے پیدا ہوچکی ہین اور کام بیشک سب خدا کے حکم سے ہوتے ہین لیکن یہ عالم اسباب ہے اور یہان کا کوئی فعل بغیر کسی سبب کے پیدا نہین ہوتا۔ اس لیئے یہ قابلیتین جو پیدا ہوئی ہین تو وہ بھی ضرور کسی نہ کسی سبب سے ہین۔ اور ان اسباب کا ہر شخص کی حالت مین معین کرنا اور سمجھنا کہ فلان فلان وجوہات سے یہ اثر پیدا ہوا ہے۔ نہایت دشوار ہے مگر مجمل طور پر اتنا ضرور یقینی ہے کہ مختلف آب و ہوا۔ مختلف خوراک اور مختلف طریقہ ہائے زندگی یہی وہ اصلی اسباب ہین جو دنیا کی

مخلوق پر اثر کرتے ہیں اور ایسے اثر بار بار پیدا ہونے سے افراد اور اقوام کی فطرت پر پایدار نقش قائم ہوتے رہتے ہیں اور وہی نقش نطفہ پر اثر کرتے ہوئے آئندہ پیدا ہونیوالی نسلوں میں فطرت بناتے ہیں اور دوسری طرف انہی اسباب کے بدلنے سے جو وقتاً فوقتاً مخالف اثر پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ اپنی اپنی قوت وضعف کے مطابق کبھی پہلے اثر کو بالکل معدوم اور کبھی ضعیف کر دیتے ہیں اور یوں ایک ملک ایک قوم اور ایک نسل کی فطرتوں میں باہمدگر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

غرض جو خصائل انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور جو تربیت سے بدل نہیں سکتے اگر وہ بے سبب پیدا نہیں ہوئے (اور نیچر میں کسی چیز کے بے سبب پیدا ہونے کی نظیر موجود نہیں) تو ضرور وہ خصائل ایسی چیزوں کے اثر ہیں جو انسان کی پیدائش سے پیشتر موجود تھیں اور جنہوں نے انسان کے جسم میں داخل ہو کر اپنے اثر کو اس میں راسخ کر دیا ہے اور یہی کیفیت ان خواص کی ہے جو نباتات اور حیوان میں ناقابل تربیت ثابت ہوئے ہیں کہ وہ بھی انکی پیدائش سے پہلے کسی اور چیز میں موجود تھے اور اسی چیز کا نباتات اور حیوان کی شکل میں آنا اس اثر کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ آفتاب کی کشش سے اجزائے زمین اور بخار کا اوپر کو اٹھنا جس سے آندھی اور بارش وغیرہ مظاہر پیدا ہوتے ہیں یہ خاصہ نبات کی پیدائش سے پہلے زمین میں موجود تھا اور جب وہی اجزا نباتات میں داخل ہوئے تو اپنے اثر کو بھی ساتھ لائے اور نباتات کو نشو ونما کی وہ قابلیت دی کہ تربیت سے دور نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح نباتات میں یہ قابلیت تھی کہ جو چیز انکی گرفت میں آجائے اسے جذب کر کے فائدہ اٹھائیں مگر بارادہ حملہ کرنے کی صفت جو حیوان میں ہے وہ نباتات میں مفقود تھی اسلئے جب نباتی اجزا نباتات خوار حیوان میں در آئیں تو اپنی غربت اور مسکینی کا اثر ساتھ لائیں اور ادھر حیوانی اجزا گوشت خوار حیوان میں تحلیل ہوئیں تو ان سے سفاکی اور خونریزی کی عادتیں پیدا ہوئیں اور دونو قسم کے اثروں کا بدلنا ناممکن ہو گیا۔ اسی طرح انسان کو جن اجزا نے بنایا اور جن ارواح نے اسمیں اپنا اثر داخل کیا انکی خاصیتیں ایسی راسخ ہوئیں کہ تربیت کے قابل نہ رہیں۔

غرض معلوم یہ ہوا کہ تربیت کا اثر جس قدر ہے وہ انہی خصائل میں ہے جو کسی درجہ انفعالی ہیں

تازہ موجود ہوئی ہون ۔ چنانچہ نباتات مین خوراک لینے کی عادت تازہ موجود ہوئی تھی اور اسی مین دخل و تصرف کرنے سے کچھ اثر ہوسکتا ہے اور انسان اور حیوانات مین حرکت ارادی اور عقل و شعور کی قوتین تازہ پیدا ہوئی تھین اور انہی مین اصلاح ہوسکتی ہے لیکن جو اوصاف ایک درجہ مین پیدا ہوں اور چنداس درجہ سے ترقی کرکے دوسرے درجہ مین آئے تو وہ اوصاف قابل تربیت نہین ہین چنانچہ زمینی اجزا کی صفات نباتات مین آکر اور نباتی اور حیوانی اجزا کی صفات حیوانات اور انسان مین آکر ایسی مضبوط ہوئین کہ تربیت سے بدل نہین سکتین ۔ بلکہ انسان مین دیکھا گیا ہے کہ ایک درجہ سے ترقی کرکے دوسرے درجہ مین آنے کی بھی ضرورت نہین اور صرف تھوڑے سے انقلاب سے اوصاف راسخ ہوجاتی ہین ۔ کیونکہ قوم اور اسکی آئندہ نسلین انقلاب کے ایک درجہ یعنی نوع انسانی مین شامل ہین اور باوجود اسکے قومی خصائل اسکے نطفون مین اگرچہ دوسری نسل مین ظاہر ہوتے ہین تو انکو بدلنا دشوار ہوجاتا ہے اور اگر وقت سے کچھ اصلاح ہو بھی سکتی ہے تو قومی خاصہ کو بالکل فنا کرنا یقینًا محال ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہے تو جس وقت دنیا مین آئندہ انقلاب ہوگا اور یہ نظام بدلکر کسی اور نظام سے پیدائش کا آغاز ہوگا اسوقت جو خلقت یہان کی مخلوق مین پیدا ہوچکے ہین وہ دوبارہ پیدا ہونے پر یقینًا راسخ اور ناقابل ترتیب ہونگے اور اسلئے نہین کہہ سکتے کہ یہان کی نیک اور بدعادتون کا جو نتیجہ ہے وہ وہان کی اصلاحی کوشش سے بدل سکیگا ۔

اور ابھی زمین کے آباد ہونے پر نباتی اور حیوانی پیدائش ضمنی انقلاب ہین اور دیکھا جاتا ہے کہ ان کے اثر سے ایک درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ مین راسخ ہوجاتی ہے تو جب ان سے بھی بڑا انقلاب ہوگا اور زمین تباہ ہونے کے بعد دوسری شکل مین آباد ہوگی اس انقلاب کے اثر سے یہان کے خواص کا راسخ ہونا اور بھی ضروری ہوگا ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ زمین سے جس قدر مخلوق پیدا ہوئی ہے اسکو اگرچہ حسب مصلحت بیشمار گوناگون شکلون مین پیدا کیا گیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تدویر نے ان سب شکلون پر ایسا اثر کیا ہے کہ کوئی شکل اس صفت سے خالی نہین ۔ ذرات ۔ کنکر ۔ پتھر اور معدنیات ہین تو ان مین کوئی مثلث یا مربع یا اور شکل کا نہین ۔ اور صنعین لاکھون ہین مگر لمبا ہو یا چوڑا

سب مین گولائی کا اثر موجود ہے۔ درخت بنتے ہین توان کے تنے اور شاخین کیسی ہی گھردری ہون پتے کیسے ہی مختلف ہون پھل کیسی ہی شکل کا ہو سب کسی حدتک گول ہوتے ہین اور چھوٹا یا تکھوٹا یا کوئی اور زاویہ دار شکل نظر نہین آتی۔ جاندار کے اندرونی اور بیرونی اعضا یا نہین ٹانگین۔ دھڑ اور سر۔ بادل جگر تلی۔ گردہ سب مدور کی مختلف شکلین ہین۔ اور زاویہ دار کوئی بھی نہین۔ تو سبب کیا کہ زمین آبادی سے پہلے گول ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی اجزا جب آئیندہ انقلاب اور تشکلون مین آئین تو اس اثر کو ایسی مضبوطی سے اپنے ساتھ لائین کہ اب ہم لاکھ کوشش کرین کسی تربیت سے کوئی درخت یا کوئی حیوان یا کسی کا کوئی حصہ زاویہ دار نہین بنا سکتے۔ پس جب اس بڑے انقلاب مین اور ویرانی سے آبادی کیطرف آنے پر پہلے درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ مین اصلاح پذیر نہ رہی اور ضمنی انقلابون مین جو ایک آبادی کے اندر واقع ہوئی یہی کیفیت نظر آئی تو جب بھی مادہ دوبارہ آباد ہوگا اس وقت بھی یہان کا نیک اور بد میلان جو ایک عمر کے غور و تامل اور اعمال و اشغال سے قائم ہو چکا ہے وہان جاکر تغیب و تحریص سے نہ بدل سکیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ۔ (فاطر پارہ ۲۲ ع ۱۶)	کیا ہمنے تمکو ایسا زمانہ نہین دیا جسمین صلاح پاسکتا ہے جو اصلاح پانا چاہے۔ پس اب (عذاب) چکھو کیونکہ ظالمون کا کوئی مددگار نہین ہوسکتا۔
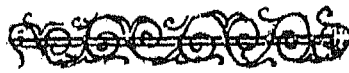
باب چہاردہم

حشر روحانی اور تناسخ

حشر روحانی۔ بہشت اور اسکا سامان بہشتی عورتین۔ تناسخ۔ اختلاف حالات اور تناسخ۔ کوئی درجہ اختلاف سے خالی نہین ہوسکتا۔ روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی۔ بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہین۔ اثر پیدا ہونے کی صورتین۔ عام طور پر اثر کا تفاوت۔ انسانی خیالات کا اُتار چڑھاؤ۔ جذبات کا اثر نسل پر۔ دو نطفون کے اختلاف کے لیئے موروثی اسباب ہوسکتے ہین۔ خدا کی خالقیت اور روح کی قدامت وغیرہ مسلمات سے تناسخ کا تعلق چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت۔ سقراط کی تین دلیلین تناسخ پر۔ تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہین۔ دوسری دلیل دو طرح سے ناقص ہے۔ ضد سے ضد کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہین۔ ضد کا ضد کیطرف آنا۔ زندگی اور موت پر جاری نہین ہوسکتا۔ اس عالم مین روح کا دوبارہ جسم مین آنا خلاف عقل ہے۔ درجات کی ترقی سے اثر مین ترقی ہوتی جاتی ہے۔ مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجات سے فائق ہونا چاہیئے۔ عبادت کا مفید طریق۔ دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیطرح بُرا کہتا ہے اسلئے کہ یہان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہین۔ مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطوار کے سے بالاتر ہے۔ مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیون سے بالاتر ہوگا۔ مرنے کے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہین ہوسکتا۔

حشر روحانی جیسے ایک نادیدہ ہستی کا یقین انسانی فطرت مین داخل ہے اسی طرح آئندہ زیست کا اعتقاد بھی ہمیشہ سے انسان کا طبعی میلان رہا ہے اور جس طرح عقول بشری کی آمیزش سے نادیدہ ہستی کے متعلق کئی طرح کے عقیدے پیدا ہوگئے ہین اسی طرح آئندہ زیست کو بھی کئی شکل سے مانا جاتا ہے چنانچہ ان مین سے ایک مشہور عقیدہ جس کو فلسفیانہ اور معقول سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ آئندہ عالم مادی نہ ہوگا بلکہ ارواح اپنی مجرد حالت مین ہمیشہ قائم رہینگی اور خدا سے قریب یا بعید ہونے کی وجہ سے یا کسی اور طرح ترقی و تنزل کرینگی گویا ان لوگون کے خیال مین مادی طاقتون کے ختم ہوجانے پر یا موجودہ

اصطلاح کے مطابق آفتاب کی انرجی صرف ہو جانے پر قوت کا کوئی اور چشمہ موجود نہیں جس سے دنیا
کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اور جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اسکو دوبارہ زندگی
دی تھی اس طرح تمام نظام شمسی کے سرد ہو جانے پر کوئی اور نور اسکو گرمانے کے قابل نہ ہوگا اور چونکہ
ہم مادی آفتاب کے زیر اثر ہیں کسی اور سرچشمہ کو دیکھ نہیں سکتے اسلئے گویا یقین ہے کہ واقع میں بھی نور کا
صرف یہی سرچشمہ ہے۔ غرض اس خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس مادی عالم کی حرارت جب سے ہے
مستقل طور پر اسی میں موجود ہے اور خدا کی طرف سے اس کا فیضان نہیں ہوا اسلئے جب یہ ذخیرہ
ختم ہو جائیگا تو مادہ کسی اور نور سے منور نہ ہو سکیگا۔ اور خدا کا تعلق اگر کچھ ہے تو وہ عالم ارواح سے
ہے اور اس لیئے ارواح خدا کے نور سے یا اپنی فطری قوت سے ہمیشہ قائم رہ سکینگی۔ غرض جو لوگ خدا
کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور صرف اسی عالم کو مانتے ہیں ان کے دلایل اس فرقہ کیلیے مسلم ہیں کہ
وہ مادی حشر و نشر کو تسلیم کرنے کے لیئے آمادہ نہیں ہوتے اور اسلیئے ایسے لوگوں کا مذہبی میلان
قابل تعریف ہے کہ اہل عقل کے مفروضہ عاقلانہ استدلال کو تسلیم کرنے کے باوجود مٹنے کے بعد
روحانی طور پر موجود رہنے کے خیال سے مذہبی عقیدے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن
اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اگر خدا موجود ہے اور اگر اس نے عالم کو موجود کیا ہے تو پھر مادی قوت صرف ہو جانے
کے بعد مادہ کے بیکار رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ جس طرح کسی ملک پر تصرف کرنے کے لیئے پہلے
فوج کو جا بجا پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تصرف ہو جانے کے بعد اسکو مختلف چھاونیوں میں
ٹھیرا دیا جاتا ہے اور امن ہو جانے پر چھاونیوں کی تخفیف شروع ہوتی ہے حتی کہ اگر ملک میں تہذیب
و شائستگی عام اور کامل ہو جاوے تو ان وسائل کی ضرورت نہیں اور صرف مرکز سلطنت کی قوت
امن و انتظام کے لیئے کافی ہو سکتی ہے یہی صورت اس نظام کی نظر آتی ہے کہ اسکو عدم سے وجود
میں لانیکے لیئے نور کو جگہ بجگہ منتشر کرنے کی ضرورت تھی اسلیئے اس وقت تمام فضا میں انرجی کو پھیلا دیا
گیا اسکے بعد وجود کو ترقی دینے کیلئے نور کو مختلف مرکزوں میں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور اس
لیئے ثوابت اور سیاروں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اب جبکہ تمام بیرونی مرکزوں سے نور کو واپس لیا جائیگا

اور ایک مرکز حرارت کے سوا کسی قوت کا ظہور نہ رہیگا تو وہ وہی وقت ہوگا جب کہ ابتدائی مرحلے طے ہو چکینگے اور مرکز حرارت کے اثر سے مادہ اسکے اعلیٰ ترشکلین اختیار کریگا۔ اور دوسری جانب ہم دیکھ چکے ہین کہ جسم کے بغیر روح مجرد کے ترقی کرنے کی کوئی صورت نہین اور اسی لیے اس کو یہان جسمانی وسائل عطا کئے گئے ہین تو جس وقت آیندہ مادہ کی اعلیٰ ترشکلین موجود ہونگی اس وقت روح کا ان شکلون مین ظاہر ہو کر ترقی کرنا اور بھی سہل ہوگا اور اس طرح پر معلوم ہوا کہ روحانی حشر ماننے والے کا اندیشہ کہ مادہ بیکار ہو جائیگا بے بنیاد ہے اور انکا عقیدہ کہ روح مجرد ترقی کریگی بے ثبوت ہے اور اسکے خلاف جسمانی حشر کا عقیدہ نظام عالم کے مطابق اور قرین قیاس ہے۔

بہشت اور اسکا سامان

افسوس ہے کہ روحانی جزا و سزا ماننے والون کیطرف سے کوئی ثبوت دیکھنے مین نہین آیا کہ اسکی نسبت غور کیا جاتا اور انکی جس قدر قوت ہے وہ جسمانی حشر پر اعتراض کرنے مین صرف ہوتی ہے اور اعتراض بھی اگرچہ ظریفانہ مذاق کو پورا کرنے سے زیادہ قیمت نہین رکھتے مگر چونکہ اُن بزرگوارون کا یہی عطیہ ہے اسلئے ہمین بھی ان سے لطف اُٹھانے مین دریغ نہین چنانچہ یہ دکھانے کے لیے کہ جسمانی حشر و نشر انسان کی اپنی طبیعت کا اختراع ہے۔ سوامی ویکانند فرماتے ہین[1] کہ

"عرب مین پانی کا قحط ہے اسلئے عربی پیغمبر نے ایسا جنت ایجاد کیا جسمین محلون کے نیچے دریا بہتے ہون میرے وطن مین بکثرت سیلاب آتے رہتے ہین اور پانی کی بہت افراط ہے اسلئے اگر مین یا یورپ والے بہشت کا خیال باندھتے تو ایسی جگہ فرض کرتے جہان سالون مین کبھی ایک آدھ دفعہ بارش ہو"

اس اعتراض مین ظاہر کیا گیا ہے کہ جو آسائش کا سامان بہشت مین فرض کیا گیا ہے وہ خود دنیا مین آسایش کا موجب نہین چنانچہ جن کو اس سے سابقہ پڑا ہے وہ اسکی تکلیف سے تنگ ہین اسلئے بہشت مین جہان کوئی تکلیف نہ ہونی چاہیئے یہ صورت کیونکر موزون ہوگی ؟ اور بیشک دریاؤن کی کثرت اور سیلابون کا زور جس ملک مین ہو وہان والون کیلئے ایسا ہی باعث عذاب ہے جیسے آتش فشانی یا زلزلہ اور ہمکو افسوس ہے کہ سوامی جی ایسی تکلیف مین رہے گئے۔ مگر حقیقت مین دریا اور چیز ہے اور نہر کا لفظ جو قرآن مین مذکور ہے اور معنی رکھتا ہے۔ دریا اُس روانی کو کہتے ہین جو اختیار مین نہ ہو اور اپنے زور

[1] کتاب گیان یوگ ویدانت فلاسفی باب سیزدہم۔

جس طرف رُخ کرے رکاوٹون کو دور کرتی ہوئی نکل جائے مگر اسکے خلاف نہر کی روانی اپنے اختیار مین ہوتی
ہے اور اس کا پانی جہان ضرورت ہو اپنی مرضی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اور یہی ترجمہ کا ذرا سا تفاوت ہے
جس سے مضمون کو بدنما کرنے مین کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ دریا اگر اپنے گرد نواح کو فائدہ پہنچاتا ہے
تو سیلاب کیوقت نقصان بھی بہت کرتا ہے مگر نہر سے کسی نقصان کا اندیشہ نہین ہوتا۔ بلکہ
پانی بہم پہونچانے کی سب سے مکمل صورت ہی یہ ہو سکتی ہے اور موجودہ تہذیب نے اس طریقہ کو یہان
تک ترقی دی ہے کہ صرف زمین مین نالیان کھود کر پانی کو نشیب کیطرف لانے کے علاوہ شیشون
اور نلکون کے ذریعہ سے چھوٹی چھوٹی نہرین گھرون کے کونے کونے تک پہونچائی جاتی ہین اور
جو راحت اور آسایش اس تدبیر سے پیدا ہوتی ہے وہ آبرسانی کے کسی اور طریق سے ممکن نہین
اور سوامی جی کے وطن کی نسبت تو ہم کہہ نہین سکتے شاید وہان والون کو پانی کی جھلک بھی ناگوار
ہو۔ مگر اور سب جگہ نہر کی یہ مختلف شکلین بالضرور راحت اور آسائش کا موجب ہین اور خود یورپ مین
اس طرح کی نہرین کئی کئی منزل کے بالاخانون تک پہونچتی ہین اور جو لوگ ان کے فوایدسے آشنا
ہین اگر وہ اس حالت مین نہ رکھے جائین تو یقینا اپنے تئین دوزخ مین سمجھین۔ غرض دنیا مین کوئی
ملک ہو راحت اور خوشحالی کا سامان اس سے بڑھکر نہین ہو سکتا کہ عالیشان مکان ہون۔ پائین
باغ ہون اور پانی ہر جگہ باسانی میسر آسکے اسلئے یہ اعتراض کہ بہشت مین جو سامان بیان کیا جاتا
ہے وہ دنیا مین آسائش کا موجب نہین بالکل غلط ہے۔

رہی یہ بات کہ آیا بہشت مین بعینہ دنیا کے سے باغات اور نہرین ہونگی؟ سو اسکی یہ کیفیت
ہے کہ بیشک جسمانی حشر ہے جس کو عقل تسلیم کرتی ہے اور جسمانی حشر ہے جس کا اسلام کو اعتراف ہے

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (سیپارہ ۲۳ ع ۴)	انسان کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیون کو کون زندہ کریگا کہہ دو وہی زندہ کریگا جس نے انکو پہلی بار پیدا کیا ہے۔

مگر اس عالم مین قوت بالواسطہ اور محدود مقدار مین اور خاص سمت سے مادہ پر عمل کرتی ہے اور آیندہ عالم
کا وہ وقت ہو سکتا ہے اور اسیکو اسلام تسلیم کرتا ہے جبکہ غیر محدود قوت بے واسطہ اور ہر سمت جلوہ گر ہو گی

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ... وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (زمر پارہ ۲۴ ع ۸)	اور زمین اپنے خدا کے نور سے چمکیگی ... اور لوگوں کا حق فیصلہ ہوگا۔ اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

اسلئے اُس وقت کی تمام کیفیتیں دنیوی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۝ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۲)	کوئی شخص نہیں جانتا جو راحت ان کیلئے مقدر ہے

اور انکی نسبت صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ جو سامان اُس وقت کیلئے مطلوب ہوگا وہ وہاں کی ترقی یافتہ مخلوق کو بافراط میسر آئیگا جس طرح یہاں کی ترقی یافتہ مخلوق کو یہاں کا سامان بافراط میسر ہے

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۝ (زخرف پارہ ۲۵ ع ۷)	اس میں اُن کو ملیگا جو دل چاہے اور آنکھ کو بھلا معلوم ہو

اس کے بعد جو باغات اور نہروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ ایسے ترقی یافتہ عالم میں اسی دُنیا کی سی نہریں اور باغات ہونگے لیکن چونکہ وہ عالم ہوگا جسمانی اسلئے ضرور ہے کہ کسی نہ کسی شکل کے جسمانی لوازم وہاں موجود ہوں اور جسمانی ہونے کی وجہ سے یہاں کے جسمانی لوازم سے یک گونہ مشابہت رکھیں پس خواہ وہ نہایت اعلےٰ ہوں اور یہ نہایت ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے ان کے لئے یہاں کے الفاظ استعمال کرنے جائز ہونگے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بہشت میں محل ہونگے باغات ہونگے اور ہر طرف نہریں جاری ہونگی "

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی دیہاتی کے سامنے جب یورپ کی وکٹ اور فٹن اور موٹر وغیرہ سینکڑوں فیشن کی سواریوں میں سے کسیکا ذکر کرنا ہو تو دیہاتی کی زبان میں چونکہ صرف ایک چھکڑے یا بہلی کا لفظ موجود ہے اور وہ یورپ کے مختلف الفاظ کو سمجھ نہیں سکتا اسلئے اس کے سامنے تمام سواریوں کے لئے گاڑی اور بہلی ہی کہنا پڑتا ہے خواہ اُسوقت کوئی شوخ طبع یہ پھبتی اُڑادے کہ وحشی ہونیکے سبب بہلی کے سوا اور کچھ دیکھا نہیں اسلئے یورپ میں اسی قسم کی بہلیاں فرض کرتا ہے مگر کہنے والیکو سننے والیکی استعداد کے موافق گفتگو کرنی ضرور ہے اور سننے والے کے دماغ میں

اور کوئی لفظ نہیں اسلیئے نہر ہی کہنا پڑتا ہے۔ اور دیہاتی کی عقل یورپ کی سواریوں کا خیال قائم کرنے سے جس قدر کوتاہ ہے یہان والون کی عقل آنجہانی کیفیت کو تشخص کرنیکے لئے اس سے بہت زیادہ ناقابل ہے پس اُن کیفیتون کو یہان والون کے سامنے جو باغات اور نہرون کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ جس قدر بہلی سے یورپ کی گاڑیان اعلیٰ ہین یہان کے باغات اور نہرون سے وہان کا سامان اس سے بہت زیادہ برتر ہوگا اور یہ الفاظ کا قصور ہے جسکی وجہ سے صرف اتنے اظہار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

غرض اس موقع پر سوامی جی نے نہر کی بجائے دریا کا لفظ رکھ کر اپنے لکچر کو ایک ظرافت آمیز فقرہ سے مزین کیا تو اچھا ہوا کہ قہقہہ اور چیرز کی آواز سے جو مسرت ایک ظریف کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ سوامی جی کو میسر آئی لیکن اگر انصاف پسندی کا ذوق ظرافت کے اشتیاق پر غالب ہوتا اور نہر کے لفظ کو واٹر ورکس و پمپ سے ترجمہ کیا جاتا تو دیکھتے کہ عموماً محل اور باغ اور نہر اور پھر نہر کی بہتر تی یافتہ شکلین اس عالم کی سب سے بڑی ضرورتین ہین اور معلوم ہوتا کہ اسلامی بہشت مین نہرون کا ذکر اسلیئے نہین کہ عرب مین پانی کا کال تھا بلکہ یہ شکل ہی ایسی ہے کہ بہشت کی اعلیٰ راحت کو ظاہر کرنے کے لیئے دنیوی سامان مین اس سے بہتر کوئی چیز نہین۔ اور اگرچہ اس ترجمہ پر چیئرز کا شور بلند ہوتا لیکن راست بیانی مین جو روحانی لطف ہے وہ ضرور خوش وقت کرتا۔

بہشتی عورتین | اسی قسم کا وہ اعتراض ہے جو کسی ستم ظریف نے بہشتی عورتون کی نسبت کیا ہے کہ انکی وجہ سے بہشت رنڈیون کا چکلا معلوم ہوتا ہے۔ گویا عورتون کی وجہ سے بہشت نفسانی بداعتدالیون کے سوا اور کسی مصرف کا نہین۔ حالانکہ عورتین اس دنیا مین بھی پیدا کی گئی ہین اور یہ بھی دنیا ہے جسمین کہ انسان نے ہزارون قسم کی جسمانی اور روحانی ترقیان کی ہین اور جو ترقی کرنے والے ہین ان کے لیئے عورتون کی رفاقت کوئی مزاحمت نہین کرتی بلکہ ان کے بجائے تعلقات اور بھی حوصلہ افزائی اور اطمینان کا باعث ہوتے ہین۔ بیشک ایک زمانہ تھا جبکہ عورتون کو محض نفسانی خواہش پوری کرنیکا آلہ۔ تمام برائیون کا سرچشمہ اور تمام انسانی

کمالات سے محروم سمجھا جاتا تھا اور اسلئے ان وقتوں میں جو لوگ کسیقدر فلسفیانہ دماغ رکھنے کے سبب
نفسانی بے اعتدالیوں کو بری نظر سے دیکھتے تھے مگر وحشیانہ زمانہ کے اثر سے عورتوں کی اصل قدر
و قیمت نہیں سمجھ سکتے تھے انکی تعلیم میں اکثر عورتوں سے نفرت دلوائی گئی ہے اور ان سے قطع تعلق
کرنا باعث ترقی اور موجب نجات ٹھیرایا گیا ہے - اور وہی تعلیم ہے جو اگرچہ عملاً نہیں مگر اعتقاداً اکثر
لوگوں کے دلوں پر آجتک قبضہ کئے ہوئے ہے چنانچہ جو شخص یہی خیال رکھتا ہو اور عورت کے
لفظ کو شرارت کا مرادف سمجھتا ہو وہ بیشک بہشت میں عورتوں کے موجود ہونے سے اسکو حوریوں
کا چکلا سمجھنے میں مجبور ہے - مگر یہ اسکے اپنے دماغ کا قصور ہوگا - اور ایسا وحشیانہ اعتقاد رکھنے والے
مین کوئی عالم عورتوں کے وجود سے چکلا نہ بچا سکیگا - کیونکہ حقیقت میں عورت کو بھی ویسا ہی دل و
دماغ اور ہر طرح کے کمالات کی قابلیت دیگئی ہے جو مرد کو حاصل ہے - اور عورت مرد کے ہمدرد
ہمراز اور تمام اغراض و نسبت میں بکلی متحد الخیال ہونیکے سبب مرد کا عورت کی جائز رفاقت میں بدی
مین مبتلا ہونا ایک طرف خود بھی فاقت بدخیالات اور نامناسب خواہشوں کو روکنے میں اور ہر
طرح کی خوبی اور برتری حاصل کرنے میں ایسی مدد دیتی ہے جو مرد کے لیئے مرد کی رفاقت میں ممکن نہیں
اور اسکی صحبت میں جس قدر بے اعتدالی اور کجروی کا اندیشہ ہے اسکا الزام عورت کی ذات پر نہیں
بلکہ ان بدعادتوں پر ہے جنمیں مرد بھی ایسا ہی مبتلا ہوتا ہے جیسے عورت - اور جہاں یہ عادت نہو
بلکہ پاکبازہ عورت کسی مرد کی ہمنشین ہو تو اسکے اثر سے مرد کو بھی بڑی حد تک پاکبازی کی ترغیب
ہوتی ہے اور اگر دونوں نیک نہاد ہوں تو ان کے لیئے خود یہی دنیا بہشت کا نمونہ ہے اور ایسا
کنبہ اخلاقی اور روحانی کمالات کے اس معراج کو پہنچ سکتا ہے جو تجرد میں بسر کرنیوالوں کے امکان
مین نہین - کیونکہ ایسے لوگوں کے دلمین اکثر بدخیالات کا ہجوم رہتا ہے مگر نیک عورت کی رفاقت
مین ایسے خیالات گذر نہین پاسکتے اور تمامتر قلبی توجہ روحانیت اور عالم بالا کے مشاہدہ و مراقبہ مین
صرف ہوسکتی ہے -

پس جبتک کیفیت ہو اور عورت کا عنصر انسانی ترقی کیلئے ایسا ضروری ہے تو بہشت جو اعلا ترقیات

ترقی کا مگر ہے۔ اسمین عفیفہ عورتون کا وجود کیونکر نفسانی بے اعتدالیون کا باعث ہوگا اور کیا وجہ ہے
جس سے وہ چکلا کہلانیکا مستحق ہے اور اگر کسی تاریک زمانے مین ایسا اعتراض صحیح سمجھا جاتا تھا تو آج
جبکہ زمانہ عورت کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھ چکا ہے اور

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط — عورتین تمہارا لباس ہین اور تم ان کا لباس ہو

(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۳)

کی آواز جو ایک عرصہ تک غیر مانوس سمجھی جاتی رہی ہے اب اُسکی صداقت سے کسی عاقل کو انکار نہین ہوسکتا
اس وقت عورتون کے وجود سے بہشت کو چکلے کا خطاب دینے والے نہین معلوم کس زمانے کی روح
اپنے جسم مین رکھتے ہین ٭

تناسخ آیندہ زیست کے متعلق روحانی جزا و سزا کے بعد ایک اور احتمال قابل غور ہے اور وہ یہ کہ
یہان کی نیک و بد جزا و سزا کیلیئے اسی جہان مین پیدا کیے جاتے ہین اور اپنے اعمال کے مطابق
نیک یا بد حالت مین رہتے ہین۔ اس احتمال مین حشر جسمانی فرض کیا گیا ہے اور جس طرح روحانیت
کے حامیون کو مادہ کی موجودہ شکل کے تباہ ہونے پر اسکی آیندہ ترقی سے انکار تھا اسی طرح ان لوگون
کو بھی یہ مسئلہ مسلم نہین ہے مگر روحانیت والے اس زیست کے بعد روحانی فضا مین ایسا بلند اڑتے
ہین کہ فہم و ادراک کی تمام گرفتون سے پرے نکل جاتے ہین اور یہ لوگ اپنی جگہ پر ایسے جکڑ بیٹھتے ہین کہ
آیندہ کے لیئے ہی کہین اور جانا گوارا نہین کرتے اور ہمنے جو ان دونون کے خلاف اس نظام کے
بعد ایک اور نظام کو قرین قیاس سمجھا ہے تو اسلیئے کہ ہم مادہ کے انقلابون سے تسلیم کرتے ہین کہ ایک دن
یہ نظام ختم ہوجائیگا اور قوت کو مادہ مین حرکت کرتے ہوئے اور بتدریج اسکی بعض اجزا کو چھوڑتے
ہوئے اور مرکز کیطرف جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھتے ہین کہ قوت اسی رفتار سے ایک دن اپنے اصلی
مرکز پر جا کر ٹھیریگی اور مرکز اگر دائمی ہے تو اس وقت قوت کا فیضان بھی ایک حالت پر قرار پا لیگا۔ اور
پھر ہم دیکھتے ہین کہ بعض اجزا سے قوت کے خارج ہوجانے پر اور مادہ کی حالت بدلنے پر واقع مین کوئی
تباہی واقع نہین ہوتی بلکہ مادہ آیندہ انقلاب مین پہلی صورت کے مناسب حال کوئی اور اعلیٰ شکل مین

جلوہ گر ہوتا ہے اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جس مادے نے انسانی شکل تک ترقی کر لی ہے وہ آیندہ اس زیست کے مناسب حال اور لطیف تر شکل اختیار کریگا۔ اور اس سلسلہ خیال سے ہمنے سمجھا ہے کہ مذہب کیطرف سے جو جسمانی حشر و نشر کا دعوی پیش ہوا تھا اس کے لیئے دنیا مین قرائن اور علامات موجود ہین اور چونکہ روحانی حشر کے لیے کوئی ایسا ثبوت پیش نہین ہو سکتا اس لیئے ہمنے اس پہ یقین کرنے سے معافی مانگی تھی۔ اب جو یہ دوسرا دعوی پیش کیا جاتا ہے تو اس پہ بھی یقین جبھی ہو سکتا ہے کہ مناظر قدرت اِسکی شہادت دین اور ضرور ہے کہ جو ثبوت پیش کیا جاتا ہے اُس مین غور کیا جائے اور چونکہ روحانی جزا و سزا کی نسبت ثبوت پیش نہین ہو سکتا تھا اسلیئے اس کی نسبت فیصلہ بھی مختصر تھا مگر اس دوسرے احتمال کو ماننے والے اسکے ثبوت پر بہت کم زور دیتے ہین اِس لیئے روحانیت کی نسبت اسمین کسی قدر تفصیلی بحث ہو سکتی ہے۔

اختلاف حالات اور تناسخ | چنانچہ مناظر قدرت مین سے انسانی حالت کا تفاوت ان لوگون کے نزدیک اس مسئلہ کا بین ثبوت ہے اور وہ کہتے ہین کہ بنی نوع انسان ایکدوسرے سے بہت مختلف اور متمائز حالات رکھتے ہین بعض غریب ہین بعض امیر بعض بیوقوف ہین بعض عقلمند بعض مریض ہین اور بعض تندرست۔ اور یہ اختلاف حالت ضرور کسی نہ کسی بھلائی یا برائی کا عوض ہے ورنہ خدا تعالی بیجان حالات کا خالق ہے ظالم ٹھیرتا ہے۔ اور ان مین سے وہ حالات جو بعد از سن رشد پیدا ہوتے ہین انکی نسبت گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اسی زندگی کے عملون کا نتیجہ ہین۔ مگر جو طفولیت مین پیش آتے ہین یا مادر زاد ہوتے ہین ان حالات کو اس زندگی کا نتیجہ نہین کہہ سکتے پس ضرور ہے کہ اس زندگی سے پہلے کوئی اور زندگی ہوگی جس کے اعمال کی جزا و سزا اس زندگی مین دی گئی اور اسی طرح ان حالات موجودہ کی مکافات کسی آیندہ زندگی مین ملیگی اور یون آمد و رفت کا ایک غیر متناہی سلسلہ ثابت ہوتا ہے۔

کوئی وجہ اختلاف سے خالی نہین ہو سکتا۔ | اِس دلیل مین فطری اختلاف کی علت تلاش کرنے کے لئے اس زیست سے پہلے اور زیست فرض کیگئی ہے اور چونکہ اس زیست کو بھی بغیر مختلف حالات کے تسلیم

نہین کر سکے اسلئے اس سے پہلے اور زیست مانی گئی ہے اور یون پیچھے کو مسلسل زندگیان مانتے
ہوئے جب یہ وقت پیش آئی کہ خود یہ بھی اور یہ نظام قدیم ثابت نہ ہو سکا اور ایک وقت پر اُس کا آغاز
ماننا پڑا اور آغاز ماننے سے ایک وقت پر انسانات کا اول دفعہ مختلف حالتون مین پیدا ہونا لازم آیا
تو اس مشکل سے پہلو اور عوالم فرض کئے گئے اور مانا گیا کہ اسی طرح کے انسانی آبادیان پہلے بھی ہوتی آئی
ہین جن کی روحین ان عوالم کے تباہ ہوتے پر آئندہ عوالم مین آباد ہوتی گئین اور اختلاف کو اپنے ساتھ
لیتی آئین لیکن ایک مشکل امر کو واقعہ فرض کر لینے کے بعد جو اور دقتین پیش آتی ہین ان کے لئے مشکل
سے مشکل تر دعوون کا بے ثبوت مانتے جانا اور بات ہے ورنہ عقلی اور نیز مذہبی طور پر دیکھتے ہوئے قدیم
خدا کے سوا اور کوئی نہین - اور جن لوگون نے اپنی فیاضی سے قدامت کے منصب کو تقسیم کرنا
چاہا ہے وہ بھی خدا کے ساتھ مادہ کو یا زیادہ سے زیادہ روح کو اس فخر مین شریک کر سکے ہین - اور ان تینون
کے سوا مادہ کی مختلف شکلین اور ارواح اور مادہ کے مختلف تعلقات خواہ کیسے ہی دیرینہ اور مسلسل
ہون مگر ان کے حادث ہونے مین شک نہین اور اول تو ان کا مرکب ہونا خود ہی حادث کی دلیل
ہے اور دوسرے روح اور مادہ کو قدیم مانکر خدا کی خدائی اور اس کا دخل و تصرف ہی صرف یہ ہے کہ مادہ
کو مختلف شکلون مین جلوہ گر کرے اور ارواح کو مادہ کے ساتھ ملا کر انواع و اقسام کی مخلوقات بنائے
اور اگر اس فعل کو بھی قدیم اور نامخلوق مانا جاوے تو دنیا کو خدا سے کوئی تعلق نہین رہتا پس خواہ اس
عالم سے پہلے ہزارون بلکہ لاکھون اسی طرح کی انسانی آبادیان فرض کیجائین ایک وقت ضرور تسلیم
کرنا پڑتا ہے جبکہ خدا نے مادہ اور روح کو ان کے قدیم سکون اور راحت سے نکال کر اس سلسلہ کو جاری کیا ہوگا
اچھا تو اس وقت جبکہ ارواح کو اجسام مین پہلی دفعہ آنیکا موقع ملا ہوگا چونکہ کوئی گذشتہ کرم نہ تھا جسکی وجہ
سے وہ مختلف حالتون مین ظہور کرین اسلئے اُس وقت نہ غربت اور امارت کا تفاوت ہوگا نہ نادانی اور
دانائی کا اور نہ ضعف و توانائی کا بلکہ حیوانون کے اندر بھی چونکہ انسانی روحین مانی جاتی ہین جو زیادہ
بداعمالی کے سبب ان جونون مین داخل کیگئی ہین اور اس ذلیل حالت کو بھگت رہی ہین اس لئے اُس
وقت یہ کیفیت بھی نہ ہوگی اور تمام بری اور بحری حیوانات مفقود ہونگے اور چونکہ عورت مرد مین بھی

بڑا تفاوت ہے اور یہ فرقہ بھی بعض ایسی تکلیفین برداشت کرتا ہے جن سے مرد کو سابقہ نہین پڑتا۔
اِسلئے اسوقت یہ تفاوت بھی نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اگر حالات کا اختلاف تناسخ کے سبب سے ہے
تو لازم آتا ہے کہ ابتدا سے آفرینش مین صرف عاقل تندرست۔ توانا اور صاحب ثروت مرد
پیدا ہوئے ہون گے۔ مگر یہ نتیجہ صریح غلط ہے اس لیے کہ اول تو علوم عقلیہ کی شہادت یہ ہے
کہ پیدائش کی ابتدا جب کبھی ہو حیوانات سے ہوئی ہوگی اور انسان سب کے بعد پیدا ہوا ہے اور
انسان بھی ابتدا مین سب سے ادنےٰ حالت مین تھا۔ اور دوسرے یہ بھی یقین ہے کہ ایسی حالت مین
وہ مخلوق ہرگز قائم نہین رہ سکتی کیونکہ مختلف حالات نہ ہونے سے دنیا کے کاروبار چل نہین سکتے اور حیوانون کے
نہ ہونے سے لاتعداد فائدے اور ضرورتین مفقود رہتی ہین اور عورتون کے نہ ہونے سے آیندہ نسل جاری نہین ہو سکتی اسلئے ابتدا مین
اگر ایسی مخلوق پیدا ہوتی تو ضرور تھا کہ چند روز مین تباہ ہو جاتی مگر چونکہ ایسا نہین ہوا اور انسانون کا سلسلہ برابر جاری
رہا ہے اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ ابتدا سے یہ تمام اختلافات جو قیام اور ترقی کے لیئے ضرور ہین موجود رہے ہونگے اور جب
ابتدا سے ہین تو ضرور ہے کہ تناسخ کی وجہ سے نہین ہین۔

روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی

غرض ہم دیکھتے ہین کہ حالات کا اختلاف قیام عالم کے لئے ایسا ضروری
ہے کہ پیدائش کا کوئی وقت اِسکے بغیر فرض نہین کیا جا سکتا اور اسلئے اُسکو گذشتہ زندگی کا نتیجہ اور
انسان کے اپنے اعمال کا اثر نہین کہہ سکتے۔ اور اس موقع پر جو خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے اپنے
عمل کے بغیر اسکی حالت کو بہتر یا بدتر بنانا ظلم ہوگا تو یہ خیال پیدا ہونے اور اسکی وجہ تلاش کرنے کی
ضرورت اسی لئے واقع ہوئی کہ پہلے اصول موضوعہ کے طور پر ارواح کو اور اجسام کو دو جداگانہ مشخص
چیزین مانکر ارواح کے وجود کو قدیم مان لیا گیا تھا اور پھر اکثر اجسام کو ناقص اور ناعمدہ زیست کے ناقابل
دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ اِن ارواح کا کیا قصور ہے جو ایسے اجسام مین داخل کیگئین اور اُن ارواح مین
کیا خوبی ہے جو عمدہ اجسام رکھی گئی ہین۔ اور پھر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ شاید ارواح کے اپنے نیک اور بد
اعمال ہون گے جنکی جزا و سزا اِس شکل مین دی گئی اور چونکہ اعمال جسم مین داخل ہونے کے بغیر ہو نہین
سکتے۔ اس لیئے موجودہ زندگی سے پہلے اور سابقی زندگیان فرض کیگئی تھین۔ مگر علاوہ اُن قیاسون

کے جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں حقیقت میں یہ اصول موضوعہ ہی غلط ہے اور بیشک جسم میں روح کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ کہ وہ جسم سے پہلے موجود تھی یا یہ کہ قدیم ہے عقل کا فیصلہ اسکے خلاف ہے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قدیم ایک سے زیادہ ہو نہیں سکتے۔ رہا ارواح کا اجسام سے پہلے پیدا کیا جانا اور پھر جسم میں داخل کرنا اس کی نسبت امام غزالی علیہ الرحمہ قرآنی آیت فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (حجر پارہ ۱۴ ع ۳) جب ہم اسے بنا یا اور اسمیں اپنی روح پھونکی کی تفسیر میں فرماتے[1] ہیں کہ

"ارواح اگر اجسام سے پہلے موجود ہوں تو یا وہ ایک ہی روح ہوگی یا بہت ہونگی۔ اگر ایک ہو اور وہی تمام اجسام سے تعلق رکھے تو چاہئے کہ جو اوصاف و عادات زید میں ہوں وہی عمر میں ہوں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور اگر بہت ہوں تو اس صورت میں وہ یا ایک دوسری سے مشابہ ہونگی یا مغائر۔ لیکن کوئی دو چیزیں باہم مشابہ ہوں اور پھر دو ہوں یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی نہ کسی وجہ سے ان میں مغائرت بھی ہو۔ مثلاً ایک ہی مقدار کی سیاہی دو جسموں میں ہو تو اپنی مقدار کی جہت سے وہ ہم مثل ہے اور دو جسموں میں ہونے کے سبب دو سیاہیاں کہلاتی ہیں یا ایک ہی جسم میں ایک دفعہ ایک سیاہی موجود ہو اور دوسرے وقت میں دوسری تو سیاہی ہونے میں وہ دونو ہم مثل ہیں اور زمانہ کے اختلاف سے دو ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پہ جو سیاہی موجود ہے اگر ہم ذہن میں اسکو تقسیم کرلیں تو سیاہی ہونے کی وجہ سے ہم مثل اور دائیں بائیں جانب واقع ہونے کی وجہ سے اسے دو ٹکڑے کہ سکیں گے لیکن اگر کوئی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پہ موجود ہو اور تقسیم بھی نہ ہو سکے تو وہ کسی طرح دو نہیں ہو سکتیں۔ پس ارواح بھی اگر اجسام سے پہلے موجود ہونگی تو متعدد اسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ بالکل ہم مثل نہ ہوں اور کسی نہ کسی وجہ سے باہمدگر متفاوت ہوں۔ اب انکو باہمدگر متفاوت مانکر دیکھنا چاہئے کہ تفاوت دو قسم کا ہے۔ ایک ماہیت اور نوع کا تفاوت ہے جیسے آگ اور پانی یا سیاہی اور سفیدی میں۔ اور ارواح میں یہ تفاوت ممکن نہیں کیونکہ بیان کرنے کی نوع اور ماہیت ایک ہے اور ایک ایسے اعراض کا

[1] کتاب المضنون الصغیر الموسوم بالاجوبۃ الغزالیۃ فی المسائل الاخرویۃ +

تفاوت ہوتا ہے جو ماہیت مین داخل نہ ہون جیسے گرم اور سرد پانی ہین - اور ارواح مین یہ تفاوت
بھی نہین ہو سکتا کیونکہ ایک ماہیت پر مختلف عوارض اسی صورت مین آ سکتے ہین کہ اُسکے بیرونی
تعلقات مختلف ہون - مثلاً پانی کی ماہیت ایک ہے اور پھر کھاری یا میٹھا اور گرم یا سرد اور مفید
یا مضر وغیرہ صفات جو اسکو عارض ہوتی ہین تو اسی لیئے کہ بیرونی اشیا اس پر اثر کرتی ہین اسلیئے
ارواح مین بھی جو عوارض کا اختلاف پیدا ہو سکتا ہے تو اسی وقت جبکہ وہ اجسام سے متعلق ہون
اور اجسام سے پہلے چونکہ کوئی تعلق موجود نہین اسلیئے عوارض کا کوئی اختلاف بھی نہ ہوگا اور جبکہ
ان کے اجسام سے پیشتر موجود ہونے کی تمام صورتین یعنے ایک ہونا یا متعدد ہونا اور متعدد ہو کر
ہم شکل ہونا یا متفارقت ہونا سب ناممکن ہین تو ارواح کا اجسام سے پیشتر موجود ہونا ہی ممکن
نہین - البتہ جسم مین رہکر چونکہ صفائی یا کدورت اور نیکی یا بدی وغیرہ عوارض پیدا ہو گئے ہین
اسلیئے جسم سے مفارقت کرنے پر انکا متعدد ہو کر اور ان عوارض کے سبب باہم متغائر ہو کر موجود
رہنا ممکن ہے "

غرض یہ کہ زندہ جسم مین چونکہ روح کے نشانات پائے جاتے ہین اور اُسکا جسم سے پہلے موجود
ہونا قرین قیاس نہین اسلیئے یہی کہنا چاہیئے کہ جس وقت کسی جسم مین زیست کی قابلیت پیدا
ہوتی ہے اسیوقت حکم ربانی سے اِس جسم کے حسب حال روح پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ امام موصوف
فرماتے ہین کہ "حق یہ ہے کہ روح انسانی اسیوقت پیدا کیجاتی ہے جبکہ نطفہ اسکو قبول کرنے کے لئے مستعد ہو"
اور جب یہ کیفیت ہے تو جیسا کہ اہل وحدت شہود کا خیال ذکر کیا جا چکا ہے انسانی حالت کا بلکہ دیگر
تمام مخلوقات کا اختلاف اِسی لئے ہے کہ مادہ بتدریج عدم سے وجود کیطرف آ رہا ہے اور اُسکے تمام درجات
مین جس جس قدر عدم کا ظہور ہے اسی قدر نقص اور عیب پائے جاتے ہین اور جس قدر وجود مین
ترقی ہوئی ہے اسی قدر کمال اور خوبی کا ظہور ہو رہا ہے -

چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض و تکالیف مین مبتلا ہوتا ہے تو اسی لئے کہ عدم ہونے کے سبب
کمال وجود اسکو حاصل نہین ہوا اور اگر کسی قوم مین رذائل اور یا بج زیادہ ہو گئے ہین تو اسی لیے کہ وہ دوسری

قوم کی نسبت کمال وجود مین اور بھی کم ہے اور ترقی یافتہ اقوام مین بھی بعض افراد بدحال اور بہت زیادہ
موجود رہتے ہین تو اسی لیے کہ ایسا وجود جو عدم سے نکلا ہو سب وجود کامل نہین ہو سکتا اور اگر
بچے جوانوں کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہین تو اسی لیے کہ وہ جوانون کی نسبت نور وجود سے
کم منور ہین۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرتا یا نقصان پہونچاتا ہے تو اسی لیے کہ وجود
کی جس قدر تکمیل نوع انسانی مین ہونی چاہیئے وہ ابھی اس حد کو نہین پہونچا اور اسی طرح انسان
سے کمتر درجات مین جو نقص اور عیب ہین تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود مین وہ اور بھی پیچھے
ہین۔ غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہمکو پیدا کیا تو اسی لیے
کہ خیر پیدا ہو کر ترقی کرے[51]۔"

اور اس بنا پر انسان اور حیوانات مین روح کو پیدا کرنا اور ناقص وجود کو ناقص اور اس سے کامل تر
وجود کو کامل تربیت عطا کرنا خدا کی طرف سے ظلم نہین بلکہ انعام ہے کہ جس جسم مین کسی قسم کی نسبت
حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوئی اسے اسی قسم کی زندگی دیدی گئی یا بالفاظ دیگر اسمین اسی قسم کی
روح پیدا کر دی گئی۔ ظلم جب ہوتا کہ مادہ مثلاً نباتیت سے ترقی کر کے حیوانی روح حاصل کرنے کے
قابل بنتا مگر اسکو اس ترقی سے محروم رکھا جاتا اور جیسی روح اس درجہ مین پیدا ہو سکتی ہے وہ عطا
نہ ہوتی۔ یا حیوانیت سے ترقی پا کر وحشی انسان بننے کے قابل ہوتا مگر اسکا حیوانی درجہ سے بڑھنا
جائز نہ رکھا جاتا۔ یا نطفہ مین قوت بینائی کے سوا اور تمام قابلیتین انسانی روح حاصل کرنے کی
موجود ہوتین لیکن اسکو نابینا انسان بنانے کی بجائے بیجان نطفہ رہنے دیا جاتا۔ یون کہنے کو
تو اسوقت کہا جائیگا کہ نابینائی کی تکلیف اٹھانے سے یہی بہتر تھا کہ وہ بیجان رہتا۔ مگر یہ خیالی
فیصلہ ہے اور انسانی وجود کو خواہ کیسا ہی ناقص ہو بیجان مادہ سے بدتر سمجھنا غلط دعوی ہے
اور ایسا خیال کرنیکے وقت اس اندھے سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ اپنی اس تکلیف پر موت کو ترجیح دیتا ہے؟
جس کا جواب وہ یقیناً اپنی لاٹھی سے دیگا اور کبھی فنا اور موت پر راضی نہ ہوگا اور یہی حال اور تمام
ادنی حالت والون کا ہے بلکہ حیوانون تک کوئی بھی اپنے موجودہ نقص کے سبب فنا پر رضامند

۵۱ ملاحظہ ہو باب دہم کتاب ہذا عنوان " ان خیالات مین سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے"۔

نہین ہوتا اور کیسی ہی تکلیف ہو انہین بسر کرنے کو موت سے بہتر سمجھتا ہے اور بات یہی ہے کہ خواہ اوروں کی نسبت کیسی ہی بری ہو مگر پھر بھی وہ اچھی چیز ہے جو مخلوق کو علٰے قدر مراتب زندگی اور روح کے نام سے عطا ہوئی ہے۔

بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہین سیولوئی فگیئے لکھتے ہین کہ[۱]

"اکثر انسانون مین بعض پیدائشی میلان اور رغبتین ہوتی ہین جو خواہ نیک ہون یا بد کسی تعلیم و تربیت اور کسی ترغیب و تحریص سے دور نہین ہو سکتین اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے ہین۔ ایک علم و کمال کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اور دوسرا جہالت اور بدی کا مشتاق ہے۔ پس اگر یہ زندگی ابتدائی زندگی ہے تو ایک ہی ملک مین ایک ہی قوم اور ایک ہی گھر مین ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت کے ہوتے مختلف میلان کیونکر پیدا ہو سکتے ہین اور ضرور ہے کہ یہ سب گذشتہ زندگی کے نتائج ہین"

اثر پیدا ہونیکی صورتین یہ باتین تو وہی ہین جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے مگر مسیو فگیئے اپنی معقول پسندی سے اختلاف حالات کو دیکھتے ہوئے اسباب کیطرف بھی توجہ کرتے ہین اور تلاش کے باوجود کوئی وجہ اختلاف موجود نہین پاتے اور بیشک اگر مادی سبب کوئی نہ ہو اور موجودہ صورتون مین مادہ بہمہ وجوہ مکمل ہو تو پھر اختلاف کا موجود ہونا ضرور باعث تعجب ہے اور انہون نے ایک باپ کے دو بیٹون کی مثال بھی ایسی پیش کی ہے جسمین دو مختلف شکلین بظاہر یکسان مادہ ہی اور ایک ہی قسم کے حالات مین پیدا ہوئی ہین اسلئے ہمین بھی غور کرنا چاہیئے کہ کیا واقع مین مادہ اور حالات گردوپیش مین کوئی اختلاف نہ تھا اور کیا فی الحقیقت اختلاف عادت کے لیے تناسخ کے سوا کوئی وجہ نہین ہو سکتی؟

عام طور پر اثر کا تفاوت لیکن چونکہ عادت بھی ایک قسم کا اثر ہے اسلئے پہلے ہمین دیکھنا چاہئے کہ عام طور پر دنیا مین اثر پیدا ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے اور بیشک ہم دیکھتے ہین کہ آگ ٹھیک

[۱] کتاب دی ڈے افٹر ڈیتھ باب شانزدہم۔

ہے اسمیں جو چیز ڈال دیجائے خاک سیاہ ہوجاتی ہے دھوپ تیز ہوتی ہے تو چیز رکھدو سبکی
سب سوکھ کر کھر نکھر ہوجاتی ہے۔ ایسے عام اور قوی اثر بھی ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی ایسے اثر بھی نظر
آتے ہیں جو بہت آہستہ عمل کرتے ہیں۔ درخت میں پھل پھول اور پتے وغیرہ سبکے اجزا باہم
پیوستہ ہوتے ہیں مگر درخت کے اندر کی لہریں اور بیرونی واقعات کا اثر ان تک پہنچتا ہے تو
سب پر ایک عمل نہیں کرتا بلکہ بعض ذرات پر کچھ عمل کرتا ہے اور ان کے ساتھ کے پیوستہ ذرون
پر کچھ اور۔ ایک ذرہ شوخ سرخ رنگ کا ہے تو دوسرا اس کے پاس ہی براق سفید یا گہرا سیاہ۔
کسی لہر نے بعض اجزا کو بگاڑ دیا ہے۔ عفونت۔ افسردگی بلکہ سمیت پیدا کر دی ہے تو قریب کے
ذرات جن تک وہ لہر نہیں پہنچی اپنی خوشگواری اور صحت فزائی کی حالت پر قائم ہیں ایک شخص
ایسے پھل کا ایک حصہ کھالیتا ہے تو تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے حصہ سے لذت پاتا ہے
اور آگ اور دھوپ کا عام اثر بھی جو ہم دیکھتے ہیں وہ بھی حقیقت میں عام نہیں۔ اسمیں بھی یکسان
جلنے والی چیز جلتی ہے اور یکسان خشک ہونیوالی خشک ہوتی ہے۔ ورنہ جن چیزون کی اجزا مین
تری اور خشکی کا تفاوت ہو یا جدا جدا فاصلہ پر ہونے کے سبب آگ اور دھوپ کے کامل اثر
سے متاثر نہیں ہوتیں وہ باوجود پیوستہ ہونیکے کبھی بالکل محفوظ رہتی ہیں اور کبھی کم اثر قبول کرتی
ہیں اور جو تاثیر آگ اور دھوپ سے پیدا ہوتی ہے وہ بعض ذرات میں پورے طور پر پائی جاتی
ہے اور بعض ذرات اس کے خلاف اپنا پہلا اثر قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ آگ سے پکے ہوئے
کھانے میں بعض اجزا قابل ہضم ہوجاتی ہیں تو بعض کو کھانے سے ہیضہ تک نوبت پہنچتی ہے
غرض یہ کہ تمام سلسلہ کائنات کا ذرا ذرا تفاوت اگرچہ دیکھنے والیکو حقیر معلوم ہوتا ہے مگر قدرت کا عمل
انہی تفاوتون سے بڑے بڑے نتائج پیدا کرتا ہے۔

انسانی خیالات کا اتار چڑھاؤ

ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد چونکہ انسانی عادات و خصائل
کا ذکر ہے اسلئے انسانی خیالات کے اتار چڑھاؤ کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے دل میں مختلف اور
بعض اوقات نہایت مخفی اسباب سے ایسے انقلاب ہوتے رہتے ہیں کہ ابھی کوئی شخص رحم محبت

اور خوف خدا کے غلبہ سے کانپ رہا ہے اور آنجہانی خیالات مین محو ہو کر دنیوی لذائذ سے متنفر ہے
اور ابھی فوراً دل مین کوئی ایسی لہر اٹھی ہے کہ ایک طرف دنیا کا لالچ پیدا ہو گیا ہے دوسری طرف
شہوانی خیالات نے غلبہ کیا ہے اور انسان ایسا مغلوب ہو گیا ہے کہ خدا کا دھیان اور آنجہانی
غور و فکر سب بھول گئے ہین اور کوئی دھکیلنے والا اسے گناہ کیطرف دھکیلنے لگتا ہے اور ادھر
کسی وقت رندی و سیاہ کاری کے خیالات مین غرق ہے مگر دفعۃً ایسی ہیبت طاری ہو گئی ہے کہ
تھوڑی دیر کے لئے اس کا دل عابد صد سالہ سے بھی زیادہ منور ہو گیا ہے اور یہ انقلاب نہ صرف انہی
لوگون کو پیش آتے ہین جو تھوڑی دیر کے لیے کسی خاص خیال مین مصروف ہوئے ہون بلکہ تمام
عمر سیہ کاری مین بسر کرنیوالے اکثر اوقات ایک آن مین نیکی کیطرف راغب ہو جاتے ہین اور مدۃ العمر
زہد و پارسائی کی مشق کرنیوالے دفعۃً اپنے اندر گناہ کا وسوسہ موجود پاتے ہین اور نہ صرف کبھی کبھار
بلکہ ایسے جذبات دل مین پیدا ہمیشہ ہوتے رہتے ہین البتہ مدت تک ایک ہی قسم کی مشق کرنیوالون
مین مخالف جذبہ کا عملی ظہور ضرور کسی بڑی قوت پر منحصر ہے اور کمتر واقع ہوتا ہے

جذبات کا اثر جسم پر — اور پھر ان جذبات کا اثر دوران خون اور دیگر جسمانی حرکات اور اعضا پر
ایسا ہوتا ہے کہ کبھی تمام جسم کانپ اٹھتا ہے اور کبھی لذت یا خوف کی لہر سر سے پاؤن تک جاتی
معلوم ہوتی ہے کبھی عرق آتا ہے اور کبھی جسم گرم ہو جاتا ہے یا چہرہ تمتماتا ہے اور ایسے اثر کبھی زور
سے ہوتے ہین کبھی ہلکے - اور کبھی یہ لہرین تمام جسم مین پھیل جاتی ہین اور کبھی خاص خاص حصون
تک محدود رہتی ہین -

جذبات کا اثر نسل پر — اور پھر انسانی خیالات کا اثر اسکی نسل پر دیکھا جائے تو انواع و اقسام کی عادتین
نہ صرف صلبی اولاد مین بلکہ اولاد کی اولاد اور آنکی نسلون مین اور قومون مین راسخ اور قائم نظر آتی
ہین جو کبھی تو کسی موروثی قوی اثر سے اکثر فردون مین نمایان ہوتی ہین اور کبھی بعض کے اندرونی
اور بیرونی اثرون سے مخلوط ہو کر کبھی کبھی اور کسی کسی شخص مین دکھائی دیتی ہین -

دو لطیفون کے اختلاف کیلئے موروثی اسباب ہو سکتے ہین — ان حالات کو مد نظر رکھنے کے بعد غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کے ہان متعدد بیٹے

مختلف اوقات مین پیدا ہوئے ہین وہ شخص خواہ نیک ہو یا بد۔ مختلف جذبات اور وسوسون کا اُسکے دل مین پیدا ہونا بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ اور لوگون کے دلمین۔ اور ان جذبات کا کسی وقت ایسا قوی ہونا بھی ممکن ہے کہ دوران خون اور جسم کے دیگر حرکات پر کم و بیش اثر کرے۔ اور پھر ایسے اثرون کا اُس وقت پیدا ہونا بھی ممکن ہے جبکہ اسکے جسم مین کوئی نطفہ تیار اور خارج ہونیکے قریب ہو بلکہ اُس وقت بھی ایسے جذبات کا غلبہ کرنا ممکن ہے جبکہ نطفہ اُسکے جسم سے خارج ہو رہا ہے۔ اور یہی کیفیتین اُس عورت کو پیش آسکتی ہین جس کے رحم مین نطفہ قرار پاتا ہے اور جس کے رحم کے انڈے انسانی جسم کا بڑا حصہ بنتے ہین۔ بلکہ جس وقت تک نطفہ اُسکے رحم مین رہکر کمال کو پہونچتا ہے اس عرصے مین بھی کسی بڑے جذبہ کا پیدا ہونا اور اثر کا اُسکے جسم پر اور جسم کے ساتھ جنین تک پہنچنا اور بہی ممکن ہے اور نہ صرف اسی عرصہ تک بلکہ ایام شیرخوارگی تک کے جذبات جو دودہ پلانے والی مین پیدا ہون شیرخوار تک اثر پہنچا سکتے ہین اور اس طرح ایک ولادت مین ایک اثر اور دوسری ولادت مین دوسرا اثر پیدا ہونا ممکن ہے؛

یہ تو وہ صورت ہے جبکہ ولادت کا زمانہ مختلف ہو اب اگر ایسی صورت فرض کیجائے جس مین دو توام بچے پیدا ہوئے ہین[1] اور خواہ اسکے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان دونو کے نطفہ نے ایک ہی نوبت مین قرار پکڑا ہے تاہم وہ دو ہین اور ایک انڈے اور ایک نطفہ کے ذرات دوسرے انڈے اور دوسرے نطفہ کے ذرات سے ممتاز ہین۔ اور جس وقت وہ دونو تیار اور خارج ہونیکے قریب ہین اس وقت خواہ انکے ذرات ایک دوسرے سے متصل واقع ہون مگر جس ظرف مین ہین اسکی کسی نہ کسی قدر فضا کو پر کرتے ہونگے اور علیٰ ہذا جب دونو نطفے مان کے رحم مین انڈون سے ملے ہون گے اس وقت بھی کچھ نہ کچھ فضا ان سے معمور ہوگی اور وہ دونو فضائین

---

[1] توام بچے پیدا ہونے کیلئے طبی طور پر کوئی خاص سبب معین و مقرر نہین پائی اور جو کچھ علمای فزی آلوجی تحقیق کرسکے ہین وہ یہ ہے کہ عموماً عورت کے بیضیون سے ہر مہینہ پر ایک انڈا حرکت کرکے رحم مین آتا ہے اور اگر اس وقت مرد کا نطفہ اس سے ملجاتا ہے تو حمل قرار پاتا ہے۔ مگر کبھی کسی وجہ سے ایک بیضہ سے یا دونو بیضیون سے دو انڈے یا شاذ و نادر زیادہ بھی رحم مین آجاتے ہین اور اگر مرد کا نطفہ سب سے ملجاتا ہے تو متعدد بچے ایک حمل مین پیدا ہو جاتے ہین۔

دو نطفون کے ذرات کو گھیرنے کی وجہ سے دو حصون مین منقسم ہونگی اسلئے اس وقت بہی ممکن ہے
کہ ماں یا باپ کے دل مین کوئی جذبہ پیدا ہو اور جسم پر اثر کرے اور اسکی لہر وہان تک آکر ختم ہو جہان تک
فضا مین ایک نطفہ یا ایک انڈے کے ذرات موجود ہین اور دوسرے نطفہ یا دوسرے انڈے
کے ذرات تک وہ اثر یا بالکل نہ پہنچے یا کم پہنچے - اور اس کے علاوہ اگرچہ فرض کیا ہے کہ دو نطفے
ایک نوبت مین خارج ہوئے ہین مگر ایک نوبت مین خارج ہونیکی بہی حرکتین متعدد ہوتی ہین اسلئے ایک حرکت مین
ایک نطفہ کے ذرات خارج ہونیکے بعد بہی ممکن ہے کہ دفعتہً کوئی نیک یا بد جذبہ غالب آئے کیونکہ جذبہ کا پیدا ہونا
ایک آن کا کام ہے اور اسمین کسی عرصہ کی ضرورت نہین اور یون دوسری حرکت کے وقت اس جذبہ کا اثر دوسرے
نطفہ پر عمل کرے اور اس وجہ سے ایک بچہ ایک خیال لیکر پیدا ہو اور دوسرا اس کے خلاف میلان رکھے *

پھر اسکے ساتھ اُن جذبات اور میلانون کا خیال بھی کر لینا چاہئیے جو پہلے سے آبا
و اجداد مین پیدا ہو چکے ہوتے ہین اور اُنکی لہرین اپنی قوت و ضعف کے مطابق نسل مین چند یا کئی
پشتون تک پہنچتی ہین اور ان لہرون کے قوت و ضعف کے علاوہ یہ بہی ہوتا ہے کہ کسی شخص مین
بعد کے واقعات اور بیرونی اثر کسی وقت کسی جذبہ کو بڑہا دیتے ہین اور اس لئے ایسے شخص کی اُس وقت
کی اولاد مین اُسکے اپنے جذبہ کا بہی اثر ہوتا ہے اور جو اسی قسم کا جذبہ مورث اعلےٰ کیطرف سے سرایت کر چکا
ہے وہ بہی اثر کرتا ہے اور اسلئے ایسے شخص کا بچہ دو قوتون سے متاثر ہو کر اس جذبہ مین اور بہی پختہ
ہو جاتا ہے - اور یہ بہی ممکن ہے کہ باپ کا جذبہ کم طاقتور ہو اور تہوڑا اثر کرے لیکن اس تہوڑے سے
میلان کی وجہ سے مورث اعلےٰ کا اسی قسم کا جذبہ اس اولاد مین دوسری کی نسبت زیادہ قوت سے
ظہور کرے *

پس جب یہ کیفیت ہی اور دُنیا مین یہ اور اسی قسم کے اور ہزارون پیچ در پیچ اسباب کا سلسلہ
جاری ہے تو ایک ماں باپ - ایک سوسائٹی اور یکسان تربیت کو دیکھ کر غور کرنیوالون کو کیونکر یقین آتا
ہے کہ ماں باپ سوسائٹی اور تربیت کے علاوہ اور کوئی اثر کرنیوالا سبب باقی نہین - اور کیون
نہین کہا جا سکتا کہ اسباب و علل کا دریا جو ابتدا سے جاری ہے ہر ایک ذرہ پر عمل کرتا ہے اور اس دریا

کی ایک لہر سے متاثر ہو کر ایک نطفہ تیار ہی ایسا ہوا تہا کہ اس کو پاکیزہ زندگی ویجائے اور دوسری لہر نے دوسرے نطفہ کو بنایا ہے ایسا تہا کہ وہ ناپاک روح کا مسکن ہو اور عدم سے وجود مین لانیوالی اور مردہ سے زندہ کرنے والی قوت ہر چیز مین جو قابلیت دیکھتی ہے اُسکے مناسب حال وجود اور زندگی کی شکل عطا کرتی ہے ؎

اب رہا یہ سوال کہ علت و معلول کا یہ سلسلہ کیون جاری کیا گیا اور عدم سے وجود مین آنے کی تدریجی رفتار کیون رکہی گئی جس سے وجود کی ناقص اور مکمل شکلین مختلف پیدا ہوئین سو پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ دُنیا کو موجودہ نظام سے پیدا کرنے کی وجہ ہی عقدہ ہے جو حل نہین ہو سکتا اور یہی ایک سوال ہے جس کا جواب نہ تناسخ کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ نہ مہاتما بدھ کی تھیوری سے اور نہ روح اور مادہ کو قدیم ماننے اور نہ وحدت شہود کے استدلال سے۔ کیونکہ بدی اور عیب کی وجہ خواہ کچھ ہو اسکا ظہور اسی لیے ہوا ہے کہ دُنیا کو پیدا کیا گیا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا اور خواہ مادہ اور روح موجود بھی ہوتین مگر انہین سکون کی حالت مین رہنے دیا جاتا تو سوائے عدم کے اور کوئی نقص موجود نہ ہوتا اور اگر خدا اسکے سوا اور کچھ نہین کر سکتا تو اسکی قدرت محدود ہو گی لیکن جبکہ کسی نہ کسی مصلحت سے ایک دفعہ یہ عمل شروع ہو گیا ہے اور مادہ کو بتدریج ترقی دینے کا سسٹم جاری ہو چکا ہے تو پہر اسکے بعد آئندہ واقعات کیلئے ان تمام احتمالات مین سب سے زیادہ قرین عقل وہی خیال ہے جو اہل وحدت شہود پیش کرتے ہین کہ اپنی رفتار مین مادہ جس جس حد تک ترقی کرتا گیا ہے اسی حد تک عمدہ شکلین اور نیک اثر ظاہر ہوتے جاتے ہین اور جس جس حد تک نقص باقی رہتا آیا ہے اسی حد تک عیب اور بدی کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اور اس لئے شروع جس طرح پر کیا گیا ہے اسکی وجہ معلوم نہین لیکن بعد مین نہ کسی کے ساتھ رعایت ہے اور نہ کسی پر ظلم (ملاحظہ ہو باب دہم کتاب ہذا)

خدا کی خالقیت اور روح کی قدامت وغیرہ مسلمات سے تناسخ کا تعلق۔

دنیا مین انسانی حالت کا اختلاف ہی ایک ایسا واقعہ تہا جسے دیکھ کر بعض غور کرنیوالون نے تناسخ کا احتمال قائم کیا اور ہمنے دیکھا کہ اس واقعہ کو غور سے دیکھنے پر ثبوت کا تناسخ کا نشان نہین ملتا اور اسکے علاوہ ان جن طریقون سے اس

دعوی کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان سے اگرچہ ثبوت کو کوئی واسطہ نہین مگر کہنے والے ان کو بھی دلائل قاطعہ کا خطاب دیتے ہین اسلئے دیکھ لینا ضرور ہے[1] چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی صفت خالقیت قدیم ہے اور ادھر روح قدیم ہے اور اسکے سب عادات وخصائل بھی قدیم ہین اور کام کرنا اسکے خصائل مین داخل ہے۔ اور ایک اور موقع پر کہا گیا ہے کہ روح کا جسم کو دھارن کرنا بھی عادت ہی۔ ان باتون کے ضروری ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمیشہ ارواح کو مختلف اجسام مین داخل کرتا رہتا ہے۔

اس دلیل کے مقدمات مین سے ایک خدا کی خالقیت کا مسئلہ بیشک مسلم ہے اور کسی مذہب کو اس سے انکار نہین۔ مگر ایک تو کوئی صفت رکھنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اسکا بالفعل ظہور بھی ہر وقت ہوتا رہے۔ مثلاً انسان مین نوشت وخواند اور گویائی کی صفت ہی لیکن ضرور نہین کہ وہ ہر وقت اس صفت کو ظاہر کرتا رہے بلکہ ایسی صفات کے ہونے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اس خاصہ سے کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح خدا کی نسبت بھی دوام صفت کے یہی معنی ہین کہ وہ جب چاہے ان کا ظہور کرسکتا ہے کیونکہ وہ علاوہ اور صفات کے علم اور ارادہ کی صفت بھی رکھتا ہے اور کوئی کام مجبور ہوکر نہین کرتا اسلئے صفت خالقیت مین بھی وہ مجبور نہین کہ ہر لحظہ اور ہر وقت اسکا ظہور ہوتا رہے اور دوسرے اگر صفات کے دوام سے یہی معنے لیے جائین کہ ہر وقت ان کا بالفعل ظہور ضرور ہے تب بھی یہ لازم نہین آتا کہ بار بار ایک ہی روح کو مختلف اجسام مین داخل کرتا رہے بلکہ نئی نئی ارواح اور نئے نئے عالم پیدا کرنے ہی سے صفت خالقیت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

رہی روح کی قدامت اور اسکی صفات کی قدامت اور صفات کے ہمیشہ ظہور کرنیکا دعوے سو انہین سے کوئی ایک بھی ثابت نہین۔ قدیم سوائے ایک ذات کے اور کوئی ہو نہین سکتا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ارواح اور انکی صفات قدیم ہین تو قدیم ہونے سے صفات کا دائمی ظہور ثابت نہین ہوتا چنانچہ رحم غضب عدل علم وغیرہ ارواح کی صفات ہین اور اس مسلک کے مطابق قدیم ہونی چاہئین

[1] یہ دلیلین پنڈت لیکھرام پشاوری کی ایجاد ہین۔ کتاب ثبوت تناسخ ؛

مگر دنیا مین کوئی شخص نہین جس سے یہ صفات ہر وقت ظاہر ہوتی رہین پس ارواح مین ان صفات کے ہونے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ انکو جب موقع ہو ظاہر کر سکتی ہین۔ اور اگر ان سب باتون سے قطع نظر کیجائے اور صفات ارواح کو قدیم اور ہمیشہ ظاہر ہونے ہوئے مان لیا جائے تب بھی جسم دھارن کرنیکو روح کی عادت قرار دینا یہی وہ دعوے ہے جس کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عادت جبھی ثابت ہوگی کہ اُسکا بار بار ضرور ہو اور روح کا بار بار ظہور کرنا اور روح کو جسم مین آنے کی عادت ہونی حقیقت مین ایک ہی دعویٰ ہے یعنی تناسخ۔ اور اسی کو ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ پس بار بار آنے کیلئے عادت ہونیکو دلیل گردانتا خود دعوے کو دعوے کیلئے دلیل ٹھیراتا ہے۔ اور پھر روح کا جسم مین آنا اگر عادت ہو تو اُن کے مسلک کے مطابق وہ عادت قدیم بھی ہوگی اور جو چیز قدیم ہو اس کے لئے خالق کی ضرورت نہین اسلئے روح کے جسم مین آنیکے لئے بھی خالق کی ضرورت نہین اور یہ نتیجہ ہے جس سے خدا کی خدائی نابود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مادہ اور روح قدیم ہے اور جب روح اور مادہ کی صفات اور روح کا مادہ مین داخل ہونا بھی قدیم ٹھیرا۔ تو پھر دنیا کے لئے کسی موجد کی ضرورت نہین رہتی۔ غرض تناسخ مانا تو اسلئے جاتا تھا کہ خدا سے ظلم کا الزام دور کیا جاوے اور تناسخ ماننے کیلئے جو مقدمات تسلیم کئے گئے انہون نے خدا کو موجود بھی نہ رہنے دیا۔

چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے سے تناسخ کا ثبوت۔

اور ایک دلیل دنیا کے دیگر واقعات سے تیار کی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چاند اور سورج اور سیارے گاہ طلوع کرتے ہین اور گاہ غروب ہوتے ہین اور اُن کو دیکھ کر جاہل کہتا ہے کہ اور سیارے آگئے حالانکہ جاننے والے جانتے ہین کہ وہی سیارے ہین اسیطرح ارواح بھی وہی بار بار آتی ہین اور نادانون کو معلوم ہوتا ہے کہ نئی ارواح پیدا ہوئین اور کبھی کہتے ہین کہ مادہ مکانات نباتات اور حیوانات وغیرہ مین بار بار ظہور کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی اجسام مین بار بار ظہور کرتی ہے۔

یہان بعض اشیا مین ایک خاصہ فرض کیا گیا ہے اور پھر اسکو عام گردان کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ روح مین بھی وہی خاصہ موجود ہے۔ مگر اول تو جو خاصہ سیارگان وغیرہ مین دیکھا گیا ہے اسکی اور شکل ہے

اور روح کے لیئے اوشکل کا خاصہ فرض کیا جاتا ہے کیونکہ سیارگان جو طلوع غروب یا دورہ کی حرکت
سے بار بار آتے جاتے ہین اسکی وجہ یہ ہے کہ حرکت کے سبب وہ ایک خاص مقام یعنے سطح زمین پہ سے
ہر وقت نظر نہین آسکتے ورنہ حقیقت مین وہ اسی دُنیا پہ اور اسی جسم مین موجود رہتے ہین اور ہمیشہ
ایک دائرہ پر حرکت کرنے مین مصروف ہین - اور اسی طرح مادہ کے بار بار آنے کی یہ صورت ہے
کہ وہ اجزا سے مرکب ہے اور اجزا کے جمع ہونے سے کبھی ایک شکل پیدا ہوتی ہے اور کبھی دوسری اور
اس طرح اجزا ہمیشہ اپنے اجتماع کی وضع بدلتی رہتی ہین ورنہ مادہ کبھی کہین جا کر واپس نہین آتا جس سے
کہا جائے کہ وہ بار بار آتا ہے بلکہ اسکی نسبت صحیح اظہار یہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو موجود رہتی ہے
اور ہمیشہ اپنی شکلین بدلتی رہتی ہے - اور اسکے برخلاف روح کے بار بار آنے کی یہ شکل مانی جاتی ہے
کہ وہ ایک مستقل جوہر ہے جو کسی دوسری چیز یعنے مادہ کی چند اجزا کے ایک خاص شکل مین جمع ہونے
پر ان مین ظہور کرتی ہے اور اجزا کے متفرق ہو جانے پر اُن سے الگ ہو کر کسی اور مجموعہ مین جو اسی طرح کی
خاص شکل مین جمع ہو گیا ہو ظاہر ہوتی ہے - اور سیارون سے مشابہت جب ہوتی کہ کسی دوسری چیز
مین ظہور نہ کرتی اور نہ اُس چیز کے تباہ ہونے پر غائب ہوتی بلکہ خود کسی قسم کی حرکت سے کبھی سامنے
آجایا کرتی اور کبھی گم ہو جاتی - اور مادہ سے مشابہت اس صورت مین ہو سکتی تھی کہ خود صاحب اجزا
ہوتی اور مادہ کیطرح اسکی اجزا کبھی ایک شکل مین ظاہر ہوتین اور کبھی دوسری شکل مین - اور جب یہ صورت
نہین اور روح کے لئے جو خاصہ فرض کیا گیا ہے اسکی مثال دُنیا مین نظر نہین آتی تو یہ قیاس عقلی طور
پر کوئی وزن نہین رکھتا ؛

اور دوسرے اگر صرف یہی دیکھنا ہو کہ مادہ کا اور روح کا تعلق ہے اور مادہ پر ایسی حالتین
طاری ہوتی ہین جنکی حقیقت خواہ کچھ ہو مگر اسکو بار بار آنے کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہین اسلئے مادہ
سے تعلق رکھنے والے کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بھی بار بار آتا ہوگا اور پھر یہان بار بار آنے سے
یہ خاص مطلب لینا چاہیئے کہ اُسکا تعلق بار بار ہوتا ہے تو یہ صرف شاعرانہ استدلال ہوگا ورنہ تعلق
کی کوئی صورت خیال مین نہین آتی جسکی وجہ سے اگر مادہ بار بار اپنی شکلین بدلتا ہو تو روح بھی ایک

ہی انہیں بار بار حلول کرتی رہے۔ کیونکہ اگر مادہ اور روح کا تعلق کارندہ اور آلہ کا ہے یعنی مادہ آلہ ہے اور روح کارندہ تو اس تعلق کے واسطے ضرور نہیں کہ ایک کے دوبارہ موجود ہونے پر دوسرا بھی دوبارہ آئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نجار مختلف تیشوں سے کام لے سکتا ہے تو ایک ہی تیشہ مختلف نجاروں کے ہاتھ میں بھی کام دے سکتا ہے اور اگر ظرف و مظروف کا تعلق ہے تو بھی دونو کا بار بار آنا ضرور نہیں اور اگر ایک چیز مختلف برتنوں میں رکھی جاسکتی ہے تو ایک ہی برتن میں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر راکب و مرکوب کا تعلق ہے تو بھی ایک گھوڑے پر مختلف اشخاص اور ایک شخص مختلف گھوڑوں پر سوار ہو سکتا ہے۔ اور اگر حاکم و محکوم کا تعلق ہے تو بھی ایک بادشاہ مختلف ملکوں پر حکمران ہو سکتا ہے اور ایک ملک ایک بادشاہ کی حکومت سے نکل کر دوسرے اور اس سے تیسرے کے قبضہ میں جا سکتا ہے غرض دو چیزوں کے ملنے پر جس قدر تعلقات سمجھ میں آ سکتے ہیں انہیں سے کسی پر یہ نتیجہ مترتب نہیں ہوتا کہ اگر مادہ کئی بار آئے تو روح بھی وہ آئے۔ اور یہ وجہ ایک چیز کا خاصہ دوسری چیز میں مان لینا ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ چونکہ سم الفار میں زہر کی خاصیت ہے اسلئے دودھ بھی وہی اثر رکھتا ہے اور یہی حال سیارگان کی آمد و رفت اور روح کے تناسخ کا ہے کہ ان میں کوئی تعلق نہیں جسکی بنا پر ایک امر کے ثابت ہونے سے دوسرے کا ثبوت لازم آئے کیا جس طرح سال کے بارہ مہینوں میں ایک ہی سورج بار بار آتا ہے اور جس طرح مہینہ کے تیس دنوں میں ایک ہی چاند بار بار نکلتا ہے اسطرح سال کے بارہ مہینہ بھی ایک ہی مہینہ اور مہینہ کی تمام تاریخیں ایک ہی تاریخ ہیں؟ اگر اسی طرح کی غیر متعلق باتیں ایسی دلیلوں سے ثابت ہو جائیں تو بیشک سیارگان کے بار بار آنے سے ارواح کا بار بار ظہور کرنا بھی ثابت ہو جائیگا۔

اور تیسرے اگر مان لیا جائے کہ مادہ کے بار بار آنے اور روح کے بار بار آنے کی ایک ہی صورت ہے تو بھی غور کرنے کی بات ہے کہ شکل مادہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور خود مادہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور روح کی حقیقت جو کچھ ہے ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اتنا جانتے ہیں کہ اس کا

تعلق شکل کے تعلق کے بعد ہوتا ہے یعنی اجزاے مادی شکل پہلے اختیار کرتی ہین اور بعد ہین جاندار بنتی ہین - اور ہم دیکھتے ہین کہ باوجود مادہ کے بار بار آنے کے شکل جو اس سے براہ راست پیدا ہوتی ہے اور روح سے پہلے تعلق پکڑتی ہے ایکدفعہ اگر ابدالآباد تک دوبارہ نہین آتی اور اجزا وہی ہون مگر شکل ہمیشہ نئی سے نئی ہوتی ہے تو جو چیز شکل کے بعد تعلق پکڑتی ہے اسکی نسبت کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بار بار ضرور آنی چاہیئے -

سقراط کی تین دلیلین تناسخ پر

حکیم سقراط کو جب زہر دیا گیا ہے تو اسکے عزیزون اور شاگردون کو اسکی مفارقت سے جو صدمہ ہوا ہوگا ظاہر ہے مگر وہ فلاسفر تھا اور فلاسفر کی شان سے بعید ہے کہ ایسے افکار سے دل کو پریشان کرے اسلئے اُس نے اپنا یہ وقت نہایت استقلال سے گزارا اور فلسفیانہ طرز سے اپنے ہمراہیون کو تسلی دیتا رہا - چنانچہ اسکی اُسوقت کی گفتگو سے جو اس نے اپنے شاگرد سمیاز وغیرہ سے کی تھی تین دلیلین تناسخ پر پیدا ہو گئی ہین (کتاب پلیٹو) ان مین سے پہلی دلیل مین یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضد کی طرف عود کرتی ہے - اور زندگی اور موت بھی باہم ضدین ہین اسلئے وہ بھی ایک دوسری سے پیدا ہوتی رہین گی اور موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت کا چکر جاری رہیگا - دوسری دلیل مین وہ کہتے ہین کہ ہم دو چیزون کو دیکھکر کبھی اُن کو مساوی کہتے ہین اور کبھی غیر مساوی اسلئے ایسی چیزون کے علم اور اُنکی مساوات یا عدم مساوات کے علم سے پہلے ہمکو مساوات کا مفہوم معلوم ہونا چاہیئے اور ان چیزون کو ہم حواس سے دریافت کرتے ہین اور حواس پیدا ہوتے ہی حاصل ہو جاتے ہین اسلئے مساوات کا مفہوم جو ان سے پہلے حاصل ہے وہ پیدائش سے پہلے معلوم ہوا ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدائش سے پہلے موجود تھی اور تیسری دلیل مین کہتے ہین کہ مرکبات کبھی نہ کبھی تحلیل ہو جاتے ہین اور بسائط تحلیل ہونے سے پاک ہین - اور مرکبات محسوس ہوتے ہین اور بسائط حواس کی گرفت سے باہر ہین اور انسان کے اندر ایک جسم ہے جو بدنی اور مرکب قسم سے ہے اور ایک روح ہے جو نادیدنی اور بسیط ہے - اور جسم ترکیب کے قاعدہ کے موافق تحلیل اور فنا ہو جاتا ہے اسلئے چاہیئے کہ روح حسب قاعدہ بساطت تحلیل

اور فنا نہ ہو۔ بلکہ مرنیکے بعد قائم رہے

تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہین۔

یہ دلائل قابل قدر ہین اسلئے کہ ایک بڑے فلاسفر کی مرتے دم کی یادگار ہین اور حکیم فلاطون کا شکر گزار ہونا چاہیے جس کی قلم سے یہ تمام مکالمہ من وعن محفوظ رہ سکا۔ مگر دلائل کی حقیقت دیکھنے پر کہنا پڑتا ہے کہ ان مین سے تیسری دلیل مین اگر ثابت کرنے کی کوئی چیز تھی تو یہ کہ انسان کے اندر ایک بسیط روح موجود ہے اور ہمنے دیکھا کہ اسی کو عالی قدر حکیم نے اصول مسلمہ کے طور پر مان لیا ہے اور بات وہی نکلی پہلے جو لکھا گیا ہے کہ گو عقلی ثبوت کوئی نہ ہو مگر مذہبی جذبہ بالاتفاق انسان کے اندر ایک جوہر بسیط کو مانتا ہے۔ پس اگر وہ موجود ہے تو پھر مرنے کے بعد اس کے قایم رہنے مین شک نہین اور اسی قدر اس دلیل سے بھی ثابت ہوا۔ اور اس سے زیادہ یعنی یہ کہ روح دوبارہ اسی دنیا مین آیگی اس کا اس دلیل سے کوئی تعلق نہین ؁

دوسری دلیل دو طرح سے ناقص ہے،

اور اسی طرح دوسری دلیل کو اگر تسلیم کیا جائے تو اس سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدایش سے پہلے موجود تھی اور تناسخ کا ثبوت اس سے بھی نہین ملتا۔ اور نیز اس دلیل کے مقدمات مین بھی بہت کچھ کلام ہے۔ کیونکہ پیدا ہوتے ہی حواس ظاہری کا کام کے قابل ہونا اور چیزون کی مساوات کو پہچاننا اور نیز مساوات اور نامساوات کو معلوم کرنے سے پہلے مطلق مساوات کا علم ہونا سب باتین قابل اعتراض ہین۔ اور ہم دیکھتے ہین کہ بچہ جب اپنے حواس سے کام لینے لگتا ہے تو پہلے چیزون کو صرف دیکھنا شروع کرتا ہے اور انکی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ ذہنی فیصلے ایک طرف وہ مدت تک انکی محسوس اوصاف مین بھی تمیز نہین کر سکتا اور ایک شوخ لال رنگ کی چیز دیکھ کر جھپٹتا ہے وہ چیز چھپا دی جاتی ہے اور اس سے پھیکے رنگ کی بلکہ بسا اوقات اور رنگ کی چیز دیدی جاتی ہے اور بچہ پہلی چیز سمجھ کر خوش ہو جاتا ہے مدت کی مشق سے رنگ وغیرہ پہچاننے لگتا ہے تو بڑائی چھٹائی پھر بھی عرصہ تک محسوس نہین ہوتی۔ ایک انار چھپا لینے کے بعد دوسرا انار جو اس سے کسیقدر چھوٹا بڑا ہو سامنے کرنے سے اکثر دھوکا

کہا تا ہے اور غور و تأمل کا طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جسکے بعد چیزون کی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ صفات جو عقل سے تعلق رکھتی ہین پورے طور پر ممیز ہون اور پھر ان چیزون کی مساوات و عدم مساوات اور بہتری و بدتری وغیرہ صفات کو دیکھنے سے مطلق مساوات اور مطلق بہتری وغیرہ مفہوم ذہن نشین ہوتے ہین اور بجائے اسکے کہ مساوات کا علم پہلے موجود ہو انسانی ترقی کی رفتار یہ ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنا علم جزئیات سے شروع کرتا ہے اور ان سے انتقال کرتا ہوا کلیات کی طرف جاتا ہے اور اس لئے مساوات کا علم رکھنے کیواسطے ضرور نہین کہ روح جسم سے پہلے موجود ہو ؛؛

ضد سے ضد کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہین -

غرض یہ دلیلین ضعیف ہین جنکے باوجود تناسخ سے کوئی تعلق نہین رکھتین البتہ پہلی دلیل اگر صحیح ہو تو اس سے بیشک تناسخ ثابت ہوگا مگر اول تو اسکا پہلا مقدمہ قابل غور ہے - بیشک ہم دیکھتے ہین کہ رات سے دن پیدا ہوتا ہے اور دن سے رات یا بیجان سے جاندار بنتا ہے اور جاندار سے بیجان اور یہان ایک ضد دوسری ضد سے ظاہر ہوئی مگر تمام دنیا کی صرف یہی شکل نہین بلکہ جو مثالین خود حکیم نے دی ہین ان مین سے بعض کی اور صورت ہے - وہ کہتے ہین کہ تیز سست سے پیدا ہوتا ہے اور سست تیز سے - مگر یہ خاصہ عام نہین اگر بعض چیزون کی رفتار تیز اور پھر تیز سے سست ہوجاتی ہے تو بعض چیزین ایسی ہین کہ انکی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے - مثلاً روشنی حرارت اور آواز کی رفتار اپنے اپنے مقدار اور فاصلہ کے لحاظ سے جس طرز پر واقع ہے اس سے کبھی انحراف نہین کرتی اور ایسا نہین ہوتا کہ تیز سے سست ہو تو پھر سست سے تیز ہوجائے - اسی طرح سیارون کی حرکت جس قاعدہ پر جاری ہے اس سے تخلف نہین ہوتا - اور اگر جدید تحقیقات کو مدنظر رکھا جائے تو زمین کی محوری حرکت ایک صدی مین ایک سیکنڈ کی کسر کے برابر سست ہوجاتی ہے اور اسی قدر دن بڑھتا جاتا ہے مگر ایسا ہونیکا گمان بھی نہین کہ پھر کبھی اسکی یہ حرکت تیز ہونے لگے - اور پھر کبھی تیزی سے سستی کیجانب عود کرے - اور اسی طرح اور مثالین جو وہ دیتے ہین کہ بہتر پہلے بدتر ہوتا ہے اور منصفانہ غیر منصفانہ - یہ چکّر بھی سمجھ مین نہین آتا - اگر محض بہتری و بدتری اور منصفانہ و غیر منصفانہ کو دیکھا جائے تو یہ اوصاف ہمیشہ ایک حالت پر ہین اور بہتری بدتری اور بدتری بہتری کبھی نہین ہوسکتی - اور اگر ان افعال کو

دیکھا جائے جن کو یہ صفتیں عارض ہوتی ہیں تو بھی یہی حال ہے کہ جو افعال منصفانہ ہیں مثلاً
فریادی کی فریاد کو سننا اور مجرم کے جرم کو غور و خوض سے تحقیق کرنا یہ افعال ہمیشہ منصفانہ
ہیں اور کبھی غیر منصفانہ نہیں ہو سکتے اور ان کے خلاف کرنا ہمیشہ غیر منصفانہ ہے اور کبھی منصفانہ
نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح جو افعال بہتر ہیں مثلاً اپنے فائدہ میں حق سے تجاوز نہ کرنا اور دوسرے
کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا یہ امور ہمیشہ بہتر ہیں اور ان کے خلاف ہمیشہ بدتر۔ اور اگر اشیا کو
دیکھا جائے جن کو بہتر یا بدتر کہہ سکتے ہیں تو ان میں سے جو مرکبات ہیں وہ چونکہ اس نظام میں فنا
و تحلیل کا نشانہ ہیں اسلئے انکی صفات بھی بجا نہیں رہتیں۔ مگر پھر بھی ضرور نہیں کہ جو بہتری اور
بدتری ایک دفعہ کی تحلیل میں نابود ہوئی ہے پھر وہی اجزا مرکب ہوں اور وہی بہتری یا بدتری
عود کرے اور ضرور ایک ضد دوسری ضد کیطرف آئے۔ اور ادھر جو بسائط یا عناصر ہیں ان میں
جو نیک و بد صفات قدرت کیطرف سے ودیعت ہیں وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتی ہیں اور کبھی ایک
ضد سے دوسری ضد کیطرف نہیں جاتیں ؛

رہا رات دن اور جاندار اور بیجان کا انقلاب سو گرچہ یہ قدرت کا بڑا کرشمہ ہے مگر اسکی وجہ دیکھی
جائے تو ادھر ایک ہمیشہ چمکنے والا آفتاب ہے جو روشنی دیتا ہے اور ادھر ہمیشہ حرکت کرنیوالی زمین
ہے جو روشنی کو اخذ کرتی ہے۔ اور ایک کی سکون اور دوسری کی حرکت سے ایک یکساں رہنے والا قاعدہ
پیدا ہوتا ہے کہ ہمیشہ زمین کے نصف حصہ پر روشنی کا اثر پہنچے۔ اسلئے حقیقت میں روشنی تاریکی
سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک حصہ روشنی کا ہے جو ہمیشہ زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس کے
مقابل ایک حصہ تاریکی کا اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور زمین کے ایک حصہ پر رہنے والے کے سامنے
کبھی روشنی آجاتی ہے اور کبھی تاریکی۔ اور جاندار کی بیجان سے اور بیجان کی جاندار سے پیدا ہونے
کی حقیقت بھی جیسا کہ جدید تحقیقات کا منشا ہے یہ ہے کہ جان ہمیشہ جان سے پیدا ہوتی ہے یعنی
ایک جاندار کیطرف سے بیجان کے اندر جان کا فیضان ہوتا ہے اور اس سے آگے اور بیجان پر یہ
اثر پہنچتا ہے اور ادھر بیجان اجزا اپنی شکلوں کو بدلنے سے ایک جسم کے بعد دوسرا جسم بناتی رہتی

ہین اور اس طرح جان کا سلسلہ جان دار سے جاندار کی طرف اور بیجان کا بیجان سے بیجان کی طرف جارہا ہے "

اور ان کے بعد اور اشیا اور ان کی بعض صفات ایسی نظر آتی ہین جو ہمیشہ ایک حال پر رہتی ہین اور ضد سے ضد کی طرف عود نہین کرتین۔ مثلاً مادہ اور دنیا کا دوسرا عنصر یعنی قوت اور انکی صفت وجود ایسی چیز ہے کہ جب سے ہو ہمیشہ ایک حالت پر ہے اور کبھی وجود سے عدم اور عدم سے وجود ان پر طاری نہین ہوتا۔ اور اسکے علاوہ روح حکیم کی رائے کے مطابق ازل سے ابد تک موجود ہے اور وجود و عدم مین انقلاب نہین کرتی۔ اور ویسے بھی روح اگر ہے تو جب سے ہے ہمیشہ موجود ہے اور اگر عدم سے وجود کی طرف آئی ہے تب بھی آیندہ وجود سے عدم کی طرف جانے کا احتمال نہین ۰

غرض ہمنے دیکھا کہ روشنی حرارت وغیرہ کی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے اور سیارگان کی حرکت مین اگر انقلاب ہے تو ہمیشہ تیزی سے سستی کیطرف یعنی ایک سمت کو۔ اور بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ صفات اور ان سے متصف ہونیوالے افعال ہمیشہ یکسان رہتے ہین۔ اشیاء بسیطہ جو ان سے متصف ہین وہ بھی ہمیشہ ایک حالت پر ہین۔ اور مادہ اور قوت کا وجود کبھی ضد کی طرف نہین جاتا۔ اور نہ روح ضد کیطرف انتقال کرتی ہے۔ البتہ مرکبات ہمیشہ تحلیل و ترکیب کا ہدف ہین اور انکی حالت بدلتی رہتی ہے اور حالت کیساتھ انکے نیک و بد صفات مین انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ مگر انکا انقلاب بھی ایسا بے ترتیب ہوتا ہے کہ اسکے لئے ضد سے ضد کی طرف آنا یا مناسب سے مناسب کی طرف جانا کوئی ایک قاعدہ مقرر نہین کیا جاسکتا کبھی کسی انقلاب مین بدتری سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور آیندہ انقلاب مین اس سے زیادہ بہتری نظر آتی ہے تو پھر کوئی ایسا انقلاب ہوتا ہے کہ بہتری کے تمام درجات معدوم ہو کر کوئی بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی بتدریج بدتری کیطرف اور کبھی بتدریج بہتری کیطرف انتقال ہوتا ہے تو کبھی دفعتہً بڑے درجہ کی بدتری سے بڑے درجہ کی بہتری پیدا ہو جاتی ہے

مثلاً درخت پیدا ہوا ہے اور مناسب آب و ہوا سے بڑھتا جاتا ہے حتی کہ پھل پھول لانے لگا ہے یہ بہتری سے بہتری کیطرف ترقی ہے اور پھر سوکھنے لگا ہے اور ایک دن فنا ہو گیا ہے یہ بہتری سے بدتری کی طرف تنزل۔ مگر لہلہاتے درخت پر کاٹنے والا کا تبر ایسا پڑتا ہے کہ دم میں گلزار کی جگہ خاک اڑنے لگتی ہے اس انقلاب مین دفعتہً بڑے درجہ کی بہتری سے بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو گئی ہے اور کبھی خشکی اور امساک سے کھیت تباہی کے قریب ہوتا ہے کہ دفعتہً مناسب ہواؤن کے چلنے اور بروقت بارش کے برسنے سے سوکھی کھیتی ہری ہو جاتی ہے۔ اس وقت بڑی بدتری سے فوراً بڑی بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ایک ہی حالت دیر تک قائم رہتی ہے اور کبھی نیک و بد انقلاب جلدی جلدی ہونے لگتے ہین۔ ماحصل یہ کہ بسائط اور لطیف اشیا مثلاً مادہ عناصر روشنی حرارت اور افعال نیک و بد وغیرہ خاص قوانین کے زیر اثر ہین اور ان مین ضد سے ضد کی طرف آنا ثابت نہین ہوتا۔ اور مرکبات اور ان کے حالات قوانین پر ایسے مختلف اور پیچیدہ عمل کرتے ہین کہ ہر چیز اور ہر چیز کی ہر ایک حالت مین ہر آن کے اندر نئی سے نئی شان نظر آتی ہے اور ایک قاعدہ معین نہین ہو سکتا ॰

ضد کا ضد کیطرف آنا زندگی اور موت پر جاری نہین ہوسکتا

یہ دیکھنے کے بعد کہ ضد سے ضد کیطرف آنا قدرت کا عام قانون نہین دلیل کے دوسرے مقدمہ یعنی زندگی اور موت کی ضدیت کو دیکھا جائے تو زندگی اور موت کی حقیقت دو چیزون کا باہم ملنا اور جدا ہونا ہے۔ اور ان مین سے ایک چیز یعنی جسم مرکب ہے اور دوسری چیز یعنے روح بسیط ہے۔ اور جس وقت روح کا جسم سے فراق ہوا ہے اس وقت جسم چونکہ مرکب ہے ضرور ہے کہ وہ تحلیل ہو اور تحلیل ہونیکے بعد اسکی اجزا مرکبات کے قاعدہ کے موافق ضرور ہے کہ کہین نہ کہین اور کسی نہ کسی شکل مین رہین اور ان شکلون کو بدلتی رہین۔ اب اگر یہان ضد سے ضد کیطرف آنیکا یہ مطلب لیا جائے کہ ایک وقت پر یہ اجزا پھر اسی شکل مین جلوہ گر ہون تو یہ صورت ممکن نہین معلوم ہوتی کیونکہ تحلیل ہونیکے بعد کچھ اجزا گیس بن کر اڑ گئی ہین اور ہواؤن نے انکو کہین سے کہین پہنچا دیا ہے اور کچھ اجزا زمین مین ملکر اسکی ہمشکل ہو گئی ہین اور ان مین سے

کچھ ممکن ہے کہ قرن ہائے دراز تک اسی حالت مین پڑی رہین اور کچھ نباتی شکل مین بدل جائین
اور پھر نبات کے فنا ہونے پر ان مین سے اکثر گیس بنکر اُڑجائینگی اور کچھ جانداروں کی خوراک مین
صرف ہونگی - اور اس طرح ان اجزا مین سے بعض کا کسی جاندار یا خود کسی انسان کے جسم مین آنا
ممکن ہے - مگر سب کے سب اسی شکل مین پیدا ہون اور مرنیکے بعد انسان کی تمام اجزا اسی پھر انسان
ہی بنایا جاوے اسکا امکان نہین - اور اگر ضد سے ضد کی طرف آنے سے یہ مطلب ہے کہ جسم انسانی
کی اجزا تحلیل ہونیکے بعد کسی نہ کسی شکل مین مرکب ہونگی تو شک نہین کہ ایسا ضرور ہوگا لیکن اسی
طرح کہ بعض اجزا کچھ شکل اختیار کرینگی اور بعض کچھ - اور بعض کبھی جاندار کے جسم مین آجائینگی اور بعض
ممکن ہے کہ ابدالآباد تک بیجان حالت مین رہین - اب روح کی نسبت جو ایک جسم سے الگ ہوئی
ہے غور کرنے کے وقت ہم دنیا کے تمام مرکبات اور بسائط کو دیکھ ڈالتے ہین ان مین جسمانی مرکبات
کو دیکھا کہ ترکیب کے بعد تحلیل ہوتے ہین تو پھر تحلیل کے بعد اسی پہلی ترکیب کی طرف عود نہین کرتین
مادی بسائط مین سے ایتھر اگر دیگر اجزائے مادی کے کسی مجموعہ مین داخل ہو بھی تو وہان سے الگ
ہوکر ہمیشہ تک مجرد حالت مین رہ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہ ہو - چنانچہ
اسی بنا پر زمین وغیرہ سیارون کی اٹماسفیر یعنے کرہ ہوائی سے پرے اس کو تمام فضا مین پھیلا
ہوا مانا جاتا ہے - اسکے بعد غیر جسمانی بسائط کو لو تو بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ حالت کی
جو فرد کسی ایک چیز مین ایک وقت پر موجود ہوتی ہے پھر خواہ اسی چیز پر اور ہزارون طرح کے بہتر
اور بدتر حالتین آئین مگر وہ پہلی حالت کبھی موجود نہین ہوتی - یہ دعوی سرسری نظر سے غلط معلوم
ہوگا کیونکہ برف پینے سے ہمنے ہزارون دفعہ یکسان خنکی محسوس کی ہے اور آگ تاپنے سے بارہا ایسی
ہی گرمی - مگر جس کو ہم یکسان کہتے ہین سائنٹیفک طور پر وہ کبھی بھی یکسان نہین - کوئی عالم کیمیا ہزار
دفعہ پوٹاشیم کلوریٹ سے آکسیجن یا سمندر کی ریت سے کلورین پیدا کرے کبھی دو دفعہ بھی ایک تجربہ
سب حیثیتون سے برابر نہ ہوگا - پوٹاشیم کلوریٹ یا ریت کی جو مقدار ایک دفعہ لی ہے بالکل ٹھیک وہان
سے اتنی ہی مقدار کبھی نہ لیجائیگی اور جو حرارت ایک وقت پر فضا مین موجود ہے یا مصنوعی طور پر

بہم پہنچائی گئی ہے۔ ٹھیک اتنی ہی حرارت کبھی مہیا نہ ہوسکیگی اور جس قدر وقت ایکدفعہ خرچ ہوا ہے
ٹھیک اتنا ہی وقت پھر کبھی صرف نہ ہوسکیگا اور اسلئے جس قدر گیس ایک دفعہ پیدا ہوئی ہے
بالکل اسیقدر کبھی پیدا نہ ہوسکے گی۔ اور جو نیک یا بد اثر اس فعل سے ایک دفعہ پیدا ہوگا وہ پھر کبھی
نہ ہوگا۔ اور یہی حال برف پینے اور آگ تاپنے کا ہے کہ مقدار اور وقت اور کیفیت ہر طرح سے
ہر دفعہ دوسری دفعہ سے متفاوت ہوگی اور اس لئے جو بہتری یا بدتری کسی فعل سے ایک بار
متعلق ہوئی ہے وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوچکی اور کبھی ہاتھ نہ آئیگی۔ اور یہی
حال شکل اور دیگر خواص کا ہے کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد پھر وہی شکل اور وہی خاصہ
کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ بسائط جس طرح کے ہمارے پاس موجود ہیں وہ ہمیشہ کے
لئے اور ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد آئندہ کیلئے الگ رہ سکتے ہیں اور مرکبات کی اجزا
اگرچہ شکلیں بدلتی رہتی ہیں مگر سب اجزا پھر ایک جگہ جمع ہوں یہ ممکن نہیں اور بعض اجزا ہمیشہ
کیلئے جاندار ہیں نہ آئیں ممکن ہے۔ تو روح جو بسیط ہے اس پر بساطت کا قاعدہ جاری کرو
تو اور ترکیب کا قاعدہ جاری کرو تو اس کیلئے یہ فیصلہ کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنیکے بعد بار بار
جسم میں آتی رہے گی اور زندگی اور موت کا چکر ہمیشہ جاری رہیگا ایسا دعوی ہے جو بساطت
اور ترکیب دونو حیثیتوں سے غلط ہے اور ضد کا ضد سے پیدا ہونا نہ دنیا کا عام قانون ہے
اور نہ زندگی اور موت میں جاری ہوسکتا ہے۔

اس عالم میں روح کا دوبارہ جسم میں آنا خلاف عقل ہے

غرض تناسخ کے بارہ میں جہاں تک غور کیا گیا ہے یہ مدعا ہرگز ثابت
نہیں ہوتا کہ روحیں جسم سے مفارقت کرنے کے بعد پھر اسی زندگی
کو دوبارہ حاصل کرتی ہیں بلکہ شکل اور دیگر صفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایسا
ہونا ممکن بھی نہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ابھی سراغ آگے چلتا ہے اور نتیجہ اس سے زیادہ
قوی پیدا ہوتا ہے۔ یہاں سے طریق تحلیل و ترکیب کو پھر غور سے دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ نظام
قدرت کے جو قوانین دریافت ہوئے ہیں ان میں ایک اثر شیا یعنی قانون استمرار یہی ہے

اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ جس چیز کو حرکت دی جائے اسمین حرکت کا میلان ایسا پیدا ہوتا ہی کہ اگر خارجی مزاحمتین نہ ہون اور سطح زمین یا ہوا کے تصادم سے رکنا نہ پڑے تو حرکت ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہ سکتی ہے۔ اور ادھر جب سکون پیدا ہو تو وہ سکون بھی خارجی محرک اسباب سے دور رہتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ چیز تا ابد ساکن رہے۔ پس جب کوئی مرکب تحلیل ہوتا ہی اور اسکی اجزا باہر کو حرکت کرنے لگتی ہے یا جب متفرق اجزا کسی سبب سے جمع ہو کر سکون حاصل کرتی ہین تو تحلیل کے بعد اجزا کی حرکت اور ترکیب کے بعد اُن کا سکون دوراسی لیئے ہوتا ہی کہ خارجی اسباب اس حرکت اور اس سکون کی مزاحمت کرتے ہین اور اس وجہ سے مرکبات یکے بعد دیگرے شکلین بدلتے رہتے ہین اور اگر کسی مرکب پر یا بعض اجزاے متفرقہ خارجی اسباب اثر نہ کرین تو ایسی اجزا اور ایسے مرکب کا ہمیشہ تک ایک حالت پر رہنا ممکن ہی۔

حکیم سقراط تو بہت قدیم زمانے مین تھے ان کے بعد بھی بہت عرصہ گذرا ہی جسمین قدرت کے اس قسم کے قاعدے دریافت نہ ہوئے تھے اور اس لئے اس زمانے مین رات دن کی گردش اور جاندار اور بے جان کی پیدائش کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا ہو گا کہ ضد اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہی اور ضرور ہے کہ پھر ضد کیطرف عود کرے۔ مگر اب اس ایک قانون کو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ضد کا ضد کیطرف میلان رکھنا غلط ہے اور چونکہ ہر طرح کے انقلاب حرکت و سکون کی مختلف شکلون سے ہوتے ہین اور حرکت و سکون مین قانون استمرار جاری ہے اسلئے ثابت ہوتا ہی کہ ہر حالت اپنے تئین قائم رکھنے کا میلان رکھتی ہے اور کوئی بھی ضد کیطرف جانا نہین چاہتی اور جو انقلاب پہلی حالت کو بدلتا ہے اسکے لئے کوئی نہ کوئی خارجی سبب ہوتا ہی۔

اور خارجی اسباب جو یہان متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کرتے ہین وہ اگرچہ نہایت کثرت سے اور بہت پیچیدہ ہین مگر انکا اصل الاصول یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت اور روشنی اور دوسری قسم کی کرنین عمل کرتی ہین اور اس عمل سے کہین حرارت کہین بخار۔ کہین ہوا کہین بارش پیدا ہوتی ہے اور گوناگون لہرون کے پیدا ہونے سے اجزا کسی جھنڈ سے الگ ہوتی ہین اور قانون

استمرار انکی حرارت جاری رکھتا ہے اور باہر کی مزاحمتین حرکت کو روکتی رہتی ہین - اس کشمکش مین وہ اجزا کہین چھوٹے چھوٹے اور کہین بڑے بڑے جھنڈون مین جمع ہوتی جاتی ہین اور سکون پیدا ہونیکے بعد پھر قانون استمرار ان کو ساکن رکھنا چاہتا ہے اور باہمی کشش اتصال جس حیثیت کی ہو اتنی ہی قوت سے اجزا کو پیوستہ کرنے کی کوشش کرتی ہے - چنانچہ کچھ کچھ مجموعے پیوستہ ہوکر ٹھوس ہو جاتے ہین اور ان مین سے جو نمو کی طاقت رکھتے ہین وہ اور اجزا کو جو وہان جمع ہو جائین جذب کرتے رہتے ہین اور ساتھ ہی ان پر متفرق کرنیوالی طاقتین اپنا عمل شروع رکھتی ہین اور جس قدر اجزا کو ممکن ہوتا ہے جدا کرتی رہتی ہین اور اس طرح تمام نظام مین ہمیشہ جمع و تفریق کا عمل جاری رہتا ہے -

اس سلسلہ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ عمل کیلئے عامل کا زبردست اور معمول کا کمزور ہونا بھی ایک قانون قدرت ہے اور جہان کہین دو مقابل قوتین باہم مساوی واقع ہوتی ہین وہان دونون کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور پھر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ یہان عمل کرنیوالی طاقتین اگرچہ خود جسم نہین رکھتین مگر اجسام سے ظہور کرتی ہین اور اُدھر شکل وغیرہ صفات بھی گو بسیط اور غیر جسمانی ہین مگر وہ بھی اجسام سے ظاہر ہوتی ہین اسلئے عمل کرنیوالی قوتین اور صفات قوت مین برابر ہین اور اس لیے ایک کو دوسری پر تسلط نہ ہونا چاہئیے - مگر کسی جسم کی ترکیب سے پہلے اسکی شکل اور دیگر صفات معدوم ہین اور عمل کرنیوالی قوتین موجود اسلئے اس وقت عمل کرنیوالی قوتون کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور اسی لئے ان قوتون کے اثر سے شکل اور دیگر صفات پیدا ہو جاتی ہین اور پیدا ہونے کے بعد اگرچہ یہ قوت مین ان کے برابر ہو جاتی ہین مگر پھر بھی صفات ہین اور موصوف کے بغیر قائم نہین رہ سکتین اور اُدھر عمل کرنیوالی قوتون کا تسلط اجزاے مادی پر ہمیشہ باقی رہتا ہے اسلئے قوتین اجزا کو تبدیل کرتی ہین اور تبادل کے ساتھ پہلی شکل اور دیگر صفات معدوم ہو جاتی ہین - اور پھر جو شکل وغیرہ صفات کبھی بعینہ پیدا نہین ہوتین تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اجزا پر قوتون کا تسلط ہی مگر اب قوی تسلط نہین کہ اجزا کو متفرق کرنے کے بعد ہر ایک جزو جہان پہلے موجود تھی ٹھیک اسی جگہ پر

دوبارہ رکھی جائے اور جو اجزا اسکے ارد گرد تھے انکو بالکل اسی تناسب سے جگہ دی جائے بلکہ ہمیشہ ایک ترکیب کے بعد دوسری ترکیب مین خواہ بعینہ وہی اجزا ہون بعینہ پہلی وضع سے مرکب نہین ہوسکتین اور اسی لیے پہلی شکل اور دیگر صفات بھی موجود نہین ہوتین۔

اب اسکے بعد جو ہم روح کی نسبت غور کرتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ روح اگر قدیم سے موجود ہوتی تو بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتون کو اس پر کبھی تسلط نہ ہوتا اور وہ جسم سے پیوستہ نہ ہوسکتی۔ مگر جیسا کہ اوپر امام غزالی رح کی تحقیق سے ثابت کیا جا چکا ہے بات یہی ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود نہین ہوتی اور اسکے عدم ہی کا نقص ہے جس کے سبب سے عامل قوتون کو اس پر تسلط ہوتی ہے اور انکے عمل سے جسم کے مرکب ہونے پر روح پیدا ہوجاتی ہے اور پھر جسم سے مفارق ہونے کے بعد جیسا کہ مذہبی جذبہ کا بالاتفاق فیصلہ ہے اگر وہ باقی رہتی ہے اور شکل وغیرہ صفات کیطرح اپنے قیام کے لیے جسم کی محتاج نہین تو پھر قانون استمرار کے مطابق وہ اس حالت کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتون سے مغلوب نہین ہوسکتی۔ اسلیے جبتک تحلیل و ترکیب کا عمل ان جسمانی قوتون کی وساطت سے ہوتا رہیگا ممکن نہین کہ روح دوبارہ جسم مین لائی جائے۔ اور گو یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو پیدا کرنیکی طاقت ہو پیدا ہونے کے بعد وہی قابو مین نہ رہے مگر امر واقع ہے اور ہم دیکھتے ہین کہ آفتابی حرارت کا ایک حصہ زمین پر آکر اسکی تری اور خشکی سے بخار پیدا کرتا ہے لیکن وہی بخار پیدا ہوکر ایسا قوی ہوجاتا ہے کہ قابو مین رہنا ایک طرف بارش کی شکل مین خود پیدا کرنے والی حرارت کو دبا لیتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اگرچہ پیدا انہی قوتون کے عمل سے ہوتی ہے مگر پیدا ہونے کے بعد اپنی بساطت کے سبب ان قوتون کی گرفت مین نہین رہ سکتی۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ جس وقت یہ نور جسمانی وسائط سے آزاد ہوتا ہوا اپنے غیر جسمانی مرکز پر پہونچیگا اور تمام نظام موجودہ فنا ہوکر وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کے مطابق زمین و آسمان خدائی نور سے براہ راست منور ہوگا اس وقت غیر جسمانی قوت اپنی غیر محدود کشش سے غیر محدود اثر پیدا کریگی اور اس وقت غیر جسمانی اور بسیط روحین مجبور ہونگی کہ دوبارہ اجسام سے پیوستہ ہوکر جو جو اس اس دنیا سے اپنے ساتھ لے گئی ہین ان کے

نتائج ظاہر کرین ؛

درجات کی ترقی سے اثر مین ترقی ہوتی جاتی ہے۔

اور دوسرے یہ امر بھی غور کے قابل ہو کہ موجودات مین جو انقلاب ترقی کی جانب ہوئے ہین انکا اثر بھی درجہ بدرجہ متفاوت ہوتا گیا ہے مثلاً اجزائے زمین یا معدنیات ترقی کی ابتدائی درجہ مین ہین اور ان کے ذرات مین اس حرکت کے سوا جو براہ راست آفتاب سے پیدا ہوتی ہے کوئی اندرونی حرکت نہین اِسلئے اس ترقی مین حسب حالات اچھی اور بُری یا مضر اور مفید شکلین پیدا ہوگئی ہین مگر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کی کوئی قابلیت ان مین موجود نہین۔ درخت چونکہ ان سے ترقی یافتہ ہے اسلئے اپنے ذرات کو پھیلانے اور بیرونی ذرات کو جذب کرنے سے فائدہ حاصل کرنے کی قابلیت اسمین پیدا ہوگئی ہے لیکن نقصان سے بچنے کی قابلیت جیسی اجزائے زمین مین معدوم تھی ویسی ہی اسمین بھی مفقود ہے اور اس کے علاوہ یہ نقص بھی موجود ہے کہ درخت کا تمام وقت اپنی خوراک جاذب کرنے مین صرف ہوتا ہو اور اگر چند لحظہ کیلئے بھی درخت کی تمام جڑون کو زمین سے نکال لیا جائے اور جو مدد زمین سے پہنچتی ہے وہ کچھ دیر کے لئے بند کردی جائے تو درخت فوراً اس نقصان کا اثر محسوس کرتا ہے۔ درخت کے بعد حیوان پیدا ہوا تو جو ترقی درخت نے کی تھی اسکے ساتھ حیوان مین علےٰ قدر مراتب نقصان سے بچنے کی قابلیت بھی پیدا ہوگئی ہے اور دوسرا نقص بھی کسیقدر رفع ہوا ہے یعنی اسکا کچھ وقت خوراک حاصل کرنیکی کوشش سے بچ کر دوسرے کامون مین بھی صرف ہونے لگا ہو اور اگرچہ تنفس کے ذریعہ سے وہ بھی فضا کی اجزا کو پیہم جذب کرتا رہتا ہے جس طرح درخت اپنے مسامون سے متواتر کام لیتا ہے مگر جو بڑا حصہ خوراک کا کھانے کی شکل مین اور نباتات مین زمین کے اندر جسم مین داخل ہوتا ہے اسمین یہ تفاوت ہوگیا ہو کہ درخت اسکو بھی پیہم جذب کرتا رہتا تھا مگر حیوان کی ایسی خوراک کیلئے خاص اوقات مقرر ہوگئے ہین اور وہ باقی وقت دیگر کاروبار مین صرف کرسکتا ہے اور ان اوقات مین جو کام اس سے جبری طور پر انسان لینے لگا ہے ان کامون سے بیشک اسکی نشوونما اور جسمانی طاقتون کو نقصان پہنچتا ہے اور اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ پالتو جانور جنگلی جانورون جیسے قوی

اور پست نہین ہوتے لیکن حیوان طبعی طور پر بھی اکثر خوراک لینے کے فعل کو بند کر کے تلاش خوراک یا تناسل کے افعال مین مصروف ہوتا ہے اور ان کامون سے اسکو جسمانی نقصان نہین پہنچتا۔ حالانکہ درخت خوراک جذب کرنیکے سوا اور کوئی کام نہین کر سکتا ٭

اب انسان کو دیکھین تو اسمین اور حیوان مین یہ تفاوت نظر آتا ہے کہ حیوان اپنی کوششون سے صرف موجودہ ضرورتون کو پورا کر سکتا ہے اور موجودہ نقصان سے بچ سکتا ہے اور اگرچہ وہ درخت کی طرح اپنا تمام وقت کھانے مین صرف نہین کرتا لیکن پھر بھی اسے بہت سا وقت خوراک کی تلاش مین صرف کرنا پڑتا ہے اور اس تمام کوشش کے باوجود صرف موجودہ حالت کیلئے اپنا یا اپنے بچون کا پیٹ پال سکتا ہے مگر اسکے خلاف انسان جسمانی طور پر حیوان سے کمزور اور جسمانی آلات سے محروم ہونیکے باوجود نہ صرف موجودہ ضرورت اور موجودہ تکلیف کیلئے اہتمام کرتا ہے بلکہ ہزارون طرح کی تدبیرون سے اپنے لئے اپنے کنبہ کیلئے اور اس سے بڑھ کر اپنے ملک اور قوم کیلئے موجودہ اور آیندہ بڑی حد تک پیش بندی کر سکتا ہے۔ اور جس قدر وقت صرف کرنے پر حیوان محض اپنی جان کو بقدر ضرورت فائدہ پہنچاتا ہے انسان اس عرصہ مین اپنے لئے اور غیرون کے لئے ضرورت سے بہت زیادہ عیش و آرام اور تکلف کے وسائل بہم پہنچاتا ہے۔

یہ وہ ترقی ہے جو انسان نے عقل و شعور کی مدد سے حاصل کی لیکن ایک نقص اب بھی موجود ہے وہ یہ کہ اگرچہ اسکا وقت کھانے مین اور موجودہ ضرورتون کو پورا کرنے مین اس قدر صرف نہین ہوتا جس قدر حیوان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر تاہم دنیا مین رہکر وہ دنیوی کاروبار اور خوراک اور دیگر اسباب معیشت کے اہتمام سے بیفکر نہین ہو سکتا اور خواہ کوئی شخص یا کوئی قوم کیسی ہی بام ترقی پر چڑھ جائے اپنی ضروریات کے لئے ایسا انتظام نہین کر سکتی کہ ہمیشہ کیلئے یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے فرصت اور بیکاری مین بسر کر سکے کیونکہ ایسا کرنے پر دوسرے لوگ جو زندگی کی دوڑ مین تیز قدم ہوتے ہین آگے بڑھ جاتے ہین اور انکی عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی ترقی سے کچھ تو پیچھے رہنے والون کا تہذیب و تمدن جو اپنے وقت پر مفید ہوتا ہے اس وقت غیر مفید ہو جاتا ہے اور کچھ وہ لوگ انکے غلبہ سے ایسے لوگون کو

بجا و بیجا نقصان پہنچانے کے قابل ہو جاتے ہین اور یون اپنے سامان معیشت پر بھروسہ کرنا خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو ضرور تباہی و بربادی کا موجب ہوتا ہے اسلئے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ عقل و شعور سے بہرہ ور ہین وہ جس قدر ترقی کرتے ہین اسی قدر سامان معیشت کی فراہمی مین زیادہ سرگرم ہوتے ہین اور اُدھر جو لوگ نادانی سے دنیوی کاروبار مین تساہل روا رکھتے ہین وہ خواہ اپنے خیال مین روحانی اور مذہبی ترقی مین منہمک ہون مگر اس معرکۂ زیست مین ضرور شکست کھاتے ہین اور نادانی کے ساتھ طرح طرح کے روحانی اور جسمانی امراض اور صعوبتون مین مبتلا رہکر ذلیل زندگی بسر کرتے ہین یا معدوم ہو جاتے ہین۔

مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجات سے فائق ہونا چاہئیے

غرض ہمنے دیکھا کہ دنیوی ترقی کے ہر درجہ مین موجودات نے پہلے درجہ کی نسبت زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے اور بیشتر نقصان سے رہائی پائی ہے اور عقل و شعور تک پہنچکر جلب منفعت اور دفع مضرت مین اور کسی درجہ کی مخلوق انکی برابری نہین کرسکتی۔ البتہ ابھی تک کاروبار دنیا کے دردسر اور اسباب معیشت کے اہتمام سے فراغت نہین ہوئی اب انسانی ترقی کا ایک درجہ اور یعنی مذہب اور معرفت ربانی کا درجہ باقی ہے پس اگر درجہ مین ترقی اور تنزل کرنیکا وہی نتیجہ ہو جو اہل تناسخ مانتے ہین کہ ترقی کرنیوالون کو اسی دنیا مین خوشحال اور تنزل کرنیوالون کو بدحال پیدا کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ درجہ مین ترقی ہو کر اثر مین پہلے درجات کی نسبت کوئی تفاوت نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے درجات یعنی عقل و شعور وغیرہ کا بھی یہی اثر تھا کہ ان مین ترقی کرنے سے حسب مدارج خوشحالی اور تنزل کرنے سے بدحالی نصیب ہوتی ہے اور اُدھر افکار معیشت سے فراغت نہ عقل کی ترقی سے ہوسکتی ہے اور نہ مذہبی ترقی پر روح کو اسی جہان مین پہنچنے سے میسر آسکتی ہے۔ اور عقل چونکہ دنیا کی طرف لگائی جاتی ہے اسلئے اُس کا دنیوی افکار سے رہائی نہ پانا قرین قیاس ہے لیکن توجہ ہو خدا کی طرف اور ترقی ہو معرفت ربانی مین اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھر اسی دنیا مین آکر انہی افکار مین بسر کرین اور ایسے خیالات مین محو رہین جو خدا سے غافل کرنیکا موجب ہون ایسی عالی کوشش پر یہ انجام ہرگز زیبا نہین۔ اسلئے چاہئیے کہ مذہبی ترقی اور تنزل کا اثر عقل و شعور

کی ترقی و تنزل سے زیادہ ہونا حسب قاعدہ ایک درجہ سے دوسرا درجہ فائق اور برتر قرار پائے

عبادت کا مفید طریق

لیکن ایسا اثر کیا ہوگا؟ اسکو تلاش کرنے سے پہلے ایک شبہ کو حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیوی تکالیف جو عقلی کوتاہی سے پیش آتی ہین مذہبی طرز گفتگو مین انکو بھی گناہ کی سزا کہا جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مذہب کے نزدیک یہ تکالیف بھی مذہبی تنزل کا اثر ہین اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے مذہب کا اصلی مدعا اگرچہ نادیدہ ہستی کی تلاش اور خدا کا وصال ہے لیکن اس غرض تک پہنچنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہے اور وسائل ہین اگرچہ ذکر شغل اور مراقبہ و مشاہدہ یعنی مختلف طریقہ ہائے عبادت بھی ایک ضروری عنصر ہین۔ مگر ایک تو انسان اس دنیا مین رہکر ہمہ تن ادھر مصروف نہین ہوسکتا اور دوسرے عبادت مین ایسا مصروف رہنا کہ دیگر فرائض انسانی کو یک لخت ترک کردیا جائے اس غرض کیلئے بالعموم مفید بھی نہین۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ایک خیال کو ہمیشہ کے لئے اپنے دل مین قائم نہین رکھ سکتا اور اگر تمام وقت اوراد و نوافل مین بسر کرے تو ایسے وقت کا بہت سا حصہ بظاہر عبادت مین اور درحقیقت غفلت ملال یا نفسانی خواہشون کی کشمکش مین صرف ہوگا اور وہ چند لحظے ہونگے جو خالص یاد الٰہی مین گذرین۔ بیشک بعض نفوس قدسیہ ایسے ہوسکتے ہین جو مستثنے طور پر اپنا تمام یا اکثر وقت ایک خیال مین اور خدا کی یاد مین بسر کرین لیکن یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے اور سب انسان اس درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہین۔ اس لئے یہ طریق بھی باستثنائے بعض سب کیلئے مفید نہ ہوگا۔ اور اگر فرائض دنیوی کو بھی ادا کیا جائے مگر انکی بجا آوری مین یہ خیال رہے کہ کوئی فعل اپنی جائز حدود سے باہر نہ ہو اور جلب منفعت اور دفع مضرت مین وہی روش اختیار کی جائے جو قوانین قدرت اور منشا خداوندی کے مطابق ہو۔ اور یون بالواسطہ خدا کا شوق اور یاد الٰہی کی صلاحیت پیدا کرتے ہوئے خاص اوقات مین کسی خاص طریق عبادت سے بلاواسطہ خدا کی طرف توجہ ہو تو اس طریق سے جس قدر عرصہ دنیوی کاروبار مین صرف ہوگا اسمین یاد خدا اس طرز سے دل مین رہیگی کہ ملال نہ ہو اور جو تھوڑا سا وقت خالص عبادت مین صرف ہوگا اسمین کچھ تو پہلے

خیالات کی وجہ سے اور کچھ عبادت کے مختصر ہونیکے سبب خدا کی طرف دھیان لگانا آسان ہوگا اور
اسوقت خدا کی طرف کامل توجہ رکھنے کے بعد پھر دنیوی کاروبار مین مصروف ہونے پر ان کے بجا
اور بیجا ہونیکا خیال اور بھی پختگی سے جاگزین رہیگا اور یون عبادت سے کاروبار اور کاروبار سے عبادت
کیطرف آمد و رفت رکھنے سے یاد الٰہی رفتہ رفتہ دلمین گھر کرتی جائیگی اور سالک ایسے بڑے فواید اور اسے
جلدی سے حاصل کریگا کہ نہ تمام وقت عبادت مین صرف کرنے سے میسر ہوسکین اور نہ ہمیشہ دنیوی کا
روبار مین مصروف رہنے سے حاصل ہون - اور ہم لوگ جو اکثر شکایت کرتے ہین کہ عبادت مین لطف نہین
آتا - اور دنیوی خیالات خدا کی طرف متوجہ نہین ہونے دیتے - یا یہ کہ گوشہ نشین اور زاہد فرقہ اکثر اخلاقی
طور پر نہایت کمزور ثابت ہوتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ ہم دنیادار دنیا کے کامون مین بجا اور بیجا یا خدا
کی خوشنودی و ناراضی کا خیال نہین رکھتے اور بالواسطہ یاد خدا کی صلاحیت پیدا نہین کرتے اور دن
رات کا بیشتر حصہ کامل غفلت مین گذارنے کے سبب نماز کے وقت بھی اسی غفلت کا شکار رہتے ہین
اور اُدھر تارک الدنیا فرقہ صرف ہاتھ کو تسبیح پر اور زبان کو خدا کے نام پر جاری رکھتا ہے ورنہ ایک ہی
کام کرتے رہنے سے جو تکان اور ملال پیدا ہوتا ہے اس سے بیہودہ خیالات اور بھی ترقی کرتے ہین
اور قلبی نور وجلا جو ہونا چاہیئے پیدا نہین ہوتا - اور یہ ہمارا اپنا قصور ہے ورنہ مذہبی تعلیم مین یہ نکتے
ظاہر کردئے گئے ہین اور فرمایا ہے کہ کسی طرف منہ کرنا یا کسی سمت خاص سے آنا جانا یا قربانی و کفارہ
وغیرہ درحقیقت نکوکاری نہین ہے بلکہ نکوکاری خدا کی اطاعت - کاروبار مین اتقا اور حسن سلوک پر منحصر
ہے اور سب سے بڑا مدعا خدا کی یاد ہے لیکن خاص طریق عبادت یعنی نماز کا یہ فائدہ ہے کہ اس وقت
کی توجہ سے کاروبار مین برائی سے بچنے کی عادت پختہ ہوتی ہے - اور نیز حکم دیا گیا ہے کہ نماز سے فارغ
ہوکر دنیوی کاروبار مین مصروف رہو اور بیواسطہ ذکر خدا کرنے کے بعد بالواسطہ یاد خدا کو ترقی دیتے رہو ارشاد ہے

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ

عبادت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا
کوئی نیکی نہین ہے نیکی یہ ہے کہ خدا پر قیامت پر
الہامی کتابون پر اور انبیاؤن پر ایمان لاؤ -

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَ
السَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۲)

اور باوجود مال کی محبت کے رشتہ داروں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافروں کو اور مانگنے والوں کو دو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ جب عہد کرو تو عہد کو پورا کرو اور خوف تکلیف لڑائی کے وقت صبر سے کام لو۔ جو ایسا کرے وہی سچا نکوکار ہے اور وہی متقی ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ
اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)

(عربی جاہلوں کی طرح خاص اوقات میں) گھروں کی پشت سے داخل ہونا نیکی نہیں بلکہ نیکی تقوی ہے تم دروازوں کی راہ آؤ مگر پرہیزگاری اختیار کرو تاتم فلاح پاؤ۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَىِ النَّهَارِ وَزُلَفًا
مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ
ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ہود پارہ ۱۲ ع ۹)

دن اور رات کے خاص وقتوں میں نماز پڑھو کیونکہ نیکی برائی کو دور کرتی ہے اور یہ نصیحت ان کیلئے ہے جو یاد رکھیں۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ
يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ (حج پارہ ۱۷ ع ۵)

قربانی کا گوشت اور خون خدا تک نہیں پہنچتا بلکہ خدا تک تمہاری پرہیزگاری پہنچاتی ہے

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ
الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ (عنکبوت پارہ ۲۱ ع ۵)

جو کتاب تم پر وحی کی گئی ہے اسے پڑھو اور نماز پر قائم رہو کیونکہ نماز بیحیائی کے افعال اور بدکاریوں سے روکتی ہے اور خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (جمعہ پارہ ۲۸ ع ۲)

جب نماز ختم ہو تو زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل یعنے معیشت کا سامان تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد رکھو تا تم فلاح پاؤ۔

دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی عقل کیطرح بُرا کہتا ہے اسلیئے کہ یہان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہین۔

غرض مذہب کا مدعائے نظر اگرچہ دُنیا سے پرے اور خیال و قیاس سے باہر ہے مگر اس تک پہونچنے کے وسائل ہین بہت تھوڑا حصہ دُنیا سے الگ رہنے کا ہے اور زیادہ تر دُنیا اور دُنیا کے کاروبار ہین۔ اور اس لیئے مذہبی تعلیم مین جہان خدا کی طرف بُلایا جاتا ہے وہان ساتھ ہی دُنیاوی کاروبار کے اصول بھی بتائے جاتے ہین اور یہی اصول دُنیوی زیست کی خوبی اور بدی پر بھی اثر کرتے ہین اسلیئے مذہبی تعلیم کا یہ حصہ عقل کے دائرۂ اقتدار مین بھی داخل ہے۔ چنانچہ قواعد صحت کی پابندی۔ حصول منفعت مین اور دفع مضرت مین میانہ روی اور بندگان خدا کے حقوق کی نگہداشت مذہب کے نزدیک باعث نجات ہین تو عقل کے نزدیک بھی یہی امور انسانی ترقی اور بہبود کیواسطے ضروری ہین۔ اور ناپاک معاشرت۔ شہوانی اور غضبی خواہشون کا غلبہ اور اتلاف جان و مال مذہب کے نزدیک باعث ہلاکت ہین تو عقل کے نزدیک بھی یہی باتین سوسائٹی کو مضر ہین۔ غرض ان امور کی نسبت فیصلہ کرنے مین عقل اور مذہب متحد ہین اور صرف یہ تفاوت ہے کہ عقل کی نظر اسی زندگی تک محدود ہے اور وہ اعتدال پسندی کو اسلیئے اچھا کہتی ہے کہ افراط و تفریط سے گو فوری راحت و مسرت حاصل ہو مگر انجام مین خود اپنے تئین تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور مذہب یہ بھی دیکھتا ہے کہ افراط و تفریط سے اپنی تکلیف کے علاوہ دوسرون کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور وہ بھی اسی خدا کی مخلوق ہین اس لیئے ایسا کرنا اسکی رضامندی کے خلاف ہوگا اور اس صورت سے دُنیوی کاروبار مین جس قدر اہتمام عقل کو ہے مذہب ان کو اس سے بھی زیادہ مُہتم بالشان سمجھتا ہے اور اسلیئے دنیوی کاروبار کے لیئے جو مفید اصول ہوسکتے ہین اُنکی تعمیل اور عدم تعمیل کے اثرون کو جس طرح عقل کیطرف منسوب کرسکتے ہین اور کہہ سکتے ہین کہ یہ اثر عقل کی اطاعت یا عدم اطاعت سے مرتب ہوا ہے اسی طرح ان اعمال کو مذہب کیطرف بھی منسوب کیا جاسکتا ہے اور ان کے اثر کو مذہبی جزا اور سزا کہہ سکتے ہین چنانچہ حرامکاری حرام خواری۔ صداقت کی خلاف ورزی اور صداقت پسندون کی ایذارسانی سے جو نقصانی ارتکاب کرنیوالون کو پہنچتے ہین ان کو عاقلانہ طرز کلام مین اصول معاشرت

کی خلاف ورزی کا نتیجہ اور مذہبی رنگ میں خدا کا غصہ اور گناہ کی سزا کہا جاتا ہے۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطواری سے بالاتر ہے

غرض ہم نے دیکھا کہ دنیا کے نیک اصول خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں اور دنیا میں خوشحال رہنے کا مدار اور اسلئے یہاں تک مذہبی اور عقلی اغراض متحد ہیں اور اسی سے لئے ان افعال کا اثر دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مگر دونوں کا باہمی سفر یہیں تک ختم ہو جاتا ہے اور عقل چونکہ دنیا کو اسی زندگی کے تعلق سے دیکھتی ہے اسلئے ایسے اصول دریافت کرنے جس سے یہ زندگی عمدگی سے گذرے عقل کے لئے معراج ہے اور آئندہ کے لئے نہ اسکی کوئی ترقی باقی ہے اور نہ اس کا کوئی اثر اور اگر ہے تو صرف یہ کہ جس طرح نشو و نما کیطرف متوجہ ہونے سے نشو و نما میں اور حرکت ارادی کی طرف متوجہ ہونے سے حرکت ارادی میں ترقی ہوتی ہے اسی طرح عقلی طور پر معاملات دنیا میں غور کرنے سے عقل میں ترقی ہوتی ہے اور ادھر مذہب دنیا کو اس نظر سے بھی دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ہے اور اسکے ساتھ نیک یا بدسلوک کرنے سے خدا کی خوشنودی یا نارضامندی حاصل ہوگی اور اس سے خدا کا قرب یا بعد حاصل ہوگا اسلئے مذہب کیواسطے دنیا کو درست کرنے کے بعد آئندہ بے انتہا ترقی کا موقع ہے اور اسی سے لئے اسکے آثار بھی آئندہ بے انتہا ہونگے۔ چنانچہ نشو و نما۔ حرکت اور عقل کیطرح ایک اثر تو یہیں نظر آتا ہے کہ مذہبی طور پر معاملات دنیا میں غور کرنے سے مذہب میں ترقی ہوتی ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہاں سے عقلی اور مذہبی ترقی کا اثر مختلف ہونا شروع ہوتا ہے چنانچہ جو لوگ دنیا کو عقلی طور پر دیکھتے ہیں اور مختلف قوانین قدرت کو معلوم کرنیسے معاشرت کے عمدہ اور راحت بخش اصول دریافت کرتے رہتے ہیں ان کے اس فعل سے عقل کو بیحد ترقی ہوتی ہے لیکن ایسے لوگ مذہب کیطرف توجہ نہ کریں تو ممکن ہے کہ مذہبی ترقی سے بالکل محروم رہیں۔ اور ایسا ہی جو لوگ عقل سے بالکل محروم ہوں اور غور و فکر کا مادہ نہ رکھیں لیکن مذہبی تعلیم سے زہد و اتقا اور حسن و سلوک پر کاربند رہیں انکی مذہبی ترقی کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ یاد خدا دل میں جگہ کرتی جائیگی اور وصال ربانی کی قابلیت پیدا کر لینگے مگر اس فعل سے عقلی ترقی ہرگز پیدا

نہ ہوگی اور وہ لوگ سائنٹسٹ اور فلاسفر نہ ہو سکینگے ۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بہی دیگر ترقیوں سے بالا تر ہوگا۔

یہان تک تو مذہبی اور عقلی ترقی کے وہ اثر تھے جن کے بارہ مین اختلاف نہین۔ اب مذہب کی اپنی ترقی کا وہ اثر رہا جو اس زندگی کے بعد پیدا ہونے کو ہے اور جسکی نسبت اہل تناسخ مانتے ہین کہ وہ دوبارہ اسی دنیا مین علی قدر مراتب پیدا کرنے سے ظاہر ہوگا لیکن جب ہم دیکھتے ہین کہ جس درجہ سے عقل اور مذہب کے اغراض مختلف ہوئے ہین اس درجہ سے جو اثر اسی زندگی مین پیدا ہونا شروع ہوا ہے وہ باہمدگر مختلف ہی یعنی عقل کا اثر عقلی ترقی اور مذہب کا اثر مذہبی ترقی ہے تو جو اثر اس سے بہی ایک درجہ آگے بڑھنے اور خدا کی معرفت حاصل کرنے یا اسکی ذات سی بعید ہونے پر پیدا ہوگا اور جس کے لئے اس زندگی کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہو وہ بہی چاہئے کہ ترقی کے تمام ابتدائی درجات سی ممتاز ہو۔ اور جو اثر بیجان مادہ کی ترقی سے ہوتا ہے کہ اُسکے ناقص اجزا سے ناقص اور کامل تر اجزا سے کامل تر شکلین پیدا ہوتی ہین اور اچھے ہون یا برے سب حوادث کے اثر سے فنا ہو جاتے ہین۔ اور جو اثر نباتی اور حیوانی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ناقص اور کامل افراد حسب حیثیت منفعت حاصل کرتے ہین لیکن جلب منفعت اور دفع مضرت مین اپنے سے بالاتر درجات کی نسبت کمتر رہتے ہین اور جو اثر عقلی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے سی خوشحالی اور بدحالی نصیب ہوتی ہے لیکن خوشحالی مین افکار معیشت سی فراغت کبہی نہین ملتی اور بدحالی مین راحت و مسرت سی بالکل محرومی کبہی نہین ہوتی۔ ان سب سے اعلےٰ اثر مذہبی ترقی پر مرتب ہونا چاہئے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ مادہ مین عقلی ترقی کی قابلیت پیدا ہونے پر پیدائش کی شکلین اس سے پیشتر کی شکلون سے اعلےٰ ہونے لگی تہین مذہبی ترقی کا اثر ہونے پر اس سے بہی اعلےٰ ہون اور حوادث کا اثر قبول نہ کرین۔ تا مادی ترقی سے امتیاز ہو۔ اور عقلی ترقی کیوقت دفع مضرت اور جلب منفعت کے وسائل مین ترقی ہوئی تہی مذہبی ترقی کے وقت ان وسائل کے اور بہی اعلےٰ اشکل ہونا نباتی اور حیوانی ترقی سے فوقیت ظاہر ہو۔ اور پہر عقلی ترقی و تنزل سے

برتر ہونے کے سبب مذہبی حالت کی ترقی و تنزل دونو نامحدود ہون تا اسکا درجہ تمام ماتحت ترقیون سے بالا رہے اور چونکہ ایسا اثر اس دُنیا مین اور اس آفتاب کے زیر اثر ہو نہین سکتا اِسلئے یہ اُسی وقت ہوگا جبکہ مادہ ترقی کرکے بالواسطہ نور سے مستغنی ہو جائیگا اور آفتاب وحدت کا نور بیواسطہ جلوہ گر ہوکر تمام تنزل اور ترقی کی شکلون کو اُنکی مکمل حالت مین ظہور بخشیگا۔ اور چونکہ مذہب غیر محدود اور مکمل نور کی تلاش کرتا ہے اِسلئے غیر محدود نور ہی اسکا اثر ظاہر کریگا اور اُس سے جو شکل بنیگی مکمل ہوگی اور جو اثر ظہور کریگا غیر محدود ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ مذہب مین جو لوگ ترقی کرینگے وہ بیشک اعلےٰ زندگی پائینگے۔ مگر جو تنزل کرینگے اور خدا سے دور رہینگے وہ اعلیٰ زندگی کے مستحق نہ ہونگے اور دوبارہ اِسی دُنیا مین بھیجے جائینگے تو یہ احتمال بھی یہان کی شہادت سے غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہان جو انسان اپنی انسانی ترقی کو چھوڑتے ہین اور عقل و شعور مین تنزل کرتے ہین وہ اور ان کی نسل انسانی درجہ سے اُتر کر گھوڑے اور بیل کی شکل اختیار نہین کرتی۔ بلکہ رہتے انسان کی شکل مین ہین اور اِن تکلیفون مین مبتلا رہتے ہین جو عقل و شعور کو ترک کرنیکا نتیجہ ہین۔ اِسی طرح آئندہ انقلاب مین جو لوگ مذہب مین تنزل کرینگے وہ بھی چاہئیے کہ اپنے درجہ سے اُتر کر دنیوی حالت کی طرف نہ آئین اور اسی درجہ مین رہکر اُن سعادتون سے محروم رہین جو مذہبی ترقی پر مترتب ہین۔

غرض یہ کہ مذہب کا مدعا دنیا سے بالاتر قرار دینا اور پھر اسکی جزا و سزا کیلئے اسی دنیا اور اسکی محدود شکلون اور ترقیون کو معراج ٹھیرانا مذہب کو اُسکے اپنے مدعا سے جدا کرنا اور اپنے درجہ سے نیچے گرا دینا ہے اور مختصر یہ کہ دُنیا کی مختلف شکلین اور یہان بہتری یا بدتری کا ظہور دنیوی قوانین کے مختلف مظاہر اور اُنکی پابندی یا خلاف ورزی کے اثر سے ہوتا ہے اور ان اثرون کو مذہبی قرار دینا صرف اِس وجہ سے درست ہی کہ یہان کے کاروبار اس ترقی کے لئے وسائل کا کام دیتے ہین ورنہ دراصل مذہبی ترقی یا تنزل جس طرح دنیا سے پرے ایک بالاتر ہستی کی نسبت سے ہے اِسی طرح اسکا اثر بھی دُنیا سے باہر اور اس بالاتر ہستی کے بیواسطہ جلوہ پر منحصر ہے۔ فنا کسی چیز کو نہین اور مادہ فنا

نہ ہو مگر منجمد برف کا تودہ بن کر پڑا رہے قوانین قدرت کے خلاف ہے۔ اور یہان کا ایک ذرہ بہی کبہی بیکار نہ ہوگا۔ اسلیئے یہ سب کچھ بہی کام آئیگا اور اُدہر ارواح جو پیدا ہو چکی ہین وہ بہی کام دینگی اور نور جو مرکز کیطرف جارہا ہے مرکز پر ٹھیر کر ان سب کو وہ نور بخشیگا جو ابدالآباد تک قائم رہے ؛

مرنیکے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہین ہوسکتا

حشر و نشر کا حال جہان تک مقصود تھا لکھا جاچکا ہے۔ اب صرف ایک سرسری سے اعتراض کا ذکر او مناسب معلوم ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ جزا و سزا کو ایک خاص وقت تک موقوف رکھنے سے ارواح کو بہت سا وقت انتظار مین بسر کرنا پڑیگا۔ اور وہ وقت بہی مختلف ہوگا کیونکہ جو روحین ابتدائے آفرینش مین جسم سے الگ ہوچکی ہین وہ بہت بڑے عرصہ تک انتظار مین رہینگی اور جو آخر زمانے مین فوت ہونگی انکو نسبتہ کمتر وقت لگیگا لیکن یہ اعتراض موجودات بسیطہ کو مرکبات پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ان دونو کی حالت جداگانہ ہے۔ مرکبات پر بیشک زمانہ کا اثر ہوتا ہے اور کبہی وقت کوئی راحت پیدا ہوتی ہے جس کا زمانہ گذرتا ہوا محسوس نہین ہوتا اور کبہی کوئی تکلیف پہنچتی ہے جس کا وقت بہت دراز معلوم ہوتا ہے اور کبہی کوئی وقت بیکاری اور انتظاری مین گذرتا ہے تو اجزائے جسمانی اور قوائے دماغی خارجی اسباب سے متاثر ہوکر حرکت کرنا چاہتی ہین اور انتظار کے سبب انکو رکنا پڑتا ہے اسلئے کسل اور بے چینی محسوس ہوتی ہے مگر یہ سب اسی وقت تک ہو کہ جسمانی ترکیب قواعد ترکیب کے موافق کام کرسکتی ہو۔ ورنہ جب کسی سبب سے جسمانی ترکیب مین خلل واقع ہو اور اُسکا اثر بڑہتا ہوا دماغی قوتوں تک پہنچے اور انکو معطل کردے تو ایسی حالت مین دیکھا جاتا ہو کہ بہت بہت عرصہ بیکاری و غفلت مین گذر جاتا ہو اور ہوش آنے پر وہ ایک آن کے برابر بہی معلوم نہین ہوتا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تہا جبکہ روح جسم سے متعلق تہی اور صرف قوائے جسمانیہ کو بیکار کردیا گیا تہا تو جس وقت روح کو جسم سے بالکل مفارقت ہوجائیگی اس وقت بسیط اور مجرد ہونے کے سبب اس پر حوادث کا اثر ہوگا اور نہ انتظار و ملال کا گذر۔ روح یہان سے تاریک ہو گئی ہو یا روشن جس حالت مین ہوگی اُس پر کروڑ ہزار برس اور ایک آن برابر ہے ؛

اختتام

کفّارہ اور نجات دہندہ کی ضرورت۔ خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔ پاکیزگی دل کی ہونی چاہیئے۔ توبہ سے دل صاف ہونے میں شک نہیں۔ گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پارسائی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے۔ دوسرے کی تکلیف سے دل صاف نہیں ہو سکتا۔ خدا خود کھینچنا چاہے تو اسے کفارہ بنکر تکلیف اٹھانیکی بھی ضرورت نہیں۔ دنیا میں ہادی کی ضرورت ہے۔ مدد بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اُسکے ظہور مختلف ہوتے ہیں۔ اختلافات کو دیکھنے کا نتیجہ۔ نتیجہ کے بعد کا فرض۔

کفارہ اور نجات کی ضرورت۔ ریورنڈ ڈاؤ ڈین گری ایک مضمون انسان کی مذہبی ضرورتوں پر لکھتے ہیں[1]۔ چنانچہ اُن کے نزدیک جس طرح انسان کی اور فطری ضرورتیں ہیں اسی طرح مذہبی جذبہ کے متعلق بھی چند ضرورتیں اُسکی فطرت میں داخل ہیں۔ چنانچہ ایک جانب اسکو کمال تک پہنچنے کی ضرورت۔ کسی کے ساتھ دائمی وصال حاصل کرنیکی ضرورت اور بقائے دوام کی ضرورت ہے اور دوسری جانب گذشتہ جرائم اور اُن کے نتائج سے نجات پانے کی اور کسی نجات دہندہ کی ضرورت ہے۔ پہلی قسم کی ضرورتوں کو جس طرح پروہ ثابت کرتے ہیں اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ انسان میں یہ خواہشیں فطرةً ودیعت ہیں اور اُسکے دل سے خودبخود یہ آواز اٹھتی ہے کہ مجھے کامل بننا چاہیئے اور ایسے عزیز کی رفاقت حاصل کرنی چاہیئے جس سے مفارقت نہ ہو اور فنا نہ ہونا چاہیئے۔ ان تینوں ضرورتوں کو مفصل لکھنے کے بعد دوسری قسم کی ضرورتوں کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ

"لوگ اکثر گذشتہ جرموں کی پروا نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اپنی حالت کو درست کرلینے کے بعد گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ کی ضرورت نہیں رہتی اور توبہ کرنے کے بعد گناہ کی سزا کو ضروری سمجھنا خدا کو صفت انتقام سے متصف کرنا ہے"۔ ہم اسوقت اس مہتم بالشان سوال سے کہ "آیا گناہگار کے لئے

[1] رسالہ ہندوستان ریویو۔ الہ آباد۔ مجریہ جنوری ۱۹۰۵ء

کفارہ ضروری ہونیکے بغیر اصلاح حال ممکن ہے" قطع نظر کرکے دیکھتے ہین کہ کیا واقع مین کفارہ کا مطالبہ خدا کو منتقم بناتا ہے۔ اب اگر دنیا مین ایک طرف خدا اور دوسری طرف گنہ گار صرف یہی دونو موجود ہوتے تو بیشک اس خیال مین قوت ہوتی۔ لیکن واقع مین یہ کیفیت نہین ہم یقین رکھتے ہین کہ کفارہ کا مطالبہ اسلئے نہین کہ اسکے بغیر خدا کا غصہ فرو نہین ہوتا۔ یا اُسکا جلال قائم نہین رہتا۔ بلکہ وہ اسلئے ہے کہ خدا کی اخلاقی حکومت فضا جیسی وسیع اور زمانہ جیسی طویل ہے۔ سکا انتقام یا انتقام وغیرہ الفاظ کو بحث مین لانے سے اکثر واقعیت کو سمجھنے مین غلطی ہوتی ہے بلکہ سزا کا لفظ بھی جبتک کہ وہ صرف ایک پہلو کو ظاہر کرے اور وہ پہلو بھی کچھ زیادہ مہتم بالشان نہو یعنی گناہ کے بدلے کی تکلیف۔ اس حال مین اس لفظ سے بھی غلط فہمی واقع ہوتی ہے جبکہ ہم سزا دیتے ہین تو تکلیف یا رنج کو مصنوعی طور پر گناہ کے ساتھ وابستہ نہین کرتے بلکہ تکلیف اور رنج لازمی نتیجہ ان اخلاقی قوانین کو توڑنے کا ہے جن کو خدا نے عالم کے انتظام اور بہتری کیلئے قائم کیا ہے۔ اور درستی اور نظام کو قائم رکھنے کیلئے ضرورت ہے کہ گناہ کے لازمی بدانجامی ظاہر کیجائے اور انسان کے لیئے اس نکتہ کو سمجھنا اور خیال مین رکھنا ضروری ہے اور اسی سے کفارہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے پس بدی پر تکلیف کا مرتب ہونا خدا کے انتقام کا نشان نہین بلکہ اسکے رحم اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے دنیا کا کیا حال ہوا اگر گناہ کو بے سزا اور بے مزاحمت چھوڑا جائے۔"

اسکے بعد وہ سوال کرتے ہین کہ آیا کسی گنہ گار کیلئے بیگناہ کا تکلیف اٹھانا کفارہ ہوسکتا ہے؟ اور جواب مین لکھتے ہین کہ

"ایسا دنیا مین ہر جگہ دیکھا جاتا ہے اور نیک اور محب وطن مرد اور عورتین دوسرون کے لیئے تکلیف برداشت کرتے اور انکو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہین" (پھر فرماتے ہین کہ "ممکن ہے کہ خدا خود انسان کے گناہ کا کفارہ بنے اور اپنی ربانی رحم کے ساتھ اُسکو اپنی طرف کھینچے۔ اس سے یقیناً اسکی حقیقی عظمت کم نہ ہوگی وہ رحم اور محبت کا خدا ہے اس لیئے یہ فعل آسکی صفات سے بالکل مناسب ہوگا" (پھر لکھتے ہین کہ ") اگر گذشتہ اعمال کیلئے کفارہ ممکن ہو تو بھی اس سے کامل نجات

حاصل نہین ہوسکتی۔ کیونکہ گذشتہ گناہون سے انسان ایسا کمزور ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشون کو روکنے اور راستی کے راہ پر چلنے کے ناقابل ہوتا ہے اور سمجہتا ہے کہ جو کچہہ مجہے بننا چاہئیے مین نہین بن سکتا بلکہ اکثر بہول بہی جاتا ہے کہ مجہے کیا بننا چاہئیے۔ اور اس طرح نہ صرف اپنے مدعا تک پہنچنے مین ناکام رہتا ہے بلکہ وہ مدعا بہی اسکی آنکہون سے اوجہل ہوجاتا ہے اور اسلئے انسان کو گذشتہ گناہون سے نجات پانے کی ضرورت ہی تو گناہون کے ان نتائج سے بہی نجات پانے کی ضرورت ہی اور اس سے نجات دہندہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس ضرورت سی اکثر کو انکار ہے لیکن منطقی طور پہ ہرگز نہین۔ کیونکہ جو لوگ خود اپنے تئین اپنا نجات دہندہ مانتے ہین اُنکے اصول کا نقص خود اُنکو کسی نہ کسی نجات دہندہ کا قائل بناتا ہے جو انہین نجات حاصل کرنے مین مدد دے۔ اور عجیب بات ہی کہ ربانی نجات دہندہ سے انکار کرنیوالون کا رہنما خواہ وہ گوتم بُدہ ہو یا شنکر آچاریہ یا محمد صلعم کبہی نہ کبہی خدا کا اوتار یا عنایت خداوندی کا خاص الخاص ذریعہ مانا جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے تئین بغیر تعلیم۔ کفارہ یا روحانی مدد کے بچا نہین سکتا اور ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے "

خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔

پادری صاحب نے یہ مضمون نہایت قابلیت سی لکہا ہے۔ اور بیشک مذہب اگر کوئی چیز ہے تو اُسکی حقیقت ایک بالاتر ہستی کو ماننے کے سوا اور کچہہ نہین اور اسکو ماننے انسان کے دلمین خودبخود یہ خیال پیدا ہوتا ہی کہ اس ہستی کا وصال سب سے بڑی نعمت ہی اور سب سے بڑا کمال ہی اور اس خیال اس نعمت وہ کمال کو حاصل کرنیکی آرزو پیدا ہوتی ہی اور ساتہہ ہی دلمین یہ عقیدہ بہی فطرۃً ودیعت ہی کہ اس ہستی کو ملنے یا اس کمال کو حاصل کرنیکا موقع اس زندگی اور اسکے علایق سی نجات پانیکے بعد ہوگا اور اس طرح کمال تک پہنچنا اس ہستی کیساتہہ دائمی وصال حاصل کرنا اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنا یہ آرزوئین مذہبی جذبہ سے پیدا ہوتی ہین اور اس لئے ان کو مذہبی ضرورتین کہنا بجا ہے مگر دنیا مین جس قدر مذہبی اختلافات موجود ہین وہ ان ضرورتون کو پورا کرنے کے وسائل مین پیدا ہوتے ہین۔ اور پادری صاحب کا منشا اسی اختلاف کو دور کرنے اور خاص وسائل معین فرمانے کا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ گنہ گار اور ناپاک زندگی بسر کرنے والے

کمال اور وصال ربانی کو حاصل نہین کر سکتے اسلئے پاکیزگی کی ضرورت ہی اور پاکیزگی اُن کے خیال مین یونہی
پیدا ہو سکتی ہے کہ ناپاکی کا عوض اور کفارہ ادا کیا جائے اور نیز ناپاکی کا زنگ دور کرنے کے لیئے کوئی
خدائی طاقت رکھنے والا ہادی ہو اسلئے اُن کے نزدیک یہ چیزین مذہب کی دوسرے درجہ کی ضرورتین
ہین اور چونکہ مذہب عیسوی مین ان ضرورتون کا اہتمام کیا گیا ہے اس لیئے انکا ضمنی دعویٰ ہے
کہ یہ مذہب تمام مذاہب سے فائق ہے اور بیشک اگر کفارہ او نجات دہندہ کی ایسی ہی ضرورت ہو
جیسی وہ ظاہر کرتے ہین اور اگر واقعہ مین خدا کبھی اُن گناہگارون کیلئے خود کفارہ بن گیا ہو
جو انکی بادشاہت مین داخل ہونیکا اعتراف کرتے ہین اور اس غرض کے لئے اُس نے کبھی نجات دہندہ
کی شکل مین ظہور کیا ہو تو پھر مذہب عیسوی کی فوقیت مین کلام نہین مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتون
مین کلام ہے اور مسلم صرف اس قدر ہے کہ انسان کو خدا سے ملنے کیلئے دل کو صاف کرنا ضرور ہے
اور یہی صفائی کو حاصل کرنے کے وسائل وصال ربانی کے وسائل ہو سکتے ہین۔ مگر اس مقدمہ کو
بھی عام طور پر تسلیم کر لینا اور بات ہی اور جس وجہ سے وہان تک پہنچنے کیلئے صفائی کی ضرورت ہی اسکو
تلاش کرنا اور ہے چنانچہ وجہ دریافت ہونیکے بعد وسائل کو معین کرنا چاہئے۔

پاکیزگی دل کی ہونی چاہئے

اب اگر خدا کوئی جسم ہوتا اور کسی خاص مکان مین موجود ہوتا تو ایک نوع وہان جانے کیلئے
وسائل نقل و حرکت کی ضرورت ہوتی یا اگر وہ جسمانی ہونیکے ساتھ لطیف مزاج اور عالی دماغ بھی ہوتا تو کسی
حد تک جسمانی پاکیزگی اور ظاہری نمود کی حاجت ہوتی۔ اور دوسرے ایسے کام کرنے کی ضرورت ہوتی
جس سے اسکو راحت یا فائدہ پہنچے اور وہ خوش ہو کر ہمارے جانے پر خیر مقدم کہے۔ مگر دل مین صفائی ہوتی
یا نہ ہوتی اور کسی سے کینہ ہوتا یا محبت ان باتون کا وہان جانے دجانے پر کچھ اثر نہ ہوتا لیکن مشکل یہ ہوئی
کہ مذہب نے خدا کو جسم سے پاک جسمانی اوصاف سے منزہ اور تمام حاجتون سے بے نیاز بنایا اور اس تک
جانے کی ضرورت اس لیئے بنائی کہ خود انسان کو اس سے ملنے پر کمال حاصل ہوتا ہی۔ اور اس وجہ سے نہ انسان
کو جسمانی طور پر کہین آنے جانے کی ضرورت رہی اور نہ وسائل نقل و حرکت کی یا خدا کو راحت پہنچانیوالے
اشغال کی حاجت رہی۔ اب یہ رہگیا دل و دماغ اور دیکھا گیا کہ انکو ہم کسیطرف لگا سکتے ہین اسلئے ماننا پڑا کہ دل کو

اس طرف لگانا ہی وہ ذریعہ ہے جس سے غیر جسمانی ہستی تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اور دلی توجہ کی یہ صورت ہے کہ جس طرف اسے لگایا جائے اس طرف ترقی ہوتی جاتی ہے اور اسکے خلاف سے غفلت ہونے لگتی ہے اور اُدھر خدا کامل صداقت اور راستی ہے اسلئے سمجھا گیا کہ دل میں صداقت کی محبت اور عقائد اور اعمال دونوں میں صداقت کا لحاظ رکھنے سے ترقی کرتے ہوئے کامل صداقت تک رسائی ہو سکیگی اور اسکا خلاف کرنے سے اس طرف سے غفلت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس طرح عبادت۔ صداقت۔ عدالت وغیرہ اوصاف خدا تک پہنچنے کے وسائل اور کار ثواب قرار پائے۔ اور انکے خلاف افعال خدا سے دور کرنیوالے اور گناہ سمجھے گئے ۔

توبہ سے دل صاف ہونے میں شک نہیں۔

وسائل کے بارہ میں اس حد تک کسی مذہب کو انکار نہیں مگر اب انسانی حالت کو دیکھا گیا اور بہت سے لوگوں کو گناہ میں مبتلا پایا گیا اور سوال ہوا کہ یہ لوگ خدا کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بالعموم یہ جواب ملا کہ ان افعال کو چھوڑ کر صداقت اختیار کرنے سے۔ اور ایک طرف سے آواز آئی کہ یہ کافی نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہے۔ اس کہنے والے نے کہا تو یہاں تک ہے کہ عقلی طور پر کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن ہی نہیں۔ گویا حد ہو گئی۔ مگر پھر بھی دیکھنا تو چاہئے شاید اصلاح حال کی کوئی صورت نکل سکے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ گناہ وہ افعال ہیں جن میں حق اور صداقت سے غفلت ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص انہیں مبتلا ہے اور وہ انکو چھوڑنا ہی نہیں چاہتا اور خدا تک پہنچنے کی خواہش نہیں رکھتا تو جب تک اسکی یہ حالت ہے کوئی مذہب اس کیلئے تدبیر کار نہیں نکال سکتا۔ لیکن اگر اس کے دل میں وصال ربانی کی خواہش پیدا ہو اور اسوقت اپنے تئیں اُن افعال میں مبتلا دیکھے جو اس کی محبت کے خلاف ہیں تو اس صورت میں اسے بیشک افسوس ہوگا۔ مگر یہ افسوس کیا ہے ؟ ہم کسی چیز کو یاد رکھنا چاہتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا خیال آتا ہے اور بھول جانے پر افسوس ہوتا ہے تو جس قدر افسوس زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس وقت اُس چیز کی یاد دلپر نقش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں محبت کی خواہش ہے۔ اور محبت کو کم کرنیوالے افعال پر افسوس ہے اسلئے جس قدر افسوس زیادہ ہوگا اسی قدر محبت کا جوش ترقی کریگا۔ اور اگر اس افسوس سے ان افعال کو

ترک کرنیکا اور آئندہ کیلئے محبت کو بڑھانیوالے افعال پر کاربند ہونیکا عزم ہوگیا ہے اور اس عزم کے موافق عمل بھی ہونے لگا ہے یعنی سچی توبہ میسر ہوئی ہے تو پھر جو محبت پیدا ہوگی اسمین ترقی نہ کرنیکے معنی؟ اور اصلاح حال نا ممکن ہونیکی کیا وجہ ؟

گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پارسائی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے۔

رہا یہ کہ کفارہ کی بھی ضرورت ہو۔ سو بیشک اس قدر مسلم ہے کہ جو تکلیف پارسائی پر کاربند ہونے سے پیش آئے اسے برداشت کرنا اور جو لذت یا راحت گناہ سے حاصل ہوتی ہو اسے ترک کرنا ضرور پڑتا ہے اور اس کے بغیر وصال ربانی کا خیال وہم سے زیادہ نہین اور اسلئے کہ سکتے ہین کہ اسوقت کی تکلیف کفارہ ہے اس راحت کے لیئے جو اس نے گنہ گاری کی حالت مین حاصل کی ہے۔ اور بیشک ایسے کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن نہین لیکن اگر کفارہ سے یہ مطلب ہو کہ خدا کو بھلانیوالے افعال سے لذت ہم حاصل کرین اور کسی اور کے تکلیف اٹھانیسے اس لذت کا کفارہ ہوجائے اور اس شخص کی بھی جفاکشی سے ہمارا دل خدا کی محبت سے معمور ہو تو اس دعوے کو عقلی طور پر سمجھانے کی کوشش فضول ہے۔

دوسرے کی تکلیف سے دل صاف نہین ہوسکتا

وہ کہتے ہین کہ دنیا مین نیک بدون کیلئے تکلیف اٹھاتے اور انکو تکلیف سے بچاتے نظر آتے ہین۔ بیشک ایسا ہوتا ہے مگر ایسے افعال ہین جن کو محض جسم سے تعلق ہے یعنی کہین آگ لگتی ہے اور گھر والون کی کسی نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیک دل اس مین کود پڑتے ہین۔ آگ کو بجھاتے ہین۔ جہانتک ممکن ہوتا ہے اسباب کو جلنے سے بچاتے ہین اور جو کچھ جل چکتا ہے باہمی امداد سے اسکی تلافی کرتے ہین۔ یا کوئی ملک اپنی جہالت یا سستی کے سبب کسی ظالم کی دست برد سے مغلوب ہوجاتا ہے اور محب وطن اشخاص اپنی جان جوکھون مین ڈالکر اسے دستبرد سے محفوظ رکھتے ہین جس طرح یہ مدد پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح اس صورت مین بھی مدد کا پہنچنا ممکن تھا جبکہ خدا جسیم ہوتا اور لوگ اسکی طرف جانیکی بجائے خلاف سمت کو چل پڑتے تو نیک بندے بھی اپنے سیدھے رستہ سے ہٹ کر ان کے پیچھے دوڑتے انھین پکڑتے۔ ہاتھ پاؤن باندھکر کندھون پر ڈال لیتے۔ جھگڑون مین لاتے اور گھسیٹتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچا دیتے مگر ابتو دل کا معاملہ ہے۔ وہ سیہ ہوچکا ہے اور محبوب کا نقش جو اس پر کندہ

ہونا چاہئے مٹا ہوا ہے اسوقت ضرورت ہے تو اس آئینہ کو صیقل کرنے کی اور اگر کفارہ ہے تو وہ رگڑ خود اسکو چھیلے۔ مگر اسکی بجائے چھیلا جاتا ہے کسی اور آئینہ کو جو پہلے ہی صاف ہے اور سزا دی جاتی ہے اُس ہستی کو جو جرم سے پاک ہے اسلئے کیونکر ممکن ہے کہ ایسے غیر متعلق فعل سے گنہ گارون کے دل کی سختی دور ہو اور خدا کی محبت ترقی کرے

خدا خود کھینچنا چاہے تو اُسے کفارہ بنکر تکلیف اُٹھانیکی بھی ضرورت نہین

وہ کہتے ہین کہ ممکن ہے خدا خود کفارہ بنے اور اپنے رحم سے بندہ کو اوپر کھینچے۔ اسمین یہ جملہ بیشک صحیح ہے اور خدا کا رحم بندون کو کھینچنے کیلئے کافی ہے۔ مگر اول تو سوچو دنیا کا نظام باآواز بلند کہتا ہے کہ ہر مسبب کے لیئے سبب ہوتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اپنی لامحدود قدرت سے سب افراد کو ایک سطح پر رکھتا مگر اُسکا قانون ہے کہ جس قدر صلاحیت ہو اسی قدر انعام ملتا ہے اور دوسرے اگر وہ بندون کے افعال اور اُن کے نتائج کے قانون کو توڑکر اپنے لامحدود رحم سے کھینچنا چاہے تو اس قانون کی بھی ضرورت نہین کہ خود اُن کیلئے تکلیف اُٹھائے اور کفارہ بنے۔ اور اگر خدا کو کفارہ بنایا جاتا ہے تو گویا تسلیم کیا جاتا ہے کہ رحم کو استعمال کرنیکے لیے کسی ضابطہ کی ضرورت ہے اور نجات دینے کیلئے کوئی سبب ہونا چاہیے اور جب کسی ضابطہ اور سبب کی ضرورت ہے تو ضابطہ وہی قرار دینا چاہیئے جو دُنیا کے دیگر ضابطون سے مشابہ ہو اور سبب وہی ماننا چاہیے جو مسبب کے مناسب حال ہو یعنی یہ کہ اگر گناہون سے پشیمانی ہوگی تو محبت بڑھیگی اور محبت بڑھیگی تو وصال ہوگا۔ نہ یہ کہ سبب تلاش ہی کیا جائے اور پھر ایسے سبب کو مانا جائے جس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو یعنی ایک سزا پائے اور دوسرے کا دل صاف ہو۔

دنیا مین ہادی کی ضرورت ہے

اسی طرح ایک نجات دہندہ کی ضرورت جو پادری صاحب کو محسوس ہوتی ہے اس سے اگر یہ مطلب ہو کہ ایسے نجات دہندہ کی ضرورت ہے جس مین خدا خود ظہور کرے اور وہ خدائی طاقتون سے انسان کو اپنی طرف کھینچے تو اسکی ضرورت مسلّم نہین کیونکہ گو تمام دُنیا خدا کی طرف سے ہے اور یہان کے تمام واقعات اسی کی قدرت سے ہوتے ہین مگر اُسکا قانون ہے کہ اُسنے تمام واقعات کو ایک دوسرے پر مرتب کیا ہے اور اس سلسلہ مین جب نوبت انسان کی پیدائش تک پہنچی ہے تو اسمین ہر قسم کی ترقیون کیلئے یہی دستور رکھا گیا ہے کہ ایک خواہش سب کے دل مین موجود ہوتی ہے اور چند افراد یہ قابلیت رکھتے ہین کہ اس خواہش کو ترقی دیکر کسی اچھے نتائج تک پہنچین اور پھر اُنکی رہنمائی سے وہ لوگ جو ویسی ہی خواہش رکھتے ہون اس قابلیت کو تعلیم و تعلم سے حاصل کرین۔ غرض یہ کہ دُنیا

مین خدا بیواسطہ اور خود ظہور کر کے کوئی کام نہین کرتا۔ بلکہ ابتدائی خواہش سب کے اندر اور ایجاد و دریافت کی
قابلیت بعض مین ودیعت کر کے مختلف علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے پس مذہب کے لئے اس عام قانون قدرت کے
خلاف کسی خاص شکل مین خود ظہور کرنا اور اپنی خدائی طاقت سے لوگون کو کھینچنا بقول پادری صاحب "مطلقا
طور پر" تسلیم نہین ہو سکتا۔ اور اگر پادری صاحب کا یہ مدعا ہو کہ کسی انسانی رہنما کی ضرورت ہی تو یہ بیشک
درست ہی اور فی الحقیقت انسان نفسانی خواہشون سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ جو خواہش دل مین نیکی
کی جانب جانیکے لئے ودیعت ہی اکثر اسے کھو دیتا ہی اور نیز خواہش موجود ہو جب بھی اکثر اپنے خبث باطن سے
بدی کو نیکی سمجھ لیتا ہے اور جس نور کا فیضان جناب الہی کیطرف سے ہو رہا ہی اسکو قبول کرنیکی صلاحیت ضائع کر دیتا ہے
اور ہمیشہ ایسے ممتاز اشخاص چند ہوتے ہین جو اپنے دل کو آلائشون سے پاک رکھ سکتے ہین اور وہ نور جو ہر شخص
کی فطرت مین ودیعت ہی ان لوگون مین ترقی پا کر انکو ایسی جلا دیتا ہے کہ آئندہ اور نور ربانی کو اخذ کرنے کے
قابل ہو جاتے ہین اور اپنی اپنی استعداد کے موافق جلوہ ہائے معرفت کے تجربون یا بالفاظ دیگر وحی والہام
سے نیکی اور بدی مین تمیز کرنے اور وصال ربانی کے طریق دریافت کرنے مین کامیاب ہوتے ہین۔ اور
انکی وساطت سے عوام کو اس منزل کی شناسائی اور راہ روون کی صعوبتون اور کامیابیون کی تفصیل معلوم ہوتی ہے

غرض ہمکو پادری صاحب سے اس بارہ مین اتفاق ہی کہ ایسے رہنماؤن کی ضرورت
ہے اور یہ بھی ہم مانتے ہین کہ جلوہ ہائے معرفت ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے اور
اسلئے جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر ہو چکا ہے اس فعل مین فاعلی حرکت خدا کی طرف سے

مدد بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہی مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اسکے ظہور مختلف ہوتے ہین۔

ہے اور انسان کا فرض صرف انفعالی قابلیت کو پیدا کرنا ہے اور اسلئے پادری صاحب کا یہ قول بالکل سچا ہے
کہ "ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے"، لیکن اس قدر ماننے سے کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہین
ہو سکتی کیونکہ ایسے نفوس قدسیہ بہت سے گذرے ہین اور ہر مذہب کسی نہ کسی ایسے ہی رہنما کی پیروی کرتا ہے اور
ان مین جو اختلاف ہی وہ اسلئے ہی کہ کچھ تو جلوہ ہائے معرفت کو قبول کرنیکی استعداد مین مختلف رہی ہین اور
جیسا کہ عام طور پر ترقی کا قاعدہ ہے یہان بھی معرفت بتدریج ناقص سے کامل ہوتی گئی ہی اور مذہبی تعلیم
مین مختلف اقسام کے نقص رہ جانے سے مذہبون کی شکلین مختلف ہو گئی ہین اور کچھ بعد مین انکی تعلیم کو پورے

طور پر محفوظ نہ رکھنے سے یا اپنی نفسانی خواہشوں کو ملا دینے سے اصلی تعلیم پر کئی طرح کے پردے پڑتے گئے ہین پس اب ایک تعلیم کو دوسری پر ترجیح دینے کیلئے اسکے سوا کوئی سبیل نہین کہ عقل کو معیار گردانا جائے اور تعلیم کو فطرۃ اللہ سے مقابلہ کر کے کامل غور و تدبر سے غلط آمیزشون کو نکالا جائے - اور چونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے اور نیز اس زندگی کے بعد آئندہ بقائے دوام کا یقین دلوا تا ہے اسلئے مذہب مین غور کرنیکے لیئے یہی تدبیر مناسب ہے کہ خدا کی نسبت جس قدر مختلف خیالات مذاہب نے پیش کیئے ہین یا معاد کے متعلق جس قدر عقاید پیدا کیئے گئے ہین انکو دیکھا جائے کہ عقل کے نزدیک ان دونو عقیدون مین کونسا احتمال قرین قیاس ہے اور کس کی نسبت عقل سلیم اور قوت استدلال ناممکن یا غیر اغلب ہونیکا فیصلہ کرتی ہے -

اختلافون کو دیکھنے کا نتیجہ

چنانچہ اس تحریر مین اس موضوع کے متعلق جس قدر غور ہو سکا ہے اس سے نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ ایک علیم و قدیر ہستی قدیم سے موجود ہے اور اس نے اپنے علم و قدرت سے اس کائنات کو نیست سے ہست کیا ہے اور انہین وجود اور اسکی ترقی کا وہ سلسلہ قایم کیا ہے جو اگر اسکی مشیت ہو تو ابدالآباد تک جاری رہیگا - اور جس چیز مین جس حد تک استعداد ہے وہ انہین لامحدود ترقی کریگی - اور اس ترقی کی ایک صورت ہے جس پر چلنے سے اس ہستی کا قرب اور قرب کی نعمتین حاصل ہونگی اور دوسری صورت پر کاربند ہونے سے اس سے بُعد اور بُعد کی تکالیف پیش آئینگی اور یہ نتیجہ اُن قوانین قدرت کو مطالعہ کرنیسے پیدا ہوا ہے جو اس کائنات مین جاری ہین - اور جو اقوال مذہبی قدرت کیطرف منسوب کئے جاتے ہین انہین سے انہی کو مستند مانا گیا ہے جو قدرت کے افعال سے مطابقت رکھتے ہون - اور اثنائے تحریر مین اکثر بزرگوارون کے موافق و مخالف اقوال سے بحث کی گئی ہے اور اب آخر مین پادری صاحب کی وجہ سے اُس کوشش کا تجربہ کیا گیا ہے جو ایک بڑے مذہب کیطرف سے بعض غیر ضروری عقائد کو ثابت کرنیکے لئے کیجاتی ہے - اور دیکھا گیا ہے کہ ایسی کوشش کیلیئے خواہ کیسے ہی قابل ہاتھون سے کام لیا جاے مدعا کو ثابت کرنا دشوار ہے - البتہ جو کچھ پادری صاحب کی تحریر سے ثابت ہو سکتا ہے اور جسکی نسبت اس تحریر مین پہلے بھی بہت کچھ غور ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اس ہستی کا قرب حاصل کرنیکے لئے قلبی پاکیزگی کی ضرورت ہے اور قلبی پاکیزگی ظاہر ہے کہ صداقت سے ہو سکتی ہے اس لیئے قرب خداوندی کیلیئے صداقت کی ضرورت ہے اور اعتقاد ہو یا عمل - قول ہو یا فعل ہر امر مین راستی ہی وہ نور ہے

جو دل کو روشن کرتا ہے اور ناراستی اور غلطی کسی شکل میں ہو وہ زنگ ہے جو آئینہ دل کو مکدر اور جلوۂ ربانی کے ناقابل بناتا ہے۔

نتیجہ کے بعد کا فرض

پس اگرچہ نتیجہ۔ اگر گذشتہ تحریر کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو نہایت واضح اور ناقابل اشتباہ ہے۔ مگر آہ! اس نتیجہ پر پہنچکر نظر عملی حالت کو تلاش کرتی ہے اور اپنی ہوا و ہوس اور اعمال ناشائستہ سے بد نتیجہ مترتب ہونیکا خوف ہوتا ہے۔ اور اگر یہی حالت رہی تو ہلاکت میں شبہ نہیں۔ قدرت کے قوانین محکم ہیں اور کوئی جانکر کنوئیں میں گرے یا غلطی سے جان پر مصیبت آئی ضرور ہے بلکہ جانکر گرنے میں پہلے سے ہلاکت کا خوفناک دیو نظر آنے لگتا ہے۔ پس کاش یہ علم نہ ہوتا! تا جو مصیبت آنیکو ہے اسکے علاوہ اپنی حالت کا افسوس کم از کم اس زندگی میں سوہان روح نہ ہوتا مگر اب اپنے افعال اپنے ساتھ کچھ بھی سلوک کریں اسمیں شبہ نہیں کہ نجات راستی پر کاربند ہونے اور ناراستی کو بہمہ وجوہ ترک کرنے پر منحصر ہے۔ اور ہوا و ہوس کا ایک طوفان اور ناواجب خیالات کا ایک دریا ہے جسکو کاٹ کر ساحل مقصود پر پہنچنا ہوگا۔ اور اب جبکہ فضائے عدم سے تنگنائے وجود میں قدم رکھا ہے تو جو واقعات پیش آئیں انہیں برداشت کرنے سے مفر نہیں۔ ورنہ معلوم ہونے پر افسوس کرنا نفس کا دھوکا ہے۔ ورنہ عمل کی بنیاد علم ہے۔ اگر جاذبہ ربانی مدد کرے تو کیا عجب ہے کہ نشانہائے راہ منزل تک پہنچانے میں مدد دیں اور اسکی رحمت سے اس طوفان کو عبور کرنے میں سہولت ہو۔ خدا کا نام لیکر سفر زندگی کو نشانہائے ہدایت کے موافق طے کرنیکی کوشش ضروری ہے۔ اور یہاں سے چلنا اور وہاں تک پہنچنا اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔

درین طوفان بے پایان۔ درین دریائے موج افزا
دل افگندیم۔ بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

تمت بالخیر

نام کتاب	صفحات	نام مصنف	قیمت
کتاب المحبت والشوق مصنفہ امام غزالی رح	۱۱۳	مترجمہ نواب محسن الملک مرحوم	۸/
الصلوٰۃ والسلام	۲۴۰	قاضی محمد سلیمان	عہ/
تہذیب اللسان	۱۴	مولوی محمد امام الدین	۱/
سوانح سلطان حیدر علی	۴۰۸	مولانا اشہری مرحوم	۱۴/
سوانح ٹیپو سلطان	۲۳۶	"	۸/
تاریخ التاریخ	۵۰	مولانا محمد مرتضےٰ	۳/
صلہ رحم	۳۴	مولانا عبدالحی	۳/
روح کی بیماری	۸۴	مولانا فدا علیخان ایم اے	۴/
معیار الاخلاق	۴۸	خواجہ غلام الحسنین	۶/
تفسیر السموات	۱۲۰	سر سید احمد مرحوم	۸/
الایمان	۱۱۶	مولانا محمود علی پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ	۶/
خطبات احمدیہ معہ تصویر سر سید	۶۹۰	سر سید مرحوم	عہ/
ادلۃ الکرام فی اثبات عقاید الاسلام	۱۸۲	منشی عطا محمد	عہ/
الاسلام	۱۶۸	مولوی فتح محمد	۸/
حقیقۃ السحر	۴۸	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۳/
دین الفطرۃ	۵۸	علامہ شیخ محمد عبدالعزیز شاویش مصری	۶/
اسلام کی حقیقت	۳۲	منشی عطا محمد	۴/
اسلام کی دنیوی برکتیں	۱۳۶	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۸/
تقلید وعمل بالحدیث	۱۳۴	نواب محسن الملک مرحوم	۸/
شہادۃ الفرقان علی جمع القرآن	۱۳۰	شیخ عطاء اللہ پلیڈر	۸/
الدین یسر	۴۰	مولانا حالی	۳/

نام کتاب	تعداد		
تطبیق مذہب وسائنس	۴۸	مترجمہ مسٹر عبداللہ مہلس	۳/
سکا نشنس	۲۰	سرسید مرحوم	۱/
فطرت اور قانون فطرت ..	۶۴	نواب محسن الملک مرحوم	۳/
تہذیب	۴۸	مولانا حالی	۲/
یورپ اور قرآن	۴۴	مولوی چراغ علی مرحوم	۳/
تحقیق اناجیل ہر دو حصہ	۲۹۵	ڈاکٹر صادق علی خان	۵/
حضرت ہاجرہ	۳۶	مولانا عنایت رسول و مولوی چراغ علی مرحوم	۲/
تاریخ القرآن	۱۰۵	اسلم جیراجپوری	۱۰/
حضرت عیسیٰ	۲۰	مولوی چراغ علی مرحوم	۱/
مہدی آخر الزمان	۴۰	سرسید مرحوم	۲/
سلیمان علیہ السلام	۶۸	مولوی چراغ علی مرحوم	۴/
تمدن اسلام حصہ اول و دوم	۵۱۲	جرجی زیدان	۲
اسلام اور سوشیل ریفارم	۶۲	محمد رفیق بک مصری	۸
المراۃ المسلمہ	۱۸۰	علامہ فرید وجدی	۸/
مسلمانوں کی تہذیب	۵۴	نواب محسن الملک مرحوم	۴/
مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تنزل کے اسباب	۱۲۸	" " " ..	۳/
فطرۃ الاسلام	۲۴۸	صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علیحسن	۱۲/
معرکہ مذہب وسائنس	۵۲۰	ظفر علیخان بی اے	[illegible]
فلسفۃ القرآن	۳۶	مولانا عبیداسد العمادی	۲/
فلسفہ ابن عربی	۲۰	" " "	۲/
صناعۃ العرب	۵۲	" " "	۳/

مفصل فہرست معہ سوانح عمری نواب محسن الملک مرحوم ار کے ٹکٹ آنے پر مفت ارسال کی جاتی ہے

المشتہر

مینیجر مطبع روز بازار امرتسر